

WWW.PAKSOCIETY.COM

نئی نئی کے مصنفات محترمہ انیسویں جلد

سازگار

سازگار

chalpik.com aanchalnovel.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیش
نومبر ۲۰۱۱ء
مشارکتی ادارہ پبلشرز
پبلسٹیون ایس

aanchal.com.pk

پاکستان کے مختلف علاقوں سے آرٹیکلز، ناول، کہانیاں اور نثر



نارہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

onlinemagazinepk.com/recipes



اپریل 2015ء کے شمارے کی ایک جگ

فلینڈرز خانہ: یہ کہانی ایک اپنے سر آہن کی ہے جو حادث کا قلندر تھا۔ ان سے ان لوگوں کو اپنی دلیلیوں پر مہیا ہوا ہے
میں دیا کھیر کر نے کی دین میں انسانیت کے دشمن بن گئے تھے۔

یسا وہ: عدم اور اک سے ارتکب تک کی داستان۔ ایک بھروسہ کی راہ اور نئے اس کے احساس نہ امت نے مجرم نہ رہے
ویا۔ کسی برتر یہ اسی کی نظر کا کرشمہ۔ ایک سہولتی سہ امانی کا قلندر۔ کسی کی ہے لوٹ چاہت کی کہانی۔ ایک عظیم
ذی روح کی عظمت کا احوال جو صورت کی لایت بھلا کر اظہار کے آقا کو ہے۔ مال لکھتا رہا۔ ایک ہندو سولہ آپ
کی دیکھا ہونے سیتھ کی وصیت پر پاندرہ ماہ سلاٹوں نے پیچھے ہتھیار تھپ ہوں کے لیے اپنی آیت کرن۔ آیتوں کے
لیے بطور خاص آیتوں کی روشنی سے نکھارنے والا ناول۔

فلسطینی: بیت المقدس مسلمانوں کا قبہ اول اور مشرق بہاں اور سے عظیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مصرات پر تشریف لے گئے۔ او شہر نے بیخاں بیخاں سے اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر چنا۔ اور شہر جو تین صدیوں
نے مانگے انوں کے لیے مقدس ترین ہے۔ ای جی شہر نے نہیں بھلا جس نے ان کے لیے ایسا کان بنے آپ ہا
ہر پڑھنے پر مجبور ہوا جا گیا ہے۔ نیاں ایم اے کے کلم سے تدریسی نہیں پسند کرنے والوں کے لیے بطور خاص۔

بہت فضا: انسان کی زندگی کی اسی صورت اب اور سے ہاں سند سے بھی کج رہ گئی ہے اور اس کی وجہ تشریح اور جاپنی شکست
تجارت اور عیسائیت کے لیے مخصوص جہازوں سے تھیل کر تمام کو اس طرف لکھا ہے جہاں اور کرا بہت خاموشی سے
اپنی ہال میں جاتے ہیں۔ شہر ان کی یہی فرما دینے کی سوزا مات کو نپہ دینے کر انکی جہاں رہتے ہیں۔ نو شاہی ہال سے
معاشرے میں ہونے والی سرگرمیوں اور روہشت گردی پر بہت غور و فکر کے بعد علم لکھا ہے۔ سبھی جرائم نہیں کے لیے
بطور خاص ایک چشم کشا قریر ہے آپ نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

سلسل اشاعت کے 37 سال

سوانحی — عشاق اور عشق

سوانحی — تحریک

سوانحی — طاہر احمد شاہ

سوانحی — جمیل احمد

سوانحی —

37 جلد
01 شمارہ
اپریل 2015

شہزادہ امانت پور پبلشرز
0300-8264242



نگن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
نگن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
نگن جیمز آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

info@aanchal.com.pk

ki/women.magazine

pkwomenmagazine

ابتدائیہ

- 14 مدیہ سرگوشیل
 15 صبحِ رحمانی حمد
 15 ہنرا لکھنوی نعت
 16 مدیہ درجواب آل

دانش کدہ

- 20 مشتاق احمد قوشی مالکِ یومِ النون

ہمارا آنجل

- 24 صد مختار / سارا ملک مایہ احمد
 نوزین مسکان / بیگز

سروے

- 28 جگنو میر آنجل میں اوارہ

سلسلہ وار ناول

- 77 راحت و وفا موہلی محبت
 137 تیسرا شریف طور ٹوٹا ہوا تارا

مکمل ناول

- 39 فاخرہ گل لال جوڑا
 213 صرف آصف چاہت بھوپ چھوٹا آن



ناولٹ

- کچھ کمی سی ہے نگہت سیمہ 115
 آؤٹ عنیقہ محمد بیگ 169
 محبت دل کا سجد ہے سباس گل 191

افسانے

- چشم نم تونہ چھٹک اقبال بانو 109
 میر بخت میں درج ہے طلعت نقاش 185
 تہی دست نازیہ جمال 253
 محبت مجبوری تک اٹمامہ 265
 سیمانیت عام 271

پشاور: مشتاق احمد شریف پبلشرز، سٹیٹ ہسٹریٹ، سٹیٹ ہسٹریٹ، پشاور۔
 باقی اضلاع کے لیے: پشاور، سٹیٹ ہسٹریٹ، سٹیٹ ہسٹریٹ، پشاور۔
 74408



ورق کرن آراش روز بیوی مارل ... عکاسی سہوی رضا

منسقل سلسلے

- | | | | | | |
|-----|-------------------|-------------------|-----|----------------|------------------|
| 292 | بہ احمد | دوست کا پیغام آئے | 277 | حافظ شہیر احمد | خانی مسائل کا حل |
| 299 | جویریہ سالک | یادگار لمحے | 279 | میمونہ رومان | بیاض دل |
| 305 | شہباز عامر | آئینہ | 281 | طلعت آناز | وشش مقابلہ |
| 312 | شائلہ کاشف | ہم سے پوچھئے | 285 | روبین احمد | بیوی گائیڈ |
| 317 | بومیوہ انزہ شہمزا | آپ کی صحت | 287 | ایمان وقار | نیرنگ خیال |
| 321 | حنا احمد | کام کی باتیں | | | |

ڈیوٹن ہسٹو کھانا نامہ آئیڈیل پوسٹ نمبر 75، پتہ 74200، فون نمبر 021-35620771/2
 فون نمبر 021-35620773، ای میل ایڈریس: info@aanchal.com.pk

حکایت

نعت

نشاں اسی کے ہیں سب اور بے نشاں وہ ہے
چراغ اور اندھیرے کے درمیاں وہ ہے
نمود لالہ و گل میں وہی ہے چہرہ نما
شجر شجر پہ لکھا حرف و استاں وہ ہے
جبین شمس و قمر اس کے نور سے تاباں
سنہری دھوپ ہے وہ حسن کہکشاں وہ ہے
اسی کی ذات کے ممنون ضد و خال حیات
کہ اور کون ہے صورت گر جہاں وہ ہے
ہر اک افق پہ اسی کا دوام روشن ہے
جوشے ہے قافی ہے بس ایک جاوداں وہ ہے
اس کی یاد ہو سے کلام کرتی ہے.....
بے جس کے ذکر سے آباد صبر جاں وہ ہے
سکوت نیم شب میں پکارتا ہوں اسے
کہ میں ہوں درد کی دستک در اماں وہ ہے
زبان اشک سے مانگو دنا میں بخشش کی
یا رحیم نہایت ہی مہرباں وہ ہے
اسی کی مدد میں لوہے سے ہے لفظ صحیح
سخن کا نور ہے وہ لذت بیاں وہ ہے

صبح رحمانی

اللہ اللہ پھر دل کی قسمت کھلی روح کو پھر سکون کا پیمانہ گیا
پھر مدینے کے دن یا آئے لگے پھر تصور میں باب السلام آیا گیا
جب ریاض الجنان میں جنیں جنت گئی اللہ اللہ کیا سر کولذت ملی
عالم کیف بگردوں پہ طاری ہوا منزل و ہد میں ہر قیام آیا گیا
تجھ پر قریاں مدینے یہ قلب و جگر اللہ اللہ یہ تیرے شام و سحر
اک عجب کیف میں بقت صبح آ گیا اک عجب کیف میں شام آیا گیا
اسے تصور یہ تیری کرم بارینا، سامنے آئیں وہ حسین ہانیاں
جس جگہ سر تو سر روح ٹھنسنے لئی وہ جگہ گئی وہ مقام آیا گیا
بے خورد بے خورد کس ذرا صبر کرست: اونے بھی دے میرے قلب و دہر
کوئی پڑھنے لگتے خیر البشر ﷺ ان کا آ گیا ان کا آ گیا
ہاں ہی دے سے ملے ہیں دنیا و دوزخ ہاں ہی دے سے ملے ہیں علم و تہمتیں
دو جہاں میں جواب دید نہیں جو بھی گریاں گیا شاد کا آ گیا
اب تو رہتا ہے لب پر درد و آہ: سہا ب نہیں کوئی مجھے دوزخ مانے۔ تمام
ان کے سدا سے میں بہرہ منظر مجھے جو بھی آتا نہیں نماز و کلام آیا گیا

بہتر آتشوی

دعا کی حدیدیت

عزیزی سدا خوش رہو آپ کو ملگنی کی بے حد مبارک باد
ہاں ہی سچ پر ہمارے لیے توئی ہیں اور یہ سن کر بھی خوشی ہوں
آپ بھی جلد اپنے چائے آگن میں اترنے والی رہے اس کی
بھی بہت بہت مبارک باد قبول ہو۔ ہم آپ کی زندگی کے اس
نئے سفر کے لیے دعا گو ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو سبے شمار
خوشیاں راحتیں عطا فرمائے اور آپ دونوں کو اس سفر میں
کامیابی و کامرانی عطا فرمائے اور دونوں گھرانوں کے لیے
باعث رحمت ہو آمین۔

شہزادی شاہانہ..... نواب شاہ

بیاری شہزادی! امید ہے حراج گرامی بھی شہانہ ہوں گے
موسم آدھرتے ہی رہتے ہیں ابھی آپ ان موسموں کی طرح نہ
جلیں۔ اب بغور دیکھ لیں کہ آج کل میں آپ کا نام جگمگا رہا
ہے۔ خوشگساریں گے کہ ہمارا آج کل میں بھی جلدی آپ ہر شریک
کیا ہو سکتے۔ امید ہے شہزادی صاحبہ کی خط لکھ دو رہو گئی ہوگی۔

ارم کمال..... فیصل آباد

ذییرا! اسدا سہاگن رہو آپ سے نصف ملاقات ہمیں
بھی بے حد اچھی لگتی ہے۔ تعارف بھیج دیجیے البتہ انتظار کی
رحمت کے لیے بھی تیار رہیے گا کیونکہ سب کو ان کی تعداد میں
ہمارے پاس تعارف موجود ہیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی سزین
کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آپ کا کہنا بہا ہے کہ بچوں کے
امتحانات سے زیادہ بڑی محسوس ہوتا ہے کہ ماؤں کے امتحانات
ہو رہے ہیں بہر حال اللہ سبحانہ و تعالیٰ بین دنیا دونوں
امتحانات میں تمام بچوں کو کامیابی و کامرانی عطا فرمائے آمین۔

نورین شفیع..... ملتان

ذییر زورین! شادوا رہو آپ کا کہنا بجائے شادی اور
بچوں کی مصروفیت میں اچھی ذات اور اپنے پسندیدہ مشاغل کے
لیے وقت نکالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ مطالعہ اور کتب بینی کا بھلا
شادی سے یہ ععلق یہ شوق تو انسان عمر کے کسی بھی حصے میں
جاری رکھ سکتا ہے۔ بہر حال آپ نے آج کل کے لیے وقت نکالا
انھانگا اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کے سب سے نئے آپ کے لیے باعث
خیر بادے آمین۔

طیبہ سعدیہ عطارہ..... سیالکوٹ

ذییر طیبہ! جگ جگ جیو آپ کو ہمارے جوابات سے تشفی
نتیجے تو یہ آپ کا حسن نظر ہے۔ آپ کی نگرشات ہمارے
پاس محفوظ ہیں گا بے بگاٹ شریک کرتے رہیں گے۔ تعارف
موصول ہو گیا ہے اور آپ کی تجویز نوٹ کر لی ہے البتہ آپ کی
فیہر حاضرین کی وجہ جاننے سے قاصر رہے۔

سحر انجم..... لاہور

نگھت عبد اللہ..... کراچی
عزیزی! بہن و قلم کار! خوش و خرم رہیں آپ اللہ سبحانہ و
تعالیٰ کی پاک ذات سے ہم امید ہیں وہ ان شاء اللہ آپ کی
والدہ کو جلد صحت کاملہ و شفاء ملی عطا فرمائیں گے اور ان کا سب سے
شفقت و رحمت تادریا آپ کے سر پر رحمت و ملامتی کے ساتھ قائم
رکھے آمین۔ ہم سب آپ کی والدہ کی جلد صحت یابی کے لیے
دعا گو ہیں اور تمام قارئین گرام سے بھی ملتیں ہیں کہ وہ بھی
آپ کی والدہ کی جلد صحت یابی کی دعا کریں۔

اقبال بانو..... بورس والہ

عزیزی! بہن و قلم کار! شاد و آباد رہیں آپ خوں
عرصے بعد آپ سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگتی ہے
اعتیاریوں پتایا

بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
بہر حال ویرا یہ درست آید اب یہ خوش و اارتھقات
بہاں رکھے گا۔ اسر جاج کل فرست کا وجود غنقا ہو چکا ہے
لیکن پھر بھی اپنے قیمتی لحاات میں سے کچھ ہل چہ اریا آپ
نے آج کل کے ازم کیے اور سالہ برو کے موقع پر اپنے خوب
صورت الفاظ کی صورت ایک قیمتی تحفہ ارسال کیا اس کے
لیے بے حد مشکور ہیں قارئین کے لیے بھی آپ کی شرکت
باعث مسرت ہوگی آج کل و پسند کرنے اور مرانے کا بے حد
شکریہ۔

نازیہ کنول نازی..... ہارون آباد

عزیزی سدا سگنی رہو آپ کی جانب سے یہ خوش کن خبر
سن کر بے حد مسرت ہوئی کتاب کا اگلے دن کاچ ہو رہا ہے تو
بے اختیار دل سے ڈھیروں ڈھیروں دعا میں لگیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ
آپ کا نصیب بے حساب بلندر کرے اور آپ کو اتنی خوشیاں
نصیب فرمائے جن کا شمار زمانہ بھی ممکن نہ ہو اور نون ہم بھی آپ کو
چھو کر نہ گزرتے اور آپ کا یہ نیا سفر آپ کی انگلیوں کے عین
مطابق ہو اور آپ دونوں کے دلال میں ایک دوسرے کے لیے
بیار رحمت اعتماد و اعتبار کی بہت ہی اچھی فضا کا قیام ہو آمین۔

سمیرا شریف طور..... گوجرانوالہ

ذیر عمر! جیتی رہو آپ کا افسانہ موصول ہو گیا ہے جلد ہی پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے آنکھ دھارے میں آپ جو بات میں دیکھ لیجے گا یا پھر ناقابل اشاعت میں آپ کو افسانے کے متعلق بتا دیا جائے گا۔

سلمیٰ عنایت..... کہلا بت قانون شب
ذیر عمر! جب تک جیو آجمل کو پسند کرنے کا بے حد شکر ہے تاکہ ان کے خوف سے ہمت نہ کرنا اور اپنا افسانہ نہ بھیجنا تو حماقت ہے اگر آپ کا لکھا رد بھی ہو گیا تو کم از کم اصلاح اور اپنی غلطیوں سے آپ کو آگاہی تو ملے گی ہاں ہی چاہے نب سے آپ کو اجازت سے جیو اپنا افسانہ ارسال کر سکتی ہیں۔

نیلیم شرافت..... جتوئی
عزیزی نیلیم! سدا مسکراؤ آپ کی نگارشات شائع نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ایک ہی سلسلے پر تمام سلسلے لکھ بند کیے ہیں۔ اب اس خط کے ساتھ ہی آپ کا بیخام اشعار و غزل سے تو آپ ہی بتائیے دیگر سلسلوں تک کیسے آپ کی نگارشات شائع ہو سکتی ہیں۔ آپ ہر سلسلہ کے لیے الگ صفحہ اور اپنا نام بھجوانے کا نام لکھ کر ایک ہی لفافے میں ارسال کریں۔

پاکیزہ ایمان..... کھروڑ پکا
ذیر پاکیزہ! سدا شاد رہو بزم آجمل میں شرکت پر خوش آمدید آجمل کو پسند کرنے اور سراہنے کا بے حد شکر ہے۔ آجمل کے لیے لکھا آپ کا شعر بھی آپ کی چاہت کا منہ بولنا ثبوت ہے۔

سیدہ فرزانه حبیب فرزین..... کواچی
ذیر فرزانه! سدا مسکرائی رہو آپ کے قلمی سفر کے متعلق جان کر اچھا لگا آپ کی تحریر جلد پڑھ کر آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔ لکھیں غزلیں اگر معیاری ہو میں تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

عذرا نواز..... حضور
ذیر عذرا! سدا مسکراؤ! رائے فرمنا آپ کا شوق ہے لیکن اس کے لیے بہت محنت اور وسیع مطالعے کی ضرورت ہے۔ بے شک آپ کے پاس بہت سے موضوعات ہیں لیکن انداز تحریر میں کچھ کا منہ منقود ہے۔ آپ کی دیگر کہانیوں کو پڑھنے کے بعد جلد ان کے متعلق آپ کا آگاہ کر دیں گے۔

عائشہ عارف..... گڑھا کنجال
ذیر عائشہ! آداب رہو آپ کے قلمی سفر اور شعراء کی ذریعے آپ کے آغاز کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ بہر حال آپ ہمیں ناول سے پہلے افسانہ ارسال کر دیتیں تو بہتر تھا بہر حال اب یہ ناول پڑھنے کے بعد ہی آپ کو اپنی رائے سے آگاہ کر سکیں گے۔

فی الدلائل آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔

نجم انجم..... کورنگی، کواچی
ذیر نجم! سدا خوش رہو آپ کے خط کا جواب عامر نے دو سب تو مذاق کی باتیں ہیں سلسلے میں کچھ کچھ پیدا کرنے کے لیے ایسا عنصر پیدا کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں کسی کے بھی ادبی جذبات و احساسات آپ کے لیے ہرگز ایسے نہیں آپ کی اس نرائے قدر و محبت کا بے حد شکر ہے۔

شگفتہ خان..... بھلوال
ذیر شگفتہ! جب تک جیو آپ کی ناساز طبیعت اب بہتر ہوئی ہوگی آپ نے اس حالت میں بھی قلم اٹھایا اچھا لگا آپ کی چھوٹی بہن کو اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کرنے پر ڈھیروں مبارک باد۔

تمنا بلوچ..... ڈی آبی خان
ذیر تمنا! سدا مسکرائی رہو آپ کی دونوں کہانیاں ہمیں موصول ہوئی ہیں اگر معیاری ہو میں تو ضرور حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ روحانی مسائل میں آپ کو جواب مل جائے گا آپ ہر ماہ باقاعدگی سے چیک کر لیں دیگر خدشات کو رد کر دینا آپ کے سوالات ضائع کریں گے اور جواب شائع ہو جائے گا۔

شازیہ خان..... آزاد کشمیر
ذیر شازیہ! جب تک جیو 1987ء سے آپ کا اوم آجمل کا ساتھ برقرار ہے جان کر بے حد خوشی ہوئی۔ مزید یہ کہ آن آپ نے ہمیں نصف ملاقات کا شرف بخشا بہت اچھا لگا۔ آپ کی تحریر ہمارے پاس محفوظ ہے سال گزرے بہت سے فراغت کے بعد بہت جلد آپ کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیں گے۔ بے شک آپ کی اہمیت اور مستقل مزاجی قابل تحسین ہے۔

انعم خان..... KTS ہری پور
ذیر انعم! سدا سہاگن رہو ایک طویل عرصے کے بعد آپ سے اور تصاویری صورت آپ کے نونہالوں سے نصف ملاقات بہت اچھی ملی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک ساتھ تین بچوں کی صورت میں آپ کو بہت عظیم خوبی سے نوازا دیا۔ تینوں ہی بے ماشاء اللہ سے حد کیوں اور شرارتی لگ رہے ہیں اپریل میں آپ کے بچوں کی سال گزرے گی آئی سے بے حد مبارک باد۔ بے شک ایک بچہ سنبھالنا مشکل ہوتا کہاں آپ تینوں کے فرائض بطریق احسن انجام دے رہی ہیں۔ ایک ساتھ تین جنتیں کیا ہی ہیں قابل تحسین خدمت و جذبات چیرا آپ کے۔ آپ کی تحریر خوب ہوئی ہے اوم آپ کے بچوں کی یہ تصاویر اب آجمل کے پاس محفوظ رہے گی۔

فائزہ بھٹی..... ہتوکی

ذخیرہ فائزہ! آباد رہو پھولوں کے شہر سے ارسال کردہ
آپ کا خط نہایت تاخیر سے موصول ہوا اس پر اتنا ہی کہیں
مے "دیرگی آنے میں تم کو شکر ہے پھر بھی آئے تو" اسی لیے
آپ کا تبصرہ شامل اشاعت نہ ہو سکا البتہ آپ کی نظم آئندہ
کے لیے محفوظ کر لی ہے۔

نورین مسکان سرور..... ڈسکہ

ذخیرہ مسکان! سدا مسکرائی رہو آپ کے نٹ کھٹ انداز و
القابات کو پڑھ کے بے ساختہ مسکراہٹ لبوں پر روا آتی ویسے یہ
آپ کی ہماری جانب سے غلطی ہے لہذا دور کر لیجئے آپ کا خط
بارہ تاریخ کو موصول ہوا جبکہ آپ کا شمار ہم پہلے ہی اپریل
کے لیے فائل کر چکے تھے لیکن آپ کو یقین کیونکر آئے؟ آپ
کے اشعار اور پیغامات محفوظ ہیں کوشش کریں گے کہ کسی میں
سب کو شامل کر سکیں اب تو انتظار کرنا سیکھ ہی جائیں۔

جویریہ راج تنہا..... غازی آباد، باغ

پیاری جویریہ! جب جب جڑ بھلی بارشکرت پر خوش آمدید
آجمل کی پسندیدگی کا شکر ہے۔ آپ کی نگارشات جلد شائع
کرنے کی کوشش کریں گے۔

ضیاء احمد..... پتوکی

برادر محترم! آجمل میں اپنی کزن کے توسط سے آپ کی
شکرت ہو سکتی ہے لیکن ابھی پرچہ فیصلی مراحل میں ہے۔ آپ کا
شعر آئندہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ آپ کی کزن مسکان جوہم
تازہ الفاظ طائی ہے، وہ بھی خوب ہیں۔ آپ کا اسم سرائی آپ کی
شخصیت کے لحاظ سے بتائی ہوگی۔ پرچوں سے آپ کی دلچسپی
اور اصلاحی کاوش کو سراہتا ہوں گا۔

عائشہ اختر بہت..... سرگودھا

عزیزی ہمیشہ! شاد رہو آپ کے القابات جو ہمارے
لیے مخصوص تھے پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ اب وجہ تو یقیناً آپ
خود ہی سمجھ جائیں گی۔ آپ کی اس قدر پر خلوص چاہت
ہمارے لیے باعث فخر اور قابل رشک ہے۔ اللہ سبحان و تعالیٰ
سے آپ کی والدہ کی صحت کا ملے کے لیے دعا گو ہیں کہ وہ ان کی
درد خیزوں خوشیوں سے بھر دے۔ ان کی تمام دینی مرادیں پوری
فرمائے آمین۔ شاعری کے لیے اپنی جلدی مت کریں
معیاری ہوئی تو ضرور آجمل میں چھپ جائے گی اس کے بعد
ہی کتاب کی طباعت پر غور کیجیے گا۔

میمونہ ناز..... گوجرانوالہ

ذخیرہ میمونہ! سدا خوش رہو آپ کی تحریر "میرا نصیب"
موصول ہوئی ہے۔ آپ نے ابتدائی میں نااہل لکھائے کہانی
واپس بھیجے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اگر کہانی ناقابل اشاعت

ہوئی تو اصلاح ضرور کریں گی البتہ وہ اپنی کی امید مت رکھیں۔

نادیہ گل نادی..... مخدوم پور

پیاری نادیہ! شاد رہو نادیہ! بھر بھر گمانی سے بھر پور
خط موصول ہوا۔ کیا آپ صرف اپنی نظموں غزلوں کے لیے
پرچہ خریدتی ہیں جو نہ دیکھ کر آپ کو انتہائی افسوس ہوتا ہے۔
بہر حال ایک وجہ تو آپ کی ڈاک کا تاخیر سے موصول ہونا ہے
آج بارہ تاریخ کو آپ کی غزل موصول ہوئی ہے جبکہ پرچہ
انتہائی مراحل میں ہے۔ ہاں جواب دے کر آپ کی غلطی
دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ نازیہ سے سوالات کا سلسلہ
بھی ختم ہو چکا ہے اس میں بھی آپ نے سوالات ارسال کرنے
میں دیر کر دی ہے۔

عائشہ غازی..... ہری پور

پیاری عائشہ! جتنی رہو آجمل کی پسندیدگی کا شکر ہے آپ
نے ہمارے اصلاح کے اصل مقصد کو جان لیا ہے پڑھ کر اچھا
لگا۔ آپ کی تحریر پڑھنے کے بعد ہی ہم آپ کی اصلاح کر
پائیں گے کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں اور کس نو کیونکر.....

ضمانہ سدرہ، غازی بہتول..... غازی ڈھلہ جھہ

پیاری بچیوں! خوش رہو آجمل کی پسندیدگی کا شکر ہے۔
آجمل کی سالانہ رُہ کے موقع پر آپ نے جس خوب صورتی سے
آجمل و سالگردوش کی ہے اور برتھ ڈے کا رٹنا یا بے حد اچھوتا
اور شہر و انداز ہے۔ جزاک اللہ۔

ماروی یاسمین..... 44 ج

پیاری ماروی! خوش رہو آپ کے ننھے و شیر خوار بچے کی
جدائی کا سن کر بے حد افسوس ہوا۔ وہ بھی گلی جو ابھی پوری طرح
کھلی بھی نہ تھی خزاں کی نذر ہو گئی۔ اللہ سبحان و تعالیٰ کی مصلحت
کے لیے کیا کہہ سکتے ہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو وارثے کے
والدین کو صبر و استقامت عطا فرمائے اور ان کی گود خوشیوں
سے بھر دے آمین۔

نینا خان..... ہری پور

بیرینیا! سدا مسکرائی رہو بزم آجمل میں شریک نہ ہونے پر
اتنی اداسی کتاب کے نینوں میں بانی آیا آپ کی تحریر "دا کچھ
یونہی" ہمارے پاس محفوظ ہے۔ آجمل کے معیار کے مطابق
ہوئی تو سالانہ رُہ نمبر 2 میں شامل کرنے کی پوری کوشش کریں
گے امید ہے سب ناراضگی دور ہوگی ہوگی۔

صبا الیاس..... گوجرانوالہ

ذخیرہ صبا! آباد رہو سب سے پہلے تو آپ کو کھلی کن
ذخیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فائزہ والی زندگی میں
ذخیروں خوشیاں عطا فرمائیں آمین۔ آپ کی غزل محفوظ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کرلی ہے آئندہ شامل کر لیں گے البتہ تحریروں کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

شگفتہ بی بی راولپنڈی

ذیر کلفتہ! جگ جگ جیو آپ اپنے والدین کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہیں تو سب سے اچھا کام تو آپ نے قرآن پاک حفظ کر کے اپنے والدین کے لیے کیا ہے۔ بہر حال آپ بھی اپنا مطالعہ شروع کریں اس کے بعد فسانے پر رقم اٹھائیے گا۔

گنہگار راولپنڈی

بیاری گزیا! سدا سکر او آپ نے یہی بار آور چل میں حرکت کی اور وہ بھی گناہ کی حیثیت سے ہمیں بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔ دوستی کے بندھن میں استوار ہوتے ہوئے کم از کم اہم گرامی تو معلوم ہونا ہی چاہیے۔

اروی مختار میان چنوں

ذیر ارووی! شاور ہوا اگر آپ نے امتحانات میں سے کچھ وقت نکال کر آچل کے نام کیا تو آچل نے بھی آپ کے نام کو اپنی جیبیں پر سجایا ہے۔ دیگر سلسلوں میں درخش روشن جھللا تاویہ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کے تمام امتحانات میں سرخروئی عطا فرمائے آمین۔

شبنم کنول پاپا نگری

بیاری شبنم! تمہیں رہو آپ کا خط اس قدر تاخیر سے موصول ہوا ہے کہ بے اختیار کہنا پڑا "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں" اس لیے آپ کی غزل اور سوالات آنکھوں کے لیے محفوظ کر لیے ہیں۔ فی الحال معذرت خواہ ہیں پرچہ تکمیل مراحل میں ہے۔ آپ کے بڑے بچوں کو سال گزرا کی ذھیروں مبارکباد۔

ثوبیہ نواز اعوان اسلام آباد

ذیر ثوبیہ! خوش رہو طویل عرصہ بعد آپ سے نصف ملاقات بہت اچھی لگی! بسے مصروف لمحوں میں سے چند ہی نکال کر آچل کی سال گزرا کے نام کیے منکھور ہیں۔

عروسہ رفیق کوٹ ادو

ذیر عروسہ! آباد رہو چوان کہ بے حد خوشی اور تحریر ہوتی کہ آپ 4th کلاس سے آچل کی قہری ہیں اور آپ کے پاس آچل کا ذخیرہ موجود ہے۔ عفت کی جس کہانی کا آپ نے ذکر کیا ہے آپ اس کے لیے کتبہ القریش سے رجوع کریں وہاں یہ کہانی صحت میں موجود ہے۔ بصورت دیگر ہمارا ادارہ آپ کو اس کہانی کی فونو کاپی ارسال کر سکتا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو رابطہ کر بیجیے گا۔ بہر حال آپ کا ذوق و شوق تو داد کا مستحق ہے۔

بشری افضل بہاولپور

بیاری بشری! سدا سکر او آپ نے عروج ناز کے انٹرویو

کے چھاپنے کا ذکر کیا ہے وہ آچل میں تو نہیں البتہ نئے پرچے میں لگا کر ضرور پوری کی جاسکتی ہے آپ کا ارسال کر دو۔ تحفہ ہمارے پاس محفوظ بنو دوسرے پرچے میں شامل کر لیں گے۔
نوٹ:-

آچل کی معروف ادیبہ طلعت نظامی کے بہنوئی اور ڈاکٹر ورغشاں انجم کے شوہر رضائے الہی سے انتقال کر گئے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ تمام قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ناقابل اشاعت:-

محبت کا ستارہ ہے کسی انصیب کا کھیل لڑکی برائے فروخت نہیں ہم تمہیں محبت خاتون تھالی مجھے تم سے محبت ہے انانی صدیقی ہمیں مانگتے یہ بوسہ پکڑ لھوسو لکون وہ اک لھو زنگی دو بے کراں بھول بھلیاں ہانسیاں بلا عنوان اور محبت نرمی اور پیار اور ملے کچھ اس طرح میری محبت محبت جان گیا ہے چہرے محبت ہمسفر میری بھرنے سے ذرا پہلے کوئی ریب جٹے یار اس آچل آگئی کے سبب ہو گئے اربانوں کے خون پختہ ایمان چھایا کر جاؤں کہاں سے نہ ہو افسوس یک چرخ رنہ سینے سا جن کے تم نے خلوٹا آٹھا اور کردی سے مزوہ اک نظر کی محبت گفت سفر بھرم میرا آچل نقدیری کی امر ای اول اس سلا۔



مصنفین سے گزارش
بہت مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فونو کاپی کرنا کہ اپنے پاس رکھیں۔
بہت قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔
بہت نئی لکھاری بہتیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
بہت فونو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے بہت قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
بہت کوئی بھی تحریر نئی یا نہ ہو وہ شگالی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتہ پر جسٹر ڈاک کے ذریعے ارسال کیجئے۔ 7 فریڈ چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

مکالمات

مشتاق احمد قریشی

معروف محقق علامہ زبیر حنی نے اپنی کتاب کشف میں جنت کے ناموں کو اس ترتیب سے لکھا ہے۔ دارالخلد۔ دارالمقام۔ دارالسلام۔ جنت عدن۔ دارالقرار۔ جنت نعیم۔ جنت الماویٰ جنت فردوس۔ علامہ نے سورۃ انزاریات کی تفسیر میں ان جنتوں کے بارے میں لکھا ہے۔

(۱) **عدن**۔ اسے ہرز مرد سے بنایا گیا ہے۔ اس میں نئی عادل نمازی زاد اور آئمہ مساجد رہیں گے۔

(۲) **جنت الماویٰ**۔ اسے نور سے تیار کیا گیا ہے۔ یہ مقام شہید حقیقی خیرات کرنے والے غصہ برداشت کرنے والے تقسیم دین و معاف کرنے والوں کا ہے۔

(۳) **فردوس**۔ اس کی تعمیر جلال کبریائی کے نور سے ہوئی ہے۔ اس میں انبیاء عظیم السلام رہیں گی اس کے درمیان ایک غرہ (کمرہ) نور رضا سے بنایا گیا ہے۔ اسے مقام محمود کہتے ہیں اس مقام خاص پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے رہیں گے۔

(۴) **نعیم**۔ اس کی تعمیر ہرز مرد (زمرہ) سے کی گئی ہے۔ اس میں شہید حکمی اور مؤذن رہیں گے۔

(۵) **دارالقرار**۔ اس کو مردار پر روشن سے بنایا گیا ہے اس میں عام مومن رہیں گے۔

(۶) **دارالسلام**۔ اس کی تعمیر سرخ یا قوت سے کی گئی ہے اس میں فقیر، صابرا، امت آخر کے رہیں گے۔

(۷) **دارالجلال**۔ اسے زمرہ سرخ سے بنایا گیا ہے۔ اس کو درالمقام بھی کہتے ہیں اس میں امت کے اعیانہ و شاکر رہیں گے۔

یہ لفظ جنت قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں ایک سو انچاس مرتبہ آیا ہے بعض جگہ اضافتوں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ قرآن حکیم میں جنت کے لئے فردوس، دارالخلد، دارالمقام اور دارالسلام بھی استعمال ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آخرت کے بعدنی زندگی جو دائمی ہوگی جو کبھی ختم ہی نہیں ہوگی اس زندگی کے دائمی اور غیر فانی گھر کو جو برسم کی پریشانیوں دکھوں تکلیفوں سے قطعاً آزاد ہوگا کو جنت کہا ہے۔ جنت کی اہمیت و حیثیت کو واضح کرنے کے لئے ان لوازمات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن سے انسان اس مادی دنیا کی زندگی میں مانوس و آشنا ہے۔

مثلاً باغ مرغ زار آب رواں گل و ثمر شرویات طہوسات وغیرہ تاکہ انسان اس کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہو کر اسے حاصل کرنے کی پوری کوشش کر سکے۔

حضرت مولانا سید سہیمان ندوی ان کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان آخری چیزوں کو دنیاوی چیز و ادراغہ سے ادا کرنے کی خاص وجہ ہے کہ ان کی نسبت سے انسان ان کے بارے میں جان سکے کہ وہ کیا ہیں کسی میں جبکہ حقیقت تو ان الفاظ سے نہیں بلند تر اور زیادہ ہوں گی۔

— نمبر ۱۰ — نمبر ۱۱ — نمبر ۱۲ — نمبر ۱۳ — نمبر ۱۴ — نمبر ۱۵ — نمبر ۱۶ — نمبر ۱۷ — نمبر ۱۸ — نمبر ۱۹ — نمبر ۲۰ — **آنچل** — اپریل ۲۰۱۵ء — 20 — **آنچل** — اپریل ۲۰۱۵ء — نمبر ۲۱ — نمبر ۲۲ — نمبر ۲۳ — نمبر ۲۴ — نمبر ۲۵ — نمبر ۲۶ — نمبر ۲۷ — نمبر ۲۸ — نمبر ۲۹ — نمبر ۳۰ —

جنت کا جو تعین ملانے کرام نے قرآنی آیات سے کیا ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر بلند ترین آسمان کے اوپر اور عرش اعلیٰ کے نیچے ہے جنت کے مختلف طبقات و مقامات تک پہنچنے کے لئے آٹھ ہزار دروازے ہیں ہر طبقہ اپنی جگہ کنی نئی نئی طبقتوں میں منقسم ہے بلند ترین درجے کو جو ساتویں آسمان پر یا اس سے قریب کو عدن اور فراوس کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جنت کے دروازے کھولنے کی چابی کے تین اندازے ہیں جو ایک حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ (۱) توحید کا اقرار (۲) اطاعت الہی (۳) تمام غیر شرعی کاموں سے اجتناب۔

قرآن حکیم میں جنت کی منظر کشی رب رحیم و کریم نے اس طرح فرمائی ہے۔
ترجمہ:- یہ لوگ (اہل جنت) سونے کے دروں سے بنے ہوئے تختوں پر۔ ایک دوسرے کے سامنے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے پاس ایسے لڑکے جو بیٹھے (لڑکے) رہیں گے آمد و رفت کریں گے۔ آب خورنے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو ہستی ہوتی شرب سے لبریز ہوئے۔ جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے۔ اور ایسے میوے لئے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں گے (جسے چاہیں چنیں) اور پرندوں کا گوشت جو انہیں مرغوب ہوں۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی عوریں۔ جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔ یہ صلہ ہے ان اعمال کا۔ انہیں کوئی بے ہودہ بات یا گناہ کی بات نہیں۔ انہیں صرف سلامتی و سلامتی کی آواز ہوں۔ اور وہ اپنے ہاتھ والے یا تان اٹھتے ہیں وہ اپنے ہاتھ والے۔ وہ بغیر کافروں کی چیلوں اور۔ نہ پہ نہ کیلوں۔ اور لہجے لہجے مہایوں۔ اور بے ہودہ باتوں۔ اور بھارت چیلوں میں۔ جو نہ تم ہوں نہ رات لئے جائیں۔ اور ان کے اوپے فرشتوں ہیں۔ ان کے۔ ہم نے ان کی (بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔ اور ہم نے انہیں تنواریاں بنا دیاتے۔ محبت والی اور ہر دم ہیں۔ (ابراہیم۔ ۳۷-۳۸)

تمام آیات خود ہی اپنی تفسیر ہیں۔ یہ جنت اور اہل جنت کی وہ منظر کشی ہے جو رب کا کلمات نے قرآن کریم میں فرمائی ہے ایسی ہی منظر کشی جنت کی اہل ایمان کو ترغیب و رغبت دلانے کے لئے ہے اور والدہ میں بھی کی گئی ہے ان آیات مبارکہ سے اہل ایمان بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دنیا کی زندگی کی بظاہر مشکلات آخرت کی تسلی پہ بہار اور پیا سانس زندگی کا باعث ہوں اور جنت کے عیش و آرام جو دنیا کی اور کبھی فتنہ نہیں ہوں گے دنیا کی چند روزہ زندگی کی مشکلات و پریشانی کے مقابلے میں نہ پتہ انیت رحمتی ہیں نہ وہی حقیقت رحمتی ہیں۔ سورہ والدہ میں ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ:- اور ان کے صبر کے بدلے میں انہیں جنت اور ریش لہاں عطا کرے گا۔ انہیں وہ اونٹنی مسدوں پر شیبہ لگانے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انہیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جازے کی تیز ہمت کی چھاؤں ان پر چھتی ہوئی ہے۔ یہ سب برہمی ہوئی اور اس کے پھل جو وقت ان کے بس میں ہوں گے۔ (انہیں لہر چاہیں انہیں تو نہیں۔) ان کے چاندنی کے برتن اور شیشیے کے پیالے نہ ان کے ہاتھ سے ہوں گے۔ شیشیے بھی! جو چاندنی کی قسم کے ہوں گے اور ان کو (پیشین جنت نے) لہجہ اندازے کے مطابق نجا ہوگا۔ ان کو وہاں ایسی شراب کے جام پلائے جائیں گے جس میں سونچ کی آمیزش ہوگی۔ یہ جنت کا ایک چشمہ ہوگا جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔ ان کی خدمت کے لئے ایسے لڑکے ہوتے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ ان کے پی رہیں گے۔ تم انہیں دیکھو تو سمجھو کہ موتی ہیں ہو پھیرائے گئے ہیں۔ وہاں

ہوں گے۔ (مسلم)

سب سے پہلے جنت کا دروازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہلکھٹائی گئے۔ (مسلم)

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے اور دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمکتے ستاروں میں سے سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے جنت میں سب اہل جنت تھوکن، پلغم، پوٹاں و براز سے قطعی پاک ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ پسینہ کی بو کستوری ہوگی ان کی آنکھیں پیوں میں خوش بو دار لکڑی ہوگی ان کی بیویاں حورالعین ہوں گی ان کا قد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ باٹھ کا ہوگا۔ (بخاری)

صحیح بخاری ترمذی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ہر مومن اہل جنت کو دو بیویاں ملیں گی ان کے حسن و جمال کا یہ حال ہوگا کہ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آنے کا۔ (بخاری کتاب بدر الخلق) بعض نے کہا کہ یہ دو بیویاں حوروں کے علاوہ دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی ہر جنتی کی کم از کم حور سمیت دو بیویاں ہوں گی اللہ جس کو چاہے زیادہ بھی ممکن ہوں۔ (صحیح الباری)

دوزخ کی طرح جنت کے بھی سات طبقات ہیں ہر طبقے کی الگ الگ کیفیت اور درجے ہیں ہر طبقے کے اہل لوگوں کو اس طبقے میں پہنچایا جانے کا اور ہر طبقے میں بھی حسب مراتب درجے ہوں گے جنت کے تمام طبقات کی کیفیات کو سمجھنے کے لئے قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۱) جنت عدن کے معنی ہیں رہنے تینے کے باغات ایسی جنتیں جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ عدن کو بعض علماء علم قرار دیتے ہیں جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ ان کو جنت میں ایک خاص مقام کا نام بتاتے ہیں۔ ابن مردویہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عدن حق تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر ہے جس کو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال آیا۔ اس میں انبیاء (علیہ السلام) مسد یقین اور شہداء ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہ رہے پائے گا عدن کا ذکر قرآن حکیم میں تقریباً گیارہ بار ہوا ہے۔

ترجمہ: ان کے لئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں سونے کے کنگھن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے نرم و ہار یک اور موکے رنگ کے لباس پہنیں گے وہاں ادنیٰ مسدوں پر تھکنے لگائے ہوئے مینیس گئے۔ کیا بہترین اجر ہے اور کس قدر اعلیٰ درجے کی قیامت کا ہے۔ (الذہب۔ ۳۱)

(جاری ہے)



مذہب

پتہ: احمد

ہے اور سب کو کہہ دیا ہے کہ جب میں شہید ہو جاؤں تو میری قبر کے کتبے پر یہ شعر لکھو ایسے گا۔

مٹی کی محبت میں ہم آشفتمی سروں نے
وہ قرض اتارے ہیں کہ واجب بھی نہیں تھے
مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجھے لوگوں
سے نہیں ڈرنا پڑتا۔ میں صاف گوہوں دل میں بدگمانی
نہیں رکھتی۔ دنیا میں سب سے زیادہ پیارا پی ائی امی اور
اس کے بعد پاکستان سے ہے۔ بے پروا ہوں اور
میری بے پروائی کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ
چپس بنا رہی تھی کہ قلب ہیوز کی خبر سننے کمرے میں گئی
تیزی سے پلاسٹک کا بیج کڑا ہی میں رکھ دیا۔ واپسی
اس وقت ہوئی جب پلاسٹک کا بیج مٹی میں پھسل گیا
اور مٹی میں آگ لگ گئی لہذا میرے چپس جل کر زندگی
کی بازی ہار گئے۔ ماشاء اللہ چار وقت کی نمازی ہوں
(نجر قضا ہو جاتی ہے) لیکن اب آئندہ کوشش کروں
گی۔ بولتی بہت زیادہ ہوں اور غصے میں بالکل چپ
ہو جاتی ہوں۔ کوئی کٹنگ سے ایسے دور بھاگتی ہوں جیسے
چوہا بلی سے (دیکھا میری مثال)۔ لکھنا میری بہت
بڑی عادت ہے چاہے زمین ہو کالی یا کتاب کوئی
لکھنے والی چیز ہاتھ آ جائے تو بس خیر نہیں۔ رنگوں میں
مجھے پیلا رنگ پسند ہے۔ چیزیں یا تو بہت گرم کھاتی
ہوں یا پھر بہت ٹھنڈی درمیانی چیزیں اچھی نہیں
لگتیں۔ رسالوں میں شعاع خواتین آٹھل کر
پھول اور نونہال بھی پڑھتی ہوں۔ مجھے اندھیرا بہت
پسند ہے اور اندھیرے میں اکیلے رہنے کا بہت مزہ آتا
ہے۔ پھول بھی اچھے لگتے ہیں مجھے گانے پسند ہیں
لیکن آج کل کے تھر ڈکلاس اور بے ہودہ لفاظی والے
گانے قطعاً پسند نہیں۔ رائٹرز میں نمبر احمد بانو قدسیہ
اشفاق احمد اور ممتاز مفتی زیادہ پسند ہیں۔ پسندیدہ
ناول "اور سے پیا" مقید خاک "پیر کال" لیبیک (سنر
نامہ) "بیلی" راجپوتان کی ملکہ "قراقرام کا تاج محل"
مصنف "ویک زوہ محبت" اور "جو چلے تو جاں سے نر" ہ

السلام علیکم! میرا پورا نام صدف مختار ہے 6 جون
1999ء کو بوسال مصور میں پیدا ہوئی۔ گورنمنٹ ہائی
اسکول گوجرہ میں ناکتھ کی طالبہ ہوں۔ ہم تین بہنیں
اور ایک بھائی ہے۔ سب سے بڑی مریم مختار جو کہ
بھلوال ڈگری کالج میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہے اور
ماشاء اللہ فرسٹ ایئر میں 82% نمبر لیے ہیں۔ اس
سے چھوٹا بھائی بشارت علی جو کہ فرسٹ ایئر کا
اسٹوڈنٹ ہے۔ تیسرے نمبر پر میں ہوں (اپنے
بارے میں تفصیل سے بتاتی ہوں) آخر نمبر پر امبر
نوشین ہے جو کہ تھری کلاس میں ہے۔ ای اور ابوہیں
یہی مختصر سا خاندان ہے میرا۔ میرے پیار کے اتنے
نام ہیں جتنی پھول کی پتیاں یعنی بڑی مشکل سے گنے
جاسکتے ہیں: سنے ذرا... منی، مونا، مونو، مونو، مونو، اے
بی، طیبہ، صدو، لبو، طیبہ، چو، چو، چو، چو، ڈھیٹ (یہ لقب
ہے گزیا کی طرف سے) چلنے باقی پھر کبھی بتاؤں گی
کیونکہ یہاں یہ معاملہ ہے۔

کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں
جی تو سب سے پہلے بات کرتے ہیں پڑھائی کے
بارے میں سب سے زیادہ نمبر 8th میں لیے یعنی کہ
5th میں سے 42.4 اور اب ناکتھ میں بھی بہت اچھے
مارکس لینے ہیں۔ میری ذہانت کا اندازہ اس بات سے
لگا سکتے ہیں کہ آج سے ایک سال پہلے میں نے اپنے
لکھے گئے مضامین کی وجہ سے ڈویژن لیول تک
مقابلے جیتے ہیں۔ میں بہت چھوٹی تھی شاید چوتھی
کلاس میں جب میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے فوجی جنرل

(پیارے بچو! میں آپ کی دادی اماں نہیں ہوں) نصیب پر خوش رہتا سیکھ لیں سب غم بھی اچھے لگیں گے! آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کبھی کوئی صدف مختار شریک محفل تھی! اس شعر کے ساتھ اجازت اللہ حافظ۔ روز و شب کے سینے میں غفلتوں کے مارے لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ جسے دفنایا ہے بس اسی کو مرنا تھا

سلاک

السلام علیکم! تمام ریڈرز اینڈ رائٹرز کو خلوص دل سے سلام ہو! میں نے کلمہ اپریل کو اس دنیا میں اپنے گھر کو رونق بخشی میری اور آنجل کی سالگرہ اکٹھی ہوتی ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں! میں اکلوتی اور اکثر موقعوں پر بہن کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ میں میٹرک کی طالبہ ہوں! آنجل سے میرا رشتہ 2007 سے ہے۔ میرا اسٹار حمل ہے! مجھے سادہ لباس پسند ہیں۔ میرے فیورٹ کلرز پینک اینڈ وائٹ ہیں! مجھے پھولوں سے ولی لگاؤ ہے۔ میرے فیورٹ ایکٹر احسن خان! میری ہائی آنجل پڑھنا اور خاص بات یہ ہے کہ اس میں ہر نئے لکھنے والے کو پڑھائی ملتی ہے۔ مجھے سب سے زیادہ خوشی تب ہوتی ہے جب خود کو آنجل میں پاتی ہوں۔ میری پسندیدہ شخصیت میرے کزن افسر علی (مرحوم) تھے۔ مجھے غصہ بہت جلد آتا ہے! کرکٹ بہت پسند ہے! دنیا دیکھنے کا بہت شوق ہے! سر ہولڈی میں رنجز اور ٹینکس پسند ہے۔ آنس کریم! چائیس اور کوک بہت پسند ہے۔ تھوزی سڑیل ہوں جلدی فرینک نہیں ہوتی۔ اگر میری غلطی ہو تو تسلیم کرتی ہوں! صاف گوئی کی عادت ہے! چمچے برائیاں نہیں کرتی۔ موسم بہار ڈیمبر کی ٹھنڈی سنہری شاخیں اور چاند کی چاندنی پسند ہے۔ ضدی بھی ہوں! بقول میرے ماما پاپا کے میں دوستوں کے ساتھ بہت غلط ہوں۔ میرا حلقہ احباب وسیع ہے اس میں سب سے

گئے! زیادہ پسند ہیں۔ کھیل کرکٹ اور مصباح الحق اچھے کھلاڑی! شاعر کی دنیا میں ساغر صدیقی! پروین شاکر! محسن نقوی اور محمد امین ملک بیست ہیں۔ پسندیدہ اشعار بہت سارے لیکن چند ایک لکھ رہی ہوں.....

کبھی لوگ تو کبھی کبھی اچھے نہیں رہتے کہ جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے ایسا کیوں ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دلیلیز پر جو بہت اپنے ہوں اپنے نہیں رہتے یہ تو پسندیدہ ترین ہے اور بچوں میں "انس خالد" جیسا کوئی نہیں۔ ڈیمبر ساری خالائیں ہیں یعنی زاہدہ خانم! ڈم کلثوم (کوئین آف ایلی گیس) سعدیہ اقبال اور نازیہ خانہ لیکن مجھے سب سے زیادہ پیارا اپنی خانہ اقرہ خانم سے ہے۔ نیچرز میں مس عذرا بشیر صاحبہ جو کہ بچوں کی ذہنی اور اخلاقی تربیت بھی کرتی ہیں بلاشبہ ایک اچھی ٹیچر ہیں جنہوں نے بچوں کو کبھی ڈانٹا نہیں صرف پیار سے سکھایا اور مس مقدس صاحبہ فوزیہ صاحبہ نصرت صاحبہ بھی پسندیدہ ہیں۔ کزنز سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے لیکن میرا پیارا بھائی ہاشم سکندر اور فاطمہ ریاض زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ دوستوں میں رمشاہ عفتت! شیبانیاہ اور قرۃ العین (خوب صورت آنکھوں والی بچی) پسند ہیں۔ ایک بھلکنو با جو بھی ہے جو کہ مہاسکھوس ہے اور چٹنی خوب صورت ہے اس سے زیادہ کھوس ہے انہوں نے گھر میں فون رکھا ہوا ہے سننے کے لیے جناب! کرنے کے لیے نہیں یعنی کہ انیلا خالد (کیا خیال ہے محترمہ با جو صاحبہ ٹھیک کہہ رہی ہوں!) ویسے مجھے اپنی بہن مریم مختار اور بھائی فرحت عباس بھی بہت اچھے لگتے ہیں۔ اب میں مارچ کے بعد شرکت کروں گی کیونکہ پیچہ کندھوں پر آئے ہیں تو تیاری کرنی ہوگی۔ ہر چیز کا اعتبار کر لیں لیکن کبھی بھی زندگی کا اعتبار مت کیجیے گا کیونکہ یہ ہوا میں رکھا چراغ ہے پتا نہیں کب بجھ جائے۔ ویسے ایک اور نصیحت

پہلے میری بیسٹ فرینڈ فردا وزانج ہے پھر نائلہ ملک،
 نتاشا چوہدری، کبریٰ باجوہ، حرا باجوہ، فاطمہ چانج،
 ثناء وزانج، ثانیہ (مائی)، علیہ، اقرام جان اور کنزی
 کنول میری بہت اچھی دوست ہیں۔ میری سب سے
 زیادہ اثر رسوخنگ میرے چار سال کے کزن عثمان
 ملک سے ہے اس کے علاوہ مجھے اپنے بھانجے اسد
 ملک اور بھانجی میرب ملک سے بھی بہت محبت ہے۔
 مطالعہ کی عادت میرے لاڈلے چاچو (اشفاق ملک)
 نے ڈالی۔ فیورٹ سنگرز میں عاطف اسلم، امرندر گل
 اور ہنی سنگھ ہیں۔ میرے پسندیدہ شاعر فرراز احمد، محسن
 نقوی اور وحی شاہ ہیں۔ میرے فیورٹ رائٹرز کی
 لسٹ میں سمیرا شریف، طوڑا ام مریم اور عمیرہ احمد ہیں۔
 اللہ تعالیٰ آپ سب کو دنیا جہان کی خوشیاں عطا
 فرمائے اور آپل کو دن بہ دن ترقی کی منازل طے
 کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تعارف کیسا لگا ضرور
 آگاہ کیجیے گا، آپ کی آراء کا انتظار رہے گا اور مجھے
 اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اب اجازت چاہوں گی
 اللہ حافظ۔

وزیر مسکان

آہم..... آہم..... جی جی تشریف رکھیے ہم آپ
 کی سراپائے شوق بنی آنکھوں کو خیرہ کرنے کے لیے
 تشریف فرما رہے ہیں۔ ارے آپ سب کدھر چل
 دیئے..... لو لو..... اب تو ہم آپ کو ہرگز بھی نہیں
 جانے دیں گے۔ مابدولت کو اس دنیا میں نورین
 مسکان سرور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ہم نے
 بہار کی آمد میں یکم فروری کو اس دنیا کے حسن کو
 دوبالا کرنے کے لیے خوب صورت ملک پاکستان کے
 نامور شہر دوسرے لفظوں میں شہر شاعر (سیالکوٹ)
 کے گاؤں رام راتیاں کلاں کی کھلی فضاؤں میں قدم
 رنجا فرمائے۔ کھلی ماشاء اللہ سے کافی بڑی ہے اور اگر

صرف دو چار کا ذکر کروں گی تو باقی رہ جانے والوں
 کے ہاتھوں درگت بننے کی سو معذرت کہ پھر بھی
 سہی۔ اشارز پر یقین نہیں رکھتی اور نہ ہی ہاتھ کی
 لکیروں پر کوئی اعتبار ہے۔ آئیے ذرا دسترخوان کی
 طرف تو ان نعمتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے
 انسان ناپسندیدگی ظاہر کرے۔ سبز یوں میں بھنڈی
 از حد پسند ہے باقی سبزیاں بھی چل جاتی ہیں البتہ
 ٹنڈے سے ذرا ہم خود چلتے ہیں۔ گوشت کی کچھ خاص
 شوقین نہیں ہوں اور ٹینے میں سب کچھ ہی چل جاتا
 ہے۔ ڈر۔ سز میں لاگ شرت و ڈراؤ زر ساتھ بڑا سا
 دوپٹہ اچھا لگتا ہے بے شک مجھ سے سنبھالنا مشکل
 ہو جاتا ہے (چھوٹی سی ہوں نا)۔ لپٹنے سے کم مگر
 ساڑھی سے دشمنی کی حد تک نفرت ہے۔ بات ہو
 جیوڑی کی تو ہمیں رنگ، انیر رنگ، بر۔ سیلیٹ اور
 رسٹ و ایچ پسند ہے۔ دوست ماشاء اللہ سے ان گنت
 ہیں جن میں ایٹلا، اسلم، ثانیہ جہاں، نادیا، نسیم، عقیفہ
 (سانہ)، انشاء، گلناز، جمیل، زہیرہ، سونیا، نصرین، عزیزہ
 عبد الرؤف، حافظہ، زینب، اقرام، شریف، ذوال
 سندھوان، شبنم، انصی اور بھی بے شمار ہیں۔ رنگوں میں
 براؤن، اسکن، بیو اینڈ وائٹ پسند ہے۔ پھلوں میں
 انگور اور سیب اچھے لگتے ہیں، پرندوں میں..... آف
 کوئی بھی ہو بس مجھے پرندہ نظر آئے۔ بھینسوں خصوصاً
 گائیوں سے بہت ڈر لگتا ہے کیونکہ اکثر ہی یہ مجھ سے
 جنگ کرنے میدان میں اتر کھڑی ہوتی ہیں اور جیت
 جاتی ہیں۔ فطرت پسند ہے، آسمان کی نیلگوں
 وسعتوں میں کھو کر بادلوں پر ووڑنا چاہتی ہوں اور پھر
 رات کے کسی پہر شبنم کے ساتھ قطرہ قطرہ زمین پر آنا
 میری خواہش ہے۔ دسمبر کا مہینہ میرے لیے سحر انگیز
 ہوتا ہے میں اس میں خود کو کہیں گنوا نہیں ہوں، ہر
 طرف کبر اور برستی پھوار طمانیت بخش ہوتی ہے۔
 رائٹرز میں نازیہ کنول، نازیہ سمیرا شریف، طوڑا ام مریم،
 سائرہ رضا، عمیرہ احمد، ہاشمہ مریم، ماہا ملک، اشفاق احمد

ذوالفقار ارشد گیلانی اور باقی وہ سب جن کی کہانیاں اخلاقی ہوتی ہیں اور سبق آموز ہوں۔ ٹیڈلز میں "جو چلے تو جاں سے گزر گئے" خدا اور محبت (ذوالفقار ارشد گیلانی) "عبداللہ II" جمیل کنارہ کنکر پیر کمال" میں نے خوابوں کا شجر دیکھا ہے" محبت داغ کی صورت" میرے قاتلوں کا گماں نہ ہو اور مرگ و قاف از حد پسند ہے۔ پسندیدہ ہستیوں میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ راشد منہاس، علامہ اقبال، والدین اور تمام اساتذہ شامل ہیں لیکن مجھے خوبی رشتوں سے ڈر لگتا ہے۔ جی تو بات ہو جائے زرا خوبیوں کی تو جناب ہم اس صفت سے بالکل ہی تہی داماں ہیں اور خامیوں پر نظر کی جائے تو ماشاء اللہ سے ہم اس خصوصیت سے مالا مال ہیں۔ ہر قدم پر ہماری خامیاں آپ کی منتظر ہوں گی۔ میرے بارے میں کوئی جیسا بھی سوچے مجھے فرق نہیں پڑتا۔ ان قابل رحم لوگوں کے لیے میرا پیغام ہے جو مجھ سے جیسی فعل کرتے ہیں کہ پلیز آپ اپنا خون ذرا کم ہی جلایا کریں کیونکہ مجھے ذہیت پر فرق نہیں پڑتا۔ "آخر میں سب کے لیے پیغام ہے کہ پلیز اپنے تمام رشتوں کو خلوص نیت کے سائے تلے نبھائیں تاکہ رگوں میں دوڑنے والے خون کی سرخی برقرار رہے اور آپ کے اپنے آپ سے خوفزدہ نہ ہوں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

پیغام

اسلام علیکم! میں ہوں بیہ رزے! بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ میں ایک دھماکہ خیز ہستی ہوں، ہوا کچھ یوں کہ ہماری دنیا میں آمد کے ساتھ ہی ہماری پیدائش کا دھماکہ وقوع پذیر ہو گیا۔ تاریخی اعتبار سے یہ واقعہ 28 مارچ 1945ء کو رونما ہوا میں بہت ہی اسمارٹ، بہت ہی حسین، بہت ہی ڈشنگ، چارمنگ اور انتہائی معصوم دے ضروری بنی ہوں جو انٹر کر ہی ہے۔ ہم

تین بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ میری ایک بہت ہی کیوٹ اور سنڈری دوست عائشہ شغاف ہے، آئی لو یو عائشہ جانو! کھانے میں اماں جان کی چپلیں ڈنڈے جھاڑو، مچھ اور تیلن وغیرہ اتنا دافر مقدار میں ملتا ہے کہ باقی کسی ایسی خاص چیز کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ جس کا ذکر کروں یہ تو کھانے کی حدھی اب ذرا پکانے کی حد کی طرف آجائیں۔ مابہ دولت کے کئے کھانوں کی تعریف میں اماں جان وہ زمین و آسمان کے قلابے ملانی ہیں کہ شاید ہی کسی کی اماں نے ایسا کیا ہو میرا تو مانو سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔ کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے کسی سے شدید محبت ہو جائے۔ ارے مشرقی لڑکی ہوں سمجھا کریں تاں شرم بھی کوئی چیز ہے اور مجھے تو ویسے بھی کچھ زیادہ ہی شرم مانے کا شوق ہے۔ مجھے شعر و شاعری سے والہانہ لگاؤ ہے کچھ اوٹ پٹانگ خود بھی کر لیتی ہوں اگر کسی نے دیوان لکھوانا ہو تو فیس نو چار جز آل ٹائم سروس حاضر جناب، جلد ہی تشریف لائیں شرمانا کیا آخر اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ بہت بور کر لیا آپ کو اب اجازت چاہوں گی اپنے تعارف کی آخری کڑی کے ساتھ جی ہاں! ایک چھوٹا سا پیغام دیتے ہوئے کہ خدا را اس کوے کی مثل نہ بنے جو ہنس کی چال سیکھنے کے شوق میں اپنی چال بھی بھول گیا۔ میں یہ بات ملکی لیول پہ کر رہی ہوں نہ کہ اپنی ذات کی حد تک آگے آپ خود سمجھ دار ہیں ویسے بھی عقل مند کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے، شکر یہ۔



چھٹیں گزرنے کے بعد آگے گئی تو ہوا تو خوشی سے گھر پہنچ گئی۔ ساری محنت
 لڑھکی نے ان سے باہر نکالنے کے لئے لگا دیا ہے۔
 (۶) فروری 2015ء اور مارچ 2015ء کے مابین بہت زیادہ زب اور
 دیکھ رہے۔

(۷) صاحب تہذیبی تو اس یہ ہونی چاہیے کہ قارئین کو کوئی ایک موضوع
 دیا جائے اور اس پر قارئین اپنی آرا اور خیالات کا اظہار کریں کوئی ایسا سلسلہ
 شروع ہوتا ہے جس میں قارئین کی کلی حالات و واقعات پر سوچ اور احساس
 کا رنگ سامنے آسکتا ہے۔ ان کی گہری سوز سے لے کر احساسِ سلسلے کا نام ہونا کی بات
 کیسا ہے؟

(۸) راز تو تو کئی ہیں جن سے غصے کی خواہش ہے مگر جن راز سے غصے
 کی چاہ ہے وہ ہیں، انہوں نے ساری اور ہر غصوں دوست فخریہ، کچھ لوگ انہیں
 اندر ہی انہیں سمجھتے ہیں لیکن وہ انہوں نے کئی ایسی دوست ہیں ان سے غصا
 چاہیں گے اور یہی آتی نرسبت جس میں خواہر محبت غصا آئی گی ایسے شخص
 اندر ان وجہ سے نہیں چاہتی ہیں جن سے غصا کی ہوا ہے لہذا باعثِ غصہ
 ہوگا ان شاہد۔

”محبت دل کا جود ہے“ پتا چلے گا کہ اس کے خضر ہیں گے خوش رکھیے اور
 خوش رکھنے کی زبان بند۔

صمیم اور غزل صمیمی ... کو اچھی

خود سارے گزرتے ہیں اور یہی پھوڑ جاتے ہیں وقت آتی جیڑی سے
 آگے بڑھ رہا ہے کہ یقین نہیں ہوتا کہ ایک سال گزر گیا ہے اس سال ساتھ
 پشور لے آئے تھیں شکر بر کوڑی تو کتنے اہم مرحلے کا ساتھ چھوٹے پرول اور اس
 ہو گیا۔ فرحانہ نے حکمتی جہاں اردو ادب کا ایک مشہور لکھنے والی۔ دل سے
 بس سبکی دغا ہے سنا چلے گا سزا گئی ہوگی جالی ہے ہوا اس کے معیار میں
 دل پہنچنا اضافہ ہوا میں سب آتے ہیں سروے کے جہاں کی طرف۔

(۱) سوال مشکل سے کیونکہ ہرگز پر کا بیان معیار ہوتا ہے ہرگز ہی کوئی نہ کوئی
 مثبت پیغام دینے کی طرف گرجتی ہے جس کی بنا پر ہم سے ہمیشہ یاد رکھتے ہیں
 پھر بھی سب سے سادہ نمبر میں محبت جو ہند کا عمل ہونا شائع ہوا تھا۔ یہ
 واقعات کے دریا جیسے میں گئی تھی بھول پادری۔

(۲) فخریہ کی تحریر ”ہزاروں خواہشیں لکھی“ کا ایک ہی طرف تھا جسے
 میں نے فوراً ہی نازکی میں نوٹ کر لیا تھا۔

”فقیر کون نہ گنتے ہیں محنت کیوں نہیں کرتے ہاتھ پھیلائے کا گنہ
 کہیں سول لیتے ہیں۔“ اس بات سے کہ سے قطعاً کوئی واسطہ نہ تھا خدا جانے
 اور ہاتھ پھیلائے والے جانیں اسے تو اس لاپرواہی سے کہیں کرے پتہ چلا ہاتھ
 بننے سے بچتا تھا اور اس نے پتہ ہزار بار شکر ادا کرتے نہ تھی گئی کہ اللہ نے کہ
 اس قابل بنایا کہ وہ اسے سمجھتا۔

(۳) سہیل کا شرف کا ایک سلسلہ اور ناول آج میں شائع ہوا تھا۔
 ”شہر جاہ نماں“ میں کا ایک کہہ تھا ”جہاں جیسے میں نے اپنے گروہ میں
 بھی دیکھا ہے وہاں گروہ کو میں گئی نہیں بھول سکتی۔“

(۴) اس سال سب سے پسندیدہ کہہ کر ہوا ہیرا کا مصنفی ظہیر احمد
 کہہ گئے جسے گھوڑوں کی ذریعہ سب ظہیر کی ساری کہتوں پر مجھے بہت غصا تھا۔
 (۵) جب بکلی افسانے چھوڑنے کوئی کو گد میں نیا تھا میں وہ کہہ جب
 بھی پڑھتی ہوں غصے پڑتی ہوں۔

(۶) کبیر کے ناول نے۔

(۷) بہنوں کی عدالت میں تہذیبی چاہتی ہوں انہوں بہت طویل ہوتا
 ہے چار پانچ ایک ہی راز کو کہہ کر آگے نہ بڑھتا ہے غصہ ہونا چاہیے۔
 (۸) کبیر شریف غصے سے غصے کی خواہش ہے۔

سجوشِ غلطی ... کو اچھی

(۱) آنجل کی تقریباً سب ہی تحریریں اپنی جگہ اچھی لگتی ہیں پر مجھے جو
 اچھی لگی ”کیوں مجھ تک خدا کو۔“ یہ ایسا ناول تھا کہ پڑھتے ہوئے احساس
 کیا کرتے ہیں کہ آئی ہم کیا ہیں ہمارے فرائض میں دینیوں کی چیزوں کے علاوہ دینی
 کام کی مثال ہیں خاص تر عورت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو محبت کی صحیح
 راستی ہے اس کے ہر کئی طریقے ہیں پر پھانے ہیں ہم نے اسلام کا اصل
 لوگوں سے غم نہ رکھا ہے حقوق و فرائض کو صحیح طور پر سمجھا جس سے وہ ہے
 با شہد یا کب بہتر بن سکتا تھا۔

(۲) راز کوڑی کے تو مصائب اور مشکلات اتنی ہی شدید ہوتی ہیں جتنا
 آپ نے ان کو بیان کیا ہوتا ہے اور وہ ساری زندگی لکھ رہی ہوتی ہند یہ کہتا ہے
 کہ یہ ساری ہی ساری پوری زندگی ہے اور وہ بہار ہوگی تباہ ہوگی۔۔۔ شہد
 احمد کی زب سے یہ تہاں سے اور بہت ہی غور طلب ہے۔

(۳) کبیر کی یہ حقیقت ہے کہ کہیں غصے نے ہمارے گروہ سے ہی لے
 جاتے ہیں پھر ایسے کئی لوگ مجھے گن لے بات ساری آپ سے غصے کو پھول ہوتی ہے
 تھلائی گئی جب کہتا ہے تو وہ سب لوگ کچھ عین میں رہ کر کہتا ہے۔

(۴) مجھے زیادہ مٹی گروہ پسند ہوتے ہیں کہ گروہ میں کوئی ایسی ہوتی ہے
 پھر وہ سب جگہ جاتے ہیں یہ پھر ان کو اپنا مل جاتا ہے تو کئی خاص نام نہیں۔

(۵) اپنی ہی میں عمر کے گزرتوں کی جب بھی مجھ سے پوچھا پوچھا ہے
 حسین پڑی ہوا گزرتے سال میں ملی خوشی تو میں عمر کے کا قائل ہوں جو کہ
 دغا دیا اور اس میں تھا کہ وہ زندگی اور جسمانی مشقت اور پھر اس کا نتیجہ
 ہے یہ کہ کئی خوشی سے کم تو بات ہی نہیں ہے۔

(۶) مجھے نکل پڑتا ہے۔

(۷) آنجل نے لوگوں کو موصوفہ فراہم کرتا ہے جو صلہ فرائض بھی کرتا ہے
 میرے خیال میں کسی بھی تہذیب کی ضرورت نہیں۔

(۸) مجھے کسی ایک نہیں بلکہ کافی سے طے کا اشتیاق ہے جس میں فرح
 نے ہر قسمی حاضری کر لی اور وہ خد گنگا کا نام سب سے سزا ہے۔

شعبانِ حسین و اجبوت ... کوٹ و لہذا کھن

اسلام حکیم سے پہلے کس اور کس جگہ سے منتقل ہوا ہے کوٹوں کو
 یا سنا چل کی سرگرمی ہاڑک ہوا اور کس کے لیے۔

ہر روز یہ خوشیاں تیرن بھولتی ہیں آج
 اتنی ہوں خوشیاں کہ تم سے کبھی نہ جاؤں
 اب سوئوں کی طرف سے ہیں جو پوچھے گئے ہیں۔

(۱) تحریریں تو کافی ساری ہیں کس کی جو برسوں یا ایک حد تک ہیں وہ ہیں
 کی لیکن آپ نے ایک کا پوچھا ہے۔ سنی 2014ء میں سویرا وقت کا انسا نہ اول
 کے شے ”شائع ہو تو مجھے کس بھولتا بہت سنی موز اور شاعر گزرتی۔“

(۲) خدو گل نے ہولٹ اور کوٹوں سے کا یہ اقتباس بہت چاند تھا
 میں نے ہولٹ پڑھتے پڑھتے ہی نوٹ کیا تھا ”یہاں کہیں ہوتا ہے کہ اکثر
 نوکات زندگی میں ہم جنہیں ملنا تو نہ کہہ کر دیکھنا اور ان کام لینا بھی کوئی نہیں
 کرتے ان کی موت پر دعا دینا ہر ہر کر میں مواتے ہیں کہ وہ دیکھ لیں
 جائیں اور کیونکہ کہنے گئے بھلا زندگی میں جنہیں دیکھ کر ملے موز نیا جاتا

ہے۔ بن کا آخری دور کر کے کی کوشش نہیں؟ مرنے کے بعد ان کی قبروں پر تازہ پھولوں کی نرم چوڑی لٹھیر کرنا کہاں کی محبت ہے؟ کوئی آپ کو ایسا نظر دیکھنے کی خواہش میں رہتا ہے چلا جائے تو آپ اس کے مرنے کے بعد اسے ایک نظر دیکھ لیتے تو کتنی جاں نسیں یہ کہاں کا دستور ہے؟ اس لیے ہونا تو یہ چاہیے کہ زندہ ہونے کی قدر کر کے معلوم کرسکتے ہوتے ہیں زمین کے گہر چھتے چھتے زمین کے نیچے ملتا ہے۔"

(۳) انسانوں کی دنیا میں سب بھوت نہیں ہوتا، کھادی انہی کے معاشرے کی ہی عکاسی کرتے ہیں ہرگز نہ انہی کے پاس موجود ہے لیکن میں آپ سے تفصیل سے تو کتنی گفتگو میں سامنے باقی کا ذکر کروں گی یہ اتنا اس وقت کی بات ہے جب میں کھادی میں تھی اور ساتھ باقی ایف ایس بی کر رہی تھی، میں نے انہی کو بتایا کہ آپ کو بتا دوں وہ بیسٹل میں سکول کی عمارت ذریعہ تھری اور کراچی کی کلاسز انہی کے اسکول میں ہوتی تھیں۔ ساتھ باقی بہت زیادہ کرنے لگی تھی ہم نیچے تو میں اور برون کے دیوانے تھے وہی ہی بہت آگلی۔ پھر یہ کہ انہوں نے اسلام آباد لے کر لیا تھا، انہی کی طرح اور وہ ہوشیار تھی انہی کے والدین نے ان سے اس شخص کو لیا تھا، جب وہ شدید بیمار تھی تو پرنس صاحب انہیں علاج کے لیے ہوشیار سے لے گیا تھیں۔ لیکن وہ جان بوجھ کر اسلام آباد لے کر گئے تقریباً چھ ماہ بعد وہ ان کی شریان پھٹنے سے اپنے خالق حقیقی سے جا مل گئی۔

(۴) کراچی اور لاہور سے کئی گئے لیکن مجھے تازہ پتی کے ناول "تربیت کے آئینہ" میں سندان کا کردار ہی برا لگا اور سندان کا ہی۔ بعد پھا لگا کی کھنگنا کا بہرہ شام کو کھرا جاتا ہے۔ بھول نہیں کہتے ویسے انسان کو تو یہ کہہ دازے بند ہونے سے پہلے تیر کر لینی چاہیے کیونکہ وہ اپنے خوار ہو گئے۔

(۵) لائونگی میں خوشیوں کے کھلبول خواب ہو گئے ہیں زندگی اس شعر کی تفسیر کرتی ہے۔

کس قدر دکھ ہیں زندگی میں
مجھے کھل جانے زہر پانی میں
تنگی صدیوں کا وہ شیل ہے
انسان کی کہانی میں

تین ہجری میں مسلمانوں کی کہانی کی حسب برہانہ نقل باقی آپ حسب کے ساتھ متا ہے اس کے بعد کہی گئی کہ انہی کے سب کتب خطبہ سے کھلا ہے۔

(۶) سالوں میں 2015ء میں تازہ پتی کا ہی ناول "تازہ پتی" ہے۔

وہی ہے وہی کھلنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔

(۷) کئی عمارتوں کی ماسٹری میں تازہ پتی کی تقریباً سب ہوتے ہے۔

(۸) کراچی کے وفا کی تازہ پتی ایسا سوچ سکتا ہے تو میں تازہ پتی سے ملنا چاہوں گی لیکن تازہ پتی نے بہنوں کی عمارت میں پھا لگاں کیا تھی ان کے بچوں کی طرح میرا کاسٹوڈیا ہے وہی ہے تازہ پتی کی نے ٹھیک کہا ہے۔

ہر شخص کو منہ مانگی عزتیں نہیں تھیں
ہر شخص کو منہ مانگی عزتیں نہیں تھیں

کہہ لیم دور المائل..... کہتیں خالص

(۱) کہوں کہ ایک خدا کی
(۲) آپ جانتے ہیں کہ وہ تازہ پتی کی جو فرض اس میں نے تیر پر چھاپا ہے وہاں میں تو آپ نے اس میں سے محبت کا فرض بردار کیا۔

(۳) کہہ کہتے ہیں تاکہ انہی بھوت میں کھلا کر کھتا ہے اور ہونے کی میں

بھوت لگا کر کھتا ہے اس طرح انسانوں میں کتنے زیادہ چتا ہے تازہ پتی کھول تازہ پتی کا افسانہ "بھوک" اس افسانے کے کرداروں کی تازہ پتی نے تقریباً انہی کے کھلنے لگانے سے ملتا ہے ہرگز نہ ٹھیک کہنے والے انسان میں تازہ پتی کھول تازہ پتی کے افسانے کا کھلا نظر آئے گا۔

(۴) کئی چیز مثبت یا منفی نہیں ہوتی انسان کی صورت حق یا کراہ کو مثبت یا منفی ہوتی ہے۔

(۵) بے شمار ہیں۔ ہمیں تو ایسے بھی بلاوجہ مسکرانے کی عادت ہے اس لیے سب کہتے ہیں اسے چہنچہ کے ساتھ کھنگنا ہے۔

(۶) ہر وہ تازہ پتی جس نے سر پہ پھول لگا ہوا تھا۔

(۷) مجھے نہیں لگتا کہ کئی تازہ پتی کی ضرورت ہے۔

(۸) تازہ پتی کھول تازہ پتی

صوفی شاہ فرید علی شاہ..... کہیں وہاں

(۱) بہت سی تحریریں ہیں مگر ایک تحریر جسے میں بھولنا چاہتی ہوں مگر بھول نہیں پاتی وہ ہے ذات گلست "سندس انجیل"۔

(۲) ذات گلست کا ایک اقتباس جو مجھے ہر مشکل میں یاد آتا ہے۔

"ہو نہیں شہزادیں ہوتی ہیں اور شہزادوں اپنے وقت میں ہوتی ہیں اپنے وقت سے بچے نہیں آتے۔ خود ذات کی لدلی میں مت گراؤ، ہمیں چھایا بنا ہے جو گھر رسالے کے گھونسلہ سوزاتی ہے۔ ساتھ نہیں جو کسی کے بچے کھا جاتا ہے۔ میں نے کبھی کبھی نہیں بچے دیکھے ہیں کہ جو بچہ توپ کر جان نہ سوتی ہے اور نہ ہی تم وہ رہو کہ جس کو کسی اپنی دلی تمکین کے لیے استغناء کرنے کے بعد وہ ان کے کھلا جائے۔"

(۳) ملاقات تو نہیں ہوئی ہے البتہ "انجیل" کہنا ہے مگر "کہیں وہاں اور یہ کمال کو اپنے گھر میں نہیں کھتا ہے۔"

(۴) مثبت کردار میں "تو تازہ پتی" سے مصطفیٰ نے ہی ایک کھنڈہ سے کلا میں سے تھی کہ ابتدائی تھی مگر یہ نئے یاد۔

(۵) یہ ایسا حال ہے جسے بڑھ کر ہی ہے ساختہ مسکراہٹ ہوتی ہے۔ بڑی پرانی بات ہے ایک۔ اس وقت میں آٹھویں جماعت کی طالب ہوا کرتی تھی تقریباً 1975ء میں پہلے ہلدے اسکول میں گیا تھا پینٹ ہوا تھا اور پینٹ کالی کپا تھا دیو کے ہلدے کھڑے ہوں تو سفید لاپٹے پر لگ جاتا تھا۔

میرے ذہن میں ایک خیال آیا کہ اگر اسے ہونوں پر لگا لیا جائے تو لپ اسٹیک کا شہتہ ہے گا کیونکہ وہ ڈارک بیرون دیکھ لگا تھا اس پر کھری تھا ام تینوں دوستوں تازہ پتی میں ہیں، ان کے گھر ایک مدرسے کے ہونوں پر لگا لپ اسٹیک لگا لگی تھی سے اور گھومتے گئے گلاس ٹیبلوڑ میں کہ یہ کیا لگا لیا ہوا ہے اور ہم سب اسٹرا کرتا میں کہہ لیا کہ پینٹ ہے یہ لپ اسٹیک ہے ہوتی ہے جو مجھے جب بھی یاد آتی ہے میں دلتے میں لگتی ہوں۔ لیکن نہ تھی وہ ان ہوا کرتا تھا انہوں سے تازہ۔

(۶) کئی بول کا یہ دنیا کا نائل خاصہ غمگین ہے کہ کتا تا خوب صورت بھی نہیں مگر کوشش ہے۔

(۷) آٹھ میں تہذیبی تو بڑے نہیں ہوں چاہیے ان کا افسانے کی بات ہوا آپ کی شخصیت سلسلہ ہوا ہے کتا کیا بات ہے۔

(۸) ہستے کیا سہل کر لانا، بڑی منہ زور خواہشات خواب ہیں اور خواب غلاب ہے میں اپنی زندگی کا لپ اسٹیک تو ہر طرح اپنی تمام ہنر کے ساتھ ہادی ہادی گزارنا چاہتی ہوں ان سے ملنا چاہتی ہوں مگر ہوا تھی شاعر تازہ پتی کھل تازہ پتی

بھولی آپ سے ملنے کی خواہش جو بے اندازے میں حسرت نہیں بننے والی کی۔ آپ عن شامانہ ضرور بالشفاعت ہوگی۔ شرط عنک ائی لکان عنہ۔

فقہ عربی صغریٰ..... ٹوہمی ضلع صوابلیں
 سب سے پہلے نعل کی ساگرۃ نعل کے تمام اسٹاف کو بہت مبارک ہو کہ انہوں نے اتنا برکت و اجرت دیا اور اس طرح نعل رکھا کہ یہ نہیں ٹھیک کا حصہ لگنے لگا اور اب یہ ایک بیسٹ فرینڈ کے طور پر میرے ساتھ رہتا ہے۔ میری طرف سے ایک بھولی کی تمام حاج کی ساگرۃ کے لیے۔

منور.....
 اگر تم چاہتے ہو
 اہل بیتؑ کا نعل
 ہمیشہ روشن ہے
 تو جاؤ۔
 پھر آؤ نعل کے دعا کریں
 یہ جوڑے نعل کی قسمیں ہیں
 خدا کے
 صلوات نہ ہیں
 (آمین)

ابا تے ہیں صولات کی طرف۔

(۱) ساگرۃ ساگرۃ میر سے آج تک شائع ہونے والے نعل تو تمام ہی بیسٹ تھے۔ ایچ بی، "ذریعہ" کا "بلف" کے "تو" مگر موضوع کے چناؤ کے لحاظ سے مجھے جنوری 2014ء میں شائع ہونے والا سہا سہا نعل "یہ جوڑے نعل" سے پہلے کلاس میں لڑکیوں کی بہا کہیں پر جس اعزاز سے چمت کی گئی تھی مجھے بہت اچھا لگا اگر ہم خود ہی بے باک بن کر بے پردہ گھر سے کی تو مرد حضرات کی ہوں زندہ نظروں کا سامنہ تو ہوگا اور پھر اہل معاشرے کو پڑا جاتا ہے جو بھئی اگر خود ہم پردے میں وہ کراہی تو کسی کی کیا مجال کہ کہیں کچھ کہہ سکے اسی حوالے سے زنت کی گئی اس میں اور بھی بات دیکھنے پڑتی ہے اور اسی بات پر یہ نعل شاید مجھے برسوں یاد رہے گا۔

(۲) میری ذرا بڑی کا زینت ہوا ہوا ایک جملہ۔

"محبت جملہ کی ساگرۃ ساگرۃ کی مانند ہوتی ہے نہ دکھائی دیتی ہے نہ پکڑتی آتی ہے بس محسوس ہوتی ہے۔" (ذات فلسفہ، سندس نہیں)
 (۳) ایسے ہی ہے کہ انسانوں میں کثیر شعاع ہے پڑھتے پڑھتے مٹی کردار ایسا آ جاتا ہے کہ ہمیں لگتا ہے ایسے ہی کی گزرت ہم نے ہم نے دیکھا اور اگر ہمیں کہیں کہیں کہیں کاناہوں جو کہ مسلمانوں نے ہم کو "مجھے ہے ہم اڑوں" میں سندھ کی نالی لگی جس کی جینی سالہ سے نور ہوا ہی کردار میں نے دیکھا ہے تو شاید پڑھنے والی ہمیں یقین نہ کریں مگر جی سب سے نور یقین مانیں لگی ہی وہ محبت ہے جس نے دوسری بچی کا گھر بنا کر کے اپنی بچی کا گھر بنایا مگر مجھے نہیں لگتا کہ اس کی بچی خوش رہ سکے گی اور وہیں کی خوشیاں کو مسترد کر کے اس پر اپنی خوشیاں کے تقاضے پھیر کر نہ تو کیا آہوں اور سسکیوں پر نئی یہ عمارت نہ رہے کہ تمام رکھنے کی گئی تھی۔

(۴) اس سال کا میرا بہت پسندیدہ کردار برف کے تھوس و معید کا تھا شاید حقیقی دنیا میں کوئی ایسا نعل نہیں ہے جو کہ جس میں سیدھی رونا پڑا گیا مگر شروع سے وہ بہت لڑکے کثیر تھا اور اسی وجہ سے وہ نعل کردار بن گیا۔

(۵) ایک دن بہت چھٹی ہوئی اسکول سے گھر آئی تو گھر میں خوش خبری میری منتظر تھی۔ ایک بہت ہی بیسٹ فرینڈ جیل سے بہت بڑی کامیابی ملی اور میں گھن کے پونچھ بہت خوش تھی اور میری گھن ایک لمحے میں اڑن چھو ہو گئی۔ میری زندگی کا یادگار لمحہ جسے مجھے ایک دن میں وہ سب کچھ ملا جس کی بہت دعا میں کی تھی اور اس لمحے کو کئی نکل بھول پاؤں گی جب غیر مذہب میری چادری دوست میری، لیکن میں نے گئی اور مجھے آئی محزون ہو گئی کہ برخواستی اس کے علاوہ کوئی ہے کہ ہمیں خوش رکھے یا کسی سسٹر۔

(۶) نعل تو آج کل کا ہر بار بیسٹ ہی ہے اور گزشتہ 2014ء کا نعل بہت متاثر کن تھا میرے لیے شاید اس کی وجہ سے میری پسندیدہ ہیراؤن ہے کہ ٹیم میر میری پسندیدہ ہیراؤن میں سے ہے اور جس میں اسی کا نعل تھا اور کمرز میں، بہت خوبصورت لکڑی کی گئی ہوئی۔

(۷) آج کل کا ہر سلسلہ جی جگہ پر فیکس ہے میں نہیں چاہوں گی۔ کلاس میں کوئی تبدیلی لائی جائے سوائے اس کے کہ نہ کسی سلسلے میں میرا نام ہی شامل ہو بلکہ ایسے صریح خواہش تو تیسرا آ رہی تھی ہے جس کے آئی۔
 (۸) آج یہ کیا سوال پوچھ لیا اور بہت ہی رشتہ زدگی ہیں جن سے ملنے کی خواہش ہے مگر وہ طالب کی کہتے ہیں۔

**بڑوں خواہشیں لگی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
 بہت نکلے ہر عدل مگر میری کم نکلے**

میری تو ذرا زیادتی تو دیکھنے کی آرزو ہے کہ نہ یہ یاد دہری ہو ویسے تو اور بھی گئی نام ہیں جیسا کہ سہا سہا گل، امیر، میرا شریف، گھر، نرہ احمد، میر احمد، گھر فرست تو ہماری ناس گری کی اناس حکم ہے تا زیادتی ان سے ملنے کی شہدہ ترین خواہش ہے۔

آخر میں تمام قرینہ کا نعل کی ساگرۃ کی مبارک یاد دینا چاہوں گی وہ دل میں یاد رکھیے گا۔

لوگ کھیل..... فیصلہ تھکا

اور ویسے تو بے شمار کر رہا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ہاتھوں یاد ہیں گی لیکن وہی ایک لمحہ زینت کا فخر وہ گن نے معاشرے کی رخ چھائیں جس چاہے تھی سے بے نقاب کیس اس کی نظیر نہیں ملتی، ساتھ ہی کریم کا سن اور تو اڑن ہی قائم رکھا عام ڈگر سے ہن کر یہ کریم دوتوں میرے ذہن پر نقش رہی۔

(۲) میرا گرام میرا پسندیدہ ہے کہانی کا نام اور نکل محنت کے ساتھ "دعا ایک لکھی چیز ہے جو قسمت کو بدل دیتی ہے جو پھر یہ زمین طاقت کا خزانہ ہی ہوگی جو کہ قسمت جیسی چیز کو مٹی بدل دیتی ہے خدا ہر کیسے اس مانگی جانے والی دعا کا کہہ کر سکتا ہے جس میں آئی پور ہو اور پتا ہے دعا کا نعل کیا ہے جو اسے پاہوں سے جدا کر لیا کرتی ہے تو اسے نعل چاہے اور یہ نعل ہے کہ آپ کا یقین جتنا یقین زیادہ ہوگا دعا اتنی ہی تیزی سے نزل کرے گی اور پھر اتنی ہی جلدی قبول ہو جائے گی عام انسانوں کی قسمت یا تقدیر کا فیصلہ تب سے ہو چکا ہے جب سے پیدا ہوا ہے نہ نکل جو کہ جو ہماری ہمارا جو ہونا ہے اسے بدلنے کے لیے کوئی ہمیں طاقت جیسی چیز نہیں ہوتی چاہے جو کہ نعل سے ملے کیے ہوئے فیصلے کو بدل دے اور وہ دعا کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے دعا کی مقبولیت اس بات پر منحصر ہے کہ آپ کی دعا میں کئی طاقت ہے۔"
 (۳) بلاشبہ افسانوں میں سب جوت نہیں ہوتا ہے میں مانتی ہوں بلکہ بنانے زندگی سے ہی کشید کیے جاتے ہیں گئی ایسے فریادیں پڑتی ہیں

مرد کو نظر آتے ہیں، اترتے ہیں اور صبر اور حیرت کی تحریر "بھئی پلوں پر" کی پری اندر سے منے
دلوں میں مجھے نظر آئی اسکی ہی گئی اور کھری لڑکی۔

۳) اس سال دہاں میں مٹی کروا "نوٹہ ہوا" سے ہلاکت کی کھنڈوں
میں تمام شیطانی اور صاف کونٹ کونٹ کر کے تھے اور طبیعت کروا "مجھے سے ہم
بڑوں" کی طرف (منفی کردی) جس نے صبر، برداشت اور خدا پر کامل یقین کی
بیادت پائی تمام خوشیاں پالیں۔

۵) اللہ تعالیٰ نے زندگی میں کی خوب صورت اور انمول نیچے عطا کیے جن
میں صرف سوت اور کھرب جنت میرے پاؤں تھے تیر ہوئی، مٹی ہاں بیٹے
کا خوب صورت اور پر مشقت لکھ جو انہی اور جسمانی تنکارت کے باوجود جن
میں پھول کھلا گیا ہونے پر جب اس عطا پر مجھ سے کسی لڑکین۔

۶) اتفاقاً دیکھیں سال دہاں میں مجھے ماری کے نائل نے بہت متاثر
کیا۔ دہاں کا خوب صورت تھا، مگر کھنڈوں میں صرف دہاں کا مسکرا
انٹال دل کو لگا۔

۷) اچھل تو ہوا، سزا دل میں سب کچھ بیٹھ ہے جیسے ایک گھڑت۔
البتہ آپ کی محبت کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی تبدیلی چلی آئی ہوں کہ جو یہ
یاد میں آتا کہ اور ہی ہیں ان کے بارے میں اصل صورت یہ ہے جیسے ہوتی
ہیں جیسے ہی جن نے خود خفاقی تہ ابرو وغیرہ۔

۸) میں کیرا شریف محبت سے ملنا اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھوں گی۔

شعاع مسکین ... جہان ۲۰۱۵

۱) دہاں کی گزشتہ میں بہت سی امداد پرانے برکت میں ہوا چھوٹے
موضوع کی بہتر امنست خوش چھوڑ چلی ہیں گزشتہ پرل سے اس پرل تک
پہلے سے سال کی ماخوذ بہنوں نے اپنے علم کا پھر پورا انداز میں جاوداگی کر میں
ڈگریوں کی جائزہ کنول نازی کی تحریر "برف" کتا "سوز" بہت یونیکس تیز یاد
صوفی قرطاس پر کھیر لکھوں کے جاودہ خوب صورت جملوں نے استوری
کے لاسٹ تک ہمیں اپنے ساتھ ہاندھ کھلا دوسری اہم لکچر "مجھے ہے
تکھڑاں" بہت بیٹھ تحریر کی۔ دین اسلام کے پورا پورا پیشہ پالوں بیان کرنی
ایک منظر و شاہکار لکھی۔ جو کلمہ مستند اور فراخ سوسٹ لکھتے کہ کتر تھے
یہ سنوہ یز دین کی اسکرین پر پیش ہو کر نہ گئی ہیں۔

۲) بہت سے بیٹے کے تہذیب اور تہذیب متاثر کرتے ہیں۔ میری ایک
عادت ہے کہ میں مجھے یا پورا ارفان بہت مہارت کی زینت پہنٹی ہوں۔
ابنہ شاعری جو مجھے انریکت کرے اور انری کے نشاندہ سینے پر پناہ جانی ہے
میں چند جیسے تحریر کرتی ہوں جو صحت کو سرداوں کی تحریر "بھی گزشتہ" اور ساری
میں "سے لیے ہیں اور بہت مجھے لگے مجھے" تم راستوں کو بانٹنے کی عیان خود
بھی اولیٰ کو تھیں بانٹ پاؤ گی تہ میری تم تک جاؤ گی ہاں جاؤ گی کیونکہ تم
ماتے دینا پلستا میں کے جہاں سے شروع ہوئے تھے اور تمہیں من لینا
پڑے گا کہ منزلوں کو جن لینا چھوڑ دینا تمہارے اقتدار میں نہیں۔

محبت پر سکون کیفیت کا ہم ہے جو حیرت ہوئی تو پھر اس کے دہاں میں
بھاگتی نہیں مٹی؟ محبت میں بھاگتی اس وقت ہی صحت میں ہوتی ہے تہ
جب آپ پھر محفوظ ہوں مای صحت آپ کے قدموں سے بھاگتی اپنے کسی
ہے محبت کا یقین اور اللہ پر پورا جس محبت کی کیفیت کو ایک غمزدگ کا متاثر ہوت
ہے جب آپ کو کئی خوب نہیں رہتا اور بہت متاثر ہے جب آپ کو کئی خوف
نہیں رہتا اور جب آپ کے اندر سکون ہوتی کیفیت ختم اپنے کسی ہے
۳) انسانے حقیقت سے فریب تر ہوتے ہیں انہارے اور گدا سے ہی

کہ نہیں جنہی ہیں انہارے معاشرے سے ہی کروا کا چھوڑتا ہے بعض
اوقات صرف کہتوں کے کروا ہی کیا ہوسے کہانی اپنی ذاتی ہی محسوس ہوتی
ہے جیسے مصنف نے ہماری ذات کو لے کر ہی تحریر کیا ہے یہ کہتوں سے
شبت اور مٹی دہاں طرح کے کر کے میرے اندر کروا جو ہیں جن سے ہماری
طاقت بھی بیشتر طاقت ہوتی رہتی ہیں۔ میرے پاس ایمان جیسی غلطی، بہن
اور دوست بھی ہے۔ فرزند جیسا اچھا دوست بھی۔ مٹی نال جیسے حامد بھی بس
ہم لکھنے سے کھم ہیں اس آہندہ دوست ہے ہاتھوں میں لے کر ہی کبھی ابھی
دیتے ہیں اور مٹی سلجھاتے ہیں۔

۴) اس سال شبت کر کے صحت کو سردا "اسی گزشتہ سال میں" پیکال
شد مجھے ہے تمہاری کا سکند اور پرل گزشتہ تحریر یہ خوشی ہے گا اس میں
مٹی کر کے گزشتہ میں مجھے ہے گمراہوں کا عباس اور برف کتا "نوکا مسکین
میں اچھے لگے۔

۵) بہت اچھا وقت بہت مفر بہت دلچسپ دلچسپ چاہا اس ایک دل میں
پہلی زندگی میں خوب وقت گھر جائے بس مٹی زندگی ہو "فرنگ کے ساتھ چنا
پنا" وہ لکھ ہے چینی اور نظریاتی کیفیت زمین کی اسکرین پر ابھر جائے تو
سرسر کا دل کیف جو کتا قلب و روح کو خوشوار کر دیتا ہے اور صحت کے اعتبار
خوب صورت مکان چاہتے ہیں۔

۶) "کئی پر خاص تو جس دن ۲۰۱۱ء کتا لکھ کے سردق
پر موجود ماڈل کی ہندی اور میک اپ نے مجھے پر مجھ کر دیا۔ لائن سامیک
اپ چھوڑا۔

۷) آج کل اتنا پھیلنا، ڈائجسٹ تہذیبی نہیں چاہیے اس ایک گزشتہ
ہے کہ "ہم سے چھپے" میں شاکسالی مجھے مٹی چھوڑی ہی جگہ سے ہی گزشتہ
مزہ و خوشی۔ میں اپنا آج کل یہ مٹی ہی سنوہ اور گھر پھر اس اچھا لگتا ہے۔
۸) کیا سوال کروا یا ہے تالی بڑھادی آپ نے تو میری خواہش اور شوق کو
ہوا سے ہی میں کیرا شریف صحت سے ملنا چاہوں گی۔ اہم لکچر سے مٹی مان سے
پر چھوٹی کر کھتہ کین چھوڑ رہی ہیں۔ نازی کنول نازی اور صحت کو سردا
سے کدہ اپنے لفظا بھول جاتی ہیں۔ جنہوں کی بددلت میں صحت آتی میں
کتا ہے کہ کھینٹ کی مٹی کتاب بھول نہیں خیر۔!

مٹی مینا خلیق ... جہان ۲۰۱۵

نوائی بڑی کو وہ بھگائے ہذا آج کل دل کو بھانے
لڑتے لڑتے باہل آتے جنتا سکھاتا آج کل دے
۱) "نوا بڑا چھوڑی تحریر" لکھ ہواؤں کے سنگ "پورا بظنفرق" ہائے
زور و شہیل "کئی تحریر میں ہیں جنہیں میں آج مٹی یاد کرتی ہوں۔

۲) "بھتر زندگی" وہ ہے جو انسان اپنے لیے جیتا ہے اور بہترین زندگی وہ
ہے جو انسان دھروں کے لیے جیتا ہے۔ یہ ایسا جنت ہے جو ہر وقت ہماری
زبان پر ہے۔

۳) "مجھے ہے تمہاری" میں عباس جیوڑا کروا میرے بھائی سے بہت
متا ہے اسی طرح خوب صورت اور اسی طرح مطرود اسی وجہ سے ابھی تک
کھوڑے ہیں۔

۴) کوئی لکھ۔

۵) خوب صورت لکھ تو زندگی میں بہت ہیں لیکن آپ کو ان کی بات
تھاؤں ابھی میں آج کل میں خط لکھ ہی گئی میں نے اپنی گزشتہ سے کہا جو کان
سے خطا کاغذ نے کراؤ وہ بڑی دل کان سے پنا سنگ کا تھیلے لکھتی میں

نے اسے کہا کہ پلاسٹک کے قلعے مگر میں تھوڑے ہیں جو تم نگاہ سے بھی لے کر آگئی ہو۔
 ۶. گمبر کے "ٹائل" نے مجھے بہت متاثر کیا۔
 ۷. اس نگرے گمبر میں جاتی ہوں لیکن وہاں کی فنکاروں کے تصور پر اس نے جا بھے۔
 ۸. شکیل خواجہ اس کو وہ میں اس گاہک سے مناجا جاتی ہوں اس کے کٹروں میں مجھ پر انکس نظر آتا ہے۔

فریاد شہدائے

سب سے پہلے تو آجکل اسٹاف اور شیڈز اور کٹروں اور سب دلاستوں کو یاد مجھ سلام اور ظاہر بھری دعا۔ میری طرف سے سائمن کی دینی مہربان بنو۔ آجکل کی ۱۷ ویں سالگرہ طرف سے میری دعا ہے کہ میرا ہر دن خوشیوں سے بھرا رہے، تیری ہر رات آکاش کے ستاروں کی طرح جگمگاتی رہے اور تو کامیابی کی راہ پر چلتا رہے تو سب سے بلند بلدار ہے اور سب سے بڑا کرتو سب کے دلوں پر مدد کر رہتا ہے آمین۔
 سب سے پہلے تو آجکل اسٹاف کا شعر یہ یاد کروں گی جنہوں نے ہمیں ایک تفریحی اور اصلاحی ادب سہیا کیا۔ جبریل، ہر بولہ کہہ نہا سنتی سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ تمام سائمنز کا شعر یہ یاد کروں گی جن کی تحریر میں لکھنے کا سوچ دیتی ہیں جا بھے ہول ہو پالنا سارہ سب بڑھ کر ان پر اپنی بھاری بھاری دوسروں کا جھانپا ہونے کا احساس دلانی ہیں یہ سب "آپس" ہی کی وجہ سے ممکن ہو رہا ہے۔ شکر ہے! آجکل۔ بہت سی دعا میں اور نیک تمنائیں آجکل، اسٹاف اور فادرن کی سب سے پہلی طرف تو۔

۱) مجھے بھی جگمگاتی تحریر پانچ پندرہ سائمنز لکھی گئی۔ جبریل کوئی نہ کوئی سنتی دینی ہے اور سوچ کے نئے جا رکھی ہے۔ مگر میں چھٹا ایک تصور کیا کہ اگر کوئی دین جو ناقابل فرہوش کہلائی جا سکتی ہیں وہ ان کے سائمنز کو تھکائیں جس میں وہ سب کو چاہیں گی اتنا اچھا لکھنے پر سب سے پہلی تحریر جو پسند کے لحاظ سے نو بین صبح پر ہے وہ ہے "گراں بھدا ایک خفا کو سید غزل کی شہ مگر مگر جو جب تخلیقی بریقین کو مضبوطی دیتی ہے اور اس میں اس پر یقین بھرا افسانہ لکھنے کا اس کا ہر لوگوں کو شکر ہلانے کا جتنی دیتی ہے وہ سب سے بہتر جس کی تحریر کو کر کے میں ہوں گی اور لکھنے بہت ہی قدر میں اور وہ سائنس کی ہر مگر میں اس تحریر کو بھی فراموش کر نہیں سکتی اور تحریر جس کے نظریہ پر ہر مگر میں اس کی باتیں ہوتی اور تحریر ہے فخر گل بی بی کی "دنی ایک اور ذریعہ کا اس کی تعریف کرنا میرے دین میں نہیں سائمن کے پیغام کو جس خوب مصوری سے فادرن میں ایک "پینچا ڈوکی فادرن میں آتی۔ پرفیسر کے سائنس دانہ کی ہی اور گھولنا اس میں اپنی باتوں بتانے کی ایک نیک فادرن کو اپنے عمر میں بھڑے کھا۔ شکر ہے، بہت ہی کرموں کی بدولت شہدائے کے لحاظ سے سرفہرست مدد ہے ہر کرموں سے سائمنز کو بہتر سے بہتر سائنس دانہ۔

انسانوں کی بات کرنے تو "کھا کھا کھا" تب ضرور "بھوت" بازیابی آتا ہوئی میں "گھبت" مہمان، "دورا احمد" صدف آصف، "دھری میں" علیہ بیگ، "سمجھ" میرا غزل نے بہت متاثر کیا۔ مجھے افسانے دیکھنے اور سچے مگر یہ سب یادگار ہیں کہ ان کے علاوہ اس گاہک نے اپنی ایسا لکھی اور میرا شریف پاپی کی ہر تحریروں سے پسند ہے۔

۱۲ (۲) رسالوں (بہت سے سال کے) میں سے اپنی پسند کے جملے نکالنے کوں تو پہلے ۱۳ آجکل ہی میں سائمن نے لکھ کر کہانی میں زیادہ نہیں تو ایک سال تو ضرور لکھی ہوئی ہے جملہ جملہ پر نقش چھوڑ دیتی ہے۔ "کاشی کا پیکر" سے ایک خوبصورت اور آگاہی اس دن میں صرف جملہ ہی نہیں ہیں اگر کہیں صرف

بگڑنے پر کمر بستہ ہو جائے تو دنیا بہت جلد ختم ہو جائے۔ مگر یہاں نہیں بلکہ تعالیٰ کی اس کا نیت میں آئی تو انہی کے ہے کہ بگاڑ پیدا ہوتے ہیں تو انہیں سدا کے واسطے لگی کہیں نہ کہیں لازمی موجود ہوتے ہیں۔ ہر انسان خود سے بہتری کی طرف نکلنا چاہئے۔
 "بزموں خواہیں لکھی" کا "خروگ" "بعض اوقات سب ذوالجلال اپنے پیارے بندوں کو مصروف پریشانی سے کر کے بڑی مصیبت سے بچا دیتا ہے۔"
 "زمین پر جاندار" صدف آصف "قدرت کے رنگ زمانے زمانے کو برستے اور کھینچنے کے لیے ہر انسان کے ہاتھ میں جیسے ایک تختی ہے پرچہ چھائی گیا ہے جسے وہ اپنی، کچھ بوجھ کے حساب سے ہر گز ہر جتا چلا جا تا ہے کوئی ادا کے لیے ترستا ہے کوئی ادا کی وجہ سے آڑاؤں، کٹاؤں، اور ہر پر اپنے اپنے بندوں سے قائل نہیں ہوتا۔"

۱۳) جگمگاتی ایسا اتفاق نہیں ہو سکتا ہے کہ شوق اور خون بہت جاتا کہ لکھتے ہی لکھتے لوگوں کو اور سے لکھتی اور لکھتی ہوں کہ ہو سکتا ہے انہی میں سے کوئی گدا ہو جو کسی تحریر کا حصہ بنا پھر آ کے کسی تحریر کا حصہ بن جائے۔ کیونکہ سب تحریریں انہی گداوں کو لکھ کر ہن میں گمراہ کرتی ہیں۔
 ۱۴) پسندیدہ کھانا بہت ہیں جا بھے وقت پہلے یا پھر کھانا کھانا کھانا ہر ضرور جاتے ہیں ہر گدا کو ہر گدا میں کوئی شکل شہت پر ہلاک ہو جاتی ہے اس کی منتی سونج کی بھی گدا کا ہر ایک پہلو دیکھنے کی عادت نہیں ہے اور سنجیدہ گداوں کی فہرست بہت لگتی ہے جن میں ہر فہرست سکون، مصطفیٰ خاں، فادرن، میرا سب سے طبع علون سنا ہوا اور کی بہت سے ہیں خیرات لکھی ہیں۔

۱۵) بہت سے لمبے ہیں جو ذہن تو تازگی دیتے ہیں لفظ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا شہدائے لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں خوش رہنے کے لیے خوشیوں اور خوشیوں میں پرانی میں دھروں کو خوش رکھ کر بھی خوش ہوتی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوشی حاصل کرنے والوں میں سے ہوں، باغی اور نا امید فادرن پر یقین نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجھے تو اپنے ہر مگر مگر پتا خری اور تک نہیں ہے۔ اگر آپ کو خوش رہتا جاتے ہیں تو دھروں کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا خیال رکھیں ہر گدا کے گدا کو خوشی کیسے بھاگ کر آتی ہے۔ یہاں سلا میں ان کی ذات پر لگائی ہوں شاید یہی ہے کہ انہی بہت آتی ہے۔

۱۶) ناگل تو سب ہی ایسے تھے مگر سب سے پہلے کا اہل میں ہوں گی اپریل (سالگرہ گمبر) اور کتور (عید سیر) کھانوں ہی ناگل نہ دروست خیر اور ۱۵ اکتوبر میں انہوں ہی ناگل بہت پیارے ہیں خاص طور پر فادرن کی ناگل بہت پسند آتی۔

۱۷) کسی بھی میں سب ہی ملے بہت اچھے ہیں اس بات پر اساتذہ چاہتی ہوں کہ جنوں کی بدانت میں تمام پرانی سائمنز کو پہلے شامل کیا جائے۔
 ۱۸) آجکل سائمنز میں پرانی میں سب ہی سائمنز سے ملنا چاہوں گی اور ڈھیر ساری گپ شپ لگاتا چاہوں گی۔ آخر میں ایک دفعہ ہر سے سائمنز کی ڈھیروں مبارک ہو اور سلام۔

صفتی ذائقہ، "فصلی ذائقہ" ... جوڑو
 ۱) اسلام - یہ سب سے پہلے وہی طرف سے آجکل کی بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ مجھے ہے کہ انہی کی کہانی سے جسے سب سے زیادہ کھانا کھاتا ہے۔
 ۲) بہت تازہ جاس پاک ذات نے مجھ کو بے شک
 اگر میری مہارت کے برابر تو کچھ نہیں ہوتا
 ۳) مجھے ہے کہ انہی میں لا رہا ہے کہ گدا دیا ہے جو مجھے میری کرن

قرآن میں دیکھتا ہے۔

۲) ہفت گز اور شہارہ کوئی گز اور لٹکا ہے۔

۵) جب ہم مہدی کی مٹی اٹھائی ہوتے ہیں چاہے جس سالی تم کا کوٹ مٹی جی بھی ہو وہ بھول بھال جاتے ہیں سب کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔

۶) ہمیں تو ابتدائی سے کہتا ہے کہ ہمارے پاس تک ملامت آج کل ہی نہیں ہے۔

۷) جنوری کا کانگڑا بہت ہی پیارا تھا خصوصاً اس کی مہندی۔

۸) تازیہ کنول تازی سے ملتا چاہے ہیں کیا لاشی میں علیہ ممکن ہے کہ ہم ان سے مل سکیں؟

طییبہ ظہیر..... شادی والے گجرات

۱) آج کل ہمیشہ ہمارے لیے بہت سی اچھی ایسی سستی سوز کہانیاں لے کر آتا ہے۔ میری سہیلہ اکثر زینکس مہارک ہونے لگی ہیں۔ لیکن سہیلہ غزل نہی لے سکتی جو سنواری لگتی ہے۔ کہوں مجھ کو ایک خدا تو بھلی قیل پلوں کو بھول جانے والی ہو کر جو ہمیں ہمیشہ یاد ہے۔ کہنی کلمہ شروع ہے بعد پھر مل نور پور میں تھاروں میں ملنے والی گز مٹی۔ اسی طرح مٹی سے تیزی غزل مٹی۔

۲) بہت سارے جملے اور کراف ہوتے ہیں جو سیدھا جا کر دل کو بہت کرتے ہیں لیکن جب میں نے یہ پڑھا کہ "انسان کو چاہیے کہ دوسرے لوگوں کے تجربات سے ٹھیکے اور ناپا تجزیہ صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ اپنی

سہیلہ" جب میں نے پڑھا تو سب سامنے آگئے تیار میں اس بات کو بھی نہیں بھولتی اگر وہ برقی برقی ہوں۔

۳) مٹی تو کتنی ہوں انسانوں کی دنیا میں کم از کم چلو اور صدمہ بہت ہے۔

کوئی نیک کردار تو نہیں ہمارے گھروں میں اور ہمارے ملامتوں کے شہزادہ ہیں

چراغوں میں ہمیں نظر آتے ہیں لیکن میں اور وہ مردوں کا گڑبگڑ کرنا چاہوں

کی سانس اور ہوش بندوں کو یاد دلائیے ہیں جو دونوں ایک دوسرے کو کسی حال میں خوش نہیں دیکھ سکتے یہ ہر دوسرے کو مہر کی آسنوی ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ

سانس کو چننا چاہیے کہ میری مٹی ہی مٹی سے جس سے ہمارا سلوک کروں

کی تو میری مٹی کسی کے ساتھ بھی اچھا سلوک ہو گا اس کے سہراں میں اور ہوں کہ

سوچنا چاہیے کہ میری مٹی میں کھولوں تو کل کھری تے والی ہمارا بھی مٹی

میری مٹی کو مٹی کہنے کی ہر شے کو نمانے کے لیے اچھی نیت اور مہربان ہونا

کی ضرورت ہوتی ہے ہی چیز سے جملہ سکتے ہیں اور یہ وہی اور ہو گا تو

یہ سونے پر سہا کے لاکھ ہونے والے گا اور میری سب کچھ میں سے سونل تو

کبھی ہوساں طرح مٹی کی زندگی گزیر تو زندگی کے بعد خوشوار تر رہیں گی۔

۴) میری پسندیدہ کردار "کہوں مجھ کو ایک خدا کو" کی میری مہربانیاں ہیں جس

نے اسلام قبول کیا بہت جاں نثار اور ہمت مند اور غلٹ کی کردار کی بات ہو جائے

تو مجھے جھکا کر یاد مٹی کا جس نے میری مٹی کی کہتی ہے۔

۵) میں گئی گئی نامیہ میں ہوں۔ اپنے تعلق کا ہر حال میں شکر دار کرتی

ہوں بے شک میں پریشان ہوں خوش میں گئی باہیں نہیں ہوتی اگر جراتت

جملہ رہا ہے اچھا وقت لانے والی گئی ذات خدا کی ہے تو میں کہتی ہوں کوئی

پتہ نہیں اگر آپ پریشانی ہے تو کہیں کوئی مصلحت بھی آئے گا اس لیے میں یہ

سوچ کر خوش رہتی ہوں کہ وقت ہمیشہ ایک ساتھ نہیں رہتا ویسے ایک خوب

صورت سے لے کر انصار سے کہ ہائی ہو کر ساتھ نظر بقہ سے جلدی سے آج جانے

نوروں کی شادی انجوائے کریں۔ اس لیے کا سوچ کر خوش ہو جاتی ہوں اور

بے پیمانہ غیر مہمان ہوں۔

۶) مجھے ہر مٹی کا آج کل اس کا مٹی بھلا ہوا ہے۔

۷) ہم کسی بھی مسئلے میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتے لیکن دنیا تو ہماری ہے

میں جگہ لگ رہے ہو کی بات ہے (وہ یوں مٹی جلیں مجھے سات تھوڑے سا گند

کر رہا ہے) بڑھنے والے کہتے ہیں گھنٹا چھوڑو تو نہیں زیادہ کیا تھا آپ

مجھے شامل ہی نہیں کر رہے۔

۸) میرے سب سے ملے کو دل کرتا ہے جب آپ نے ایک کا پوچھا ہے

میں ہمارا کی (تازیہ کنول تازی کا)

صفتہ ملک اور فیروز..... پیارے خلیفہ ہذا نو

سب سے پہلے میری جانب سے دل کی اظہار گزائیں سے میرے

پہلے لکھ کر کو اس کی ۱۳ سالہ بہت بہت مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ

آج کل باقی امت کو درستی دینا ملک یونیکا چمکا دیکھتا رہے گھنٹا کیل کے ناموں

میں گھر سے گھنٹا یونیکا چمکا کرتے رہیں گے۔

۱) اس بات ہے ہیں جہالت کی جانب تو جس سے آپ نے پوچھا ہے کہ

۱۱) مٹی جیسے میں برسوں پہر کھوں کی تو مٹی کی لیز آج کل عیسائیت سے جس

کی ہر گز ہر سلسلہ مٹی کے ہر لفظ کا نقل فراموش ہے میرے لیے کی گئی گئی

میرا بیست فرزند ہے مجھے زندگی گزارنے کا اسٹاک سنگی ہوئی میں خیر مائے

اور برے کی پیچیدگی اشعور کا گئی کا لہر لہرائے گئے بڑھنے کی گئی گئی

سب سمجھایا لیکن جہاں ایک تحریر کا پوچھا تو "کہوں مجھ کو ایک خدا کو" مجھے لگتا

ہے کہ بہت زبردست پر اثر اور تصوف پر مبنی ہوں تھا جس نے اسلامی

مطلوحت کی کڑوں سے ہمارے قلب اور نظر کو نورا دیا۔

۲) آج کل میں کبھی جاننے والی ہر گز پر کاغذ لفظ ایسے سے جیسے سچ اور بعض

قلب پر چمکتے ہیں۔ سب سے سب سے سب سے خوب سمجھتا ہی گئی سب سے سب

کے ساتھ ساتھ میرے پاس مناسبتا جمل گھنٹا ہیں جب دل چاہے مہمان

سے نکال کر ملاحظہ کر سکتی ہوں اور سر تو مٹی کی مٹی میں نہیں کھل

۳) انسانوں کی دنیا میں سب بھولت ہیں وہ مٹی میں کہتی ہوں کہ

پکڑ لگی جھولت نہیں ہے۔ ہر افسانے کا کردار ہمارے معاشرے میں کہتے نہ

نہیں موجود ہے۔ مٹی کی کردار ایسے ہیں جن سے ہر مہرہ زندگی میں مذکور

ہوتی رہتی ہے۔ کوئی سادگی اور غلامی کا دیکھ کر کوئی اپنی غیر منفعتا نہ طبیعت اور مٹی

کردار کی اصل جو نہت سمیت من و مرن ہمارے سہرا ہو جاتا ہے۔

۴) اس سال میرا پسندیدہ اور مثبت کردار مصطفیٰ تھا کیونکہ لوگوں

اور لوگوں کو کہہ کر دنیا کو زندگی اور مٹی کے ساتھ بہت سے تھے جیسے کلید اور ملامت

یعنی ہر سکھ کے یاں جو کہ کئی مسئلوں میں اپنے اندر ملاحظہ خصوصیات

لیے ہوتے تھے۔

۵) میری زندگی کا خوب سمجھتا اور جو تم کا دل میں بھی ڈالنا وہ جسٹنی

آسودگی عطا کرتا ہے وہ ہر سب سے سب سے سب سے سب سے ساتھ ہوں میرے

اکی پانچ شاہ کی ہر جہلی جب جب میں ان کے ساتھ ہوں ہوں مجھے سکون ملتا

ہے اور میں میں لوگوں کے ہر ہونا نے کی رہتا ہوتی ہوں۔

۶) ساری دنیا میں مجھے جو آتش سب سے زیادہ پسند آیا وہ اپریل کا

آج کل ہے جس میں خوب سمجھتا اور ہے خوب سمجھتا ہے شہید کے رنگ ہر

سکھ کے تپاؤں میں شہداء کی سحرین آج کل کے مٹی کی سمجھتا اور نہیں۔

۷) آج کل کے مٹی کے سلسلے اپنی مثال آپ ہیں ہر پہلوں میں مٹی کی طرح

میاں گل مطلقیت کا جس اور جس دشمن کے ساتھ سے دیکھا آج کل کا قلب

و پیسے و مٹی حاصل سے کوئی سلسلہ شروع کیا کریں۔

۸) اف..... اف..... کیا پوچھا آپ نے کوئی ایک معنی ہی نہیں

(۵) ہم مرزا سے کبھی ملاقات یا آخری ملاقات وہ لمحات ہیں جو مجھے وہی بوجہ سنی تھا کہ میں کسی فلکی دستاویز کا مطالعہ کرتے ہوں۔
 (۶) "میں بھلا ایک خدا کو"
 (۷) "بہنوں کی عدالت" میں دہلی کے علاوہ ایٹھ ہزار ایک سو تیس کو بھی پیش کیا جائے بعد تصویر۔
 (۸) ہادیہ کنول ہادیہ۔

کے ہاں گھرانے پر ہزارا کہ ہوا تھا کہ بچہ آئے تو بتاؤ مجھے شہرت ہوگی تو میں خود بچہ کو یاد کر کے لائی اور انہیں ہزارا کے سب میں بکھرتا بچہ تو نے سب کو کاتیں رکھی وہ تو ایک طرف بعد میں جو سب نے میری پائی لگائی اسے یاد کر کے لائی جاتی ہے۔
 (۶) ارے کس پائل نے من تو سنا تھا؟ پائل ہزارا تے ساتھ ہی جتنا بھی اپنی جن سے لگا کر وہی بکھری گئی وہاں سے حرکت کے لئے اس پر ہاتھ صاف کر جاتے ہیں پائل ابھی میرے پاس بڑے ہیں ان پر کئی ٹائٹل ہوتے ہیں کہ کون سا اچھا ہے۔

صلیحتہ خلق..... باغ تزیانہ کشمیر
 (۱) میری لکھنے کی تحریر "میں بھلا ایک خدا کو" مجھے ہے مگر وہاں تا زلاتی نقاب ہر دو سرا عہد نہیں۔

(۷) یہی گائیڈ میں میں یہ تہذیبی جاتی ہوں کہ غیرت و غیرت بھائی گائیڈ میں ہر شے اسٹوڈنٹس کے پاس ہونے چاہیے۔
 (۸) ہادیہ کنول ہادیہ اسٹوڈنٹس سے لگاؤں پڑھتا تھا اہل تب سے لے کر آج تک میں خواہش ہے۔

(۲) "تذکیریں" سندھ کی ریت کی طرح ہوتی ہیں عیاں بڑی ریت، اگر ساحل پر ہوں تو قدموں سے سندھ کی جاتی ہیں اور اگر سندھ کی تہ میں اہل تو کچھ نہیں جاتی ہیں لیکن وہاں جو خود کو ایک مضبوط سبب میں ڈھک لے لے لے لے جاتا ہے جو ہری اس ایک موتی کے لیے کہتے سبب جتنا ہے ہر اس موتی کو گھسیٹوں میں بند کر کے محفوظ رکھوں میں وہ جاتا ہے۔ کئی مشاغل صحت کی سے سندھ تو ملی نے موت و بردوں میں کبھی ہونے چیز خلی سے ہا پینا پ کو عیاں کر کے خود کو جنم دیتا کہ گائیڈ میں بھائی ہے (مجھے ہے سمجھوں)۔
 (۳) لگی کہ وہاں جیسے ہیں کسی ایک کا نام نہیں لے سکتی۔
 (۴) "موت سردار" تو وہاں ہر ایک کا الیڈ ضیاء ہوتی "میں بھلا ایک خدا" کی جتن۔

کشف غلطیہ، حسنت غلطیہ... سرگودھا
 آج کل بے شک خوب صحت پر چہ ہے لکھ پاک آج کل کا سفر یومی کا سہانی و کامرانی سے ہندی رکھے ہادیہ طرف سے آپ سب کا آج کل کی رائے مبارک ہو۔

(۵) مجھے ہر اس لیے بہت خوشی ہوتی ہے جب میں کسی کے کاموں اور سبب میری کوئی تحریر یا کمال میں سمجھتی ہے۔
 (۶) کبھی اوتھے تھے تقریباً۔

(۱) آج کل کی تمام تحریریں بہترین ہوتی ہیں لیکن ہر طرف سے "نوا" ہادیہ کنول ہادیہ کی تحریر بہتر "میں بھلا ایک خدا" کو سید خود بھائی گائیڈ میں ہمیشہ رہی ہے۔
 (۲) "میں بھلا ایک خدا" کا یہ ہر طرف انسان کو ہمیشہ زندگی میں مشکل نصیب لینے پڑتے ہیں مجھے آج تک یہ کبھی نہیں آئے ہمارے آج کبھی نہیں جیتا کوئی فیصلہ مشکل نہیں ہوتا ہے بلکہ ہمیں اپنی زندگی اور اپنے پیاروں کی خوشیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہوتے ہیں ہم ہمیشہ اپنے پیاروں کی خوشیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے ہیں ہادیہ زندگی پر۔

(۷) آج کل ہر لحاظ سے ریٹنگ ہے میرے خیال میں۔
 (۸) ایک کا نام نہیں لے سکتی دونوں میرے لیے ایک جیسی ہیں مطلب دونوں کا میرے دل میں خاص مقام ہے وہ میرے شریف ایڈیٹر ہادیہ کنول ہیں۔

(۳) "میں بھلا ایک خدا" کے "میں بھلا ایک خدا" کے "میں بھلا ایک خدا" میرے عشق بھلا یاد کرنے والے ہوں جو کہیں دسمبر ۲۰۱۱ء میں پھولوں کے گلے "میں بھلا ایک خدا" کے ہادیہ کنول ہادیہ کا مصطفیٰ شہت کرنا پڑی ہادیہ رہے تھی کون نہیں۔

میزب... ضلع قصور
 تمہارا ساتھ ہو تو سارے سوچ اٹھے جتنے ہیں دگر بے عزہ ہیں بھول، خوشبو لہے بھلا سنا

(۵) ہم سب بہنوں کے لیے ہر کوئی خوب صحت ہوتا ہے جو ہمارے اپنے ای ہمارے بھول کے ساتھ لڑتی ہیں۔
 (۶) تمہارے کمال نے ہر شے کیا کیونکہ ظلم نہیں ہندی نصبت ہیں۔
 (۷) کسی کبھی سلیپ میں نہیں "بہنوں کی عدالت" کا سلسلہ یونہی جتنا رہتا چاہیے اپنی سارا آج کل بیٹ ہے۔
 (۸) ہادیہ کنول ہادیہ ہر ماہ سے ملنا چاہیں گے۔

(۱) "مجھے ہے حکم تو ان" جو اس سال مل گیا ہوتی ہے یہ تحریر میں ہمیشہ یاد رکھوں گی خاص طور پر اس بول کا شوق بھاری کا شوق جیسی تک سنا تھا خوب صحت تھا کہ دل خوش ہو گیا ہر وہ بول بالہ نہ خود تحریر جس میں انسانیت کو بھلائی کے لیے ایک حرف یا ایک جملہ لگا جائے یاد رہے وہاں سے۔

عنزہ یونس... حافظہ آہلہ
 (۱) اس سال کی سب سے اچھی انٹروی "میں بھلا ایک خدا" کو سید غزل زیدی کی۔

(۲) ایک لہجہ جو کہ میری ہادیہ کی کے ایک کس دس گھنوں پر لکھا ہوا ہے "تم جس سے محبت کرتے ہو سنا زلا پھونڈا اور نہ وقت کرتا ہے تو کچھ کہو کہو کبھی تمہارا نام نہ لے گا اور نہ ہوتا ہے تو اس کی پریشانی کرو" (ظلمیں جوں)۔
 (۳) انسانوں کی دنیا میں سناجی ہوتا ہے یہ تو میں اس وقت نہیں جانتی تھی ہوں سب میری زندگی میں انسانوں کی طرح کچھ اچھا سوزا لے گا۔ پھر ہی لگے گا کہ انسانوں کہتوں میں سب جھوٹ نہیں ہوتا۔

(۲) سید غزل زیدی کا بول "میں بھلا ایک خدا" کا ایک جملہ "ہم عالم کو سامنے ہیں ماٹھی نہیں دنتے" میں سمجھنے نے میرے دل کی دنیا بدل دی۔
 (۳) میں تو آج کل میں ایسے بہت سے کردار پڑھنے کوئے جو میں نے اپنے خود کو بہت قریب سے دیکھے ہیں مگر کلاہ اور صالحی جیسے کردار میں نے جیسی زندگی میں نہ پڑا دیکھے۔
 (۴) میرا شہت پسندیدہ کردار میرا علامہ شہر علی رم جب کے تھی

(۴) "نوا" ہادیہ کنول ہادیہ اس سال کی سب سے اچھی انٹروی "میں بھلا ایک خدا" کو سید غزل زیدی کی۔
 (۵) کسی کبھی طرح "میں بھلا ایک خدا" ہوتا ہے ایک ایسا کردار جو میرے چہرے پر مسکراہٹ لے آتی ہے وہ یہی ہے کہ ایک دفتر اسکول کے دور میں ساری فریڈ زینڈ کلاس فیلو لگانے کا تہا بلہ کر رہی تھی وہ مجھے نہیں لے گا اس

کرادوں میں جتنی بود و تاب ملے گا۔

(۵) ویسے تو کالی نے میری زندگی میں خوشگوار آئے تھیں وہ لمحہ جب میری سسڑی شادی ہوئی اور میرے گھر والے مجھے پار میں چھوڑ گئے اور میری دل میں جا کر مجھے بھول گئے میں 12 بجے سے پار میں بیٹھی اور مجھے 3 بجے پار سے لیں کر میرے گھر والے میری دل میں گئے۔ وہ لمحہ جب بھی میری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔

(۶) خوب صورت ٹائٹل اسٹ 2014 کا تھا۔

(۷) میں تو آج کل بہت ہی بیستہ شخصیت ہے لیکن اگر قسط وار کہتا ہوں کہ میری جامل اور زیادہ سزا دینا تو میری انٹوز پر تصاحب ہے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ (۸) اپنے تصدیقی قسم سے یقین مانے میرا دل کرتا ہے میں آج کل کی تمام رازوں سے غول مگر پرستی طور پر مجھے نازیہ کنول نازیہ اور میرا شریف طور سے خنے کا بہت شوق ہے۔

مصباح عبداللہ..... وصول ہوا

(۱) "میں نے جب تک خدا کو"

(۲) سید خزانہ زیدی کا بیول "میں نے جب تک خدا کو" کا جہنم نام دیا ہے جس کا نام بھی نہیں دانتے۔

(۳) بہت سے کور میں نے ایسے پڑھے جو مجھے اپنی حقیقی زندگی میں نے لیکن صاف کا کور میں نے زیادہ دیکھ اپنی زندگی میں۔

(۴) اس میں میرا پسندیدہ مثبت کور میرا دہاں نور انور احمد کو باہر متی کور تو بہت سے تھے مگر کلاہ اور لیزہ کا کئی کور اپنا چھاپا۔

(۵) میں تو بہت سے میری زندگی خوشگواریت کا باعث بنے تھیں وہ لمحے جب میں نے اور میری فرزند سزا دینے رمو کر کے مالے چرانے اور مگر خوب پتلی بھی کورائی رمو سے جب بھی کور میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو میرے چہرے پر پے مانت مسکراہٹ جاتی ہے۔

(۶) سب سے خوب صورت ٹائٹل رمضان المبارک میں شائع ہوا خوب دلا (جولائی 2014 کا شمارہ)

(۷) میں تو آج کل سانا ہی اچھا ہے لیکن اگر قسط وار کہتا ہوں کہ میری جائیں ہوا اسلامی کہانیاں زیادہ شائع کی جائیں تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

(۸) میں سادگی اور سزا دینے سے متاثر ہوتی ہوں لیکن سب سے زیادہ شوق مجھے سید خزانہ زیدی سے ہے مگر کلاہ میری خواہش پوری کرے تو میں۔

مصباح ہضمی فیصل آباد

اسلام علیکم سب سے پہلے تو آج کل اسٹاف وقار میں اور تمام بہنوں کو آج کل کی 37 ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ خدا کرے آج کل ہمیشہ یونگی تری کرتا ہے تو میں۔

(۱) بہت ہی لکھی تعداد میں جنہیں میں برسوں یاد رکھوں گی جیسے جین کلاہ، منگھڑ، کورن جب تک ایک تھا اور کئی چکوں پر لونا ہوا تاہم اندر کچھ خوب نیکلیس کا پھول نور بہت ہی۔

(۲) اسٹیج کے ٹکڑے میں نازیہ کنول نازیہ نے ایک خوب صورت جملہ میں علی کہاریاں کے لیے لکھا جو مجھے بہت پسند آیا۔ "کوشش کریں کہ آپ کو زندگی میں دو انسان ہمیشہ جستا ہوا ملے جستا پ رہتا ہے میں دیکھتے ہیں۔" اور "مجھے خود کو کھرنے مت دینا کیونکہ کھرنے سے ہونے مکان کی اینٹیں بھی ٹوٹ نکلا کر لے جاتے ہیں۔" اور "محبت کے قہر کے لیے ہونوں کا اسٹارن لینا ضروری ہے کیونکہ میں بہت سے ہیں سب کھینچنے کی تو آج کل میں کی وہ۔"

کے لیے جگہ نہیں بنے گی۔

(۳) دلچسپ سوال ہے جیل کلاہ کھرنے کو میں کر دیتے ہوں ایک دن کو تو میں لگا کہ میں حرف خود خود چھڑی ہوں اور کئی نہیں میں میرا جس جھنڈا عسوں ہوتا۔ زندگی بھر رہے کی کشف کو دیتے ہوئے اکثر عسوں ہوا جیسے شمال ملکی ہوں اس سے کور بھی بہت سے کور ہیں جو مجھے کبھی انجینی عسوں نہیں ہوتے جیسے "میں لگا چکوں پر" کی پاس، "تو ہوا ہوا" کی اتنا "مجھے سے کھلاؤں" کا عیاس حیدر ملکتا۔

(۴) میرا نہیں خیال کہ کئی کور کئی کور کئی کور ہیں مگر ایسے ہے کہ ان کے اندر کئی کئی کئی کئی کئی ہوتی۔ مگر میں مثبت زندگی ہی بات کرتا ہوں۔ مجھے سے کھلاؤں کا اور ایچ ایم اور زینب میرے پسندیدہ کور کھلیں۔

(۵) یہ کیا چھاپا ہوا آسان سول پڑھیں تو۔

خدا کلاہ کہ خوشیاں بہت ملیں مجھ کو میں کیا کروں جو ان کی ہی دل کے اندر ہو

بہت سوچنے کے بعد کچھ یقینے کا شمارہ 18 ستمبر 2014 کالان جب میں اپنی سالگرہ کا کیک کاٹنے ہی وہاں گیا اور ساتھ ہی گرات فون کیا تھا آبی سے بات کر رہی تھی ہڈازے پر دستک ہوئی اسلہ (بھائی) نے کہا وہ کئی

مت کا نام نہ دیکھتے ہوں کون ہے کور جب وہاں آیا تو اس کے ہاتھ ایک بک ساڑھ کا ٹیپ تھا اور وہ اس پر لکھا نام تو کئی آواز میں پڑھ رہا تھا "مختار" دعا کی صاحبہ "مختار" میں میرے شعر کو فرسٹ پرائز لگا تھا اور جب میں اتنا نہیں

تھی کہ شہباز جو اس وقت ناٹ پر تھا ہوا "نہ تم میں بھی بس سستی اور پلیزوں ہی جسا کر پیر۔" یا پھر شمارہ 14 فروری 2013 کا دن جب میں نے میرے

لے سر پرائز ٹکٹ جلاں کیا تھا مجھے رڈ ٹریکس، جیلنگ، بیگ، شوٹر پر فیم ٹکٹ کیا اور مگر میں ہی وہیں کر سکوں گی۔

(۶) میرے خیال میں آج کل کے ٹائٹل اپروڈ کرنے کی ضرورت سے جیسا بھی مدتی کے ٹکڑے میں ہوں گے اس لیے اس لیے مجھے ہے بعد پسند آتی

کھرا آئی سب سب با گل پسند نہیں آیا۔

(۷) کہ میں نے کئی حالت میں شاعروں کو کئی لایا جانے اور ساتھ میں تصاویر بھی شائع ہوں تو کیا یہی بات ہے "آپ کی پسند" وہاں شروع کر دیا جانے اور صفحات ٹھوڑے سے بڑھائیں ہوئیں۔

(۸) میں ایک شعر کو ہم لیا تو نہ دیتی ہوئی میں تو کئی پرانی ہر شعر سے ملنے کی خواہش رکھتی ہوں جیسے میں نے پسندیدہ شاعروں کی ہر کتاب اپنے پاس اپنی بک شیف پر رکھنا چاہتی ہوں پھر کئی آقا، میرا، احمد، احمد، میرا، احمد، نازیہ کنول نازیہ سب اس گل کیرا شریف طور، مانتا کوڑا سرد فرسٹ ہیں۔

فیصل خلیق..... حوی ہوا

اسلام علیکم سب سے پہلے میری طرف سے سب کو بہت بہت ساریت سے کئی ذمہ داری کی ساگرہ مبارک ہو۔ وقت تیز رفتاری سے گزرتا جا رہا ہے اور آج کل 27 سالہ فتنہ سے جلد سے بھی زیادہ کھل رہا ہے اور ہم پر بھی اپنی خوشبو میں کھیر رہا ہے

(۱) میرے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ساگرہ و نمبر کے دوران شائع ہونے والی کئی "ذمہ دار" جو میرے ذہن میں نقش ہوئی ہے رشتوں کو دولت کے ترازو میں نہیں تولہ جا سکتا۔ رشتے محبت خصوصاً وہ دل سے بننے جاسکتے ہیں سو لیا دولت سے خرید سکتے جاتے۔ دولت تو ہاتھوں کی مل ہوتی ہے محتاج ایک کے پاس تو کئی دوسرے کے پاس ہوتی ہے۔

۱۲) ایک بھرا گراف جو میرے ذہن پر ثبت ہو گیا وہ ہے 'چائے' جو شفیق الرحمن کی تحریر تھی جسے میں نے جلد کی ساہتی ڈائری کی زینت بنا ڈالا ان دنوں میں چائے بہت چمکی اور یہ تحریر مجھے بہت پسند آتی اور میں بہت ہی تحریریں لکھی ہیں جو نئے نئے نکلے ہوئے تھے۔

۱۳) میرے خواب سنی کے گھر تھے اس کہانی میں حسن کا کردار میں نے گویا پیش میں دیکھا جبکہ اس طرح کی لڑکیاں اپنی بھرا سہنے والہ رین کی عزت کو اس قدر کرنی ہیں جو کسی خوش شخص سے تھی۔

۱۴) اس سال میں بہت کردار 'مرف' کے آسٹو میں معید کا پسینا اور شفیق کردار 'کچی گرہن' میں رشاہ کا جس نے اپنی بہن جیسی گھس اور پیدا کرنے والی دوست کو دھکا دیا۔

۱۵) میری زندگی کا وہ خوبصورت لمحہ آج بھی مجھے مسکانے پر مجبور کرتا ہے جب ہندو گھر پہلا سواہل ہون آیا تو مجھے بات کرنا مشکل لگا تھا اور میری دوست کا فون آیا تو میں سب سے سانسے بات کرنے کے بجائے اندھیرے گھر کی طرف بھاگ گئی وہیں ہم میں نے بات کی اور میرے گھر تانے سب گھر پر نصاب میں خودی کی سوچ کر مسکرائی ہوں۔

۱۶) سالوں میں سے مجھے فروری کے مہینے میں شہزادہ کیا۔

۱۷) میں آج کل میں یہ تہہ لپی جاتی ہوں کہ لڑکیوں خود سے شعر لکھ کر لکھیں جو مبارکی ہوں وہ مثال کے جائیں۔

۱۸) آج کل رانگز میں سے مجھے سب سے زیادہ میرا آپ سے ملنے کی سندیہ خواہش ہے۔

فکرہ عین صیواب . تہمتہ

سب سے پہلے تو آج کل کو سارے بہت بہت ہرگز ہوا عام ہے لفظ اس کو اور زیادہ کا سولی نصیب کرے آئیں۔

۱) برسوں بندہ جانے والی تحریریں بہت کم ہوتی ہیں جو ہمارے ذہن میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتی ہیں اور اس کی ایک تحریر ہی 'کراں مجدد' ایک خدا کو جو سید غزال زیدی کی تحریر تھی۔ میں رانگز کے ہم بہت کم دیکھتی ہوں اور اگر وہ نہیں تو بھی رانگز لہر تار کے ہم زیادہ یاد نہیں رہتے اس لیے مجھے جس میں چاکر سید غزال زیدی نے اس سے پیسے ملنے سے ہاتھ کھینچے لکھے مگر پانچ برس میں میں نے کاتہم لکھی نہیں بھولوں گی کہ میں نے ان دنوں سید میری فحوت رانگز میں لکھی ہے اس لیے ہاتھ لکھی گئی میری لکھی جانے کی ہے بہت ہی لکھنا آپ کی یہ تحریر میں بھی نہیں بھول سکتی آپ ہمیشہ ایسے لکھتے تھے تہہ لکھتی رہیں اور ہم بڑھتے رہیں (میں اس حال کے رہے میں تین سو تہہ جانتی تھی پر لکھتیں اپنی اس لیے اس ہر صحت میں سال بھر ہی ہوں)

۲) میں ڈائری میں جیسے دیکھتا ہوں لکھی ہیں شاعر کی لکھی ہوں جی جیسے تو بہت ہیں جو ان پر مثبت ہوجاتے ہیں 'کراں مجدد' ایک خدا کو اس کے بہت سے جملے ہیں کوئی ایک نہیں ہے بلکہ ٹوٹا ہوا تھا اس کے بہت سے جملے جو ذہن پر ثبت ہو گئے ہیں اور میں نے ان کو ڈائری میں نہیں لکھا پر ان ہاتھ کے بہت سے اقتباس کے ذریعہ ان بنا کر میں تک پر پوسٹ کیے ہیں۔

۳) نہیں ہی نہیں ہوا لکھی تک۔

۴) کا دلیر مصلحتی مشہور توں میرے کردار بہت اچھے لکھنے والی کردار بھی دیکھتا ہے کسی کی کوئی کہہ کر مجھے لکھتے تھے اس لفظ تانہ میں پر۔

۵) میری زندگی کا خوبصورت لمحہ وہ ہے جب میری بہنوں کے پیار سے پیار سے سنبھالتے ہیں اور ان سے عین ہر شہزادہ میں کہ بہت اچھا

لکھا ہے میری بہنوں کے بچوں میں میری بہن ہے۔
۱) جیسا آج کل آج کی بہت تامل دیکھتی ہوں اور اگر چہ لکھا ہے کہ بہتی ہوں جیسا کہ اگر چہ لکھا ہے کہ تو کتنی ہوں چھ نہیں ہے اس کے بعد لکھی نہیں رہتا کٹر میری بہنوں کے چمن کے آہوں سے اور شہید ہو گیا ہے۔
۲) کسی سلیسے میں نہیں ہیں اس لیے کہیں کی کہ لکھا ہے کہ شاعر کیا کریں اور کس ہاتھ اور ہاتھ زیادہ شاعر کیا کریں اور میرا احمد اور مریم عزیز سے لگی آج کل کے لیے ہاتھ لکھا گیا۔

۱۸) میرا شریف لہو سے شفیق بہت خواہش ہے وہ میری فحوت رانگز اور میری بہت اچھی دوست ہیں۔ میں نے میرا کو بچہ جس دیکھا ہے آواز میں ہے پر میں نے نہیں لکھی دیکھا تھا کہ وہ گویا انوار میں راقی ہیں اور میں غلط میں بہت دور ہیں اور ایک دوسرے سے پر ہیں پاکستان میں ہی تو ہیں ان شاء اللہ کسی نہ کسی نے لکھی ہے۔ جہاں بھی رہو ہمیشہ خوش رہو لکھا ہے کہ بہت ہی کامیابی اور خوشیاں نصیب کرے آئیں۔

صبا سخن . ہوا لہو

السلام یکم اسب سے پہلے تو شہزادہ گل کے ہرے سائے کو کامیابی کا ایک نذر سفرے کرنے پر بہت بہت مبارکباد میں لکھی ہیں۔ آج میں یہ ایک ایسا خواب لکھا ہے جس میں بہت برا اور شاندار تحریریں پڑھنے کو آتی ہیں جو اہل ذہن کی بہت اثرات مرتب کرتی ہیں۔

۱) مجھے اس لحاظ سے کی گزریا ہیں کہ سب سے زیادہ میرا 2014ء کے آج کل میں آستان تیرن لہو پر میرے لیے یادگار ہے جس میں موجودہ فرحانہ بڑے ملک کے انتقال پر عزیمت کے بیظانت نے دل پر بہت اثر کیا جس سے ہاتھ لکھی نہیں بھول سکتی۔

۲) اس طرح کے تو بہت سارے ہیں اگر کراں میں جو میری ڈائری کے زینت بنے جس میں آج کل میں لکھتی ہوں تو سب سے زیادہ یادگار ہیں۔ کچھ یوں مصروف ٹیچر کی طرح ہوتی لکھی کی دستوں تک ہوا کرتی ہیں۔

۳) ایسے تو بہت سارے کردار ہیں ایسے بھی اہل ذہن رانگز جس طرح سچائی کی حکایت کرتی ہیں اس لحاظ سے صرف نصف کے لکھنے 'دوسرا احمد' کی حلقہ زینت کو بڑھ کر لکھی ہائی ایک خلد کی بات لکھی انہوں نے بھی زندگی دھروں کی زندگی لکھی گزریا ہے اس طرح زینت ہا کے ہاتھ 'موسلمی حبت' کی شریں۔ میرا شریف لہو کا 'لہو لہو' کا لہو اور صرف نصف کے ہاتھ لکھنے پر چاند تر 'کافی زہ'۔

۵) ایسے بہت سارے لکھے ہیں خاص طور پر جب میں اپنی امی کی گود میں سر رکھ کر لکھتی ہوں۔

۶) ستمبر 2014ء کے آج کل کو لکھی ہائی بائیاں ہوا گیا۔

۷) آج کل پڑھتے ہوئے مجھے بہت طویل جنت میں گزرا اور اس کے تہہ سارے سننے لکھے ہیں لکھی رانگز کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ لکھنے بہت لکھتے ہیں خاص طور پر میرا شریف لہو ہاڑی یہ لکھی ہوتی ہیں خلد کی نصف نصف ہر سہاں گل جی لکھی ہاڑی کو پڑھنا چاہتی ہوں۔

۸) مجھے جہاں جہاں اور صرف نصف بہت بہت پسند ہیں خدا کی سے شفیق شہزادہ لکھی ہے۔

میری دعا ہے کہ آج کل دن دگنی اور رات چوٹی ترقی کرے لکھی میں اپنے پیار سے لکھتا ہے کہ پڑھتی ہوں آئیں۔





فاخرہ گل
لال جوڑا



ریشم جیسی اس کی باتیں ہوش اڑائے رکھتی ہیں
اس کی چاہت جون کے جیسی تپنے کو دل کرتا ہے
اس کے ساتھ چلوں تو من میں خواب سے جگنئے لگتے ہیں
گجرے پائل چوڑیاں مہندی رچنے کو دل کرتا ہے

بڑھاتے ہوئے سارقدہ آپی مسکرائیں تو خالد بی نے اپنی
نظروں سے امنڈتا رحم ترس اور بے چارگی ہونٹوں پر آئی
مسکراہٹ تلے چھپالی۔

”ولیکم السلام خالد کی جان کیا حال ہے۔“
”اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے۔“ سارقدہ آپی نے
ایک کپ اناں کو دیا اور مسکرائیں۔
”کہاں سب ٹھیک ہے؟“ اناں نے اسی لمحے سارقدہ
آپی کے لفظوں کی تردید کی۔

”پتہ نہیں کیا بات ہے بہن دن بدن کمزور ہوتی جا رہی
ہے زنگت صاف سے تو یہ حلقے ایک دم نظر آتے ہیں۔ میں
تو پوچھ پوچھ کر تھک گئی کہ آخر پریشانی کیا ہے جو یہ اندر رہی
اندر چھپتی جا رہی ہے مگر وہی کچھ نہیں۔“
”کیا بات ہے بیٹا مجھے بتاؤ۔“

”ارے نہیں خالد اسکی کوئی بات نہیں اناں تو بس ویسے
ہی پریشان ہو جاتی ہیں اور نہ میں تو ٹھیک ٹھاک ہوں۔“
اس کی آنسو وہی وہی مسکراہٹ کے پیچھے جانے کیوں خالد
کو بھی عاشورہ کی فضا چھلکتی محسوس ہوتی تھی۔

”کیوں رخسانہ تارا پھر کیا جواب دوں لڑکے والوں
کو؟“ سارقدہ آپی کے جانے کے بعد چائے کا گھونٹ لے
کر خالد اب پوری طرح اناں کی طرف متوجہ تھیں۔
”جواب کیا دیتا ہے بہن..... لڑکا تو اچھا ہے تو کمری
بھی اچھی ہے لیکن.....“

”لیکن اور کیا چاہیے تمہیں؟“ خالد حیران ہوئی تھیں
کیونکہ یہ دشتان کی دانست میں سارقدہ آپی کے لیے ہر لحاظ

کمرے سے اناں اور خالد بی کی آوازیں ای سی ہی جی پر
موجود دل کی رفتار کی طرح کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی جا رہی
تھیں۔ سارقدہ آپی کے جسم کا درجہ حرارت زندہ کیوتر کے
پونے کی طرح گرم مگر دل دسمبر کی اولی ہواؤں سا سرد ہو رہا
تھا۔ ٹرے میں موجود بسکٹوں کی پلیٹ کے ساتھ رکھے دو
خالی کپ چائے کی آمد کے منتظر تھے کہ چائے کے ہونے
سے یعنی طور پر ان کی قدر و قیمت اور اہمیت میں اضافہ
ہو جاتا اور تب چائے کے اہال آنے کے انتظار میں کھڑی
سارقدہ آپی نے جانے کیوں چائے کے ان خالی کپوں کو
ہمارے معاشرے میں موجود لڑکیوں کی ذات سے تعبیر
کر لیا کہ جب تک وہ اکیلی ہوں ان کے ساتھ کوئی بھی کسی
بھی طرح کا رویہ اختیار کرتا ہے لیکن جس طرح کپ میں
چائے ڈالتے ہی اس کی حفاظت احتیاط اور اہمیت بڑھ
جاتی ہے ہی طرح اگر ایک تنہا لڑکی کو بھی کسی کا ساتھ میسر
ہو تو معاشرے کی نظر میں بھی اس کا مقام بڑھ جاتا ہے اور
چائے سے بھرے کپ کی طرح اس کے ساتھ بھی محتاط
رویہ اپنایا جاتا ہے۔

سارقدہ آپی شاید مزید کچھ دیر تک اپنی ذات کا موازنہ
دوسری مختلف چیزوں کے ساتھ بھی کرتیں مگر چائے کی
خوش نما رنگت اور روایتی خوشبو کے باعث انہوں نے چولہا
بند کیا صافی سے دھکی لٹا کر چائے سامنے رکھے وہ ٹوں
کپوں میں انڈی ملی اور کپ دوبارہ ٹرے میں رکھ کر ساتھ
والے کمرے میں اناں اور خالد بی کے سامنے پیش کر دی۔
”سلام خالد؟“ چائے کا کپ خالد بی کی طرف

سے بہترین تھا۔

خالہ کو اماں کی بات ناگوار گزری۔

”معاف کرنا خالہ لیکن ہمارے گھر میں جہیز کو پھینک دینا تو بڑی بگ ہے جو جلد بازی میں پیشیاں رخصت کروں اور چار سال بھی لگ جائیں تو خیر ہے۔ ہمیں کوئی جلدنی نہیں۔“

”جو تمہاری مرضی۔“ خالہ نے ہلکے مہرنگ کی بڑی سی چادر سر پر ٹھیک طریقے سے جھانکی۔

”آج کے دور میں اگر بیٹیوں کو جلد از جلد عزت کا برو کے ساتھ نیک رشتے مل جائیں تو سمجھو کہ آدھی جنت والدین کو اسی دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔“

”بس دعا کرنا تم بھی کہ میری بیٹیوں کو بھی ایسے اچھے رشتے ملیں جو ہماری ہی ذات برادری سے ہوں تو میں یہی سمجھوں گی کہ مجھے بھی آدھی جنت نصیب ہوگی۔“ تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے خالہ نے محسوس کیا کہ اماں پر ان کی کئی گئی کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تو خاموش ہو گئیں گوکہ انہوں نے فائز کو ناہم بنا کر کہا تھا کہ انہیں لے جائے مگر اب مزید اماں کے پاس بیٹھنا ان کے لیے ممکن نہ تھا سو چپ چاپ انہہ تران کے گھر سے نکل آئیں۔



مشعل ابھی تک کالج سے واپس نہیں آئی تھی اور اس کے آنے سے پہلے تک انہہ تیار نہ ہوتا تو پھر سارا محلہ اس کے بھوکے ہونے کے بارے میں جان جاتا۔ اسی لیے سارہ آپی ہمیشہ اس کے آنے تک کھانا تیار کر کے رکھتیں روٹی البتہ اس کے آنے پر گرم گرم ہی پکائی جاتی۔ آج بھی خالہ جی کو چاہتے دینے کے فوراً بعد وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوئی تھی۔ ارادہ تھا کہ کچھ دیر بعد جا کر خالہ کے پاس بیٹھے گی مگر ابھی اس نے نرتج سے کاجریں اور منگن نکال کر رکھی ہی تھیں کہ اماں چائے کی ٹرے لیے خود ہی کچن میں آ گئیں۔

”اماں میں لے لیتی برتن آپ کیوں اٹھ کر آئیں؟“ سارہ آپی نے برتن ان کے ہاتھ سے لے کر سینک میں رکھے اور پلیٹ میں موجود بسکٹ ایئر ٹائٹ جا رہی ڈاں

”ہماری ذوات برادری کا نہیں ہے..... اور ہمیں تو پتہ ہے کہ ہم باہر رشتہ نہیں کرتے چہا ہونو چلو پھر بھی گنجائش نکل آتی ہے کر بھی دیں تو کوئی مسئلہ نہیں لیکن آج تک ہمارے خاندان میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے اپنی بہن بیٹی کو برادری یا ذات سے باہر بیاہ ہو۔“ اماں نے دونوں ہاتھوں میں کپ تھام کر اس کی حدت محسوس کی۔

”ارے واہ یہ کیا منسلق ہوئی بھلا؟ دتیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے اور تم.....“

”دنیا سے مجھے کیا مطلب بہن لیکن ہمارے خاندان کی ریت نہیں ہے یہ۔“ اماں نے بے چارگی ظاہر کی۔

”دنیا سے مطلب کیسے نہیں؟ اسی دنیا میں رہنا ہے ناں تو یہ دیکھو کہ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اب تو لوگ بغیر دیکھے ٹیلی فون پر نکاح پر عہود دیتے ہیں اور بعض اوقات تو بیرون ملک تک بھجوا دیتے ہیں اور تم ہو کہ.....“

”تمہاری سب باتیں ٹھیک ہوں لیکن یہ بھی تو سوچو کہ طعنے تشنیے بھی تو اسی دنیا کے لوگ دیتے ہیں ناں پھر بعد میں۔“

”سوچ لو رخسانہ.....“ خالہ نے کپ خالی کر کے واپس میز پر رکھا۔

”تمہاری دونوں بیٹیاں ماشاء اللہ گوری چنی ہیں خوب صورت اور سلیقے والی ہیں۔ آج لوگ تمہاری بیٹیوں کو ایک نظر دیکھ کر رشتہ بھیج دیتے ہیں دو چار سال مزید گزر گئے ناں تو کوئی ایک نظر بھی نہیں ڈالے لگا ان پر۔“ خالہ نے بغیر کسی لگی لہٹی کے ایک تلخ حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ شاید اماں پر ان لفظوں کا کچھ اثر ہو جو مستقبل قریب کی ایک بھیا تک تصویر کی ہلکی سی جھلک دکھا رہے تھے مگر اماں نے شاید کچھ بھی نہ سمجھ لینے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

”چھوڑ بہن ایوں کہو کہ تمہارے پاس اب اچھے رشتوں کی کمی ہو گئی ہے۔ ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک اپنے فائز کو ہی بیاہ لیتیں۔“

”چلو بھی جو تم سمجھو میرا تو فرض تھا تمہیں سمجھانا۔“

کرا سے واپس کی بہنت میں رکھ کر ماں کی طرف دیکھا۔
 ”میں بھی تو وہاں اکیلی ہی بیٹھی تھی ماں سوچا
 تمہارے پاس جا کر بیٹھوں۔“ موڑھا کھسکا کر وہ اس
 کے پاس بیٹھ گئیں۔

”اکیلی لیکن خالی کہاں گئیں؟“ سارقہ آبی کی حیرت
 بجاتی کیونکہ وہ جانتی تھی آج فائز نے انہیں لینے آنا تھا اور
 خاص طور پر فائز ہی کے لیے وہ جلدی جلدی گاجر کا صلوہ
 بنانا چاہتی تھی کیونکہ مشعل کے لیے تو آج بیٹنگن کا بھرہ ہی
 بہت تھا۔ اس کو آگ پر سینکے ہوئے آلوؤں کے ساتھ
 بیٹنگن کا بھرہ اتنا پسند تھا کہ پھر کسی اور چیز کی طرف نظر نہیں
 اٹھاتی سوچا تھا کہ کھانا بکا ہوگا تو اس بہانے خالی کو بھی کچھ
 دیر روک لے گی اور فائز کو بھی گھڑی دو گھڑی دیکھ لیتی کہ
 دل کچھ لڑتا۔

”چلی گئیں..... جب تک اس محلے میں رہی اپنی سگی
 بہنوں کی طرح سمجھا چاہا اور برتا لیکن جانتی بھی ہے کہ
 ہماری برادری میں آج تک کسی نے بیٹیوں کا باہر رشتہ نہیں
 کیا ایسے ایسے مشورے دیتی ہے کہ سب خاندان والے
 میرے منہ پر تھو تھو کریں۔“ اپنی ہی رو میں تفصیلات بتاتے
 ہوئے اماں نے گاجریں چھیلتا شروع کیں۔

”لیکن ایسا کیا کہہ دیا انہوں نے۔“ دھیسے لہجے میں
 سارقہ آبی نے انہیں گاجریں چھیلتا دیکھ کر پوچھا۔
 ”کہنا کیا تھا..... ایرے غیروں کے رشتے دکھاتی رہتی
 بجاور کیا۔“

”اماں..... وہ کوئی رشتے کر دلنے والی بوا تو نہیں ہیں
 ناں! بس آپ کی ہمدردی میں ہی.....“

”بہنیں چاہیے اسکی ہمدردی.....“ اماں نے نخوت
 سے کہا اور بدستور بڑی بے دردی سے گاجریں چھیلتی
 رہیں۔ جانے کیوں سارقہ آبی کو لگ رہا تھا جیسے گاجروں کی
 جگدان کے ہاتھ میں سارقہ آبی کا دل ہے..... جب چاب
 کھلائی آنکھوں میں آنسوؤں کا ہلکا سا ترسرا پھیلنے لگا کلمی
 آنسو نہیں بلکہ وہ آنسو جنہیں بہاؤ کا راستہ نہ ملے تو بڑی
 شدت سے حلق میں اترا کرتے ہیں سو ان کا مسکن

آنکھوں سے ہو کر رخسار نہیں بلکہ صفت سے ہو کر دل تھا اور
 ویسے بھی آنسوؤں کا بے شک کوئی وزن نہیں ہوتا لیکن اگر
 یہ بہہ نکلیں تو دل ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے، بصورت دیگر دل پر
 ایک بوجھ کی صورت اٹھتے بیٹھتے اپنے ہونے کا احساس
 دلائے رکھتے ہیں۔

”خود اپنی بیٹیوں کی تو کسی کی سندھی سے شادی کر دی
 تو کسی کی پٹھان سے ذرا لاج نہ آئی کہ لوگ کیا کہیں
 گے..... لیکن نہیں بھئی وہ تو اٹھتے بیٹھتے دامادوں اور سہمیوں
 کی تعریفیں کرتے نہیں ٹھکتی اسے ہلکا کسی کی کیا پروا! اماں
 نے بات کرتے ہوئے سارقہ آبی کو دیکھا جو ان کی طرف
 پشت کیے چائے کے برتن دھو رہی تھیں۔ اماں کا خیال تھا
 کہ شاید وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کچھ نہیں
 گی لیکن ایسا نہ ہوا۔ اسی دوران باہر کا دروازہ ہلکا سا بجا اور
 پڑوس سے دس سالہ بلال سیدھا کچن میں آ پہنچا۔

”آنٹی ای کہہ رہی ہیں سندس آبی کا رشتہ دیکھنے جانا
 ہے آپ کو یاد ہے ناں؟“

”ارے کہاں.....“ اماں نے ماتھے پہ ہاتھ مارا اور
 غلٹ میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”اچھا ہوا یاد دلا دیا بس میں آدھے گھنٹے میں
 آ رہی ہوں۔“

”جی اچھا۔“ بلال گردن ہلا کر واپس پلٹا تو اماں نے
 گاجریں اور چھری پرے رکھی اور کچن سے نکلتے ہوئے
 ایک بار پھر مڑیں۔

”آج بیٹنگن پکا رہی ہو یا گاجر؟“

”بیٹنگن آلو پکاؤں گی ای! گاجریں کاٹ کر فرنچ میں
 رکھنی ہیں کل جلدی ساٹن پک جائے گا۔“ گاجر کے
 صوے کا پروگرام ملتوی کرتے ہوئے سارقہ آبی نے بتایا
 تو اماں گردن ہلاتی کچن سے نکل گئیں۔



فروری کی خوب صورت اور چمک دار دھوپ میں بس
 کے انتظار میں کھڑا ہونا مشعل کو ہرگز برا معلوم نہیں ہو رہا تھا
 اور ویسے بھی یہ کوئی پہلی مرتبہ نہیں تھا کہ اسے بس کے انتظار

آپ دنیا کے کسی خطے میں مقیم ہوں

آنچل ناول

پندرہ روزہ آنچل ناول کی دلیرانہ کہانیوں کے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ ڈالر سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر حصے میں 700 روپے

افریقہ امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

5000 روپے (بشمول ڈاک)

6000 روپے (بشمول ڈاک)

میدل ایسٹ ایشیائی یورپ کے لیے

4500 روپے (بشمول ڈاک)

5500 روپے (بشمول ڈاک)

رقم ذی مائدہ ڈارفت منی آرڈر منی گرام
ویسٹرن یونین سے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی فراہم کنندہ سے نقد ادائیگی کو سکتے ہیں۔

ایڈیٹر آنچل ناول

آئی ایم ایف گروپ۔ پبلسٹی سبلی میشنز

ان براء 22-35620771

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

Circulationn14@gmail.com

میں گھنٹہ بھر انتظار کرنا پڑا ہو۔ جب بھی وہ موج مستی میں آ کر دوستوں کے ساتھ گپ بازی کرتے ہوئے ذرا تاخیر سے کالج سے نکلتی، بس جانچنی ہوتی اور نتیجتاً سے گپ شپ کا خمیازہ دیر تک اسٹاپ پر کھڑے ہونے کی صورت میں بھگتنا پڑتا۔ آج بھی وہ پچھلے پندرہ منٹ سے بس کے انتظار میں کھڑی تھی جب ایک موٹر سائیکل عین اس کے سامنے سے گزر کر پھر پلٹ کر اس کے سامنے آئی۔

”سیاہ بات ہے؟ بس نہیں آئی ابھی تک؟“
”ارے فائز بھائی آپ؟“ ایک خوش گواری حیرت نے لمحہ بھر میں مشعل کے ارد گرد ہالہ بنا دیا۔

”میں بھی تمہارے ہی گھر جا رہا ہوں ای کو لینے۔“
ارد گرد کھڑے لوگوں کے تجسس اور سوالیہ نظروں سے بچنے کی خاطر وہ فوراً ہی کچھنی سینٹ پر بیٹھ گئی اور موٹر سائیکل سڑک کو اپنے دونوں پہیوں سے روندنے لگی۔

”کیا خالہ آج ہمارے گھر آئی ہوئی ہیں؟“ تیز ہوا کے ساتھ اڑتے دوپٹے کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے مشعل نے پوچھا۔

”ہاں کہہ رہی تھیں کہ کوئی کام ہے، میں نے پوچھا تو نال دیا۔ بس اتنا کہنے لگیں کہ دوپہر کو آؤ اس سے جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے لیتا۔ تمہارے آنے تک میں وہیں ہوں گی۔“ فائز نے مکمل تفصیل سے جواب دیا تو مشعل سوچنے لگی کہ ایسا کون سا کام ہو سکتا ہے جس کے لیے آج خالہ پھر آئی ہوئی ہیں، کیونکہ کچھلی مرتبہ جب وہ سارنڈا پی کے لیے ایک رشتہ لڑائی تھیں تو ماں اور ان میں اچھی خاصی جھڑپا سا وقت بھری ہوئی تھی۔

”بھئی آپ صرف خالہ کو لینے گھر جا رہے ہیں اردو نہ آئیں تو آپ تو برسوں تک ہمیں چہرہ ہی نہ دکھائیں۔“ مشعل نے یونہی ایک سرسری سی بات کی تھی مگر اس کی معمولی سی بے معنی بات نے فائز کے دل میں تو جیسے بھنور پیدا کر دیے تھے اور وہ اسے کیا بتاتا کہ وہ تو بس سارنڈہ کو ایک نظر دیکھ لینے کی خواہش دل میں لیے وہاں چلا جا رہا تھا ورنہ وہ صاف لفظوں میں ای کو منع کرتا لیکن وہ تو خود

میں لکھے کا لہو پر اپنی اپنی رائے کا اظہار بھی کیا جاتا۔ خالہ بی کی تینوں بیٹیاں بڑی تھیں۔ البتہ فائزہ سارقہ آپنی کا ہم عمر اور مشغول دونوں گھرانوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ اس کے باوجود جب سب ساتھ بیٹھا کرتے تو بڑے چھوٹے کی تمیز کرنا مشکل ہو جاتا۔ ایک ہی محلے میں ہوتے ہوئے دوسرے کو چاہنے لگے کچھ پتہ ہی نہ چلا سوچنے پر ایسا معلوم ہوتا کہ گویا پہلے روز سے خواہ وہ بچپن کا ہی زمانہ کیوں نہ ہو دونوں کے درمیان محبت کا ایک خوب صورت سا تعلق تھا اور ذرا دنیا والوں کی نظر پڑی اور وہ دھڑا دھڑا رشتے آنا شروع ہوئے کساہاں کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ یوں بھی اکیلی تھیں شوہر کا ساتھ تو تھا نہیں کساچھا برا صلاح مشورہ ہی کرتی سوسو بڑی سہولت سے آئی ایک کر کے سب کو لودھی رہیں۔ ان کے اس غم سے فائزہ اور سارقہ آپنی دونوں کے دلوں میں ڈھا رس بندھی تھی۔ خود خالہ بی کا خیال تھا کہ سارقہ ان کے علاوہ اور کسی کی بہو نہیں بننے کی اور گمان بھی تھا کہ تمام رشتوں کو انکار کرنا شاید اسی وجہ سے ہی تھا کہ خود ماں بھی فائزہ کو اپنی بیٹی کے لیے پسند کر چکی تھیں۔

عقدہ کھلاتو تب کہ جب خالہ بی نے اپنی تینوں بیٹیوں کی شادیاں کیے بعد دیگرے مختلف قسم کی قومیتوں میں بغیر ذات برادری رنگ نسل کے فرق کے صرف اور صرف ان کے برسر روزگار ہونے اور اچھے کردار کے حامل ہونے کی بنا پر کر دیں۔ یہ بات ماں کے لیے بے حد ناگوار تھی اور اس کا اظہار بھی انہوں نے واضح کافہ الفاظ میں کیا تھا۔

”ارے کچھ تو انسان کو اپنی شناخت رکھنی چاہیے کسی خوشی ملی میں تمہاری بیٹیاں اپنے سرسرا ل دالوں کے ساتھ آئیں گی تو تمہارا گھر گھر نہیں ریلوے سٹیشن لگا کرے گا جہاں پر دو تین لوگ بیٹھ کر اپنی ہی زبان بولی رہے ہوں گے۔“

”کیا مسلمان ہونے کے علاوہ بھی کسی شناخت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے تمہاری نظر میں؟ میں تو سچ کہہ رہی ہوں رضائے اگر میری بیٹیوں کے لیے ملک کے کسی بھی کونے سے نیک اور برسر روزگار رشتہ آتا تو میں بھی

غمتگر رہتا تھا کہ کب کوئی ایسا وسیلہ ملے جس کے ذریعے وہ چند لمحے سارقہ کو جاگتی آنکھوں سے دیکھ سکا جسکی بے ضرر اور سادہ لڑکی جو شاید نہیں جانتی تھی کہ وہ ایک وقت میں دو زندگیاں جی رہی تھی۔ ایک وہ جو ظاہری طور پر دنیا والوں کے سامنے وقت گزار رہی ہے اور دوسری وہ جو ہر لمحہ اس کدول کے اندر اس کی سنگت میں جی رہی ہے۔

اور تب فائزہ کا دل چاہا کہ بس فوراً ہی سارقہ کو اپنے سامنے بٹھا کر دل کی ہر وہ بات کہہ دے جو وہ تنہائی میں کئی ہی مرتبہ اسے کہہ چکا تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کر چکا تھا کہ یہ آگ بیک طرفہ نہیں ہے باوجود اس کے کہ وہ عقدہ نہیں اور گھر سب اب ایک خواب بن کر رہ گیا تھا مگر یہ بھی سچ تھا کہ وہاں کی گھیاں گھر تو ایک طرف فائزہ کو تو وہاں کے درو دیوار سے بھی عشق ہو گیا تھا۔ وہ گھیاں جہاں سے سارقہ کا گزر ہوتا ہوگا وہ گھر جہاں وہ سارا دن رہتی ہے اور باتیں جو یقیناً وہ مشغول سے کرتی ہوگی یہ سب اسے یوں اپنی محبت بھری گرفت میں جکڑیں گی اس بات کا اندازہ فائزہ کو اپنا محلہ بدلنے تک ہرگز نہیں تھا اور نہ شاید وہ ذمہ جاتا اور بھی ان درو دیوار سے دور نہ ہوتا جن میں سارقہ کے ہونے کا احساس اور اس کی خوش بودی کسی تھی۔

○.....●○○.....○

ماں اپنی دوست کی بیٹی کا رشتہ دیکھنے گئیں تو کھانا پکا کر سارقہ آپنی سمن میں پھیلی خوب صورت صوب میں چار پائی بچھا کر چہرے پر ہلکا سا دوپٹہ لیے لیٹ گئی۔ مشغول کے گھر آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا سو خاموشی سے لیٹتی ہی ان کے ذہن میں فائزہ کی مسکراتی آنکھیں بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے ہونے کا احساس دلانے لگیں گھبرا کر انہوں نے چہرے سے دوپٹہ ہٹایا اور کروش لی۔

فائزہ خالہ بی کا اکلوتا بیٹا تھا جو ان کی تین بیٹیوں کے بعد پیدا ہوا تھا اور خالہ بی کا شروع سے ہی بہنا تھا اس وجہ سے دونوں گھروں میں سارا دن آمدورفت لگی رہتی تھی کھانوں کے تیل لے ہونے تو بھی چائے بنا کر مدعو کر لیا جاتا۔ اکنے چٹھہ کرنا صدمہ دیکھا کرتے اور یہ تک اخبارات

منع نہ کرتی۔“

اس لیے بے فکر ہو میں اپنے خاندان سے کبھی الگ نہیں ہوں گی۔ مہینہ باتیں کر لیں گے دو مہینہ تک کر لیں گے زیادہ سے زیادہ سال بھر موضوع گفتگو رہیں گے پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ انہیں کوئی اور موضوع مل جائے گا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے لیکن اگر یہ رشتے اللہ کی مدد سے اچھے رہے تو ایک دو مہینہ یا سال بھر نہیں ساری زندگی خوش رہیں گی میری بچیاں۔“

اور تب چارو ناچار ماں کو خاموش ہونا ہی پڑا تھا باوجود اس کے کہ وہ ان کی منطلق سے بالکل بھی متفق نہ تھیں اور بے شک اب خالد کی بیٹیاں اپنے سسرال میں میاں اور بچوں کے ساتھ ایک کامیاب زندگی گزار رہی تھیں مگر جب بھی ماں کو موقع ملتا بات کرنے سے نہ چوتھیں۔ ابھی سارقدہ آبی انہی پرانی باتوں میں کھوئی ہوئی دروازے کی طرف رخ کیے بیٹی دھوپ کا بخشا گیا سردور سینت رہی تھیں انہیں محسوس ہی نہیں ہوا کہ کب فائز نے دستک دی اور کھلے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی سامنے سارقدہ کو لینا دیکھ کر وہیں ٹھنک کر رک گیا۔

فائز کو محسوس ہوا تھا کہ فروری کی دھوپ کس قدر سحر انگیز اور جذبات میں شور مچا دینے والی ہوتی ہے اور خاص کر وہاں دھوپ بیٹکتی ایک سارقدہ بھی ہو..... گو کہ سارقدہ آبی کی آنکھیں بند تھیں لیکن فائز کو لگا کہ اگر ان کے علم میں رائے بغیر وہ ایک قدم بھی ان کی جانب بڑھا تو یہ کہیں بے ادبی کے زمرے میں نہ آ جائے فائز کی زندگی سارقدہ سے پہلے کسی بھی قسم کے عشق کے تجربے سے خالی تھی اور شاید یہی وجہ تھی یا سارقدہ کی کم گو فطرت کا رعب کہ فائز اظہار محبت کرنے سے بھی قاصر تھا۔ پہلی محبت تو یوں بھی کالج کے خوب صورت اور قیمتی برتن کی طرح سینت سینت کر رہی جاتی ہے سو فائز کا رویہ بھی سمجھنا ہی تھا۔

بھی دل چاہتا کہ یونہی ٹھنکی باندھے اس دیکھتا ہی رہے اور کبھی سوچتا کہ محبت کا وہ طوفان جو سپر سوک اسپینڈ کے ساتھ اس کے دل میں اٹھ رہا ہے اس سے سارقدہ کو بھی آگاہ کیا جائے۔

”اور تمہارے خاندان والے ان کے طعنے کیسے سہوگی تم؟“ ماں نے جذباتی وار کیا مگر خالد بی ان کی تمام باتوں کے لیے پہلے سے تیار تھیں یا شاید وہ ماں کی ذہنیت جانتی تھیں اور انہیں اندازہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ ضرور نہیں گی۔

”میں ایسے خاندان کو نہیں مانتی جو دکھ درد میں سہارا دینے کے لیے تو غائب ہو اور طعنے دینے کے لیے سب سے آگے نظر آئے..... اس وقت کہاں تھے یہی خاندان والے جب فائز کے ابا کے بعد میں نے کپڑے سلائی کر کے اپنے بچوں کو پالا اور اس وقت میری کیا مدد کر لیں گے یہی خاندان والے جب ان کے طعنوں کے خوف سے میں اپنی بیٹیوں کے لیے آنے والے ہر اچھے رشتے کو صرف اور صرف ان کو راضی رکھنے کے لیے انکار کروں اور جب میری بیٹیوں کے سر میں چاندی چمکتے لگے گی ماں تو یہی خاندان والے اس وقت بھی طعنے دیں گے۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن۔“ ماں نے انہیں سمجھانا چاہا مگر وہ اس وقت کچھ بھی سننا نہیں چاہتی تھیں۔

”اور بالفرض اگر میں انہی خاندان والوں کے معیار کے رشتوں کے انتظار میں خود اس دنیا سے چلی جاؤں تو میں تلف اٹھا سکتی ہوں کہ پھر بھی میری بچیوں کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ آتے جاتے میرے نام کے نینے ضرور سنا دیں گے کہ آخر میں نے آج تک جو ان بچیوں کا کچھ بھی کیوں نہ سوجا۔“

”کچھ بھی ہو خاندان برادری سے کٹ کر بھی تو زندگی گزارنا ممکن نہیں ہے نا۔“ ماں کے ذہن میں خاندان برادری کی جو عظمت موجود تھی اس سے وہ قطعی طور پر پیچھے ہٹنا نہیں چاہ رہی تھیں بلکہ ارادہ یہ ہی تھا کہ خالد کو بھی قائل کر لیں مگر اس محاذ پر ان کی ناکامی ساف نظر آ رہی تھی کہ خالد کی نظر میں انہی رشتے کا معیار ذات برادری کے بجائے شرافت اور باوقار روزگار تھا۔

”تم جانتی تو ہو کہ میں تو ان کے ساتھ بھی بیٹانے کی کوشش کرتی ہوں جو مجھ سے دور بھاگنا پسند کرتے ہیں۔“

فائز اس وقت حدود میں قیداً زاو فضاؤں کا متلاشی وہ
پرندہ تھا جو محبت کے پنجرے میں قید تھا اور آرزو فضاؤں کی
چاہ ول میں لیے بڑی حسرت سے ان پر ٹھکی جھائے
ہوئے تھا۔ اسی دوران باہر گلی میں کسی سے گپ شپ کرتی
مشعل بھی اندر آ گئی اور فائز کو اب تک وہیں دروازے
کے پاس کھڑے دیکھ کر چونک گئی۔

"ارے فائز بھائی آپ ابھی تک یہی کیوں کھڑے
ہیں؟" مشعل کی آواز پر سارقہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں
کھولیں اور یوں ایک دم خلاف توقع فائز کو سامنے دیکھ کر
بوکھلا گئی۔ کیونکہ خالد بی کے چلے جانے کے بعد اب تو وہی
خیال یہی تھا کہ فائز بھی نہیں آئے گا۔

"وہ دراصل میں سمجھا سارقہ سو رہی ہے اس لیے جگانا
مناسب خیال نہیں کیا۔" کاش سارقہ بتا سکتی کہ وہ تو اس
کے خیالات میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھی لیکن کچھ بھی
کہنے کے بجائے اپنا دوپٹہ سنبھالتی وہاں سے اٹھ کھڑی
ہوئی تھی کبھی کبھار تو وہ سوچا کرتی کہ شاید فائز کے لیے ان
کے جذبات یک طرفہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج تک فائز
نے کبھی بھی اس جذبے کو لفظوں کا پیرا بن نہیں بخشا تھا
لیکن دوسرے ہی لمحے فائز کی بولتی آنکھیں بڑی خاموشی
سے وہ سب پیغام پہنچا جاتیں جن کے خواب سارقہ نے
بہت پہلے سے دیکھ رکھے تھے۔

"تیس تو جاگ رہی تھی..... بس ویسے ہی دھوپ میں
لیٹ گئی۔" سارقہ نے دوپٹہ اپنے گرد لپیٹا اور بات ختم
کر کے کچن میں چلی آئی۔

"آپ آبی کے پاس بیٹھیں میں کپڑے چینج کر کے
ابھی آئی۔" مشعل نے کہا تو فائز گردن بلا کر کچن کی طرف
بڑھ گیا جہاں سارقہ آنا نکال کر چولہا جلا رہی تھی۔ فائز کو
اندازتے دیکھا تو موسم کے سرد ہونے کا احساس یکبارگی
بڑھ گیا۔ خود فائز نے بھی یوں سارقہ کو چومتا اور اپنے سر
سنتا محسوس کیا تو وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

"دراصل مشعل نے کہا کہ میں اس کے آنے تک
یہاں بیٹھوں۔" کرسی چینج کر وہ اب بڑے سکون سے ان

کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"خالد تو جلدی چلی گئی تھیں اور ماں بھی کہیں کام سے
گئی ہوئی ہیں۔" بظاہر خود کو مصروف ظاہر کرتی سارقہ کا منہ
دھیان پیچھے ہٹنے فائز کی طرف تھا اور یہ بھی اچھا تھا کہ اس
وقت روٹی پکانی تھی ورنہ جذبات کو چہرے پر آنے سے
روکنا بھلا سارقہ کے لیے ایسے ممکن ہوتا جبکہ ان کی خوب
صورت سفید رنگت اس وقت سرخی مائل ہو چکی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ امی آج صرف آدھ پون گھنٹہ ہی
بیٹھی تھیں اور تم اس وقت گھر پر آ گئی ہو۔"

"سارقہ....." فائز نے دھیرے سے کہا تو سارقہ کا
روٹی بیٹھا ہوا ہاتھ وہیں رک کر رہ گیا۔ کسی ایسے شخص کے
منہ سے اپنا نام سنتا جیسے ہمارے دل و دماغ نے دنیا والوں
سے الگ کوئی بہت ہی اونچا درجہ سے دکھا ہوا اس قدر انوکھا
اور خوب صورت احساس ہوتا ہے یہ سارقہ کو آج محسوس ہوا
تھا اور بے اختیار دل چاہا کہ وہ اسی طرح محبت بھرے انداز
میں انہیں پکارتا رہے اور ان کی ساتھیوں میں اس درجہ سکون سے
لطف اندوز ہوتی رہیں۔

"جی....." وہی مختصر سا مخصوص انداز نہ استغفار نہ
ایجاب نہ پسندیدگی کا عنصر نہ ہی تجسس۔ فائز نے سارقہ کا
ہاتھ ایک دم رکنا محسوس کیا تھا۔ چند لمحے پہلے دونوں
کھانسیوں میں موجود آدھی آدھی اور جن چوز یوں ہی تھی پھٹکی
کھنک جو بیلن کی ستوازی رفتار سے فضا میں بکھر رہی تھی
اب ایک دم خاموش ہو گئی تھی گھر میں پہنچے جانے والی سیاہ
چٹیل میں خوب صورت دو دھیما باؤں نظر آ رہے تھے۔

"اگر میں ہوں کہ میں امی کو لینے یا خالد سے ملنے نہیں
چاہتا۔" فائز نے لمحہ بھر رک کر تامل کرنے نہ کرنے
کے متعلق سوچا تو کچن میں اس قدر خاموشی ہوئی کہ دونوں
کے سانس لینے کی آواز تک بخوبی محسوس کی جاسکتی تھی۔ اور
بس وہی لمحہ لپٹنے کا تھا۔

"صرف اور صرف ہمیں دیکھنے اور تمہاری آواز سننے
کے لیے آیا ہوں تو....." خلاف توقع سارقہ نے انہی
چروں پر گھوم کر فائز کو دیکھا۔ خوب صورت اجلی

آنکھیں..... اور اس ہوتے ہوئے بھی ہلکا ہلکا مسکرا دینے والی آنکھیں فائز کو لگا جیسے سارقد کی آنکھیں اس کے چہرے پر چسپاں ہو گئیں نتیجتاً ان کا دل ان آنکھوں کو قریب سے دیکھنے کی ایسی شدید تمنا کرنے لگا کہ وہ میکاگی انداز میں بس بولتا چلا گیا۔

”یہ سچ ہے سارقد..... اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بھی میرا انتظار کرتی ہو مجھے دیکھنے کے لیے لیے گنا کرتی ہو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر میں تمہیں اس قدر سچے دل سے چاہتا ہوں تو اس کی وجہ ہم دونوں کے دلوں کا آپس میں رابطہ ہونا بھی ہے۔“ سارقد نے کب پتلیں جھٹکائیں پتا ہی نہ چلا سانس بھی لے رہی تھی کہ نہیں انہیں یاد ہی کب تھا احساس تھا تو اتنا کہ وہ جذبہ جیسے وہ تنہائی میں خود سے بھی مخفی رکھنے کی کوشش کرتی تھی اس طرح سارے بند توڑ کر فائز کے دل تک جا پہنچا تھا..... گو کہ دونوں میں لامحدود فاصلے تھے اور خود فائز کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکلی تھی جس سے سارقد کے دل میں کوئی امید جاگتی اور فائز کی حالت ایسی ہی تھی کہ کوئی تا تجربہ کار بندوق کی بلبلی پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہو اور بندوق دہشتے کی ہمت نہ ہو..... مگر آج آخر کار بندوق کی بلبلی پر خود بخود بوجھ پڑ گیا تھا اور اب درمیان میں لفظوں کا کوئی حجاب باقی نہ رہا تھا۔ فائز کی جانب سے شدت کا اقرار تھا تو سارقد کی طرف سے شدت کا انکار.....!

فائز کی خواہش تھی کہ وہ بھی ایسے تمام الفاظ اپنے کانوں سے سنے جو اس کی آنکھوں نے سارقد کے چہرے پر بکھرتے دیکھے لیکن فی الحال شاید ایسا کچھ ممکن نظر نہ آتا تھا اسی دوران مشعل نے بچن میں قدم رکھا تو سارقد کے چہرے پر بکھرتے تو س قزح کے سارے رنگ دیکھ کر کچھ بھی اور کھٹا بھی کیفیت میں فائز کے سامنے بیٹھی۔

سارقد اب ایک بار پھر رخ موزے روٹی پکار رہی تھی اور کمرے میں ان کی چوڑیاں کچھ دیر پہلے ہونے والی کہانی بیان کر رہی تھیں۔

فائز کے چہرے پر اترا تا سکون اور آنکھوں کی شگفتگی

اس قدر بھلی معلوم ہو رہی تھی کہ مشعل نے جتنی مرتبہ بھی کچھ کہنے کا ارادہ کیا اسے اپنے الفاظ بے معنی اور فضول لگنے لگے اور یہ پہلا موقع تھا کہ ان تینوں نے اکا دکا رکی جملوں کے علاوہ اتنی خاموشی سے اس کیٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا آنکھوں کی آنکھوں سے ہوتی گفتگو اس قدر معنی خیز اور دلچسپ تھی کہ مشعل کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئی۔

○.....●○○.....○

اماں شام کی رخصت ہوتی دھوپ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھیں مشعل اور سارقد دونوں ہی فوراً ان کے پاس آئیں تھیں۔ وہ عجیب عجیب جھنجھکی اور اداس لگ رہی تھیں۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جانے دماغ میں کیا آئی کہ سلانی مشین کے ڈبے میں رکھی جالی نکال کر ڈبے سے صندوق کا تالا کھولنے لگیں۔ مشعل کو ان کی اس بات سے بے حد چڑھی اور کچھ دھوکے سے مشعل بھی سارقد کے برعکس کافی حیرت محض جو منہ میں آتا کہہ ڈالتی تھی۔ سو بیڈ پر رکھے لحاف کو کھولتے ہوئے بچکے سے ٹیک لگائی اور لحاف کھینچ کر کندھوں تک اوڑھ لیا۔

”کیوں اماں خیر تو بے حال آج اس صندوق سے کیا کام پڑ گیا؟“ اور اس سے پہلے کہ اماں کوئی جواب دیتیں پڑوئی کا بال ہاتھ میں ایک بڑا سا شاپر لے کر کمرے میں ہی چلا آیا۔ رات کا کھانا تیار کرتی سارقد نے بچن سے ہی باہر کا دروازہ کھول کر اسے اندر بھیجا تھا۔ وہ جیسے خاموشی سے آیا تھا ویسے ہی شاپر پکڑا کر واپس چلا گیا تو اماں کی آنکھوں میں ابھرتی چمک خود مشعل نے بھی محسوس کی۔

”ادھر آ..... میرے پاس دیکھ سارقد کے بیاہ کے لیے کیسا بہترین جوڑا لائی ہوں۔“ اماں کے انداز میں کھنچن نمایاں تھا لگتا تھا جانے کیا کارنامہ تھا جو آج وہ اس جوڑے کو خرید کر انجام دے آئی ہوں۔ ان کا انداز ایسا ہی تھا جس نے مشعل کو کرم لحاف چھوڑنے پر کسلیا اور وہ ان کے پاس آئیں۔ مثال اپنے روپے مشعل کے انداز میں وہ خوب صورت اور نفیس کام والا جوڑا دیکھنے کے بعد ستائش بھی تھی اور حسرت بھی۔

”امری ماں ہوں اس کی..... نہیں چاہتی کہ الابلالوگوں میں رخصت کر کے خود بہن بھائیوں کی باتیں سنتی رہوں اور سبہ شتے دار کیا کہیں گے کہ انہیں اپنی برادری میں کسی نے نہ پوچھا جو غیروں کی طرف دیکھنا پڑا۔“ شاپر میں سوٹ ڈال کر انہوں نے وہ مگی صندوق میں رکھا۔

”ہاں تو برادری اور آپ کے بہن بھائیوں میں سے آج تک کسی نے پوچھا ہے کیا آپ سے ہونہا۔“ بد مزہ ہو کر مشعل ایک بار پھر کھاف میں جا گئی تھی۔

”تم نہیں سمجھتی ان باتوں کو مٹی..... میں نہیں چاہتی کہ کل کو تم لوگ اگلے گھر جا کر کسی غیر برادری سے ہونے کے طعنے سنو۔“

”شادی کے بعد غیر برادری کے طعنے کیوں اماں..... ہم تو اپنی ہی برادری کے بین بنیں گے بس ایک دوسرے کے سر نے پر ناسی میں خوش ہیں آپ۔“

”دفع ہو جاؤ یہاں سے کم بخت..... جس ماں نے

بولنا سکھا یا اسی کے سامنے اپنی زبان کی تیزی دکھا رہی ہو۔“ اماں کو مشعل کی باتوں نے بہت دکھ پہنچایا تھا لیکن مشعل بھی کیا کرتی کہ آخر یہی سب کچھ ایسے ہی ہوتا تھا۔

اور پھر اس کے سامنے کی بات تھی کہ ساروقہ آپنی کے رشتے کی خواہش میں کتنے لوگوں نے اماں سے رلا و رما کر بڑھائی لیکن اماں کی بس ایک ہی ضد تھی کہ لوگ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں چونکہ آج تک ایسا ہوا نہیں کہ ان کے خاندان میں کسی نے بیٹی باہر بیٹا ہی ہو اس لیے وہ بھی اپنی روایات کی پابند رہیں گی۔ سبکی وجہ تھی کہ ایک ایک کر کے سبھی لوگ اماں سے دور ہوتے چلے گئے۔

چھوٹے موٹے تہواروں پر بہانے بہانے سے مختلف گھروں سے ساروقہ آپنی کے لیے خاص طور پر چھوٹے موٹے تحائف بھی آیا کرتے جنہیں اماں بخوشی قبول کیا کرتیں ساروقہ آپنی کو بھی تحائف میں آئی ہوئی چیزیں استعمال کرنے کو دیتیں اور تب ان کی آنکھوں میں ابھرتی چمک مشعل کو آج بھی یاد آتی تو دل کرتا ان تمام فرسودہ روایات کی زنجیریں توڑ سکتے لیکن انہوں نے اس بات کا تھا کہ

”سندس کے لیے جو رشتہ دیکھنے گئے تھے ماں وہ تو سمجھو پکا ہے اور وہ لوگ پہنچتی پہنچتی ہوتے ہوتے جلد از جلد شادی کا کہہ رہے تھے۔ اسی لیے وہاں سے انہوں نے اس کے لیے خریداری کی تو میں بھی اپنی ساروقہ کے لیے یہ خرید لائی۔“

”کاش اماں ساروقہ آپنی کو جلد از جلد یہ جوڑا پہننا بھی نصیب ہو۔“

”ہاں دعا ہی کیا کر دھیری بچی..... بس اس کی قسمت ہی ذرا سست ہے ماں کوئی رشتہ ہی نہیں آتا۔“ اماں کے لہجے کی اس قدر مایوسی نے مشعل کو چونکا دیا تھا اور وہ بولنے بغیر رہ نہیں پائی۔

”رشتہ نہیں آتا؟ اماں کتنے ہی رشتوں کو تو خفا آپ نے انکار کیا ہے ورنہ جتنے رشتے ساروقہ آپنی کے آئے ہیں اور جس قدر منت سماجت لوگوں نے آپ کی کی ہے میں نہیں سمجھتی کسی کی بھی کی ہو۔“

”ارے تو کسی بھی ارے غیرے کے ساتھ کیسے عیاہ دوں اسے؟ باقی تو چلو جیسے تیسے مگر کم از کم ذات برادری تو اپنی ہوتا۔“ وہی الو مگی ضد۔

”بس اماں آپ کی اسی ضد کی وجہ سے تو آج اس صندوق میں پڑے کتنے جوڑوں کی کڑھائی کالی پڑ چکی ہے۔ ساروقہ آپنی آہستہ آہستہ باتیں کرنا بھولتی جا رہی ہیں کم کم گو ہو گئی ہیں ان کی آنکھوں کی چمک اور ہونٹوں کی مسکراہٹ مہم پڑنا تو آپ نے دیکھا لیکن کیسی ماں ہیں آپ کہ کبھی اس کی وجہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔“

”بس بس زیادہ پھنپھے کٹھی بننے کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے۔“ غصے میں آ کر انہوں نے اورنج رنگ کے خوب صورت شلوار سوٹ کو تہہ کرنا شروع کیا۔ شلوار کے پانچوں پر بہت باریک سی اورنج رنگ کے دبے کا کام بنا ہوا تھا اور بالکل اسی طرح اورنج رنگ کی شرٹ پروازت کام اسے بہت ہی خوب صورت بنائے دے رہا تھا۔ دوپٹے کے پلوؤں پر اماں نے پیکو کروائی تھی جس سے پورے سوٹ کی سچ درج ہی الگ لگنے لگی تھی۔

ان ہی زنجیروں میں زندہ رہنے یا نہیں توڑ پھینکنے کا عمل اختیار امان کے پاس تھا اور وہ فی الحال انہی زنجیروں کے ساتھ نباہ کرنے میں راضی تھی۔



مشعل لحاف میں دبک کر کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی ساتھ والے کمرے سے امان کی خزانے لینے کی آوازیں آرہی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ سارقہ آپنی امان کی ٹائٹلیں اور کمرہ ہانے کے بعد اب کچن میں رات کے برتن سمیٹ رہی ہیں کافی عرصے سے سارقہ آپنی کا یہی معمول تھا انہیں کورنٹ کا کھانا اور وہ اپنے کے بعد آدھے گھنٹے تک بیٹھی ان کی ٹائٹلیں دباتی تھی اور ان وہ سو جاتیں تو اٹھ کر کچن صاف کرتی تھیں۔ تب تک مشعل دوسرے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی ہوتی اور پھر سارقہ آپنی کے آنے کے بعد دونوں کچھ دیر باتیں کرتیں اور پھر سو جاتیں باتوں کا دورانہ جو پہلے دو تین گھنٹوں پر بھی محیط ہوا کرتا آج بہت کم رہ گیا تھا۔

"یہ لومٹی پہلے دووہ پی لوورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" مشعل نے دووہ کا گلاس ایک طرف رکھ کر کتابیں کھینچیں اور سامنے موجود سراپا محبت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی اور اس کا یوں غور سے دیکھنا سارقہ نے بھی محسوس کیا تھا اس لیے پوچھے بنا رہ نہیں سکی۔

"کیا بات ہے مشی..... اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"بس آپنی سوچ رہی ہوں، جتنی پیاری میری بہن ہے کاش کس کا نصیب بھی اتنا ہی پیارا ہو۔" اور شاید اب کی بار غور سے دیکھنے کی ہارنی سارقہ کی تھی اور ان کی نظروں میں ایسا کیا تھا کہ مشعل کو بے چین کر گیا تھا باوجود اس کے کہ وہ دیکھتے ہوئے لپکا سا مسکرائی بھی تھیں لیکن ان کی مسکراہٹ میں نہ تو سچائی تھی اور نہ ہی تازگی بلکہ مشعل کو تو ان کی مسکراہٹ کسی گاڑی کی جلتی ان لائنوں جیسی لگی تھی جو گہری دھند کے اس پار موجود ہو اور دھند کے ٹولے اس روشنی کی اہمیت ختم کر دیں۔

"ایک بات پوچھوں آپنی لیکن سچ بتانا۔" مشعل نے گہری دھند کے اس پار موجود روشنی کو کھوجا۔ سارقہ آپنی نے مشعل کے ساتھ والے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے تکیہ دیوار کے ساتھ رکھا اور اس کے ساتھ ٹیک لگا کر مشعل کو دیکھا۔

"کبھی دل چاہتا ہے ناں کہ زندگی میں کوئی تو ایسا ہاتھ ہو جسے بندہ جب چاہے بنا اجازت تھام لے کوئی محبت بھرا دل جو ہر درد سمیٹ لے کوئی ایسی آنکھیں جو ہمیں اندر تک بڑھ لینے کا ہنر جانتی ہوں دل چاہتا ہے ناں کبھی کبھی؟" مشعل دھیر سے دھیر سے بڑے خواہیدہ انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کر رہی تھی۔

"بتائیں ناں آپنی چاہتا ہے ناں دل؟" براہ راست کیے گئے سوال پر سارقہ نے گہری سانس لی۔

"ارے پاگل دل تو بہت کچھ چاہتا ہے..... مگر ویسا ہو تب ناں۔ ہمیشہ وہی کچھ کب ہوتا ہے جو یہ دل خواہش کرتا ہے۔"

"آپنی ادھر دیکھیں میری طرف۔" مشعل کے کہنے پر سارقہ آپنی نے ہتھیلی پر الجھتی نظریں اس کے چہرے پر نکالیں۔

"آپ کو فائز بھائی اچھے لگتے ہیں ناں؟" اس قدر براہ راست سوال اور سوال بھی ایسا کہ جس میں سوال سے زیادہ جواب نمایاں تھا۔ مشعل کی بات پر جیسے ان کا وجود اس بوند کی مانند ٹھہرا ہوا تھا جو موسمِ دھار بارش کے بعد پتے کا آخری سرے پر لگی رہ گئی ہو اور ایک دم سے نرم لطیف ہوا کے چھونکے سے آن کی آن میں نیچتا گرے۔

"میں سوچتی ہوں آپنی کہ میں تو سارا دن کالج میں ہوتی ہوں ہر اچھی بری بات دوستوں سے کرتی رہتی ہوں امان ہمسائیوں کی سنتی اور ان سے اپنی باتیں کرتی ہیں اور آپ..... آپ کی تو کوئی دوست کوئی سہیلی بھی نہیں رہی اب سب کی شادیاں بھی ہو گئیں اور پھر مجھے بھی تو آپ اپنے دل کی ساری باتیں کس سے کرنی ہوں گی؟ وہ سب جو آپ محسوس کرتی اور سوچتی ہیں ان خیالات کا نکاس کس طرح ہوتا ہوگا۔" گلاس کو پلنگ کے ساتھ ہی رکھے موجود

سندوق پر رکھ کر وہ کھل رخ موڑ کر سارقد کی طرف بیٹھ گئی تھی اور اس کی بات پر ایک مرتبہ سارقد کی آنکھوں کی اجازت اور رضامندی کے بغیر صرف ہونٹوں سے ہی ہلکا سا مسکرائیں۔

”جن کے دل کی بات اس دنیا میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا ان کی سب کئی ان کئی باتیں اس دل کا مین سنتا ہے بڑے غور و دھیان اور پورے خلوص کے ساتھ اور پتہ ہے میرا رب جس دل میں رہتا ہے اسے دنیا والوں سے بات کرنے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔“

”وہ سب باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن جس طرح گھر کی کھڑکیاں دروازے نہ کھولے جائیں تو دروازے سے جانے لپٹ جاتے ہیں اسی طرح اگر گاہے لگا ہے سوچ کو لفظوں کی شکل نہ دی جائے تو شخصیت پر تنہائی کے جانے لگتے ہیں اور میرے ہوتے ہوئے میں آپ کو یوں تنہا نہیں دیکھنا چاہتی۔“ سارقد آپی نے دونوں ہونٹوں کو اوپر تلخہ پایا اور موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”آپی..... آپ مجھ سے شیز کیا کریں پٹیز جو چچہ بھی ذہن میں ہو مجھ سے بات کیا کریں مجھے ان پر بہت غصہ آتا ہے اور پھر بہت دنا بھی آتا ہے۔“ بات کرتے کرتے وہ اٹھ کر سارقد آپی کے پلنگ پر آگئی اور بے اختیار رونے لگی۔

”ارے رو کیوں رہی ہو؟ چپ کرو۔“ سارقد آپی نے اسے اپنے کلاف میں جگہ دیتے ہوئے اس کے بال سمیٹے۔ ”تم سے ہی تو کرتی ہوں ساری باتیں..... خود سوچو کبھی کوئی بات چھپانی ہے میں نے تم سے۔“ مشعل نے آنکھیں مسلتے ہوئے لٹی میں گردن ہلائی۔

”تو پھر تم نے ایسا کیوں سوچا؟“

”مجھے یہ تو بہت پہلے سے معلوم تھا کہ فائز بھائی آپ کو بے حد پسند کرتے ہیں تب سے جب وہ بھی اسی معنی میں تھے لیکن میں نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ آپ کے دل میں بھی یقیناً ان کے لیے کوئی نرم گوشہ ہے..... ہے ناں؟“

”میرے اور فائز کے درمیان موجود یہ رشتہ شاید آگ اور پانی کے ملاپ سا ہے مٹی نہ بھی پوری طرح آگ بجھتی ہے اور نہ ہی مکمل طور پر سٹخ پر تیرتا ہے..... پایوں کہہ لو کہ یہ احساس جو ہم دونوں کے درمیان ہے ہر قسم کے تجزیے سے ماوراء ہے..... میں نے اب تک کبھی بھی دانستہ طور پر فائز کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ ہماری ذات برادری تو دور ہم زبان بھی نہیں اور جس سفر کی منزل یقینی طور پر گمشدہ ہو اس سارے سفر میں بھلا خود کو تھکانے سے کیا فائدہ۔“ گہری سانس لے کر انہوں نے بات مکمل کی۔

”اس ذات برادری کا جھنجھٹا من سن کر میرے تو کان پک گئے ہیں اور مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں اپنی اماں سمیت ان تمام بڑوں کو کیسے سمجھاؤں کہ ان کی خود ساختہ رسم و رواج کی زنجیروں میں قید لڑکیاں جو بالوں میں ٹیکا لگانے کے خواب دیکھتے دیکھتے انہی بالوں میں خضاب لگانے لگتی ہیں انہیں ہر اس لمحے کا حساب دینا ہوگا جس لمحے میں ان کی وجہ سے ان لڑکیوں کی آنکھیں بھیگی ہوں یا انہوں نے اپنے دل پر بے پایاں بوجھ محسوس کیا ہو۔“ مشعل بات کرتے ہوئے بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔

”پریشان نہ ہوا کرو مٹی تم صرف اور صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دو اور اس بات پر یقین رکھو کہ اللہ نے ہر جاندار کا جوڑا پیدا کیا ہے جو جلد یا بدیر مل ہی جاتا ہے۔“ سارقد نے سمجھانے کی کوشش کی۔

”اور آپی وہ..... جو ہماری طرح برادریوں، خاندان یا معیار کے پیچھے ہی ساری زندگی بھاگتے بھاگتے پاؤں شل کر لیتے ہیں اس قدر کہ پھر ان کے لیے کہیں بھی کوئی بھی جوڑ نہیں ملتا؟“

”ان کی مثال تو پھرندی کنارے مچھلیاں پکڑنے کے لیے بیٹھے رہنے والے اس گروہ جیسی ہے جو بیش قیمت اور ذہنی چھلی کی آس میں جال میں پھنسی چھوٹی بڑی تمام مچھلیوں کو حوالہ آب کرتا جائے اور غروب آفتاب کے وقت اپنی قسمت کو کھتا اور دغاؤں کے پورا نہ ہونے پر خدا سے

شکوہ کرتا مایوسی سے خالی جال جہاز ہوا ہسی کی راہ لے۔
 "میں ان شاء اللہ اماں سے فائز بھائی کے متعلق بات
 کروں گی اور انہیں بتاؤں گی کہ وہ آپ کو کس قدر چاہتے
 ہیں۔" مشعل سارقہ آپ کی خاموش آنکھوں کے لیے ہنسنے
 کرنا چاہتی تھی لیکن سارقہ آپ نے نشی میں گردن ہلاتے
 ہوئے مسکرا کر اسے منع کر دیا۔
 "تم ایسا کچھ نہیں کہو گی، سمجھیں؟" مشعل نے فرماں
 برداری سے سر ہلایا۔

سارقہ آپ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ
 ہنس دی۔



ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ خالہ ایک بار پھر اپنی
 چادر سنبھالے آن موجود ہوئیں۔ سارقہ آپ کی موت جیسی
 رنگت لیے پودوں کی صفائی کر رہی تھیں۔ اماں نے کچن
 سے انہیں اندر آتا دیکھا تو ڈبوں میں مصالحہ ڈالنا چھوڑ
 کر کچن کو لپکیں کہ دل پر موجود ایک نیا اور غیر متوقع بوجھ
 بانٹ سکیں۔

"ارے آؤ آؤ کیا حال چال ہے؟" اماں اور خالہ کی
 یہی عادت تھی دو چار دن سے زیادہ ایک دوسرے سے خفا
 نہ رہ پاتیں۔ اسی لیے خالہ کچھلی تلخ کلامی بھلا کرتی تھیں تو
 اماں بھی ان سے خوش دلی سے ملیں۔

"میں تو ٹھیک ہوں تم سناؤ..... بھلا بندہ فون ہی
 کر لیتا ہے۔" خالہ نے سارقہ کی پیشانی چومتے ہوئے
 اماں سے شکایت کی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اماں کی
 ذات کے ساتھ ہی انا کا خود رو پودا لگی ہے جو ہمیشہ انہیں
 بد مزگی کے بعد پھل کرنے سے روکتا ہے۔

"بس کیا بتاؤں سارا دن پریشانی میں کٹ جاتا ہے۔
 رات تو کچھ کھل جائے تو کروٹیں بدل کر نیند ہی نہیں
 آتی۔" اماں نے اپنے دل کے بوجھ کی گھڑی خالہ کے
 ذہن پر منتقل کی۔

"کیوں خیر تو ہے..... کیا ہو گیا ان چند دنوں میں؟"
 اندر جانے کے بجائے کچن میں ہی نیم گرم دھوپ تلے

موجود تخت پر بستر سیدھا کرتے ہوئے دونوں وہیں تک گئی
 تھیں۔ جبکہ سارقہ نے کپڑوں کے سامنے لگے دوش
 بیسن پر ہاتھ دھوئے اور چائے بنانے کے لیے کچن میں
 چلی گئی۔

"ہونا کیا ہے..... شمس نے میری بیٹیوں کا حق
 مارا ہے۔"

"شمس نے؟" خالہ نے حیران ہو سارماں کی تند کا نام لیا
 تو انہوں نے گردن ہلا کر تصدیق کر دی۔

"کوئی اور بندہ ایسا کام کرتا تو شاید میرا دل نہ دکھتا لیکن
 یقین کرو مجھے شمس سے بہت امیدیں تھیں بڑی توقعات
 تھیں اس سے لیکن دیکھو اس نے تو اپنے مرحوم بھائی تک
 کا لحاظ نہ کیا۔"

"ارے ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی ناں۔" خالہ الجھ کر
 رہ گئی تھیں چہرے پر فلٹر نمودار ہوئی خود سارقہ نے کچن کی
 کھڑکی سے دیکھا۔ فائز کے ساتھ دلی والی لنگی ہونے کی
 وجہ سے سارقہ کے دل میں خالہ کی خصوصی طور پر عزت بھی
 تھی اور محبت بھی اور اسے ان کا یوں پریشان ہونا بھی اچھا
 لگ رہا تھا۔

"ہونا کیا ہے بہن شمس نے اپنے بیٹے کی شادی پر
 بلایا ہے اور پتہ ہے لڑکی بھی کوئی اپنے ساتھ ہی دفتر میں کام
 کرنے والی پسند کی ہے۔ خاندان کی بن بیا ہی بیٹیوں کے
 منہ پر تو طمانچہ ہی ہوا ناں۔" اماں کی آواز سے محسوس ہوتا تھا
 کہ انہیں اس شادی نے کتنا دکھ دیا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ تو
 دل ہی دل میں ہمیشہ اپنی نند کو لہجہ من کے روپ میں دیکھتی
 آتی تھیں۔

"مجھے لگتا تھا کہ وہ سارقہ کا رشتہ ناگنے گی لیکن....."
 اماں ایک دم چپ ہو گئیں تھیں۔

"چھوڑو رخصت کیا برداری اور کیا غیر..... میں تو خود
 ہمیشہ تمہیں یہی بات سمجھتی آئی ہوں کہ اگر اللہ اور اس کے
 رسول ﷺ نے ہم پر ذات پات کی پابندی نہیں لگائی تو پھر
 تم کیوں اپنی بیٹیوں کی مجرم بن رہی ہو؟ دنیا میں بھی اور
 آخرت میں بھی۔"

آوازوں کا نانا دڈوں بے حد متضاد پاتیں تھیں۔ انہی سہیلوں کی شادیوں میں سب رکھیں بھائی مہندی پررت جگا کرنے میں سب سے آگے نظر آنے والی سارقد جن کے ہر سہیلی کی شادی کے بعد رشتے آنا لازم تھے۔ لوگ رسموں میں اس خوش مزاج اور خوب صورت چہرے والی لڑکی کو دیکھ کر وہیں اماں سے سزا مہدعا کا پہلا مرحلہ سنا لیا کرتے تھے۔

”تم فکر نہ کرو رخسانہ میں آج ہی کہیں رشتہ دیکھتی ہوں۔ بس تم ذہن پر یو جھنڈ لیا۔“ اور پھر خالہ بی تو کافی دیر بیٹھ کر نہیں سمجھتی کر کے سمجھاتی رہیں۔ لیکن ان کے جانے کے بعد اماں پھر کم سم سی ہو کر یہاں وہاں گھر کے کاموں میں الجھانے والی سارقد آپی کو دیکھنے لگیں۔ جن کو گمان تھا کہ شاید آج بھی فائز لیتے آئے گا تو نوحہ بھر کے لیے دیکھ کر ہی ان آنکھوں کو قرار ملتا مگر خلاف توقع خالہ بی نے بتایا کہ آج وہ اپنی بڑی بہن وسعہ کو اس کے سسرال سے لینے گیا ہے اس لیے انہیں خود ہی رکشہ کر کے جانا پڑے گا اور فائز کو دیکھ لینے کی آس جو خالہ کے کتے ہی دل میں پیدا ہوئی تھی وہ یوں ٹوٹی کہ خود سارقد کو اپنے دل پر عجب سا بوجھ محسوس ہونے لگا اور ایک دم ہی اپنی زندگی بے کاری لگنے لگی۔

خوب صورت چہرے پر دو شمع رو آنکھیں گویا قطرہ قطرہ کیسے پھیلنے لگیں تھیں خود انہیں بھی احساس نہ ہوا ستواں ناک ضبط کی کوشش میں بے حد تپتی ہی نظر آنے لگی۔۔۔۔۔ صرف ایک نظر دیکھنے کی خواہش۔۔۔۔۔ صرف ایک نظر۔۔۔۔۔ اور چند لمحے!

شاید انہیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ فائز بھی انہیں دیکھنے اور ان سے ملنے کے بہانے ڈھونڈا کرتا ہے مگر آج نہ جانے کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ یک طرفہ محبت کی آگ میں بڑے محسوس طریقے سے وہ سلگ رہی ہیں اور اسی محبت نے انہیں اس قدر خوش ٹہم بنا دیا ہے کہ وہ فائز کے دل میں بھی وہی جذبات خیال کرتی ہیں جو ان کے ہیں باوجود اس کے کہ فائز اظہار محبت بھی کر چکا تھا۔ ابھی مشعل کے کالج

”میں جو بھی کر رہی ہوں صرف اور صرف ان کے محفوظ مستقبل کے لیے نہ جانتی ہوں ان کے جینز کے لیے جمع کی گئی ایک ایک چیز کو دیکھ کر کیسا غبار سا اٹھتا ہے میرے دل میں۔“ اماں کے لہجے میں جگلی قیدیوں جیسی بے بسی تھی۔

”ذرا سے پیسے ہاتھ آئیں تو فوراً کچھ نہ کچھ خرید کر ان کے جینز کے لیے رکھ دیتی ہوں۔“

”وہ سب تو ٹھیک ہے اور میں جانتی بھی ہوں۔۔۔۔۔ لیکن یہ بھی تو سوچو ناں کہ جس طرح تم روز بروز ان کے جینز میں اضافہ کر رہی ہو اسی طرح ان کی عمروں میں بھی تو اضافہ ہو رہا ہے آج کل لوگ بیس سالہ لڑکی کے خواب دیکھتے ہیں۔“ خالہ بی نے پر سوچ نظروں سے مٹانے کی طرف کھلتی پگن کی کھڑکی سے سارقد کو چائے کے لیے برتن نکالتے ہوئے ایک دم رکتے دیکھا۔ دونوں ہاتھوں میں موجود برتنوں کے ارتعاش کی آواز مٹن تک اماں کو بھی محسوس ہوئی تھی۔

”بس بہن۔۔۔۔۔ بیٹیاں پیدا ہو جائیں تو ان کی عمر بڑھتے بھلا کیا دیر لگتی ہے۔۔۔۔۔ جیسے جسمت کو پر لگ جاتے ہیں اسی رفتار سے برس بائیس بیت جاتے ہیں۔۔۔۔۔ کے پچھلے چلتا ہے۔“ اماں نے دوپٹے کے پلو سے اپنی نم ٹنگلیں پونجھیں۔

”اس دفعہ میں نے رشتے والی بوا کو پورے دس ہزار روپے دیئے ہیں کہہ رہی تھی کہ جند ہی کوئی اچھا رشتہ دکھائے گی۔۔۔۔۔ اگر تمہاری نظر میں کوئی اچھا لڑکا ہو تو بتانا۔“ پگن سے چائے کی ٹرے لاکر ان دونوں کے درمیان رکھتے سارقد کو خالہ بی نے بے حد غور سے دیکھا تو انہیں آج کی سارقد میں اور پانچ چھ سال پہلے کی سارقد میں بے حد فرق محسوس ہوا۔

یہ وہی سارقد تھی جو اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ خوش گپوں میں دو دو گھنٹے گزار دیتی تھی اور ان کی تمام سہیلیوں میں ان کی کھٹک دار اور خوب صورت کسی سب ہی سے منفرد تھی۔ گھر میں سارقد کی موجودگی اور ہنسی تہمتوں کی

سے واپسی میں کچھ وقت تھا۔ سارہ یوں بھی اب کم گو ہو چکی تھی سو ماں وہیں ہلکی ہلکی دھوپ میں لیٹ گئیں تو سارہ کو ہمیشہ کی طرح کچن کسی ہمدرد دوست کی طرح ہانپیں پھیلائے ہوئے محسوس ہوں۔ دونوں ہاتھ کچن کی سلیب پر رکھے سر جھکائے اس پر مایوسی کا عجب سا دورہ پڑ گیا تھا۔

اپنی اس کیفیت سے خود سارہ ڈرتی تھیں انہیں لگتا تھا کہ اگر وہ کبھی اس کیفیت کے مکمل گھٹنے میں آگئی تو شاید ان کا دماغ کام کرنا چھوڑ دے تو یہاں ہوتا ہیوہ کی طرح وہ اس دنیا سے مکمل نفرت کرنے لگیں اسی لیے وہ ڈیپریشن کے ایسے کسی بھی لمحے میں خود کو مکمل طور پر بیدار رکھتیں مگر آج شاید اعصاب جواب دے رہے تھے اور ذہن دول کے اندر شکست و ریخت کا جو طوفان موجزن تھا وہ سب کچھ بہا لے جانے پر تیار تھا اور شاید وہ سب ہی کچھ بہا لے جاتا لیکن اوون پر دکھا سو ہائل ایک دم بجنے لگا۔

اسکرین پر فائز کا نام نظر آ رہا تھا جسے سارہ نے یوں حیرت سے دیکھا جیسے کوئی بچہ پھٹکی پر نارنج چلا کر پرشوق اور حیران آنکھوں سے اپنی انگلیوں کی نارنجی روشنی دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہو گیا یا کیا یہ روشنی اسی کی انگلیوں سے نکل رہی ہے یا نارنج کی مرہون منت ہے۔ انہیں بھی لگا کہ شاید فائز کا نام ان کی نظر کا دھوکا ہے لیکن فون پر ہوتی مسلسل بیل نے اس دھوکے کو یقین میں بدل دیا انہوں نے ایک نظر ماں کو دیکھا جو یقیناً سو گئی تھیں۔

”سارہ میں ہوں فائز.....“ فون رسیو ہونے ہی فائز نے سکھ کی گہری سانس لی۔

”بتانے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی فون پر نمبر کے ساتھ نام بھی آ گیا تھا۔“ سابقہ کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

”کیا امی ابھی وہیں ہیں؟“
 ”نہیں خالد تو تقریباً آدھا گھنٹہ ہوا چلی گئی۔“ کیسا امید بھرا سوال تھا اور کیسا مایوس کن جواب۔

”وہ تو.....“ میں دلسہ باجی کے گھر بیٹھا بھی نہیں کہ

جلدی سے واپس جا کر امی کو لینا ہے مگر وہ.....“ فائز کے لہجے میں لفظوں کی پوشاک پہنے گویا ہلکی سلفھ نامی یونانی نوجوان بولنے لگا تھا جو دیوتا اپالو کی چند روزہ دوستی اور پھر عین محبت کے عالم شباب میں اس سے دوری برداشت نہ کرتے ہوئے اپنا آپ ہار بیٹھا تھا۔

”کوئی بات نہیں وہ رکشے میں بھی آرام سے گھر چلی جائیں گی۔“
 ”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں صرف امی کو لینے کے لیے دلسہ باجی کے گھر سے صرف سلام دعا کر کے ہی چلا آیا تھا۔“

”تو اس کے علاوہ بھلا اور کیا جواز ہو سکتا ہے؟“ سارہ ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھی جو ساری عمر پائیدان بن کر زندگی گزارنے میں ہی لطف سمجھتے ہیں بلکہ وہ تو گھر کی چھت کا مقام جانتی تھی جس کے ہونے نہ ہونے سے کسی کو احساس تو ہو۔

”تم..... تم ہو جواز میرے وہاں آنے کا صرف تم۔“ فائز نے دو ٹوک الفاظ میں سارا معاملہ اس کے سامنے بیان کر دیا مگر اب سارہ کے منہ سے کوئی لفظ ادا ہونا دکھائی نہ دیا۔

”اور آج یا ابھی سے نہیں سارہ مجھے نہیں پتہ کہ تم مجھے کب سے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی ہو۔ شاید تب سے جب تم عمر میں بڑی دلسہ باجی کو اپنی کھلی ماں کر میری سب بہنوں کی مشترکہ کھلی کے روپ میں کئی کئی گھنٹے ہمارے گھر میں یوں گزارا کرتیں کہ لگتا گھر تمہارا ہے اور ہم سب مہمان ہیں شاید پہلی مرتبہ مجھے نوے کلاس میں ہی تم سے عشق ہو گیا تھا۔“ فائز کے بولنے کے انداز سے لگتا تھا سروپوں کی تیغ ہواؤں کے ساتھ ہی ہلکی ہلکی پھوار پزنا شروع ہو گئی ہو اور سارہ آبی میکانیکی انداز میں ساکت اور جامد اس پھوار تلے خود کو بھگوتے ہوئے انجانا خوشی محسوس کر رہی تھیں۔

”جب تم اپنے سیاہ بالوں کی دھوٹی پٹیاں بتائے اپنی ماں کے ہاتھ کی جی کڑی ہمارے گھر دینے آئی تھیں

ہوگی۔“ یقین کے جھنوقائز کے لہجے میں بے تحاشا روشنی بکھیر رہے تھے۔

”صرف ذات برادری؟“ سارقد کو حیرت ہوئی تھی وہ چیز جو ان کی زندگی کو گھن کی طرح کھا رہی تھی وہ ظاہری طور پر کسی قدر معمولی بات لگتی تھی لیکن حقیقتاً اس معمولی بات کا گربد ہی لوگ اور خاص طور پر وہی لڑکیاں جانتی ہیں جن کی زندگی اپنی ہی ذات برادری میں سے کسی نوجوان برسر روزگار قبول صورت انسان کے نمودار ہونے کے انتظار میں ایسے تابوت میں بند کر دی جاتی ہیں جس میں آکسیجن کی فراہمی تک کے لیے کوئی دروازہ یا سوراخ تک نہیں ہوتا۔

”یاباں کے نزدیک اتنی معمولی بات نہیں ہے فائز۔“

”میں تمہیں کسی کہانی کے شہزادے کی طرح ان تمام فرسودہ رسم و رواج اور خیالات سے نکال کر اپنے پاس لے آؤں گا سارقد..... بس اگر تمہارا ساتھ ہو۔“ سارقد کی نظروں کے سامنے جاؤب نظر دراز قد اور صاف رنگت والے فائز کا مکمل ہیولا آن کھڑا ہوا تھا جس کے جذبات اور لفظوں کی سچائی اس کی آنکھوں میں صاف دکھنی جا سکتی تھی! اکہرے بدن اور خوب صورت لباس پہننے والا فائز جس کے الفاظ ہمیشہ سے سادے لیکن مسکراہٹوں سے پر ہوا کرتے تھے آج جس سنجیدگی سے اس نے اپنے دل کی ایک ایک بات کہی تھی وہ سب باتیں سارقد آپی کی ٹھنڈی تپتی طبیعت میں بارش کی بوندوں کی طرح جذب ہوئی جا رہی تھیں۔

”بولو..... میرا ساتھ دو گی ناں؟“

”اگر ماں قائل ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر بھلا میری خوش قسمتی کیا ہوگی کہ جس کے ساتھ کی یہ دل خواہش کرتا ہو بنڈا گھمبوں سے جسے اپنے قریب محسوس کرنا ہو وہ حقیقت میں بھی صرف اور صرف میرا ہو کر رہے۔“ سارقد آپی نے محسوس کیا کہ فائز کی باتوں نے ان کے اندر کی اس سارقد کو جگا دیا تھا جو برجستہ جملوں کے لیے سہیلیوں میں مشہور تھی نکلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا کر شرمیں مسکراہٹ اور چمکتی آنکھوں نے جو بات کہی تھی فائز کا بس نہیں چل رہا تھا

تمہارے سرخ و سفید چہرے پر دونوں اطراف سیاہ چوٹیاں مجھے اب تک یاد ہیں۔ دروازہ میں ہی تو کھولا کرتا تھا ناں اور تمہیں دیکھ کر مجھے لگتا جیسے مون سون بارش کا ریلا میرا سب کچھ بہا کر لے گیا ہو۔“ سارقد کو فائز کی پسندیدگی کا تو بخوبی احساس تھا لیکن اس قدر مستقل مزاجی اور شدت کا اندازہ آج ہی ہوا تھا۔

”تمہارے اب تک کتنے ہی رشتے آئے لیکن ہمیشہ ہی کسی نہ کسی وجہ سے خالی ہاتھ لوٹتے رہے پتہ ہے کیوں؟“ فائز کچھ دیر کا یقینا وہ چاہتا تھا کہ فون کے دوسری طرف سے سوال کیا جائے لیکن ایسا نہ ہوا دوسری جانب سرد کالی راتوں جیسی خاموشی تھی جو فائز کو توڑنی پڑی۔

”صرف اس لیے کہ میں ہمیشہ چپے چپکے دل ہی دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ تم پر میرے علاوہ کسی کا سنا یہ بھی نہ پڑے تم صرف اور صرف میری ہو سارقد..... ہوناں؟“

وہی خاموشی اور سانس لینے کی بے ربطی آواز۔

”یتاؤ ناں سارقد..... کچھ تو بولو..... کچھ تو ایسا کہو کہ میرے دل کو بھی سکون ملے مجھاس بات کا یقین ہو جائے کہ تم میرے ساتھ ہو اور ہمیشہ ساتھ رہنا چاہتی ہو..... پلیز سارقد۔“

”اب تک کتنے ہی رشتے آئے لیکن ان کو واپس لوٹانے کا جواز اور دلیل کیا تھی..... پتہ ہے ناں۔“ سارقد بولیں تو بجائے اس کے کہ خوابوں کی دنیا میں فائز کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑیں ایک تلخ حقیقت کا آئینہ انہوں نے بڑی آہستگی سے فائز کے سامنے دکھ دیا۔

”جانتا ہوں۔“ فائز نے گہری سانس لی۔

”لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہاری اماں کو منالوں گا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے کچھ عرصہ پہلے تک تمہارے سامنے ہی اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ اب الحمد للہ میں ایک بہترین جاب کر رہا ہوں اور تم سمیت گھر والوں کے بھی اخراجات بخوبی اٹھا سکتا ہوں صرف ذات برادری پر اعتراض نہ ہو تو اماں کو یقیناً میرے انتخاب میں کوئی چیز رکاوٹ محسوس نہیں

کہ وہ ان الفاظ کو ریکارڈ کر لیتا اور چلتے پھرتے آتے جاتے
منتہر ہوتا۔

"لو یوسارقہ..... لو یوسوئج" میں آج ہی امی سے بات
کرتا ہوں۔ "فائز کے لیے اپنی خوشی سنبھالنا اس معصوم
بچے کی طرح ناممکن ہو رہا تھا جو جس اور گرمی سے بے حال
ہو اور یک دم گھٹنا چھانے کے بعد موسلا دھار بارش برسنے
لگے جس کی بوندوں کو اپنی دونوں خمی ہتھیلیاں ملانے کے
بعد بھی وہ سنبھال پانے پر قادر نہ ہو۔

فون بند کرنے کے بعد سارقہ آپنی نے بڑی زور سے
آنکھیں بند کی تھیں اپنا آپ بے حد ہلکا پھلکا لگنے لگا تھا اور
چند لمحے پہلے ڈپریشن کے جو گھٹے بادل ذہن دلوں پر
چھائے محسوس ہوتے تھے وہ فائز کی امید بھری باتوں کی
کرنوں سے یوں غائب ہوئے کہ سب کچھ نکھر نکھر اسما
لگنے لگا۔



فائز گھر میں داخل ہوا تو مختلف قسم کے کھانوں کی
اشتہا انگیز خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا۔ کچھ دیر پہلے وہ
ولسہ باجی کو لے کر آیا تھا تب تو اس طرح کی کوئی خوش بو
اس گھر میں موجود نہ تھی اب یقینی طور پر یہ سب کچھ پکانا
باجی نے ہی شروع کیا ہوگا کیونکہ امی کے ہاتھ سے بنے
کھانوں کا ذائقہ تو دور کی بات خوش بو بھی سب سے منفرد
ہوتی۔ ابھی وہ اس بات کا اندازہ کر رہا تھا کہ امی نے روم
سے فروٹ کی ٹوکرن لے کر کچن میں جاتے ہوئے اسے
دیکھا تو اس کے پاس چلی آئیں۔

"السلام علیکم امی۔"

"جیتے رہو بیٹا اور ہوئی کیا مجھے اپنے رخسانہ کی طرف
چلے گئے تھے؟ اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے
انہوں نے پوچھا۔

"نہیں امی میں نے فون پر سارقہ سے پوچھ لیا تھا پتہ
چلا کہ آپ گھر آ چکی ہیں تو میں بھی چلا آیا۔" جیب سے
موبائل نکال کر اس نے چارجر پر لگایا اور ان کے ساتھ ہی
کچن میں چلا آیا جہاں ولسہ باجی مختلف روایتی کھانوں

سے پرانی یادیں تازہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔
"ہاں بس میں اب زیادہ دیر بیٹھ ہی نہیں پاتی اس کے
پاس عجیب گھبراہٹ ہونے لگتی ہے اس کی باتیں سن کر۔"
اماں نے فروٹ کی ٹوکری ڈانٹنگ ٹیبل کے ایک کونے میں
رکھ دی کہ باجی جگہ پر ولسہ باجی نے مختلف سالن والے
ڈونٹے رکھ ہوئے تھے۔ فائز نے بھی ہاتھ منہ دھویا اور کچن
کا دروازہ بھیڑ دیا تاکہ چولہے کی گرمائش سے گرم کچن
مزید کچھ دیر گرم ہی رہے۔

"رخسانہ خالہ کی باتوں سے گھبراہٹ لیکن کیوں؟"
ولسہ باجی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پانی کی بوتل اور گلاس
میز پر رکھتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا امی اور فائز بھی اپنی
اپنی نشست پر موجود تھے اور فائز کا ٹھل دھیان امی کے
جواب کی طرف تھا۔

"بہت پریشان ہے بے چاری اپنی بیٹیوں کی شادی
کے لیے۔ شمس کی طرف سے امید لگائے چٹھی تھی اس نے
بھی مرے بھائی کا لحاظ نہ کیا اور اب بیٹے کی شادی کسی اور
سے کر رہی ہے۔" کھانا شروع کرنے کے بجائے امی
دونوں ہاتھوں کی پشت ملائے ان پر اپنا چہرہ نکا کر بات
کر رہی تھیں۔

"سارقہ کی عمر بھی اب بڑھ رہی ہے نہ تو صورت ماشاء
اللہ اتنی پیاری ہے ورنہ مزید دو چار سال میں تو کوئی پوچھے گا
بھی نہیں... مشغل کو بھی اسکول کے بعد پانچ چھ سال گھر
بٹھا کر کالج میں داخلہ دلویا کہ لوگ کم عمر سمجھیں ورنہ تو آج
کس کلاسوں اور ڈگریوں کو دیکھ کر ہی لوگ عمر کا اندازہ لگا
لیتے ہیں۔"

"بات تو امی آپ کی بالکل ٹھیک ہے اور سوچیں اپنی
ہی ہم عمر لڑکیوں کی شادیاں بچے اور بچوں کے اسکول
جانے پر کیسا محسوس ہوتا ہوگا سارقہ کو۔"

"میں تو کہتی ہوں کہ وہ تو اللہ کا شکر ہے لڑکیاں
مضبوط کردار کی ہیں ورنہ جتنی وہ خوش شکل ہیں کیا کسی
نے کوشش نہ کی ہوئی کہ انہیں خواب دکھائے سچ جھوٹ کا
تصویر کا تھی۔"

”وہ لوگ حالات سے فرسٹ ضرور ہیں لیکن ان کے کردار کی گواہی تو یہ ہے کہ میں خود ان دونوں بہنوں پر خود اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد کر سکتی ہوں۔“ ولسد ہاجی نے بڑے پر جوش انداز میں گواہی دی تو امی دھیرے سے مسکرائیں۔

”بیچیاں تو نیک اور شریف ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن رخسانہ اپنی خواہواہ کی ضد کی وجہ سے ان دونوں کو ذہنی مریض بنا دے گی اور سوچو آج وہ ان کے سر پر ہے کل کلاں کو اگر اسے کچھ ہو گیا تو..... معاشرے کا آسان ترین ہدف ہوتی ہیں ایسی لڑکیاں۔“ بات کرتے ہوئے ان کے چہرے پر دکھ کی ایسی تحریرا بھرا آئی جیسے وہ ان کی اپنی بیٹیاں ہوں۔

”آپ انہیں سمجھائیں امی کہ ایک بے جا مطالبے کی وجہ سے اپنی بیٹیوں کے جذبات ان کی زندگی اور مستقبل سے نہ پھیلے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ وہ خود کوئی قدم اٹھالیں..... کوئی ایسا قدم کہ پھر ان کی ذات باقی رہے نہ مطالبات۔“ ساروقہ کا باوام کے شکوے سامعہ خیال ولسد ہاجی کے ذہن میں آیا تو رخسانہ خالہ کے خلاف لہجے میں کئی بھر گئی ان کی ضد ہی خالہ کو بھی اپنی خواہش کے اظہار سے روک رہی تھی۔

”تم کسی کو کھو اپنے سسرال وغیرہ میں کسی سے پوچھو اگر.....“

”امی اتنی بھاری لڑکی کے لیے رشتہ لانا مشکل نہیں ہے لیکن یہ جوان کی ذات والی ذیمانڈ ہے ناں سارا مسدہ اس کا ہے۔“ ولسد ہاجی نے امی کی بات کاٹتے ہوئے بلا آخر سائن ڈالنے کا چہچہا اٹھاتے ہوئے ڈونگے کا ڈھکن اٹھایا تو فائز جواتی ویرے سے بالکل خاموش رہ کر ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا آخر گہری سانس لے کر شامل گفتگو ہوا۔

”امی ایک بات بتاؤں آج آپ کو سچ سچ۔“

”ہاں بیٹا بولو۔“ امی اور ولسد ہاجی کی استفہامیہ نظریں اس کے چہرے پر آکر گئیں تھیں۔

”آپ سب نے اب تک مجھے کتنی مرتبہ شادی کرنے

کا کہا، کٹر لڑکی والوں کو میرے چاہ نہ ہونے پر بھی اعتراف نہ تھا لڑکیاں بھی سبھی اچھی تھیں لیکن میں نے معذرت کر لی.....“ وہ سانس لینے کو رکھا تو جیسے امی اس کی بات کے مفہوم تک کو سمجھ گئیں۔

”صرف اس لیے کہ میں شروع سے ساروقہ کو پسند کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں اس کے سوا کوئی اور نہ آئے۔“ ولسد ہاجی نے چونک کر امی کو دیکھا جن کے چہرے پر صرف سکون تحریر تھا ایسا سکون جو کسی آنے والے غم کے خوف سے طاری ہونے لگے۔

”میری آنکھوں میں جب سے اس کے چہرے کا عکس نقش ہوا ہے کائنات کی ہر چیز دیکھنے سے پہلے آنکھ کے پردے پر وہی چہرہ نمودار ہو جاتا ہے اور..... اور اب میں اس کے علاوہ کسی کو بھی یہ جگہ نہیں دے پاؤں گا۔“ بات ختم کر کے فائز نے ایسے سر جھکایا تھا جیسے اعتراف جرم کیا ہو۔

”تم جانتے ہو فائز کہ ابھی کچھ دیر پہلے ہم رخسانہ خالہ کی کون سی ضد کا رونا رو رہے تھے؟“ ولسد ہاجی نے پوچھا تو فائز نے جھکا ہوا سر اٹھاتے میں ہلایا۔

”تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ان کے معیار پر پورا اترتے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ہماری اور ان کی ذات الگ ہے..... پھر تم نے ایسا کیوں سوچا؟ کیوں ارادہ کیا ایک ایسا خوب دیکھنے کا جس کی تعبیر یعنی طور پر تمہارے حق میں نہیں اور کیا تم یہ ضد کر کے ہم سب بہنوں کے وہ ارمان روغڈو اٹھا چاہتے ہو جو ہم نے اپنے اکلوتے بھائی کی شادی اور اس کی شادی شدہ زندگی کے لیے اپنے دل میں سجائے ہوئے ہیں۔“ ولسد ہاجی رخسانہ خالہ کی ضدی طبیعت سے واقف تھیں اسی لیے انہیں فائز کی اس خواہش سے بہت دکھ پہنچا تھا۔

امی نے فائز کو دیکھا جو جواب میں خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا..... نہ بحث نہ اصرار اور نہ ہی اپنی بات پر قائل کرنے کے لیے دلائل اور جذبات کا سہارا..... امی کو لگا جیسے اگر وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی یہ خواہش پوری

نہ کر پائیں تو جیسے اس سمیت خود ان کی اپنی زندگی بے
معنی ہو جائے گی۔

فاتر کا جھکا ہوا سر ای کے کندھے جھکا رہا تھا۔ یک دم
دل سے باجی کو لگا کہ جانے کہاں سے رخسانہ حالہ ان تینوں
کے بیچوں بیچ آ بیٹھی ہوں اور ان کی حالت پر بے تحاشا
ہنس رہی ہوں اتنا کہ مہنتے مہنتے ان کی آنکھوں سے موٹے
موٹے آنسو بہہ نکلے ہوں لیکن یہ آنسو کن جذبات کے
ترجمان تھے یہ عقیدہ ان پر نہ کھلا تھا۔

○.....●○.....○

"بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی..... بنو میں ڈھونڈتا
چلا آیا۔"

"یہ کیا بھی! اکیسویں صدی میں بھی تم لوگ پچھلی
صدی کے گانے گاؤ گی۔" ڈھونڈ بجانے والی کا ہاتھ پکڑ کر
ایک شوخ سی لڑکی نے مہنتوں کے بل کھڑے ہوتے
ہوئے سب کو کہا۔

"ہاں تو..... یہ گانے تو اگلی بیس صدیوں کی
شادیوں میں بھی چلیں گے پرانے تھوڑی ہوتے ہیں
ایسے گانے۔" گانا گانے والی نے شرمندہ ہوئے بغیر
اپنے گانے کا دفاع کیا۔

"کیوں نہیں ہوتے بھلا..... یہ پچھنے دور کی بات ہے
جب اسے حویلی ڈھونڈنے میں مسئلہ ہوا ہوگا آج کل تو
گاڑی میں نیوٹیکٹر لگاؤ اس میں ایڈریس ایڈ کرو اور ہونکی
حویلی کے مین گیٹ کے سامنے جا کر آپ کو سسٹم خود بخود
رکنے کا اشارہ دے دے گا۔"

"آپ شاید یورپ کی اثر پذیر ہیں حقیقت پر مبنی
جواب سن کر جہاں باقی لوگ بے ساختہ ہنسنے پر مجبور ہو گئے
تھے وہیں اعتراض کرنے والی اپنا منہ لے کر رہ گئی اور کھیا
کر اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتی امان سارقد اور مشعل
کے کمرے میں داخل ہونے پر سب کی توجہ اب ان کی
جانب مبذول ہوئی۔

"ارے بھی سارقد آگئی! کچھ بھی ہو اب آج تو سارقد
کو گائے بغیر نہیں چھوڑوں گی۔" سارقد کی ہم عمر سعد بی نے

اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کو گود میں سنانے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔

پلٹے رنگ کے گلابی کپڑوں میں میک اپ کے نام پر
کا جل لگائے سارقد آپنی کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر ایک
کوٹنے میں بیٹھی دل سے باجی نے بڑی حسرت سے پہلے
انہیں اور پھر ساتھ بیٹھی انہی امی کو دیکھا۔ دونوں نے بڑے
بھاری دل سے گہری سانس لی۔

اماں کا موڈ البتہ دیکھنے میں ہی خفا معلوم ہو رہا تھا سو
جیسے ہی انہوں نے کوٹنے میں بیٹھی خالد کو دیکھا لپک کر ان
کے پاس چلی آئیں۔

"چلو بھئی سارقد تم گانا شروع کر دو پھر مقابلے پر ادھر
والی لڑکی گائے گی۔" سلام دعا کے بعد جب ان کے گھر کی
کام والی موسم کی مناسبت سے تن کپ چائے لے کر آئی
تو حماد بھائی کی بڑی بہن نے لہجے میں محبت گھول کر کہا
یوں بھی لڑاں غیر متوقع طور پر شادی میں شریک ہوئیں تھیں
ورنہ جس طرح انہوں نے سارقد کو نظر انداز کیا تھا خیال
داشت تھا کہ وہ نہ آئیں مگر ان کا نہ صرف نا بلکہ دونوں بیٹیوں
کو بھی ساتھ لانا سب کو ان کے بڑے دل اور اعلیٰ ظرف
ہونے کا یقین دلا گیا تھا۔ شوخ رنگوں کا جدید تراش خراش کا
لباس پہنے موقع کی مناسبت سے میک اپ کیے مشعل
بھی ملنے ملانے کے بعد ڈھونڈ کے گرد بنے دائرے میں
شامل ہو چکی تھی اور اب سب منتظر تھے کہ سارقد کوئی گانا
شروع کریں۔

"چلو ناں سارقد..... اپنے بھائی کی مبارک بادی کے
لیے کوئی گانا گادو۔"

پچھو بھی ابھی کچن سے آ کر بیٹھی تھیں اور سب کا اصرار
سن کر خود بھی فرمائش کر دی۔ ان کے منہ سے بھائی کا لفظ
سن کر اماں نے بڑی دل دوز نظروں سے انہیں دیکھا تھا مگر
ان کے بیٹے کی شادی تھی وہ بھلا کیوں پروا کرتیں اور جب
اصرار بڑھنے لگا تو بلا خراش سارقد نے ہار مان لی۔

"مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری..... سدا خوش رہو تم
دعا ہے ہماری۔"

اماں اور خالہ پہلے ہی محفل کو نظر انداز کیے دھمی دھمی سرگوشیوں میں مصروف تھیں۔

"دیسے سچ کہوں رضانہ تم نے بڑے طرف کا مظاہرہ کیا یہاں آ کر۔" خالہ نے ان کو سراہا کہ وہ دل میں ناراضگی رکھنے کے بجائے اپنی نند کے گھر بیٹیوں سمیت چلی آئیں۔

"اسے تم میرا طرف کہہ دو یا مجبوری غرض کا نام دو یا لالچ کا آنا تو میں نے تھا ہی اور وہ بھی دونوں بیٹیوں سمیت۔" جائے کا خالی کپ اہں نے اپنے طرف پشت کر کے بیٹھی لڑکی کا کندھا ہلا کر پکڑایا اور آگے دسینے کا اشارہ کیا۔

"مجبوری..... بھلا ایسی بھی کیا مجبوری تھی؟ میں سمجھی نہیں۔"

"میں نے سوچا سارے خاندان کی عورتیں جمع ہوں گی ان کے رشتے دار بھی ہوں گے تو ہو سکتا ہے کوئی سارقہ کو دیکھ کر اس کا رشتہ مانگ لے اور نہ تو اتنے سارے لوگ بھلا کہاں ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں۔" اماں کی منطق پر خالہ بی کامنہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔

"تھیلے ہفتے نصیر کے سر کے چالیسویں پر بھی اسی لیے سارقہ کو ساتھ لے کر گئی تھیں لیکن اس کی قسمت ہی ست ہے۔" اسی دوران مووی والا اندر چلا آیا تو سب لڑکیوں میں ہلچل سی مچ گئی۔ اماں نے ایک نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھی سارقہ کو دیکھا سے ہاتھیں کرتے دیکھا اور پھر بولیں۔

"اب دیکھ لو..... میں گھر سے کہہ کر بھی آئی تھی کہ جب مووی بنے تو اس میں نمایاں ہونے کی کوشش کرنا تا کہ سچ سے چہرہ نظر آئے جہاں کہیں مووی دیکھی جائے گی ہو سکتا ہے کوئی پوچھ ہی لے لیکن یہ یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہے۔" اماں نے کف ہنسوس منٹے ہوئے ان لڑکیوں کو دیکھا جو اب شوخ و چنچل گانے گانے اور ادا میں دکھانے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں تھیں۔

اپنی خوبصورت آواز میں انہوں نے گانا شروع کیا تو ڈھولک کی سر کے مطابق پزلی تھاپ نے تو جیسے کھپا مچ بھرے ہال میں سماں ہی باندھ دیا۔ دوسرے باجی نے بغور ان کا چہرہ دیکھ کر کوشش تو کی کہ کوئی طال احورا پن یا ٹھکرائے جانے کا احساس ان کے چہرے پر نظر آئے لیکن ایسا ممکن ہی نہ ہوا۔ وہ تو بڑی ہی دھمی دھمی مسکراہٹ کے ساتھ گانا گانے میں مصروف تھیں اور چہرے پر ایسا سکون اور اطمینان رقم تھا گویا سومات کا مندر فتح کر کے آئی ہو۔

"تو نے ماری انتریاں رے دل میں بھی گھنٹیاں رے نرن نرن ٹن ٹن۔" سارقہ آپنی نے جیسے ہی گانے کے شروع کے چند بول گائے دوسری لڑکی نے سب کو نرن ٹن ٹن کرنے پر لگا دیا۔

دونوں اطراف بالکل متضاد مزاج موجود تھے سارقہ دھیمے سروں والے گیت گاتی تو دوسری طرف سے تیز میوزک میں پروان چڑھ گانے سننے کو ملتے۔

"تیرے لیے ہی تو سنگٹل توڑتاڑکے آ یا دی واپی گرل فرینڈ چھوڑ چھاڑکے

"ارے کمال ہو گیا یہ بھلا شادی کے گانے ہیں کیا ہٹو پرے۔" حمیدہ بوا تخت پر بیٹھی تھیں پان دان بند کر کے مردستے کی مدد سے کچی چھالیہ کا گنزا چھوٹا کر کے منہ میں رکھا اور بولیں۔

"ساس گالی دیوے دیوے سمجھا لیوے سسرال گیندا پھول

چھوڑ باٹل کا آگٹنا بھادے پیا کاڈیرا ہو۔"

"ایسے ہوتے ہیں شادی بیاہ کے گیت ارے وہ جو تم گارہی ہو وہ تو گلی کی گٹڑ پر کمزے فارغ لڑکوں کے مزاج کے تھے۔" آج کے دور کے گانوں کی سپورز کو ان کی بات بری تو گلی مگر خاموش رہی۔

اسی دوران سارقہ نے دوسرے باجی کو دیکھا اور ساس سے پہلے ان کے غلم میں نہیں تھا کہ خالہ اور وہ بھی وہیں موجود ہیں اسی لیے فوری طور پر انھیں اور ان کے پاس پہنچ گئیں۔

لفظوں میں اشارہ دیا تو ان کے انداز پر اماں چونک گئیں۔

"اور اگر تم اسے داناو کے روپ میں....."

"بہن..... یہ کیا کہہ رہی ہو تم....." اماں نے بات

پوری ہونے سے پہلے کاٹ دی۔

"سب کچھ جاننے کے باوجود بھی۔"

"ہاں سب کچھ جاننے کے باوجود بھی۔" خالہ بی کا

انداز جتنی تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ لو..... میں ایک دو دن کے

بعد آؤں گی تو تمہارے گھر بیٹھ کر تفصیل سے بات

کریں گے۔"

"سارو..... ادھر آؤ تمہیں سلطان بھائی کی بیٹی سے

ملواؤں۔" اماں کوئی جواب دینے سے پہلے ہی گانوں کے

شور میں چینی ایکے واڑ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"پھوپھی بہو جو اتنی ساری عورتوں کو پھلانگ کر سارو

کے پاس پہنچنے کے بجائے دور سے ہی آواز دے کر بلا رہی

تھی۔ اماں نے سارو کو دیکھا جو دوسرے باجی کی کہی ہوئی

جانے کون سی بات پر شرم سے گلابی ہو گئی تھی اور اب انہیں

جلدی لوٹنے کا کہہ کر آنے والی واڑ کی طرف چل دی۔

اس وسیع ہال میں گانے گانے والی لڑکیوں کی

آوازوں، ڈھولک کی تھاپ اور تہمتوں کا ملاحلا شور تھا۔

کچھ آہیں میں سر جوڑے باتوں میں معروف تھیں مگر

انہں کے ذہن میں گتا جیسے ایک دم سناٹا سا چھا گیا

ہو..... ایک ہی آواز کی بازگشت تھی جو بس انہیں اپنے

کانوں میں محسوس ہو رہی تھی اور ایک ہی منظر تھا جو شاید

ان کی آنکھوں میں نقش ہو گیا تھا۔

خالہ کا اشارتا سارو کا رشتہ مانگنا اور سارو کا کسی بات

پر شرمیں مستراہٹ کے ساتھ وسیع باجی کے سامنے سر

جھکانا..... اور پھر دفعتاً انہیں محسوس ہوا کہ تہمتوں کا سیلاب

ان کی طرف اُٹ رہا ہے ڈھولک کی تھاپ ان کے دماغ پر

ضرر میں لگا رہی ہوں ہال میں گانوں کی ہمیں شاید بین کی

آوازیں ہوں جو ان کے خاندان کی عزت دوسرے

خاندانوں اور غیروں میں بانٹنے کی وجہ سے بلند ہو رہی

"خدا کا واسطہ ہے رخسانہ یہ ذات برادری کی زنجیر اتار

پھینکو کیوں اپنی اور اپنی بیٹیوں کی زندگی خراب کر رہی

ہو..... اور تمہیں تو آخرت میں بھی حساب دینا پڑے گا۔"

"کیسے اتار پھینکوں وہ..... وہ دیکھو..... وہ بھی ابھی

تک رشتے کے لئے بیٹھی ہوئی ہے وہ جاہلی بندوں والی کی

بھی ابھی شادی نہیں ہوئی وہ جو کھڑی پانی پی رہی ہے اس

کا بھی ابھی کوئی رشتہ نہیں آیا..... تم گئیں مجھتیں بہن

ہمارے خاندان میں یہ رواج ہی نہیں ہے اور میں بھلا یہ

روایت تو زکریوں سب کے طعنے سہوں۔"

"یعنی رشتہ کتنا ہی مناسب کیوں نہ ہو تم کبھی باہر بیٹا

نہیں کرو گی اپنی بچیوں کا؟" بس پر وہ خالہ بی بی سن گن لے

رہی تھیں کسان کے ارادے کس حد تک مضبوط ہیں۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ جو سامنے بیٹھی ہیں دیکھ لو

کتنی عمر ہو گئی ہے ان کی چہرے سے ہی پتہ چل رہا ہے

لیکن پھر بھی اپنے اماں ابا کے گھر بیٹھی ہیں تو میری بیٹیوں

کو بھی کوئی آگ نہیں لگی ہوئی شادی رچانے کی۔" اور تب

جانے خالہ بی کے جی میں کیا آئی کہ سوچا ابھی ہی اپنے

بیٹے کی خوشیوں کی طرف پہلا قدم اٹھا لیا جائے جی اشارتا

اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اس معاملے میں صبر کرنا ان کے لیے

مشکل ہو رہا تھا۔

"رخسانہ..... جب سے تم شادی ہو کر ہمارے

محلے میں آئیں تب سے عمر میں بے شک میں تم سے

بڑی تھی لیکن ہماری ایسی دوستی ہوئی کہ آج تک لوگ

مثال دیتے ہیں۔"

"ہاں بہن..... اور اس میں بلاشبہ سارا کمال تمہارا ہے

کہ میری الٹی سیدھی باتیں بھی برداشت کر لیتی ہو اور نہ

صرف تم بلکہ تمہارے بچوں نے بھی تم سے بڑھ کر مجھے

عزت اور محبت دی۔ میرا بیٹا چار سال کا ہو کے دنیا سے چلا

گیا مگر فائز نے مجھے بھی اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔

جیتا رہے سدا خوش رہے۔"

"اگر اب تک تمہیں کوئی کمی محسوس نہیں ہونے دی ہے

تو یقین کرو آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔" خالہ بی نے محتاط

ہوں اور سر جوڑے ہونے والی خسر پھسران کے اور ان کی بیٹیوں کے متعلق ہو۔

انہیں لگا جیسے سارق کی مسکراہٹ میں آنسوؤں کی ملاوٹ ہو اور خالد کی امید بھری باتوں کے پیچھے رواجوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی تاکید۔

○.....○●○.....○

پھپھو کے بے حد اصرار کے باوجود بھی اماں رات بھر وہاں قیام کے لیے راضی نہ ہوئیں اور خود مشعل اور سارق کو بھی ان کے یوں اصرار کرنے پر حیرت تھی کیونکہ آج سے پہلے تو کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ انہوں نے کبھی اس طرح ضد کی ہو یا شاید اب ان کا بیٹا شادی کرنے والا تھا بلکہ اس کی شادی ہو رہی تھی تو انہیں اس قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ جیسا پیار لڈ کتا رہا تھا اور وہ اظہار کرنے میں بھی بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرنے پر مصر تھیں جو کچھ بھی تھا مگر خود سارق اور مشعل نے بھی گھر جانے کو ترجیح دی تو پھپھو کچھ دیر کے لیے اماں کو اپنے ساتھ بکن میں لے گئیں واپسی پر رات کا کھانا بھی ذبوں میں ڈال دیا اور تاکید بھی کر ڈالی کہ میرا کام یاد رکھنا۔

اب کام کون سا تھا اس طرف سوائے اماں کے اور کسی کا دھیان نہ تھا اور ان کے تو ثمان میں بھی نہیں تھا کہ کام کس نوعیت کا ہوگا۔ جیسا گھر آنے کے بعد سارق نے کھانے کے ڈبے فریج میں رکھے اور مشعل کے ساتھ کمرے میں چلی آئیں۔

اماں دو کھڑی پڑوں کے پاس تلی میں ہی رک گئی تھیں مشعل فریج میں ہونے کے لیے پتھر روم میں گئی ہی تھی کہ فون کی بیل بجی دوسری طرف فائر تھا۔

”واسعدہ بابی تمہاری تعریفیں کر کر کے مجھے جلا رہی ہیں۔“ کوئی رکن تمہید یا سلام دعا کے بغیر ہی فائر نے خوش گوار لہجے میں کہا تو سارق کو موسم کے سرد ہونے کا احساس ہوا۔

”یہ تو سخت نا انصافی ہے کہ تم اتنی پیاری لگ رہی ہو اور میں تمہیں دیکھ نہ سکوں۔“ سارق نے خاموشی سے ذہنی

مسکراہٹ کو تہہ بننے سے روکا۔

”ہانسی بتا رہی ہیں کہ وہ اتنی دیر تمہارے ساتھ بیٹھی رہیں اور تم ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر صرف اور صرف میرے متعلق پوچھتی رہیں۔ یقین کرو تب سے ہانسی کا وہ ہاتھ پکڑ کر بیٹھا ہوا ہوں جو تم نے پکڑا تھا۔“

”غلط..... بالکل غلط میں نے ان سے ایک بات بھی نہیں پوچھی وہ تو خود بتا رہی تھیں سب کچھ تمہارے بارے میں اور.....“ سارق نے یوں گھبرا کر بات کالی تھی کہ فائر نے بے اختیار ہنسنے لگا اور تب سارق کو اندازہ ہوا کہ یہ سب شرارت تھی۔

”ہاں ہاں بولو ناں خاموش کیوں ہو گئیں۔“ جو بابا ایک بار پھر خاموشی تھی۔ چشم تصور میں فائر کا مسکراتا چہرہ اور بولتی آنکھیں دیکھنے کے بعد پھنڈوہ کچھ کہتی بھی تو کیسے۔

”ویسے وہ میرے کہنے پر جو تمہاری تصویریں اپنے موبائل میں اتار کر لائی ہیں ناں یقین کرو ان پر سے میری نظریں ہٹانے کو تو دل ہی نہیں چاہ رہا۔ میرا بس چلے تو انہیں فریم کروا کر اپنے کمرے میں لگا لوں لیکن پھر سوچتا ہوں تھوڑے دنوں بعد تو ویسے ہی میرے کمرے میں ہم دونوں کی تصویریں ہوں گی..... جب تک موبائل میں ہی رہیں تو بہتر ہے۔“

سارق کے ذہن میں ایک عجیب سی الجھن یہ بھی تھی کہ انہوں نے تو آج کوئی تصاویر نہیں بنوائیں پھر یہ فائر کس تصویروں کی بات کر رہا ہے لیکن یہ کبھی بھی فائر کی اگلی بات سے سمجھا ہوئی۔

”میں نے تو کہا کہ ڈھونڈ کے پاس تصویریں بنائیں تو بھلا تمہاری منہسی سی آواز کی دینے پر بھی بنا لائیں کم از کم سن سن کر دل تو بہلتا۔“

”جو کچھ تم سوچ رہے ہو... یہ سب اتنا آسان نہیں ہے فائر۔“ سارق نے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا۔

”کچھ بھی ہو کسی بھی طرح ہو یہ مجھے نہیں پتہ لیکن اس اب مجھے تمہیں خود سے دور نہیں رہنے دینا۔ کسی بھی قیمت پر بھی نہیں۔“ فائر کے لہجے کی مضبوطی بتا رہی تھی کہ وہ

اپنے ارادوں میں پختہ اور الفاظ میں کس قدر سچا ہے پھر ایک دم ہی اس نے اپنا موڈ بدلا اور بولا۔

رکھ کے بات کیا کرو۔“ اماں نے سادی روٹی کے ساتھ آپیٹ کا لوالہ بنا کر منہ میں رکھتے ہوئے اسے گھونسا اور ساتھ ہی ایک گھونٹ چائے کی لیا۔ سارقد آپی البتہ کھل لا تعلق کا اظہار کیے چونکہ اس کی طرف متوجہ نہیں۔
”جو منہ میں آتا ہے بس ہوتی چلی جاتی ہو۔“ اماں نے بات کھل کی۔

”اچھا وہ جو تم سارا وقت دماغہ باجی کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھیں نہ وہ انہی کا ہاتھ سمجھ کر پکڑا تھا نا یا خیالوں میں.....“
”فائر تم بہت برے ہو..... اچھا۔“ سارقد کے اچانک رد عمل پر وہ بے ساختہ تہمت لگا کر جساتھا تبھی مشعل چہرے اور ہاتھوں پر کولڈ کریم لگانی کمرے میں داخل ہوئی تو انہوں نے فون بند کر دیا۔ مگر چہرے پر اڑتی رنگ برنگی تتلیاں مشعل کی آنکھوں سے چھپ نہیں پاتی تھیں۔

○.....●○.....○

”اچھا اچھا معافی..... ہاں یاد ہیں ابھی کل ہی تو ان کی بیٹی دیکھی ہے میں نے فقیرہ کلاس میں ہے مگر لگتا نہیں۔ کیا پٹر پٹر باتیں کر رہی تھی نا وہ آپی۔“ اپنے لیے اہلا ہوا اظہار تھیلٹے ہوئے اس نے سارقد آپی کو بھی شامل گفتگو کرنا چاہا مگر وہ خاموشی سے اس کے لیے گرم کی گئی بریڈ پلیٹ میں رکھ کر اس کے سامنے رکھنے کے بعد اب جائے اٹھ بیٹے لگیں۔

کچھ تو دونوں کی تھکن ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی اور کچھ مشعل نے دوستوں کے ساتھ مل کر آج چھٹی کرنے کا منصوبہ بنا رکھا تھا جیسی بڑے آرام سکون سے ہاتھ منہ دھو کر کمرے سے نکلی محسن میں بکھری دھوپ پیغام دے رہی تھی کہ بس اب سرما کے تازہ ترے بہت اٹھا لیے اور اب یہ سب چند روزہ کی ہے اس کے بعد وہی گرمیوں کی دوپہر ہوں گی اور وہی شائیں۔

”اور فیشن دیکھنا تھا اماں اس کا..... تو یہ سب کو مات دے رہی تھی۔“
”بس بیٹا..... ماں سر پر نہ ہوتی بیٹیوں کا یہی حال ہوتا ہے نہ کوئی سمجھانے والا نہ بتانے والا۔“

اب بھی ہلکی ہلکی ٹھنڈ جسم کو چھو کر اپنے ہونے کا احساس دلانے کی کھل کوشش کر رہی تھی وہ دونوں بازو لپیٹے کچن میں داخل ہوئی تو محسوس ہوا کہ صرف وہی نہیں آج اماں اور سارقد آپی بھی معمول کے وقت سے کچھ تاخیر سے جاگیں ہیں اس لیے ابھی ناشتہ کیا جا رہا ہے البتہ دونوں کے چہرے کے تاثرات سے مشعل کو یہ سمجھنے میں قطعاً مشکل نہ ہوئی کہ کوئی سنجیدہ بات زیر بحث تھی۔

”ہاں یہ تو ہے بے چاری بچیاں..... ایک تو اس سے چھوٹی بھی ہے نا؟“
”ہاں ایک اور بیٹی ہے اور دو سا نہ بیٹا بھی ہے۔“ سارقد اس کے لیے چائے لاکر اب قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔ چند لمحے سب نے خاموشی سے ناشتہ کیا پھر اماں نے لیس۔
”سلطان اپنی سارقد سے شادی کرنا چاہتا ہے اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کیا اسی مہینے کی کوئی تاریخ دے دوں؟“ ہچکچاہٹ کے ساتھ بات شروع کرتے ہوئے اماں نے پہلے مشعل کو دیکھا اور پھر سارقد سے رائے چاہی۔ تو جن نظروں سے سارقد نے انہیں دیکھا جانے کیوں اماں زیادہ دیر انہیں دیکھ نہیں پائیں۔

”مشعل تمہیں یاد ہے وہ تمہارے ابا کے ناموں کا بیٹا سلطان؟“ سارقد نے اس کے لیے تازہ چائے بنانے کے لیے کیتلی چڑھائی اور ساتھ ہی بریڈ پر ہنگا سا کھین لگا کر گرم کرنے لگیں تو اماں نے مشعل کو مخاطب کیا جس پر وہ ہنس دی۔

”اچھا تو کچن میں جا کر آپ سے یہ طسر پھسر ہو رہی تھی اس وقت؟“ مشعل نے تعقیبی نظروں سے اماں کو دیکھا جو ایک مجرم بنی وضاحتیں دینے کی کوشش میں تھیں۔
”ہاں تو حرج ہی کیا ہے..... اپنا گھر ہے کاروبار ہے

”اماں کہہ تو ایسے ہی ہیں آپ جیسے کوئی جیس ہائیں سالہ نوجوان ہے آپ کا سلطان۔“
”ارے میرا کیوں ہونے لگا سلطان۔ ذرا شرم خاطر

اور سب سے بڑھ کر اپنا خاندان ہے کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔

لیکن اماں مجھے اعتراض ہے۔ مشعل نے چڑ کر خاموش ٹٹھی ساروق آبی کو دیکھا۔

وہ جوان کے تین تین بچے ہیں اور بن بیٹا ہی دو نہیں ہیں وہ نظر نہیں آتا آپ کو؟

مشعلی..... اماں نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا لیکن وہ مشعلی تھی اسے اماں کے گھورنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

ابھی چند مہینے پہلے تک رہا پا کو جینا بلاتے تھے عمر میں ہمارے بچا کے برابر لیکن رشتے کی وجہ سے آبی نہیں بھائی کہا کرتی تھیں اب آپ انہی کے ساتھ نہیں بیابنے پر تیار ہیں۔ مشعل نے انتہائی حیرت اور صدمے سے اماں کو دیکھا۔

تم خاموش ہو جاؤ اب... ہر خاندان میں اسی طرح ہوتا ہے کزنز کو بھائی ہی بلایا جاتا ہے مگر رشتہ ہونے سے پہلے تک۔

لیکن... مشعل اس تجویز کے سخت خلاف تھی مگر اماں بھی ڈٹ گئی تھیں۔

تم کبھی اس کا گھر نہ بسنے دینا... اگر کبھی کوئی رشتہ آئی کیا ہے تو تم اس میں کیزے نکالنے لگ جاؤ۔ ارے تم تو چاہتی ہی نہیں ہو کہ اس کا گھر آ جاؤ۔ مشعلی نے یوں غصے میں کہہ چکا کہ چائے کے چند چھینٹے میز پوش پر بھی جا کرے۔ اماں کی برداشت بھی جواب دے گئی۔

یہ تو اس بند کرد اپنی کسی زبان چلتی ہے ارے اتنی ہی ہمدرد ہو بہن کی تو ڈھونڈ لاؤ ناں جا کر اس کے لئے کوئی رشتہ... اتنی ہی زبان لے کر میرے ہی گھر پیدا ہوتا تھا تم نے۔ پیش میں آ کر اماں کا دل تو چاہا کہ اس کے پھرنر سید کر دیتیں لیکن خود پر ضبط کیے دکھا۔

ساروق آبی کی فرماں برداری کا ناجائز فائدہ مت اٹھائیں اباں اور خدا کا خوف کریں۔

میں کبھی ہوں زبان بند کر لو مشعلی اور نتائج میں جو

اٹھالوں گی۔ اماں نے برتن پرے کئے تو ساروق نے ان کے دونوں ہاتھ آگے بڑھ کر پکڑ لیے مبادا اماں وہ کچھ کر گزریں جس کا خدشہ تھا مگر اس سے پہلے ہی مشعل ناشتہ اچھوڑا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

رشتہ ڈھونڈنا ماں باپ کا کام ہوتا ہے اماں بیٹیوں کا نہیں اور یہ آپ جیسی ہی ماںیں ہوتی ہیں جو آخر کار لڑکیوں کو غیروں پر بھروسہ کر کے گھروں سے بھاگنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ساروق آبی نے محسوس کیا کہ مشعل کی اس بات سے اماں کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے تھے۔

بہنوہ... لیکن ہمارے بارے میں مطمئن رہنے اماں نال جوڑا نہ کسی کفن ہم اسی برادری کے ہاتھوں کا پہنیں گے اور ہاں اس پر ہماری ذات ذرا واضح الفاظ میں لکھوا لیتا تا کہ غیر برادری اور دوسری ذات کے لوگ دور سے ہی دیکھ کر گزر جائیں۔ کڑواہٹ بھرے سے جملے کہہ کر وہ کچن سے باہر نکل گئی تھی۔ اماں کے نزدیک ساروق نے اس کے ناز نخرے اٹھا کر اسے باغی بنا دیا تھا کچھ دیر تو اماں اور ساروق خاموش ہی بیٹھی رہیں پھر جیسے نئی اماں کے پاس پڑوس کی کوئی خاتون آئیں ساروق لیک کر مشعل کے پاس جا پہنچی جو حسب توقع منہ پھلا کر لیٹی ہوئی تھی انہیں دیکھا تو اٹھ بیٹھی۔

پریشان ہو مشعلی؟ بید پر اس کے سامنے بیٹھے ہی نہیوں نے سوال کیا تو وہ بغور ساروق آبی کا چہرہ پڑھنے لگی۔

آبی کیا ہمارا اس دنیا میں بس اتنا ہی حصہ ہے؟ اپنا اپنا نصیب ہوتا ہے ناں اور لکھے پر بھنا کس کا زور چلتا ہے۔

دنیا سے اپنا حصہ ہمیں خود لینا پڑے گا۔ اپنے حصے کے جتنو ہمیں خود تلاش کرنے پڑیں گے۔ زندگی بھی روشن ہوگی ورنہ اماں کو تو ہمارا پوزھا ہو کر مرنا پسند ہے بجائے اس کے کہ.....

بریں بات ہے مشعلی..... وہ ہماری ماں ہیں ناں اور ان کی دل سے عزت کرتا بھی ہم پر لازم ہے۔ وہ مشعل کی سابقہ گفتگو سے ہم سی گئی تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ اس

کے اور ماں کے درمیان کسی قسم کا کھچاؤ باقی رہے۔

"ایسی مائیں جو محض ذات پات اور مطالبات کی وجہ سے اپنی اولاد کی زندگیوں کو زندگیاں لود کر دیں ان کی عزت کرنا تو ٹھیک ہے۔ لیکن سوری آپنی..... دل سے عزت پلنا صراط پر چلنے کے برابر لگتا ہے۔" سارقہ نے اس کی باتوں کے جواب میں گہری سانس لے کر ترحم آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر افسردگی سے سر جھکا لیا۔

"ویسا آپنی ایک بات کہوں؟" سارقہ نے سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"کیا خیال ہے اماں فائز بھائی کے ساتھ آپ کی شادی کے لیے راضی ہو جائیں گی؟" اتنا غیر متوقع اور براہ راست سوال سارقہ آپنی کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ مشعل ان کے اور فائز کے درمیان چپتے اس نئے جذبے سے اس حد تک آگاہ ہے۔

"پتہ نہیں مٹھی..... کیا کہہ سکتی ہوں۔" اب جبکہ مشعل کو سب باتوں کا اندازہ تھا سو انہوں نے بھی تردید کرنے یا وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ البتہ غنظوں میں جو تھکن تھی وہ بہت سارے خدشات کا پتہ دے رہی تھی اور ان کا یہی شکست خوردہ انداز مشعل کو مزید ترش کر گیا۔

"میں جانتی ہوں اماں کو وہ کبھی راضی نہیں ہوں گی! باوجود اس کے کہ وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے سے خالہ کو جانتی ہیں! لیکن ہاں اگر ہمارے خاندان میں سے ہی کوئی ترمخہ ذات لیے اسی سالہ بڑھا بھی نمودار ہو جائے تاں تو قسم کھا کے کہتی ہوں! اماں چیز میں اس کی بیٹی تک خرید لیں گی۔"

"ہونہہ..... میرے ساتھ کی بیٹیوں کے تو اب بچے بھی اسکول جانے لگے ہیں مٹھی..... اور..... اور میں نے تو ان سے ملنا تک چھوڑ دیا ہے صرف اس لیے کہ مجھ سے ان کے ترحم آمیز الفاظ سے بے ترس میں جھیکے جینے اور چپتی آنکھیں برداشت نہیں ہوتیں۔" یہ پہلا موقع تھا کہ سارقہ آپنی نے اس طرح کی کوئی بات اپنی ذات کے علاوہ

کسی دوسرے سے کی تھی اور یہ وہ اظہار تھا جسے سن کر مشعل کو اماں پر سخت غصہ اور ان پر بے حد ترس آیا تھا۔ جسمی مشنوں میں اس کے ذہن نے جانے کیا ترکیب بنائی شروع کی کتا نکھوں میں چمکتا گئی۔

"اگر اماں نے فائز کے رشتے پر رضامندی ظاہر کر دی تو ٹھیک ذرندہ میں اس سارے واقعات کو قسمت کا لکھا تصور کر لوں گی۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں! اور بس اب اماں کے صندوق سے جہیز کے کپڑوں کو ہوا لٹوانی شروع کر کے اپنا لال جوڑا تیار رکھیں۔ ان ہاتھوں پر مہندی لگے گی تو فائز بھائی کے نام کی ذرندہ..... اور ذرندہ کا کوئی تصور نہیں! کیونکہ مہندی لگتی ہی ہے اب۔" مسکراتے ہوئے مشعل نے سارقہ آپنی کے ہاتھ چوم لیے تھے جبکہ وہ اس کے ارادے کی مضبوطی پر حیران تھیں۔

"مہندی لگے گی تیرے ہاتھ

ذھولک بچے گی ساری رات

جا کے تم سا جن کے پاس

بھول نہ جانا بیرون رات

تم کو لیس پھا کا بھانے

تیرا پیا تیرے گن گائے

آئے خوشیوں کی بارات

بھول نہ جانا بیرون رات"

مشعل نے بڑے جوش سے لبک لبک کر انہیں گانا سناتے ہوئے اپنا سابقہ موڈ تو تبدیل کیا ہی تھا مگر سارقہ کو بھی بے حد حیران کیا تھا کیونکہ مشعل کے اندازے۔ تو لگتا کہ بس بات کی ہو چکی ہے اور تبھی صحن سے آتی مختلف آوازوں اور ہنسی بے قبضوں سے وہ دونوں چونک ہی گئیں لگتا تھا کچھ مہمان آئے ہیں جن کے قدم ذرا رنگ روم کی جانب بڑھ رہے تھے۔



"بس سلطان! لگتا ہے کہ میری سارقہ کا نصیب تمہارے ساتھ ہی بندھا تھا! ابھی تو مانو کتنے بن رشتوں کو

میں نے انکار کیا خود آگواہ ہیں۔“ اماں نے پھپھو سے گواہی چاہی جو لوازمات کی تکمیل کو دیکھ کر اندازہ کر دے گی۔ میں نے اس کے برعکس اماں کی خوشی دیدنی تھی جو ان کے ہر انداز سے جھٹک رہی تھی۔

”اور پھر یہ بھی تو سارے کی خوش نہیں ہے ناں کہ اتنے اچھے گھر میں ہی جائے گی میں تو کہتی ہوں دیر یا درست آید والا محذورہ بنا ہے یہاں۔“ پھپھو نے سموسہ پلیٹ میں رکھ کر اس پر چٹنی ڈالی۔

”حالانکہ اپنے گھر شادی ہے لیکن سلطان نے جب سے سارے کو اتنے برسوں بعد دیکھا جیسے ہی پڑ گیا کہتا ہے جتنی جلدی ہو سکے جتنی کروادو۔“

”جتنی.....؟“ اماں کو اپنے ہاتھ پاؤں پھولتے محسوس ہوئے۔ البتہ سلطان کی جگہ سارے معاملات شاید پھپھو کو ہی طے کرنے کا اختیار دیا گیا تھا جیسا باقی مہمانوں میں سے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملتا رہا ہے۔

”چاچی آپ کو تو پتہ ہے کہ اللہ نے مجھے ہر چیز سے نواز رکھا ہے، جینز کے نام پر مجھے سارے کے دو جوڑے کپڑے کی بھی ضرورت نہیں ہے اسی لیے میں چاہ رہا تھا کہ اگر حماد کی شادی کے ساتھ ہی آپ بھی اپنا فرض ادا کر دیتیں تو.....“ سلطان نے ایک ہنستے بعد حماد کی شادی کے ساتھ ہی نکاح کی بات کر کے گویا تھیلی پر برسوں جمائی تھی۔ اماں کی بوکھلاہٹ دیدنی تھی جیسا سلطان کو دیکھتے ہی کبھی ساتھ نہ بھی پھپھو کو۔

”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی.....“

”ارے لیکن لیکن کیا رخسانہ..... خدا کا شکر کرو ایسا رشتہ ملا ہے میری ماں تو ایک پل کی تاخیر کیے بغیر ہاں کر دو تاریخ فائنل کر کے۔“ پھپھو نے چکن چٹنیز ختم کر کے نشوونما سے ہاتھ صاف کیے اور سموسے والی خالی پلیٹ کے اندر ہی نشوونما پر رکھ دیا۔

”تو پھر ٹھیک ہے چاچی اگلے ہفتے میں نکاح خواں کے ساتھ دو چار بندے لے آؤں گا تاکہ سادگی سے نکاح

ہو جائے۔“ سلطان نے خود ہی فیصلہ سنایا۔

”ہاں اچھا ہے تاکہ تمہارا بھی خرچہ نہیں ہوگا۔“ پھپھو نے ہلکی سی ہنسی میں اماں کو جتایا۔

”جو بھی اہتمام کرنا ہوگا ویسے پر ہو جائے گا بلکہ سلطان میں تو کہتی ہوں رخسانہ سارے اور مشعل کو لے کر ہماری طرف ہی آجائے وہیں جس وقت حماد کا نکاح ہوگا یہ بھی کام ساتھ ہی سرانجام پاجائے گا۔“ پاس ہی بیٹھی اماں کو پھپھو نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا اور یہی حاکمیت بھرا انداز ان کا خاصہ تھا۔ ان کا خیال تھا تمام تر فیصلوں کی جی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔

”بھائی تو میرا اب اس دنیا میں ہے نہیں آخر کو میں نے ہی تو سوچتا ہے ناں اس کی اولاد کا بھی۔“ سلطان نے تائید میں سر ہلایا۔

”اور رخسانہ کبھی بیوی کی زندگی ہی اتنی تھی ورنہ بڑے لاڈ سے رکھا تھا اس نے۔“ اماں نے مستی انداز میں سر ہلایا۔

”تو پھر تم تیاری رکھنا اور اگلے ہفتے صبح ہی آ جانا بچوں کو لے کر۔“ پھپھو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ابھی میں کچھ بھی حتمی طور پر نہیں کہہ سکتی۔ ابھی تو میں نے سارے اور مشعل سے بات بھی نہیں کی۔“ ان کی جلد بازی اماں کو کھٹک رہی تھی اسی لیے بہانہ گھڑا۔

”لو بھلا..... تم نے انہیں اتنا سر پر کب سے چڑھا لیا کہ ان سے پوچھ کر فیصلے کرو گی۔“ پرس بغل میں دباتے ہوئے پھپھو نے منہ ہٹایا۔

”کہیں ہیں دونوں.....؟ میں خود بات کر لیتی ہوں ان سے۔“

”ارے نہیں نہیں..... میں کر لوں گی ناں بات اور آج شام ہی آپ کو فون کر دوں گی۔“ اماں کتنی ہی تیز اور تھک مزاج تھیں لیکن پھپھو سمیت اپنے سسرالی رشتے داروں کے آگے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ شوہر زندہ تھے تو انہوں نے بھی انہیں اپنے گھر والوں کی کسی بھی بات سے اختلاف نہیں کرنے دیا اور نہ ہی انہیں اجازت ہوتی کہ وہ

ان سے بحث کریں، سوان کے جانے کے بعد بھی اماں کا وہی طریقہ تھا۔

”چلو ٹھیک ہے بات بات کرتی رہنا تم آرام سے..... اچھا سٹوناپ تو سارقد اور مدیحہ کا ایک ہی ہے ناں؟“ پھوپھو نے اپنی بڑی بیٹی کا نام لیا۔

”تم صرف اور صرف شادی کا جوڑا تیار کر لو باقی سب میں ہتالوں گی، سلطان کے ساتھ مل کر۔“ ڈرانگ روم سے نکلے ہوئے پھوپھو نے ایک اور عنایت کی تھی اور اسی دوران قتل ہونے پر مشعل جو احتجاجاً نہ خود ڈرانگ روم میں گئی تھی اور نہ ہی سارقد آپی کو جانے دیا تھا، روزہ کھولنے کے لیے کمرے سے نکلنے ہی لگی تھی کہ اماں کے آنکھ کے اشارے نے کمرے میں ہی رکنے پر مجبور کر دیا۔

”ہاں..... یہ کمرے میں تھی..... اتنا نہ ہوا کتا کر سلام دعا ہی کر جاتی۔“ پھوپھو نے گلہ کیا مگر اس سے پہلے کہ اماں کچھ جواب دیتیں، واسعہ باجی اور خالد دونوں ہاتھوں میں شاپرزا اٹھائے لدی پھندی اندر داخل ہوئیں اور جس جوش و خروش اور محبت کا مظاہرہ کیا وہ پھوپھو کو چونکا گیا۔ اسی دوران خالد کی ان پر نظر پڑی تو سلام دعا کر لی۔

”اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہوگئی، ہم سارقد کے نکاح کی تاریخ چکی کرنے آئے تھے۔“ پھوپھو نے ابرو چڑھاتے ہوئے بات کی تو خالد کا چہرہ اتر گیا ہاتھوں میں تھامے مختلف لفافے گرفت ڈھیلی ہونے پر وہیں فرش یوں ہو گئے۔

”اگلے ہفتے حماد کی شادی کے ساتھ ہی سلطان اور سارقد کا نکاح ہے ان کی طرف سے تو آپ آئیں گی میری طرف یعنی سلطان کی طرف سے بھی بلوا سمجھیں۔“ پھوپھو نے ایک نظر سلطان کو دیکھ کر کہا۔ اماں تو ایک بار پھر انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

”اب چلتی ہوں، دوہری شادیوں کی ذمہ داری بھانا آسان تھوڑا ہی ہوتا ہے۔“ ایک اچھتی سی نظر سب پر ڈال کر وہ لوگ چلے گئے تھے۔

اماں خالد اور واسعہ باجی سے نظریں چراتی بغیر کچھ کہے

ڈرانگ روم میں چلی گئیں تھیں خالد اور واسعہ باجی بھی بے یقینی کی کیفیت میں ان کے پیچھے ڈرانگ روم میں داخل ہوئیں جہاں نیکل مختلف لوازمات سے بھری ہوئی تھی جس کا بیانیہ مطلب تھا کہ وہ باقاعدہ تیار کر اور منصوبہ بندی کے تحت آئے تھے۔

”رخسانہ..... یہ کیا کیا تم نے؟“ اماں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیوں کے اظہار رہ جانے پر جہاں صدے کا شکر گیس وہاں سارقد جیسی خوب سیرت لڑکی کے لیے سلطان جیسے شخص کے چناؤ پر حیران بھی۔

”جانتی بھی ہو کہ سلطان کس فطرت کا انسان ہے، مال و دولت گھر بار نہ کھوٹا پتی بچی کا مستقبل دیکھو، رخسانہ تم کیا کرنے جا رہی ہو۔“

”بہن تم یہ سب اس لیے کہہ رہی ہونا کہ میں نے سلطان کو فائز پر ترجیح دی؟“

”یہ بھی ایک وجہ ضرور ہے، لیکن مجھے سلطان اچھا انسان معلوم نہیں ہوتا، اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی کہانی محسوس ہوتی ہے مجھے۔“ خالد نے سچائی سے کہا۔

”ہم تو آج فائز کا رشتہ لے کر آئے تھے آپ کے پاس لیکن.....“ واسعہ باجی نے مایوسی سے کہا۔

”مجھے فائز کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں بیٹا، لیکن میں سارقد کی شادی خاندان سے باہر کر کے سب کے سوالوں کے کیسے جواب دیتی کیا مندو کھائی انہیں۔“

”آپ نے سارقد کی مرضی تو معلوم کی ہوئی۔“ واسعہ باجی نے تاسف سے کہا۔ وہ تو آج بڑی ویلہوں کے ساتھ آئی تھیں مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ وہ تو مقدمہ لڑنے سے پہلے ہی ہار گئی ہیں۔ وہ وہ کر فائز کا خیال آ رہا تھا کہ اسے جا کر کیا جواب دیں گی کہ وہ اس کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ اس کے حق میں نہیں کر سکیں۔

”مجھے اپنی تربیت پر بھروسہ ہے سارقد کبھی بھی کچھ ایسا کام نہیں کر سکتی جو میری مرضی کے خلاف ہو اور بہن اب تو نکاح کی تاریخ بھی رکھ دی گئی ہے وہ لوگ آج سے

تیار یا شروع کر دیں گے۔“

”جیسے والدین اپنی اولاد پر بھروسہ کرتے ہیں بالکل اسی طرح اولاد بھی اپنے والدین پر بھروسہ کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو ان کی مرضی کے خلاف ہو لیکن خود سوچو کہ کیا بحیثیت والدین اولاد کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہوئے ہم اس بھروسے کو ذہن میں رکھتے ہیں؟ ان کی پسند ناپسند کا سوچتے ہیں؟ شادیاں کرتے وقت ہم اپنی اولاد سے زیادہ دنیا والوں کی فکر میں گھل رہے ہوتے ہیں اور پھر بعد میں یہ بھی امید کرتے ہیں کہ شادی کے بعد ہمارے بچے کسی بھی طرح تباہ کریں، سمجھوتے کے کڑوے اور تلخ گھونٹ پئیں اس لیے نہیں کہ ان کی زندگی بہتر ہو بلکہ اس لیے کہ اگر یہ شادی نہ چل سکی تو دنیا والے کیا کہیں گے؟“ خالہ جس امید اور مان سے آج فائز کو یقین دلا کر گھر سے نکلی تھیں اور سوچا تھا کہ اگر رخصانہ کے پاؤں بھی پڑنا پڑا تو وہ ان کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر بھی اپنے بیٹے کی خوشیوں کی بھیک مانگیں گی وہ یوں نومولود بچے کی نیند کی طرح ٹوٹا تھا کہ اب وہ بول رہی تھیں اور ماں کے پاس سننے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

بھی اندھے کان ہوتے ہوئے بھی بہرے بنے رہیں گے؟ رب کا نکات نے خود قرآن کریم میں دلوں پر تالے لگنے کے بارے میں جو آیت نازل فرمائی تو صرف ان کے لیے نہیں جو ایمان نہیں لاتے بلکہ مجھ کم عقل کا محدود علم کہتا ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں بھی اشارہ ہے جو ایمان لانے مسلمان ہونے کے باوجود اپنے دلوں میں اپنی مرضی کے خلاف حق کی بات داخل نہیں ہونے دیتے جن کی زبان سے ادا ہونے والا کلمہ طیبہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا ان کے دل میں داخل نہیں ہوتا..... کیونکہ قسم لے لو رخصانہ میرا ایمان ہے کہ جس کا پڑھا گیا کلمہ اس کی زبان اور حلق سے ہوتا ہوا دل میں اتر گیا تاں تو اس کے لیے یہ دنیا اور دنیا والوں کی باتیں صرف اور صرف چلتے وقت جوتے کے نیچے لگ جانے والی گرد سے بڑھ کر اہمیت نہیں رکھتی۔“

”امی..... کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ پانی پییں پلیز۔“
وسعدہ باجی نے گھاس میں دو گھنٹ پانی ڈالا گرامی نے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا۔

اماں کے دل پر بھی ان کی باتیں اثر کر رہی تھیں لیکن کیا کرتیں دنیا والوں کا تصور ایک پہرے دار کی طرح ان پر حاوی تھا سوسر جھکا کر بیٹھی رہیں۔

”نہیں بیٹا مجھے پانی دانی، بس آج آخری ملاقات ہے میری اس سے..... اس لیے دل کی بھڑاس نکال رہی ہوں آج کے بعد نہ میں اس کو دیکھوں گی اور نہ میں چاہوں گی کہ یہ میرا امر اہوا منہ بھی دیکھے۔“

”بہن..... ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔“ اماں نے تڑپ کر دیکھا۔

”چلو اٹھو وسعدہ میں دیکھوں گی کل نکلاں تو جب یہ خود دنیا میں نہ رہی تو یہی ذات برزوری اور خاندان والے اس کی بیٹیوں کا قہر کے جھولا جھلائیں گے؟ اور اس سلطان کی تو مجھے نیت ہی اچھی نہیں لگتی..... ہونہ بدعتی سے رشتہ کرنے والے بھی بھولے بیٹھے ہوتے ہیں کہ جس کی عمارت کی بنیاد چوری کی اہٹ پر ہو وہ کبھی نہ کبھی ضرور گرتی ہے۔ ان

یہ دنیا والے کون ہیں رخصانہ؟ ہم ہیں تم ہو، ہم ہی نے سوچ بدلتی ہے دوسروں کی پروا کرنا چھوڑ دو، اس اپنے بچوں کی بہتری سوچو..... یہ دنیا والے بھلا کون ہوتے ہیں ہماری تمہاری زندگی کے فیصلے اپنی مرضی سے کروانے والے؟ اور یہ جو تم اپنے خاندان میں سازش کی شادی کر رہی ہو تو بتاؤ خدا انخواسے کل کو کچھ کی تیشی ہوئی تو کیا دنیا والے اور تمہارے خاندان والے آ کر کریں گے اس کا ازالہ؟ وہ خاندان والے جو بیٹوں کو تباہ کرنا بیٹے میں عار محسوس نہیں کرتے اور بیٹیوں کی قسمت کو تالا لگا کر چابی گہرے کنوین میں پھینک دیتے ہیں۔“ خالہ سانس لینے کو کہیں۔

”اور پھر جب خدا اور اس کے محبوب نے کوئی شرط نہیں لگائی تو عالم کے آقا ﷺ نے خود نکاح کر کے مختلف مشائخ ہمارے جیسے کم علم لوگوں کو روشنی دکھانے کے لیے قائم کیس تو کیا پھر بھی ہمہا نکھیں ہوتے ہوئے

سامنے کھڑے ہو کر بال بھالی سارقہ کو کہا تو وہ مسکرائیں۔
 "اماں ہم دونوں کو سلطان کے متعلق بتا چکی ہیں پھر
 بھی اتنا یقین۔"

"بس..... پتہ نہیں کیوں میں نے جو چمک آپ کی
 آنکھوں میں جھپٹے کچھ دنوں سے دکھی ہے ہاں وہ بتاتی
 ہے کہ یہ پیار سچا ہے اور رات کو قاتل بھائی نے فون پر جس
 طرح مجھ سے بات کی تھی مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آپ کے
 ساتھ کتنے مخلص ہیں۔ اب اللہ کرے ہماری اماں کو رحم
 آجائے۔" سارقہ نے بالوں کو ڈھیلی ڈھالی چٹیا کی شکل
 دے کر آخر میں کچھ بال چھوڑتے ہوئے گہری مسکراہٹ
 کے ساتھ مشعل کو دیکھا۔

"ویسے فرض کیا کہ اماں اپنی عزیز از جان بہن جنہیں
 وہ اپنا واحد اور سچا ہمدرد سمجھتی ہیں کوا نکار کر دیں تو؟"
 "مجھے نہیں لگتا کہ اماں انکار کریں گی مٹی۔" ہمسہر برش
 کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہوں نے مشعل کی
 طرف رخ موڑا۔

"بلکہ شاید وہ خوش اور مطمئن ہوں گی کیونکہ خالہ
 سمیت ان سب کو اماں اول روز سے جانتی ہیں اس لیے
 مجھے یقین ہے کہ وہ اب سے کچھ دیر پہلے بھی ہماری اتفاقاً
 بچپوں کی باتوں پر کان نہیں دھریں گی۔"
 "اتفاقاً پچھو؟" یہ نئی اصطلاح مشعل کے لیے
 منفرد تھی۔

"یہ ایک اتفاق ہی ہے ناں مٹی کہ وہ خاتون اماں کی
 بہن کے طور پر پیدا ہوئیں اور ہماری پچھو کہلانے لگیں
 درنا سنے کسی بھی فعل سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی
 کبھی کوشش نہیں کی نہ وہ ہماری اتفاقاً پچھو نہیں بلکہ عملاً
 پچھو ہیں۔"

"واپس آئی! اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو والدین
 کے علاوہ اکثر لوگ ہمارے اتفاقاً رشتے دار ہوتے ہیں
 اتفاقاً چچا اتفاقاً خالہ اتفاقاً پچھو بہت کم لوگ ایسے ہوتے
 ہیں جو اپنے افعال سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے
 رشتے دار صرف اس لیے نہیں ہیں کہ اتفاقاً یہ طور پر وہ

پر نہ سکی ان کے بہت اپنوں پر بھی۔" بات کرتے ہوئے
 خالہ نے ڈرائنگ روم سے باہر قدم نکالا۔

ولمعدہ باجی اور اماں بھی بے چارگی کے عالم میں ان
 کے پیچھے تھیں سو خالہ نے آگے ہونے کا فائدہ اٹھاتے
 ہوئے آنکھوں سے لڑھکتے آنسوؤں کو تو مسل دیا مگر گلوگیر
 لہجہ نہ چھپا سکیں۔

"میں تو کہتی ہوں کہ اگر نیوٹوں کا اثر چہروں پر نظر
 آنے لگتا تو آج معاشرے کا ہر تیسرا بندہ نقاب کرنے
 پر مجبور ہو جاتا۔" رندھے ہوئے لہجے سے کہتے ہوئے
 وہ تھکے تھکے قدموں سے بیرونی دروازے کی طرف جا
 پہنچی تھیں ایک نظر اس کمرے کو دیکھا جہاں اس وقت
 مشعل اور سارقہ یعنی طور پر اپنے نپکارے جانے کے
 انتظار میں تھیں۔

"نہ جاؤ بہن..... ایسے ناراض ہو کر مت جاؤ۔" اماں
 نے التجا کی جو خالہ نے نظر انداز کرتے ہوئے ولمعدہ کو
 مخاطب کیا۔

"اسے کہہ دو کہ فائز سے سارقہ کو نہیں بیاہنا نہ بیا ہے
 مگر بیٹیوں کو ہمیشہ اپنے برابر کی حیثیت کے لوگوں میں
 رخصت کرنا چاہیے اپنے سے بہت اوپر کے لوگوں میں یا تو
 بیٹیاں ڈھکے چھپے انداز میں طعنے سن کر دوپٹے بھگوتی ہیں
 احساس کمتری کا شکار ہونے لگتی ہیں یا پھر مختلف تہواروں پر
 والدین کو اپنی اور بیٹی کی عزت رکھنے کی خاطر خود اپنی
 خواہشات قربان کرنا پڑتی ہیں لوگ ایسے ہوں کہ گھروالے
 فرش پر بیٹھے ہوں تو وہ بھی ساتھ فرش پر ہی بیٹھ جائیں۔"
 رندھی ہوئی آواز میں بمشکل بات ختم کر کے وہ کہیں اور نہ
 پلٹ کر دیکھا، بمشکل تمام خود کو اس گھر سے نکلنے پر آمادہ کیا
 جس میں آج وہ ایک انوکھے اور منفرد احساس کے ساتھ
 داخل ہوئی تھیں۔ بند شاہدوں میں فردوس، منجالی اور پھول
 ویسے کہ ویسے پڑے اپنی بے قدری کا درد اور ہے تھے۔



"مجھے پتہ نہیں کیوں یقین ہے کہ اماں خالہ کو انکار نہیں
 کر سکیں گی۔" مشعل نے پر جوش انداز میں آگے کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہمارے والدین کے بہن بھائی کے طہ پر دنیا میں آئے بلکہ وہ اپنے حسن سلوک سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہم سے اس قدر محبت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے حقیقی اور عملاً رشتے دار ہیں۔ ”مشعل نے سارقدہ کی بات کی کھل تائید کی۔

”اور خالہ ہماری اتفاقاً رشتے دار نہ ہونے کے باوجود سب سے حقیقی اور عملی خالہ ہیں۔“

”پتہ ہے مٹی..... کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر ماں نے پھوپھی کی باتوں میں آ کر خالہ کو انکار کر دیا تو میں شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شادی کا خیال اپنے دل سے نکال دوں۔“

”لوئے ہوئے..... جناب اتنا کچھ سوچے بیٹھی ہیں اکیلے اکیلے۔“ مشعل نے شوخی سے ان کی چٹیا جھلاتے ہوئے کہا۔ درحقیقت اسے بے حد خوشی تھی کہ سارقدہ آپنی اس کے ساتھ اپنے دل کی بات شیئر کر رہی تھیں۔

”تو اور کیا مٹی..... اس دل کا تکیں بدلنا کوئی آسان کام ہوتا ہے کیا؟“ ایک شرمیلی لہسی کے ساتھ سارقدہ نے اعتراف کیا تو مٹی نے ان کے دلوں ہاتھ تھامتے ہوئے دل میں ان کی مسکراہٹ قائم رہنے کی دعا کی اور خود بھی مسکرا دی۔

”ناں بھی ناں یہ کہیں تو اب نہیں جانے کا کیونکہ یہ کہیں اس دل میں رہنے کا کثرتیکت اماں سے لکھوا کر لارہا ہے۔“ مشعل نے سامنے رکھی لپ اسٹک اٹھا کر سارقدہ آپنی کو لگانا چاہی مگر انہوں نے بڑے پیار سے وہ لپ اسٹک لے کر واپس رکھ دی۔

”ابھی نہیں مٹی..... بس کچھ دن اور۔“ سارقدہ آپنی کی آنکھوں میں جلتے جگنوؤں کو چاہنے کے باوجود مٹی نظر بھر کر نہیں دیکھ پارتی تھی چہرے کی رنگت بھی سرخی مائل ہو رہی تھی اور شرم سے ان کی پلکیں بھی گرتیں بھی مشعل کو دیکھنے کا ارادہ کرنے کو لو پر اٹھیں مگر نظر نہ ملتی اور لاہر اہر دیکھنے لگتیں۔

”واہ جی ہماری بی بی تو ابھی سے شرمائے لگیں۔“

مشعل نے ان کی ٹھوڑی پکڑ کر تھمڑا۔

”چھوڑو ناں..... چلو اب ہنو بھی۔“ سارقدہ نے اپنی شرمیلی مسکراہٹ چھانے کی کوشش میں اسے پر سے ہٹایا اور خود ڈریس نکالنے لگیں کیونکہ ابھی کچھ پر پہلے ہی فائز نے بیچ کر کے خالہ اور واسعہ ہانچی کے آنے کی اطلاع دی تھی اور وہ دلوں جو اماں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پھوپھی اور سلطان کے بیٹھا ہونے پر پریشان اور جزبہ تھیں کسی حد تک مطمئن ہو گئیں کہ اب خالہ آ کر نہ صرف پھوپھی کو اماں کے ذریعے انکار کروا میں گی بلکہ جب وہ اپنی خصوصی آمد کا مدعا بیان کریں گی تو یقیناً اماں کا منہ کھلا کا کھلا رہ جائے گا اور پھر جس طرح کی محبت اور مثالی بہن پادلوں میں تھا کھل قیاس تھا کہ اس کے سامنے ماں کی ضد وہ توڑ دیتی۔

اسی وقت جب وہ دلوں بہنیں محبتیں بانٹ رہی تھیں اماں دروازہ کھول کر اندر آئیں اور انہیں یوں ہنستا کھلکھلاتا دیکھ کر زبان پر آئے الفاظ وہیں روک دیئے۔

”کیا ہوا اماں..... خالہ اور واسعہ ہانچی آئی ہیں کیا؟“ مشعل ایک جست لگا کر بیٹھی نچارتی۔

”اپنی پھوپھی کے آنے پر تو میرے بتانے کے باوجود کمرے سے نہیں نکلی تھیں اور خالہ کا بغیر بتائے کیسے پتہ چل گیا۔“ اماں نے تفتیشی نظروں سے مشعل کے چہرے کو جانچا اور پھر سارقدہ کو دیکھا جو غناست سے بال بنائے کپڑے تبدیل کئے خواتواہ خود کو مصروف بنا کر کرنے کی کوشش میں سوئی دھاگے کا ڈبہ جھولے لکڑی تھی۔

”کمرے سے سے نہیں نکلی میں آئی تو تھی باہر۔“ مشعل نے صفائی پیش کی۔

”اور خالہ اور واسعہ ہانچی کی ڈانڈیں آ رہی تھیں ناں اس لیے پوچھا۔“

”سارقدہ اہر آؤ میرے پاس۔“ مشعل کی دی گئی وضاحت نظر انداز کرتے ہوئے اماں نے سارقدہ کو بلایا تو وہ ڈبہ میں کھلا چھوڑ کر اماں کے پاس چلی آئیں۔

”میں تمہاری ماں ہوں ناں اور والدین بھی بھی اپنی اولاد کا برا نہیں سوچتے..... یہ بات تو تم بھی مانتی ہوگی

ناں؟" اماں نے ان کی آنکھوں میں چھپی الجھن دیکھی۔
"جی ہاں۔"

"تو ایک بات یاد رکھنا کہ کبھی بھی خود کو قوی جذبات کا کوئی رنگ نہ لگانا کیونکہ پدہ ہے..... جب ایک دفعہ دل کو رنگ لگ جائے ناں تو ساری عمر روح کے سوگ کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

"میں کبھی نہیں اماں آخر یہ سب آپ کیوں کہہ رہی ہیں؟" سارقد نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"ہمارے پاس صرف ایک ہفتے کا وقت ہے کیونکہ اگلے ہفتے حماد کے نکاح کے ساتھ ہی تمہارا اور سلطان کا بھی نکاح ہے..... فائز لا کھا چھا کیوں نہ ہو مگر ہے تو غیر ہی ناں بس تمہاری خالہ اسی بات پر فضا ہو کر چلی گئی ہیں لیکن مجھے امید....."

اپنی بات کی رودانی میں اماں نے ایک دہر سارقد کا بیٹھنا محسوس کیا مشعل فوراً اٹھی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"اماں..... آپ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟ خدا کا واسطہ ہے آپ کی زندگی پر رحم کریں..... کیوں رسومات کی بمینٹ چڑھا دینے پر تلی ہیں نہ مجبور کریں انہیں کہ یہ آپ کی مخالفت کریں۔"

"تم چپ رہو مٹھی بڑی آئیں اسے مخالفت کا درس دینے والی۔ یہ سارقد ہے میری فرماں بردار ہو جانی ہے کہ باپ سر پر نہیں ہے ایسے میں اگر پچھو نے خود اپنی بیٹی چھوڑ کر اس کے لیے رشتہ بھیجے تو یہ ان کا احسان بجا اور پھر عورت کا دہرا نام ہی سمجھوتہ ہے۔ یہ بھی اسی سمجھوتے کے ساتھ ایک مثال بن کر دکھائے گی۔" اماں نے جذباتی جملہ بازی کر کے سوچا تھا کہ ہمدردی اور حمایت حاصل کر لی جائے گی۔

"آپ بولیں ناں کہہ دیں ناں اماں کو کہ آپ یہ شادی بلکہ بے جوڑ سوڑے بازی کر کے رسم و رواج کا علم بلند نہیں رکھیں گی آپ کی کچھ تو کہیں ناں پلیز..... فائز بھائی کا ہی سوچیں وہ آپ سے کتنا پیار کرتے ہیں..... کیسے

رہیں گے آپ دونوں ایک دوسرے کے بغیر۔" مشعل کی لاکھ لاکھ کوششوں کے باوجود سارقد کی ساکت آنکھوں سے نہ ہی نمی ظاہر ہوئی اور نہ ہی گنگ زبان سے کوئی لفظ ادا ہوا۔ شاید وہ حالات سے سمجھوتہ کرنے کا ارادہ کر چکی تھیں۔

اور آخر یہ سمجھوتہ ہے کیا چیز..... مشعل نے اماں کو سارقد آبی کی پیشانی پر بوسہ دے کر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے گلے لگاتے دیکھ کر سوچا۔

کون سی چیز کون سی طاقت اور کون سا خوف یا احساس ہوتا ہے جو ایک جیتے جاگتے باہوش دھواں بندے کو کسی دوسرے کے آگے اپنی ذات گروی رکھنے پر مجبور کرتا ہے..... شاید اپنی نااطاعتی کا احساس یا شاید روایات و اقدار کے تحفظ کا لالچ اور سب سے بڑھ کر دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کا حصہ ہوتے ہوئے دنیا والوں کا خوف۔

اماں تو انہیں ایسے بیٹے سے چند لمحے بچھین کر رکھنے کے بعد کمرے سے چلی گئیں مگر اسی وقت مشعل کے ذہن میں فائز کوفون کر کے بغاوت کرنے پر حمایت کی یقین دہانی کا خیال آیا تو آنکھوں میں ایسی چمک ظاہر ہوئی گویا چھتاق رگڑنے پر تھی ننھی چنگاریاں تھمزی ہوں۔

○●●○●●○

عید بقر..... عید کا تہوار ہوتا یا غم کا سودا سلف خریدنے کی بات ہوتی اماں ہمیشہ سے خالہ کے ساتھ ہی بازار جاتی تھیں مگر اب زندگی کا اتنا بڑا موقع تھا بیٹی کی شادی کی تیاری اور وہ بھی صرف ایک ہفتے میں کرنا بھلا کہاں آسان تھا گو کہ پچھو نے کچھ بھی خریداری کرنے سے منع کر رکھا تھا مگر پھر بھی کچھ تو وہ پہلے ہی وقتاً فوقتاً خریدتی رہی تھیں اور کچھ ان کا خیال تھا کہ سلطان کی جو بھی چیز خریدنی ہے اس کے لیے پچھو ہی کی کسی بیٹی کو ساتھ لے لیں تاکہ چیز کے اچھا برا ہونے کا گلہ نہ کیا جاسکے ارادہ تھا کہ وہ اپنی برائیاں کی تو سارقد اور مشعل کو سکون اور بہار سے سمجھائیں گی اور انہیں یقین تھا کہ وہ مان بھی جائیں گی۔ بس ایمر جنسی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ سلطان کے لیے چند ضروری چیزوں کی خریداری ہو جاتی۔

کی دیکھ بھال کی خاطر گھر میں ہی رہنے دوں گا آیا بھی تو رکھنی ہی ہے ہاں تو ساروقہ ہی رہتی رہے گی۔" سلطان نے اپنا ارادہ مکمل تفصیل سے بیان کیا۔

"ساروقہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، طلاق ولاق نہیں دینے دوں گی ہاں شادی کرنی ہے تو بے شک شوق سے کرنا ویسے بھی ہاتھ میں باہر کی کرنسی ہو تو تم سے آدھی عمر کی لڑکی بھی ڈھونڈ دوں گی۔" اماں کو لگا تھا جیسے ابھی چکرا کر رہی ہیں مگر جائیں گی۔ پھوپھو کے ایک ایک لفظ سے جیسا کہتی خباثت اور خود غرضی اماں کی آنکھوں تک پہنچ رہی تھی۔ انتہائی صدمے کی کیفیت میں وہ واپس ٹپٹیں تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے دل تو چاہ رہا تھا کہ ان اتفاقی رشتوں کی موت اور عملی رشتوں سے برتی گئی بے اعتنائی پر پھوٹ پھوٹ کر رو تیں لیکن خود پر ضبط کیے میز مہیاں اتر کر چند قدم چلتے ہی ایک رکشے میں بیٹھیں اور ایڈریس بتانے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گئیں۔

○.....○●.....○

کمرے کی فضا میں سوگواریت کے ساتھ اسپرٹ کی مخصوص بو پھیلی ہوئی تھی اماں کے بازو میں ڈرپ لگی تھی جبکہ مشعل ان کی پانچویں پکڑے ہاں بیٹھ کر بھی تین دور کھوئی ہوئی تھی۔ اسی دوران ساروقہ کمرے میں داخل ہوئی لڑکھڑاتے قدموں سے کندھے پر چھوٹے دوپٹے کو پکڑ کر اس کے دوسرے کونے کے پاؤں سے لپٹنے سے بے نیاز آہٹ کونے کو گھومتھمت کی شکل میں سر پر مچھتی مگر وہ پھسل کر پھر سے گر جاتا ایک ہاتھ میں گہرے سرخ رنگ کی چمک دار لپ اسٹک بھی موجود تھی مشعل سے چند قدم دور رک کر انہوں نے اپنے ہونٹوں پر پہلے سے لگی لپ اسٹک پر ایک مرتبہ پھریوں لپ اسٹک لگائی کہ وہ سابقہ انداز سے ہی ہونٹوں کے اطراف پھیل گئی۔ آہٹ پر مشعل نے بڑے کرب سے انہیں دیکھا۔

پارش کی خوش بو کی طرح انجان معصوم اور منفرد ساروقہ آہلی کا یہ حال دیکھ کر اس کا دل ایک بار پھر سٹ کے رہ گیا اس نے اماں کو خاموش نظر سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو

اسی نیت سے وہ بغل میں ٹونوں سے بھرا پرس دبا کر رکشے میں بیٹھ کر پھوپھو کے ہاں جا پہنچیں کھلے دروازے سے اندر داخل ہو کر میز میوں کے ذریعے اوپر جاتے ہوئے ان کا خیال تھا کہ بیٹھنے کی بجائے دور سے ہی ان کی بڑی بیٹی کو ساتھ چلنے کا کہہ کر نچنے پورشن پر بنی دکان میں جا بیٹھیں گی تاکہ اتنی زیادہ میز مہیاں چڑھنے اور اترنے کی تکلیف سے بچ جائیں لیکن اس سے پہلے کہ چند میز مہیاں چڑھنے کے بعد وہ آواز لگا کر سلطان کی آواز پر چونک گئیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ اس وقت پھوپھو کے ساتھ بازار میں ہوگا۔

"آیا..... آپ نے جلد بازی میں ساروقہ کا نام لے لیا ورنہ مشعل کو تو میں نے اسب دیکھا ہے شادی ہی سروانی ہے تو اس سے کروائیں۔" سلطان نے لاڈ اٹھوانے والے انداز میں فرمائش کی۔

"تو یہ کرو..... اس مشی کی صرف صورت پیاری ہے زبان نہیں۔" پھوپھو کی نخوت بھری آواز ابھری۔

"اور ویسے بھی تمہیں تو صرف ایسی عورت چاہئے ہاں جو چپ چاپ بس تمہارے بچوں کی دیکھ بھال کرنے گھر کے کام کاج کرے اور بغیر کسی شکایت کے خاموشی سے زندگی گزارتی جائے تو یہ ساری خصوصیات ساروقہ میں ہیں تم ساری عمر ایک نظر بھی اسے نہیں دیکھو گے ہاں تواف نہیں کرے گی اور وہ جو مشی جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں وہ اپنا حق مانگتی ہیں مقام مانگتی ہیں نانا کہ تم دنیا دار ہو کر دوانے ہاتھ میں لے کر روپے کی چیز کی خواہش کرنا بھی تو نہ یہہ پنا ہے کہ نہیں۔" پھوپھو کی بات پر سلطان کی شیطانی ہنسی درود یوار سے نمرانے لگی تھی۔

اباں نے بمشکل ریٹک تھائی تھی۔

"بات تو ٹھیک تھی آپ نے بھی... میں نے تو ویسے بھی پندرہ دن بعد کویت چلے جانا ہے خدا جانے پھر کب واپسی ہو ارادہ تو ہے کہ پانچ چھ سال لگا کر محنت کر لوں پھوپھو سے کوئی عورت گھر میں ہوگی تو فکر نہیں ہوگی پھر جب آؤں گا تو اپنی پسند سے شادی کروں گا..... اور ساروقہ کو بھی بچوں

کہ ”آ گیا ناں اب دل کو سکون؟ ہوئی تسلی؟ مل گیا اپنا شجرہ نسب؟ یہ ہے تمہاری ذات جس نے میری آبی کی زندگی تباہ کر دیا۔ جیتے جی مار ڈالا اسے اور جب کوئی شخص جیتے جی مر جائے تو پتہ ہے ناں دنیا والوں کے لیے زندہ رہنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔“

”سنو مشی بیڈرا مجھے لب اسٹک لگا دو وہ دیکھو ناں باہر سفید کپڑے پہنے ساری بارات آ بھی گئی ہے اور تم نے ابھی تک نہ ہی مجھے لب اسٹک لگائی اور نہ ہی لال جوڑا پہنایا۔“ مشعل نے ایک لمبی سی سانس لے کر آنسو پرے دھکیلیے اور ہونٹ کاٹتی کھڑی ہو گئی۔

”آبی.....“ اس نے دونوں کندھوں سے سارقہ آبی کو پکڑ کر جھنجھوڑا مگر انہوں نے ناراضگی دکھاتے ہوئے دور کر دیا۔

”ٹھو ناں تم..... ایک تو پہلے ہی گھونگھٹ سیٹ نہیں ہو رہا اور وہ..... میرا لال جوڑا لیاؤ ناں..... اماں کیوں آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی ہیں۔ دنیا کیا کہے گی ناں مشی.....“ سارقہ آبی نے معصومیت سے آنکھیں جھپکیں اور اپنے دونوں ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پھر سے سوچ میں پڑ گئیں۔

”میں نے تو ابھی مہندی بھی نہیں لگائی ناں لوگ کیا سوچیں گے نہ لال جوڑا نہ مہندی۔“ مشعل جو بڑی دیر سے ضبط کر رہی تھی بالآخر ان کے دلوں ہاتھ چوم کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ جس پر سارقہ آبی نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا اور پھر شرمائے لگیں۔

”لگتا ہے میری رخصتی ہونے والی ہے۔“ انہوں نے خود دکھائی کی پھر اچانک کچھ یاد آنے پر اس سے ہاتھ چھڑا کر فریش پرینچہ کھینچنے پریشانی سے بھی کرسی ہٹا کر ادھر ادھر بچھتیں تو کبھی بیڈ کے نیچے کچھ ڈھونڈنے لگتیں پھر وہیں پرینچہ کر سر کھاتے ہوئے کچھ سوچنے کے انداز میں ڈاکن پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

”میرا لال جوڑا نہیں مل رہا ہے نہیں کہاں گیا میرا خیال ہے پچھو میرا لال جوڑا لے لیں ہیں مشی تم نے میرا

جوڑا کہاں دیکھا ہے؟ بارات آئی ہوئی ہے دنیا والے کیا سوچیں گے کہ لہن ابھی تیار نہیں ہوئی۔“ پریشان لہجے میں بات کرتے ہوئے وہ روہاسی ہو کر اب رونے لگی تھیں پھر ایک دم چوکیں۔

”میری رخصتی ہو رہی ہے اماں کو جگاؤ اور کیا تم گانا نہیں گاؤ گی وہ والا.....“ سارقہ آبی نے دانتوں میں انگلی دبا کر تھوڑی دیر سوچا پھر ستر کے انداز میں بولیں۔

”میں تیری بانہوں کے گہرے میں پٹی ہائل جاری ہوں چھوڑ کے تیری گلی ہائل مشعل کو روٹا دیکھ کر وہ آنکھیں بند کیے لیٹی اماں کی طرف بڑھیں اور بولیں۔

”اماں..... اٹھو ناں..... بارات آ گئی ہے لال جوڑا نہ سہی دل سے دعائیں تو دے دو۔“ انہوں نے بڑے آرام سے اماں کا کندھا پکڑ کر ہلایا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

ساتھ سفید ڈاکٹری کوٹ اور گلے میں اسٹھو اسکوپ لٹکائے ایک نوجوان سا ڈاکٹر کھڑا تھا جس کے دائیں طرف موجود نرس اماں کا کندھا ہلاتی رہی تھی۔

”اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ؟“ ڈاکٹر نے بغور ان کے چہرے کے تاثرات کا مشاہدہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”سارقہ کہاں گئی یہاں سے؟ اور وہ مشی.....“ اماں لمحہ بغیر میں کہنیوں پر زور دے کر ہنہ بیٹھی تھیں۔ جیسی نرس اپنی پیشو روانہ مسکراہٹ کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے بولی۔

”آئی یہاں آپ کے گھر کا کوئی فرد نہیں ہے دراصل آپ رکشے میں بے ہوش ہو گئی تھیں تو وہ بھلا آدمی آپ کو یہاں اتار گیا یہاں آپ کو چیک کرنے کے بعد ہم نے ڈرپ لگادی اور شاید آپ نے کوئی خواب دیکھ لیا۔“ نرس نے مکمل تفصیل بیان کر کے بالحقہ الماری کا تالا کھولا اور ان کا پرس ان کے حوالے کر دیا۔

”مگن لیجیے گا۔“ اماں نے کسی روٹ کی طرح پرس ہاتھ میں تھا ہاتھ وہ سب ایک خواب ہونے پر وہی دل

میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے روویں۔
 ”ارے آنی.....“ ڈاکٹر انیس یوں روتا دیکھ کر حوصلہ
 دلانے لگا تھا۔

”بس ذرا آپ کا بی بی لو ہو گیا تھا اور کچھ سرس کی وجہ
 سے بے ہوش ہوئی تھیں مگر اب تو آپ بالکل ٹھیک ہیں
 ہوش میں ہیں اور گھر بھی جا سکتی ہیں۔“
 ”واقعی سچ کہتے ہیں آپ ڈاکٹر صاحب ہوش تو مجھے
 اب عیا یا ہے۔“

”پھر آپ کے یہ آنسو؟“ نرس نے ہمدردی
 کرتے ہوئے پوچھا مگر اماں نے واضح جواب دینا
 مناسب نہ سمجھا۔

”بس بعض اوقات زندگی ہمیں سبز مرج کھانے پر
 مجبور کر دیتی ہے ہم اس کی خوش نما ظاہری رنگت اور ڈانٹے
 سے متاثر تو ہوتے ہیں لیکن ٹیکھا پن برداشت کرنے کی
 ہمت بھلا ہر ایک انسان میں کہاں ہوتی ہے اسی لیے آنسو
 نکل آئے ہیں۔“ اماں کو اٹھتے دیکھ کر ڈاکٹر اور نرس ایک
 دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور اماں کے کہنے پر کپاؤ ڈرکوز بیچ
 کر رکشہ بھی منگوا دیا۔



”فائز بھائی! جب اماں نے خالہ کی نہیں مانی تو
 آپ بے شک ان کے قدموں پر سر بھی رکھ دیں گے
 ناں پھر بھی وہ ماننے والی نہیں ہیں۔“ مشعل نے حتمی
 انداز میں کہا تو فائز جو اماں کے انکار کے متعلق وسیع
 باتی سے جان چکا تھا اور مشعل کے بلانے پر موٹر
 سائیکل اڑاتا ہوا پہنچ بھی گیا تھا بولا۔

”پھر تو ایک ہی راستہ بچتا ہے۔“ فائز نے ساروقہ کو فضا
 میں کسی نظر نہ آنے والی چیز پہ نظر ٹکائے دیکھ کر مخاطب کیا تو
 وہ خالی خالی آنکھوں سے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

چند گھنٹوں نے چہرے سے ساری تازگی چھین لی تھی
 اور آنکھیں اسکی بے رونق معلوم ہوتی جیسے ان میں زندگی
 کی رشت باقی نہ رہ گئی ہو۔

”اگر میں تم سے کورٹ میرج کرنے کا کہوں تو کیا تم

چاند.....!

تجربہ دیکھنے کی چاہ میں

کوئی مرمتا..... مرمتا

آخر تجھے کیوں نہیں ہتا

اے چاند.....

کیوں نہیں رکھی تونے اس

پر نظر کیوں رہا تو

اس سے بے خبر؟

اس نے بتایا تھا تجھ کو

اپنا مسطر.....

اس کی التجا پر رباتو

اتقا کیوں ہے اثر

اے چاند.....!

تیرے حسن پر لوگوں نے

مثالیں دی ہیں کیا کیا

کسی نے چاند دوست کہا

اور کسی نے چاند جیسا کہا

اے چاند

کسی نے تجھ سے دوستی کی

کسی نے تجھ سے الفت کی

اے چاند.....

تو کہاں پر جا کر چھپ

تجھے ڈھونڈنے والے ہزاروں تھے

تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تک گئے

تجھے اپنی دنیا عزیز تھی

تم بھلا ہمیں ملتے ہی کہاں

اے چاند.....

نہ یہ گل نادری سیال۔ مخدوم پور

میرا ساتھ دو گی؟“ حتمی انداز میں فائز نے کہا تو ساروقہ آپلی

کے ساتھ ساتھ مشعل بھی چومک گئی۔

”فائز.....! یہ کیا کہہ رہے ہو؟“ ساروقہ آپلی نے

دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔



موا کی محبت



پھول تھے رنگ تھے لمحوں کی صباحت ہم تھے
ایسے زندہ تھے کہ جینے کی علامت ہم تھے
اب تو خود بھی اپنی ضرورت نہیں ہے ہم کو
وہ بھی دن تھے کہ کبھی تیری ضرورت ہم تھے

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

جہاں آرا خود زیبا کو لینے اس کے گھر جالی ہیں اور زیبا کی ماں (واجبہ) انہیں زیبا کی خراب طبیعت کا بتا کر انہیں خوشخبری سناتی ہیں جہاں آرا راہیگم خوش ہونے کے ساتھ صفدر پر حیران بھی ہوتی ہیں کہ اس نے ابھی تک انہیں کیوں نہیں بتایا گھر آ کر وہ صفدر سے پانچ کلو مشائی منگواتی ہیں جس پر وہ حیران ہو جاتا ہے۔ نسلی زیبا کی دیکھ بھال کرتی ہے اور ساتھ ہی اسے سس بھی دلاتی رہی ہے کہ صفدر بیٹے کی خوش خبری سن کر داپس آ جائے گا اور سب کچھ بہتر ہو جائے گا لیکن زیبا اب مایوس ہو چکی ہے اس کے لیے اب صرف بچہ ہی سب کچھ ہے۔ عارض کو لگ رہا ہے کہ سبچ احمد اور شرمین ابھی بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں وہ جیسے خود لڑکیوں کے ساتھ فرٹ کر رہا تھا ایسے ہی شرمین نے اس کے ساتھ کیا۔ جہاں آرا راہیگم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ وہ مشائی لے کر زیبا کے گھر جانا چاہتی ہیں مگر صفدر ٹال جاتا ہے۔ بیٹے کی خود سری پر جہاں آرا بخار میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ آغا جی (عارض کے بابا) شرمین اور صفدر کو چائے پر بلاتے ہیں۔ شرمین انہیں عارض کی بے رخی کا بتاتی ہے جس پر وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ بوبلی کی محبت میں بھی تیزی آتی جا رہی ہے اس نے پہلے شرمین کے لیے کھانا پینا چھوڑ کر اسے پریشان کر دیا تھا جس پر اب وہ محتاطی ہو کر اس کا خیال رکھنے لگی ہے لیکن اس کی بچوں جیسی حرکتیں اور ضد نے اس کی پریشانی میں اضافہ کر دیا ہے۔ بوبلی کا خیال ہے کہ وہ اس طرح بہت جلد شرمین کو حاصل کر لے گا۔ زینت آرا بھی بوبلی کی بڑھتی ہوئی بے باکی سے بہت پریشان ہیں وہ شرمین سے بات کرنا چاہتی ہیں لیکن ڈرتی ہیں کہ کہیں شرمین گھر سے ہی ناں چلی جائے۔ صفدر بھی ماں کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے زیبا کو منانے کے لیے جاتا ہے لیکن اس کو دیکھتے ہی دل میں نفرت کا پودہ جڑ پکڑ لیتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر گھر آ جاتا ہے جہاں آرا راہیگم کے استفسار پر الزام زیبا کے سر رکھ دیتا ہے کہ وہ گھر آئی نہیں چاہتی۔ عارض بہت سوچنے کے بعد شرمین سے بغیر کچھ پوچھے اپنی طرف سے منگنی کا رشتہ ختم کر دیتا ہے اور شرمین کا ایک بار پھر محبت پر سے اعتبار ہمیشہ کے لیے اٹھ جاتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

.....☆☆☆.....

منیجر صاحب بڑی دیر سے سو بائل فون کی گھنٹی بجتی سن رہے تھے۔ جب کچھ دیر اس نے فون اٹینڈ نہ کیا تو انہیں خود کمرے میں آنا پڑا۔ کیپیٹریبل پر سیل فون چیخ رہا تھا اور بیئر پر قبک لگائے وہ شاید سو گیا تھا آدھا کبل بیڈ پر اودا دھا فرش پر لٹک رہا تھا شل کر دینے والی سردی میں بھی نہ بیٹرا آن تھا اور نہ سیل میں خود کو پہینا تھا۔
”سر..... سر“ انہوں نے پکارا۔

”ہنہ..... ہنسنا آپ خیریت.....؟“ وہ چونک کر نکمیں سلتے ہوئے بولا۔

”سوری مر..... بیفون.....؟“

”اوہ.....“ اس نے جلدی سے فون کال ریسیو کی۔ ”منیجر صاحب اس کو سلام کر کے کمرے سے نکل گئے۔“

”ہیلو۔“

”ہاں کیا حال ہے؟“ صفدر کی آواز پردہ پوری طرح ہوش میں آ گیا۔

”فائن! ہلو صفدر۔“

”سور ہے تمہیں بر سکون نیند۔“ صفدر کے لہجے کی جھین اس نے عسوس تو کی مگر نظر انداز کر گیا۔

”ہاں، بس آ کھلگ گئی تھی۔“

”جانتا ہوں، تاکہ تو تمہاری راہ چلتے لگ جاتی ہے۔“

”نظر نہیں صفدر پلیز۔ اس نے ٹوکا۔“

”کیوں، غلط کہہ رہا ہوں کچھ؟ آ نکھ لگنا اور تاکہ پھیرنا دونوں تمہارے نزدیک کھیل ہیں۔“ صفدر نے جل کر کہا۔

”صفدر پلیز تم غلط سمجھ رہے ہو۔“

”اب اور کیا سمجھوں جو کھیل تم نے معصوم شرمین کے ساتھ کھیلا ہے اس پر میں شرمندہ ہوں۔“

”صفدر میں نے اس کے ساتھ کوئی کھیل نہیں کھیلا، بات تو میں ملتا رہ گیا ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، خود کو تباہ کیا

ہے۔“ بولتے بولتے اس کی آواز میں رنج و ملال کی مخی گھل گئی۔

”لیکن کیوں، کیوں اتنا فضول متوج کیا؟“ صفدر غصے سے چلا اٹھا۔

”صفدر احم کو کیا باتوں میں نے چند لفظوں میں اسے سب کہہ دیا۔ فون کرنے کی تو ہمت ہی نہیں ہوئی۔“

”جس کے دل میں چور ہو اس میں ہمت کہاں سے آئے گی؟ تم تو خود سے بھی نظر س ملانے کے قابل نہیں ہو، تمہیں

دھوکہ دینے کے علاوہ اور تاکہ کیا ہے؟“

”صفدر تم اڑا ہر اشی سے بانٹاؤ میں ویسے ہی بہت ڈسٹرب ہوں۔“ وہ کرتا کرتا آواز میں بولا۔

”تمہیں ڈسٹرب ہونا بھی چاہیے ایک معصوم بیماری سی لڑکی کو تم نے بہت گہرا صدمہ پہنچایا ہے وہ بھی ناکردہ گناہ

کا۔ یہ تھی تمہاری محبت، امریکا میں کوئی اور تھی پھنس گئی ہوگی۔“ صفدر طیش میں آ کر بولتا رہا۔ عارض کو اس بات پر

بالکل غصہ نہیں آیا۔

”شاید ابھی تم میرے بارے میں ایسی ہی رائے رکھو گے، بس شرمین کا خیال رکھنا۔“

”شٹ اپ! اگر شرمین، لیکن کا نام زبان پر لائے تو.....؟“ صفدر چلایا۔

”ٹھیک ہے، میرے دوست ہی رہنا۔“ بڑی معصومانہ خواہش تھی اس کی صفدر کا دل اس کی منہی میں آ گیا پیارے

دوست کی محبت بھی تو دل میں رہتی ہوگی۔

”اوہ..... شٹ۔“ صفدر بے بسی سے کہہ کر خاموش ہو گیا فون آف ہو گیا عارض کے لیوں پر زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی،

پیارا دوست خفا ہو گیا زندگی کے سب سے قیمتی شے چھین گئی بچا ہی کیا تھا زندگی کس قدر بے کار اور بے مقصد ہو گئی تھی۔ پھر

سائیڈ ٹیبل پر فون رکھ کر اٹھا۔ منیجر صاحب کو گھر جانے کی اجازت دی اور خود دو پارہ بستر پر گرسا گیا۔ جدولی سے وہ کمرے کی

طرف بڑھا۔

.....☆☆☆.....

سنگمرہ نمبر سنگمرہ نمبر سنگمرہ نمبر | آنچل | اپریل | ۲۰۱۵ء | 79 | سنگمرہ نمبر سنگمرہ نمبر سنگمرہ نمبر

”صغد..... صغد۔“ جہاں آرانے باور پٹی خانے سے باہر آتے ہوئے آواز دی۔

”جی ہاں۔“ وہ رک کر پٹا۔

”بیٹا زیبا کے لیے گرم دودھ لیتے جاؤ۔“ اس کے ہاتھ پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

”اُمی وہ محذور نہیں ہے۔“

”اللہ نہ کرے ماہی بیوی کے لیے ایسا کہتے ہیں۔“ جہاں آرا سخت غصے سے بولیں۔

”یہ لو پکڑو دودھ۔“ انہوں نے حکم سے کہا تو اسے گلاس پکڑنا پڑا کچھ دیر سخت بے زاری سے گلاس کو گھورا اور پھر ٹھوکرا مار

کر دروازہ کھول کر اندر آیا وہ دروازے پر ٹھوکری آواز سن کر صبرانی سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ لو چڑھا لو، عیش کرو۔“ اس نے گلاس سنٹر ٹیبل پر پٹا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

”آپ کو زحمت نہیں کرنی چاہیے تھی۔“ وہ بولی تو اسے چار سو چالیس کا کرنٹ لگا۔

”میری ماں کو تو کرنا لیا ہے مجھے غلام سمجھتی ہو، کس لیے؟“

”ایسا کیا کر دیا میں نے؟“ وہ سننائی۔

”زیبا بیٹیم ہلیر میری زندگی سے چلی جاؤ میرے سر پر مسلط مت رہو۔“ اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

”اب بار بار۔“ کی سننا ہے مجھے؟“ زیبا نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”تو پھر میرے سامنے مت آیا کرو۔“

”پھر مجھ نکال دیں، میں کب آ جا ہتی تھی؟“

”اور میں کب لانا چاہتا تھا؟“

”پھر میرا کیا قصور ہے؟“

”قصور تمہارا ہے کیوں پارسان کر میری زندگی میں آئیں، کیوں اب یہ جذباتی دھوکہ میری ماں کو دے رہی ہو؟ بتاؤ

انہیں اپنی اصلیت۔“

”آپ بتائیں قصہ ختم کریں۔“

”پلودھ پٹا اور کمرے سے باہر جاؤ۔“ وہ بے بسی سے تہہ کر ستر پر دراز ہو گیا۔

”مجھا سہتاں جاتا ہے۔“

”میں تمہارا نوکر نہیں ہوں۔“ صاف جواب دے کر روٹ لے لی۔

”آپ منافق کیوں ہیں؟“

”کیا تم تم مجھے منافق کہو گی۔“ وہ اچھل کر اٹھا اور قریب کر غرایا وہ سہم سی گئی۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”تمہارا جو بھی مطلب تھا میں سمجھتی ہوں میں منافق نہیں بلکہ تم دھوکہ باز ہو۔“ وہ بولا۔

”خدا کے لیے صغد میرے حال پر رحم کریں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ بے بسی سے رو دی۔

”بھائو میں جاؤ تم میں ہی باہر چلا جاتا ہوں۔“ وہ جھلا کر باہر نکلا، ہاتھ تو جہاں آرا باہر سے اندر آ رہی تھیں۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”جنہم میں۔“ یہ کہہ کر وہ صحن عبور کر کے سیدھا گمہ کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ جہاں آرا حیران پریشان استہ جاتا

دیکھتی رہیں پھر کچھ کچھ میں نہ آیا تو زیبا سے پوچھا۔

”کیا ہوا ہے؟“

”وہ چٹا نہیں۔“ وہ ہکلائی۔

”اور تم نے دودھا بھی تک نہیں پیا۔“

”جی جیتی ہوں، مجھے اسپتال کی فکر ہو رہی ہے۔“

”فکر کی کیا بات ہے؟ صفدر کے ساتھ چلی جاؤ روزہ فون پر بات کر لو۔“

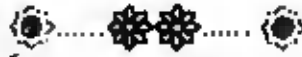
”ننھی کا فون آیا تھا بابا کی طبیعت خراب ہے۔“

”اوہ ہو بس، جی اللہ ہی صحت دیتا ہے تم امت سے کام لو صفدر آ جائے تو ہم تینوں چلتے ہیں۔“

”بس میرا دل گھبرا رہا ہے۔“

”ارے نہیں میری بچی تم اپنی طبیعت خراب نہ کرو، ہینٹھا رام سے۔“ انہوں نے پیار سے کہا تو اسے کچھ سکون

حاصل ہوا۔



علم انسان کی شبیہ کچھ ہے جس کے ذریعے وہ بہت کچھ دیکھ لیتا ہے۔ لیکن موت کو نہیں دیکھ پاتا موت کی آنکھیں ہر علم کی پہلی منزل تک دیکھتی ہیں۔ انسان علاج معالجے کے جھانسنے میں پھنسا رہتا ہے اور موت اپنا ہدف پورا کر کے چلی جاتی ہے زہیا کے اہاڈاکٹر کی تسلیوں اور نرسوں کے بہلاوے کے باوجود چلے گئے حاجرہ کی آنکھوں کے سامنے، ننھی کی بے بسی کے سامنے رخصت ہو گئے، وہ تینوں جنرل وارڈ کے دروازے پر ہی جم سے گئے۔ جیسے کسی نے ان پر طلسم پھونک دیا زہیا کی آنکھیں پتھر گئیں۔ اس کے بااں ستا آخری بار طے بغیر ہی چلے گئے۔ صدے اور ندامت کے باعث وہیں جہاں آرا کے بازوؤں میں گھس کے وہاڑیں مارنے لگی۔ جہاں آرا کے لیے ایسے سنبھالنا مشکل ہو گیا وہ جموتی ہوئی زمین سے جا لگتیں اگر صفدر بے ساختہ بڑھ کر زہیا کو سہانا نہ دیتا۔ وہ بے ہوش ہوئی تھی ایسے میں جہاں آرا کو اس کی فکر ہوئی اس کنڈیشن میں جبکہ اس کی اپنی طبیعت گری گری نقابہت زدہ تھی یہ صدمہ برے اثرات ڈالتا، بے ہوشی کے باعث اسے طبی امداد دلا کر فوراً گھر بھیجنا ضروری تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اسپتال سے میت لے جانے کی تمام تر کاغذی کارروائی کرنا یا ایبو لینس کا بندوبست کرنا صرف حاجرہ اور ننھی کے لیے مشکل تھا اس لیے صفدر نے ننھی کرا کر ان چاروں کو گھر بھیج دیا اور خود میت کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔

وہ زہیا سے شاک تھا مگر اس کے والدین سے اسے کوئی شکایت نہیں تھی۔ پھر اس موقع پر تو دشمن بھی غم بانٹنے آ جاتے ہیں۔ اس کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ بیٹا بن کر اس غم کے موقع پر زہیا اور اس کی امی کا ساتھ دیتا، لہذا وہ پرسکون ہو کر تمام مراحل طے کر کے میت کے ہمراہ یہی سوچ کر جا رہا تھا کہ زہیا کے لیے کیا گیا فیصلہ نفرت کے جذبات اپنی جگہ مگر یہ درج اور دکھ کا موقع تھا اس میں اس نے حسن سلوک کا مظاہرہ کرنے کی ٹھانی، ایبو لینس کے ساتھ ساتھ وہ گاڑی چلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ زہیا تو اب اور زیادہ امی کی ہمدردیاں حاصل کر لے گی اس نے امی کی اس کے لیے وارنٹی اور پریشانی اچھی طرح محسوس کر لی تھی۔ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ چاہوں بھی تو اس سے بات کیے بغیر گزارہ نہیں آتا جانا بھی پڑے گا۔ چھیڑو تدفین سے لے کر تمام معاملات بھی اسی کی خاطر برداشت کرنے پڑیں گے۔ کیا سوچتا ہوں اور کیا بن رہا ہے؟ صفدر کس طرح تم زندگی کے بکھیزوں میں الجھ کر رہ گئے ہو؟ وہ اور کچھ سوچتا کہ ایبو لینس گھر پہنچ کر رک گئی تو وہ چونکا اور ہوش کی دنیا میں آ گیا۔

”کچھ ایسے حادثے بھی زندگی میں ہوتے ہیں کہ انسان بچ تو جاتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا۔“ تدفین کے مرحلے کے

بعد صفر نے رہا اظہارِ فحشوں کیا تو جواب میں ہنگلی ہنگلی پتلیں صاف کرتے ہوئے اس نے یہ جواب دیا۔ وہ ٹھنکا غور سے اسے دیکھا وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے بن گئے تھے ہونٹوں پر تہہ در تہہ چڑیاں جمی تھیں اس حالت میں اس کی کیفیت دیکھ کر بھی قریباً کر لوی۔

”صفر بھائی آپ سے کچھ کھلائیں، پلائیں اس کی حالت دیکھیں۔“

”ایکسکو زمی مجھے ہا ہر مردوں میں بیٹھنا ہے۔“ وہ تال کر اٹھنے لگا تو جہاں آنے دیر سے لٹاڑا۔

”زیبا گو گھر لے جاؤ کچھ کھلا کر دورہ کے ساتھ دوائیں کھلا کر کچھ دیر سلا دینا پھر آ جائے گی۔“

”امی، یہ مناسب نہیں ہے لوگ جمع ہیں۔“ اس نے ٹالا۔

”کچھ نہیں ہوتا ہمارا بچہ ہے ہمیں خیال رکھنا ہے۔“ جہاں آنے دیر سے کہا تو زیبا نے روتے روتے ایک دم

اس کی طرف دیکھا دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نظریں چرائیں۔

”آپ بھی کمال کرتی ہیں کیا یہاں آ رہے ہیں ہو سکتا۔“

”نہیں بیٹا، یہاں یہ روٹی رہے گی۔“

”صفر بھائی میں اپنی طرف لے جاتی ہوں اس کو ہر صورت آ رام کی ضرورت ہے۔“ ننھی اس کی نیت

بھانپ گئی تھی۔

”وہ..... یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر لے جاؤ، اٹھو زیبا جاؤ شاہاش، میں یہاں ہوں تمہاری امی کے پاس۔“ انہوں نے چکارتے ہوئے اٹھنے کا

اشارہ کیا تو وہ کھول اٹھا۔

”جی آئیے تشریف لائیے۔“

”امی رہندیں میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے بھی صفر کا ارادہ جان لیا۔

”اب زیادہ ڈرامے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے غور کر دیا۔

”زیبا اٹھو، میں خال کو تالوں گی۔“ ننھی نے ہاتھ پکڑ کر فرش پر ساسا اٹھنے میں مدد دی۔

وہ آگے بڑھ گیا تو وہ پہلے ماں کے کندھے سے لگ کر خوب روٹی اور پھر چادر اوڑھ کر ننھی کے ہمراہ باہر آ گئی۔ وہ گاڑی

دروازے کے سامنے لے آیا تھا۔ اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول کر خود رانچنگ سیٹ پر بیٹھ گیا زیبا نے محسوس تو کیا مگر

کہا کچھ نہیں خاموشی سے سیٹ کی پشت سے سر لگا کر آ نکھیں موند لیں۔

”ویسے سب تمہاری چال کیا ہوگی؟“ ننھی سے گاڑی باہر نکالتے ہی اس نے طنز کیا اس کی آنکھیں کھل گئیں۔

”یہی کہ اسی مہینے کے آخر تک میں آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔“

”اچھا۔“ وہ طنز سے مسکرایا۔

”اپنی امی کو آپ سنبھالیے گا میں اپنے مہینے کے ساتھ چلی آؤں گی۔“ اس نے کافی بیچیدگی سے کہا تو اس نے مزید

طنز یا غماز اختیار کیا۔

”واہ دادی پزنی ہے تمہاری چال ہاڑی کو۔“

”رائے کا شکر یہ۔“ اس کی زبان پر بھی جیسے کانٹے آئے تھے۔

وہ کچھ اور نہیں بولا باقی کا راستہ خاموشی رہی، بے زاری اور تڑاؤ کا ماحول رہا وہ تو پیچھے بیٹھی مسلسل یہی سوچ رہی تھی کہ

کیوں اس شخص کے ساتھ آ گئی کیوں اپنے آپ کو اذیت دینے کے لیے ساتھ چلی آئی، یہ شخص اپنا ہے ہی نہیں، پھر بھلا

کون ہی خوش امید رکھنی چاہیے؟ گھر میں مکمل اندھیرا تھا۔ وہ بہت محتاط انداز سے چل رہی تھی۔ برآمدے سے کمرے میں جاتے ہوئے اسٹیپ پر پاؤں رکھنے کے بجائے اندر کی طرف رکھ دیا تو اندازہ غلط ہو گیا۔ لڑکھڑا کر منہ کے بل گر جاتی اگر پشت سے اس نے ایک دم تمام نہ لیا ہوتا اسے تھامے تھا۔ پہلے لائٹ آن کی اور پھر اسے سیدھا کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

”اب اور کتنی ٹھوکریں کھانی ہیں؟“

”جتنی مقدر میں لکھی ہیں؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے تھل سے بولی۔

”ہنہ..... مقدر اپنی غلطیوں سے مقدر انسان خود لکھتا ہے۔“

”غلطیاں بھی تو مقدر میں لکھی ہوتی ہیں۔“

”زبان کس قدر تیز چلتی ہے۔“ اسے اس کی بات اچھی نہ لگی۔

”کان دیکھیے۔“

”مجھے کیا ضرورت ہے، فی الحال امی کے کمرے میں جا کر سو رہا ہوں، کچھ کھانا ہے تو بناؤ اور کھا لو۔“ وہ بیڈ سے ایک ٹکیا اٹھاتے ہوئے بولا تو وہ بول اٹھی۔

”اس سے بہتر تھا آپ مجھے نہ لاتے مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا ہوتا آپ کہہ رہے ہو کہہ.....؟“

”تو..... میں کھانا بناؤں؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں رہنے دیں مرنے دیں مجھے۔“ وہ جل کر صوفے پر ہی سیدھی ہو کر لیٹ گئی جس کا مطلب تھا کہ بیڈ خالی ہے اسے یہیں سونا چاہیے وہ چند لمحوں سے گھورتا رہا پھر تکیہ بیڈ پر رکھ کر واش روم میں گھس گیا۔ اسے بہت دکھ ہوا موٹے موٹے آنسو آنکھوں سے بہنے لگے۔ نقاہت اور کمزوری کے باعث کس رونے پر ہی زور چل رہا تھا وہ کچھ دیر بعد واش روم سے باہر آیا تو پھر کچھ سوچ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اب کمرے میں نہیں آئے گا۔ اس لیے صبر شکر کر کے سونا ہے یا پھر خود ہمت کر کے کچھ بنا نا پڑے گا۔ سارا دن کچھ نہیں کھایا تھا اور ویسے بھی اب رات کی میڈیسن تو کھانی ہی تھی۔

ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ نہ سناٹا اٹھائے آ گیا۔

”یہ لیس محترمہ، اپنی ماں کا حکم میں نال نہیں سکتا۔“ اس نے بڑے اکتڑا کر اس پر واضح کیا۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ اس نے میز پر پڑے رکھ دی اور بیڈ پر جا کر بیٹھ گیا۔ تالیٹ، سلائس اور دو وہ کا گلاس دیکھ کر اس نے ممنون نگاہوں سے گویا اس کا شکر یہ ادا کیا۔

”مجھے ممنون نگاہوں سے مت دیکھو، یہ صرف رحم کھا کر کیا ہے۔“ اس نے جتلیا۔

”تو نہ کرتے، میں نے آپ کو کب مجبور کیا؟“ وہ افسردگی سے بولی۔

”میری ماں نے مجبور کیا۔“ وہ دراز ہوتے ہوئے بولا۔

”آپ نہ ہوتے۔“

”اوکے نہیں کھانا تو کچن میں رکھاؤ۔“ وہ سرو مہری سے کہہ کر روٹ لے کر سوتا بن گیا۔ وہ شرمندگی سے چند لمحوں سوچتی رہی پھر بے شکل تمام چھوٹے چھوٹے ٹکڑے سے توڑ کر زہر مار کیے۔ بار بار نگاہیں اس دشمن جاں کی طرف اٹھتی تھیں مگر وہ توجیح سو گیا تھا اس نے کھایا پھر اٹھ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر سے اپنی میڈیسن اٹھائیں اور دھیرے دھیرے چل کر کمرے سے باہر نکل گئی ناس کی آٹھ کھٹنی تھی اور نہ کھلی۔



سونے واسر چمکے لے لے سونے چاندی بوی سر مدانی

ڈورے کچ کے ہور کراں گی اپنی اکھ ستانی

چھونے سے ریڈیو سے نور جہاں کی آواز نکل کر اس کے انگ انگ سے پھون رہی تھی۔ تیزی سے ہاتھ صفائی کر رہے تھے اور لبوں سے گیت ٹپک رہا تھا۔ وہ مست تھی بولی کابلس نہ چلا کہ ریڈیو کو اور اس کو اٹھا کر باہر پھینک دے۔ بلکہ سے تیل کے ساتھ بالوں کی چٹیا بنانے سرمہ بھری آنکھوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ بولی کو اور شرمن کھا تانہ دیکھ سکی۔

”او..... کیا بے ہودگی ہے، بند کر دیے۔“ وہ زور سے چلایا تو شرمن کو لمسی آگئی وہ چونکی اور ڈر کے جلدی سے ریڈیو بند کر دیا۔

”ابھی اور سرے کی گنجائش ہے تمہاری آنکھوں میں یہ صبح صبح ریڈیو چلا کر سارا گھر سر پر اٹھانے کی ضرورت.....“

بولی نے اس کی سرمہ زدہ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے چلا کر کہا۔

”وہو، بولی کیا ہو گیا، بے چاری کو ریڈیو تو سنندو۔“

”شرمن فارگا ڈسک۔ اس ریڈیو کی آواز پر میں اٹھا ہوں سمجھاؤ اسے۔“ بولی بہت بگڑے موڈ میں بولا۔

”بھولی یہ اس وقت سنا کرو جب بولی صاحب باہر گئے ہوں اور آواز کم رکھتے ہیں۔“ شرمن نے بہت نرمی سے بھولی کو سمجھایا۔

”نور پھر یہ وہی بات تیل لگایا کس قدر سمیل ہے۔“ وہ تاک پکڑ کر جتا ہوا ڈانٹنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

”وہ جی میں نے تمہوڑا سا تیل لگایا ہے۔“ بھولی نے اتنی دیر میں فقط یہ جملہ بولا تو شرمن اس کی ساواگی پر مسکرا کر بولی۔

”ضرورت ہی کیا تھی بد بھونکنے اچھے کپڑے لگدے ہیں تیل لگانا ضروری تو نہیں ہوتا۔“

”میرے بال خراب ہو گئے تو۔“

”نہیں ہوتے اور ایسا کیا کرو کہ نہانے سے ایک گھنٹہ پہلے لگایا کرو۔“

”جی ٹھیک۔“ وہ رضا مند ہو گئی۔

”اچھا یہ تازہ بیگم صاحب کہاں ہیں؟“

”اپنے کمرے میں۔“

”اچھا اور تازہ۔“

”وہ تو باورچی خانے میں بن رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے میں انہیں لے کر آتی ہوں تم صفائی کرو، میرے کمرے میں بیڈ کے نیچے سے اچھی طرح صفائی کرنا۔“

شرمن یہ کہہ کر زینت کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تو اس نے ڈسٹر رکھ کر اپنا ریڈیو اٹھلایا اور سینے سے لگایا، مٹی ہونٹوں سے چوما اس میں تو اس کی جان تھی ابے کا چھوڑا ہوا یہ اثاثہ تو اسے اپنی جان سے زیادہ پیارا تھا اس کی وجہ سے کئی بار بے بے سے زکھائی گئی مگر یہ ریڈیو اس کے ساتھ ساتھ ہی رہا یہاں آتے ہوئے بھی اگر کوئی چیز اسے پیاری تھی تو ایک ماں کی فریم شدہ تصویر اور ایک بیڈیو جو بہت پرانا تھا گھر اس سے نکلنے والی آواز بہت جوان تھی اب تک۔ وہ بدولی سے صفائی کر کے شرمن کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

”ایسے نہیں جھڑکتے یہ جس ماحول میں پٹی بڑھی ہے وہاں یہ سب زندگی کے رنگ سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے پاس اور کچھ نہیں ہماری طرح شہری زندگی کے ہزار ہا لوازمات نہیں ہیں۔ ان غریبوں کے پاس یہ ریڈیو سرمہ مسی ان کی خوشیاں

ہیں۔ دھیرے دھیرے سمجھ میں آ جائے گا۔" شرمین کی اتنی طویل وضاحت سن کر وہ فقط اتنا بولا۔
 "تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے مگر یہ بدبو دار تیل تو نہ لگایا کرے۔" بولی نے سلاؤں پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔
 "چھوڑو، گی کی الحال آپ تیار ہو کر آئیں، پہنچو مجھے نہت پاکی فاسٹنگ شوگر لیہا ڈری سے چیک کرانی ہے۔"
 "خیریت۔" بولی بولا۔

"ذرا طبیعت کچھ بہتر نہیں۔"

"لوہ....." وہ فکرمند ہو گیا۔

"ان کو وقت دیا کرو، وہ تمہاری میں پریشان ہوتی ہیں۔"

"شرمین۔"

"ہنس۔"

"تمہارا شکر یہ تم ماما کا کتنا خیال رکھتی ہو۔"

"کوئی بات نہیں وہ میرے لیے پیرا سب کچھ ہیں اور کون ہے میرا؟" بیا اختیار ہی وہ رنجیدہ ہو گئی۔ عارض کا دیا تازہ
 تازہ صدمہ یاد آ گیا اس کے چہرے پر غم کے دمک گھرے گھرے اور اسی وہ چھپا گئی۔

"کیا بات ہے؟" بولی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ کہہ کر اٹھنے لگی تو بولی نے بڑھ کر کھائی تمام لی اور کہا۔

"میرا سب کچھ بھی تم ہو۔"

"پلیز تم اپنی ماما کا خیال کرو بس۔" تری سے کھائی چھڑا کر کہا اور تیز قدموں سے باہر چلی گئی۔

.....☆☆☆.....

ہلکی ہلکی بارش مسلسل دو گھنٹوں سے جاری تھی۔ وہ ان دو گھنٹوں میں چارنگ بلیک کافی کے پی گیا تھا جانے کیوں کافی
 کی کڑواہٹ اسے آج میری نہیں لگتی تھی۔ درندہ عام طور پر وہ کافی وہ کریم پینے کا عادی تھا لیکن آج جانے کیوں اس نے ویٹر کو
 بلیک کافی ہی لانے کو کہا پھر وہ مسلسل منگوا تا رہا کڑواہٹ سے اپنے اندر کی مٹی کو کھست دیتا رہا۔ چوتھا تک ختم کیا تو سبنا
 نے اس کی ٹیبل پر عین وسط میں اپنا ہینڈ بیگ رکھا تو عارض نے سرخ انگارے آنکھوں سے اسے دیکھا اور فوراً اپنی گاڑی کی
 چابی اور موبائل فون اٹھا کر اٹھنا چاہا تو وہ بولی۔

"مہمان دیکھ کر کیا پاکستانی اٹھ کر چلے جاتے ہیں؟"

"پاکستانی بہت مہمان نواز ہوتے ہیں۔"

"تو پھر بیٹھے بیٹھے ہی ایک کپ کافی پلوادیں۔" اس نے بیٹھے ہوئے فرمائش کی۔

"شیدر۔" اس نے کہا اور اشارے سے ویٹر کو بلا یا۔

"مسٹر عارض میں جب یہاں آ رہی تھی تو پراہت کرتی آ رہی تھی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"پلیز مجھے یہ سب چھان نہیں لگتا۔"

"کیوں؟"

"سوری۔" وہ بولا۔

"مسٹر عارض آپ کیوں ایسے ہیں؟"

"اور آپ کیوں لگی ہیں؟" وہ کھنکھن ہو گیا۔

”مطلب.....؟“ وہ حیران ہوئی۔

”مطلب آپ کو بے تکلفی کی عادت ہے یا شوق؟“ گہرا طنز شامل تھا اس کے لفظوں میں۔

”یہ شوق ہے اور نہ عادت بس آپ کو دیکھ کر اچھا لگا کہ بات کی جائے۔“ اس نے بڑی سادگی سے اعتراف کیا۔

”مگر میں باجوسی لوگوں سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا۔“ اس نے خلاف عادت کہا۔

”ہم اجنبی تو نہیں دوسری ہارٹل رہے ہیں۔“ کافی آہنگی تھی وہ جسکی لیتے ہوئے بولی۔

”کچھ لوگ زندگی بھر ملتے رہیں پھر بھی اجنبی رہتے ہیں۔“

”مسٹر عارض آپ بہت دگنی لگتے ہیں عشق کی ناکامی ہے یا محبہ کی بے وفائی؟“ وہ خاصی بولڈ تھی بہت بے تکلفی

سے بولی۔

”مس سبھا، مجھے بے تکلفی پسند نہیں۔“

”مگر مجھے ہے میں فوراً بے تکلف ہو جاتی ہوں۔“ وہ چپ رہا تو وہ پھر بولی۔

”اپنا پارٹنرٹ نہیں دکھائیں گے۔“

”سوری۔“

”وجہ۔“

”آپ مجھے زوج کر رہی ہیں۔“ وہ ناگوار موڈ میں بولا۔

”اور آپ مجھ سے بحث کر رہے ہیں۔“ وہ بھی جواب میں بولی۔

”میں اجازت چاہوں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو طے ہے کہ آپ عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں۔“ اس نے اندازے سے کہا۔

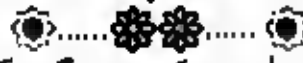
”عشق تو بہت گے کی منزل ہوتی ہے۔“

”مطلب محبت کی دپریم کی چوٹ کھائی ہے۔“ وہ بولی۔

”ایسکسوی زمی۔“ وہ تیزی سے کہہ کر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دیکھتی رہ گئی اسے یقین آ گیا تھا کہ یہ محبت

کی ناکامی پر پریشان حال ہے۔ ”کھلے گا حال دل جلد کھلے گا۔“ اس نے سوچا اور کافی جیتی رہی جانے کیوں وہ اسے بہت

اچھا لگا تھا اسے ملنے کی آرزو میں مسلسل چاروں سے وہ کافی پی رہی تھی لیکن دعا رنگ لائی وہ مل ہی گیا۔



”عارض یا تیرا کیا مسئلہ ہے؟“ بابا کی کچھ غصیلی آواز سن کر وہ شپٹایا مگر پھر سنبھل کر بولا۔

”بابا..... کیا ہوا؟“

”یہی تو پوچھنا ہے کہ کیا بات ہے؟“ انہوں نے دوبارہ زور ڈالا۔

”بابا کوئی بات نہیں ہے بس ذرا مصروفیت تھی میں ٹون کرنے والا تھا۔“ اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

”مگر یا آپ نے وہاں مصروف ہونے کی بات نہیں کی تھی پھر کیوں واپسی نہیں ہو رہی۔“

”بابا آ جاؤں گا آپ سے دور کیسے سکتا ہوں؟“

”کب کب آؤ گے یا میرا نہیں تو شرمین کا ہی خیال کرو۔“

”نام نہ لیں اس کا۔“ بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے پھسلا اور بابا کو ورطہ حیرت میں ڈال گیا۔

”کیا.....؟ کیا کہا آپ نے دوبارہ ہو۔“

”جی بابا کد آپ شرمین کو بھول جائیں۔“ وہ تیزی سے کہہ گیا۔
 ”کیا میں بھول جاؤں، میں نے اس سے محبت کی تھی میں نے انکو بھی پہنائی تھی میرے بھولنے سے کیا واسطہ؟“ آپ
 بات کرو اپنی بات کرو جسے یاد رکھنے کے لیے ہزار جتن کیے اسے بھولنے پر راضی ہو۔“ بابا بولتے چلے گئے تو وہ فیصلہ کن
 انداز میں بولا۔

”بابا! یہ سچ ہے شرمین کے لیے میرا فیصلہ بدل گیا ہے آپ تو جانتے ہیں کہ میں ایک ہی مقام پر زیادہ دیر
 ٹھہر نہیں سکتا۔“
 ”یو مین، کوئی اور“ وہ پکھلائے۔

”وہ..... وہ بس کوئی اور ہے۔“ لکھ بھڑک کر اگلے ہی لمحے وہ ایسی بات کہہ گیا جو شاید تصور میں بھی نہیں تھی۔
 ”کو..... کون..... کون ہے وہ۔“ بابا کی آواز لڑکھرائی۔

”پھر بتاؤں گا، ابھی میں باہر ہوں۔“ وہ جھوٹ بول گیا۔
 ”نہیں ابھی بتاؤ کس کے ہاتھوں خود کو قتل کرنے جا رہے ہو؟“ بابا کی آواز میں واضح حکم موجود تھا۔

”بابا میں نے شرمین کو اس کی وجہ سے نہیں چھوڑا۔“

”لیکن چھوڑا تو ہے، یہی سوال ہے کہ کیوں؟“

”یہ بحث کی بات نہیں، بس ایسا ہو گیا۔“

”کون ہے وہ لڑکی؟“

”بابا پلیز ایمر جنسی نہیں ہے۔“

”عارض مجھے پھر نہ دو مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں تمہیں چھوڑ کر آیا گیا۔“ بابا نے اپنے آپ کو اڑا دیا۔
 ”آپ اس بحث کو چھوڑ دیں۔“

”نہیں یہ شرمین کی عزت کی بات ہے، وہ بچی پرانے گھر میں تمہارے لیے بیٹھی رہی اور تم دھوکہ دو۔“

”بابا یہ کس کو ہتا کہ کون کس کو دھوکہ دیتا ہے، شرمین نے کچھ نہیں کہا پھر آپ کو کیا مسئلہ ہے۔“

”عارض، کبھی بار مجھے اپنی تربیت پر غصوں ہو رہا ہے۔“

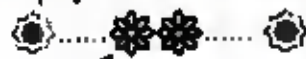
”بابا خدا را مجھے معاف کریں۔“

”اس لڑکی کا نام بتاؤ۔“

”بتا دوں گا۔“

”عارض یور سٹی ہرٹ می۔“ انہوں نے یہ کہا اور کھٹ سے فون بند کر دیا وہ بے بسی سے فون کو گھورتا رہا اور پھر ہولے
 سے بڑھا لیا۔

”کاش، میں نے شرمین کو چاہا ہی نہ ہوتا آپ کو کیسے بتاؤں کہ میں کس تکلیف سے گزر رہا ہوں اور کیسے لکھ لکھ مرو رہا
 ہوں آپ کو نہیں معلوم وہ کسی اور کی محبت ہے میں محبت کرنے والوں پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔“



”نی وی ٹاؤنچ میں نی وی دیکھتے ہوئے وہ اپنے ہی خیالوں میں گم ہوئی تو ایک دم ہی بولی کی تیز آواز اور بابا کی آواز اس
 کے کانوں میں پڑی تو وہ چوٹی۔“

”چھوٹے صاحب میں نے سمجھا دیا ہے آئندہ خیال رکھوں گا۔“

”خاک خیال رکھیں گے۔“ بولی بولا تو کچھ نہ سمجھتے ہوئے شرمین نے پوچھا۔
”کیا ہوا؟“

”وہ..... شرمین بی بی بھولی نے بے وقوفی کی ہے میں نے اسے ڈانٹا بھی ہے سمجھایا بھی ہے۔“ بابا اُسے بتلایا۔
”ساری کونٹھیوں کے ملازموں کو جمع کر کے لان میں کھیل رہی تھی اور اس پر بے ہودگی یہ دو نکلے کارڈیو بھی چلا رکھا تھا۔“ بولی کے منہ سے کف نکل رہا تھا شرمین کے لیوں پر مسکراہٹ چل گئی۔

”بولی وہ کھیل ہی تو کھیل رہی تھی اس کی ہمرکا تقاضا یہی ہے۔“
”بس گرو شرمین میں یہ کواں برداشت نہیں کر سکتا۔“ بولی پھنکار کر صوفے پر دم سے گر گیا۔
”بابا کہاں ہے بھولی، اسے بلائیں۔“ شرمین نے کہا بابا نور ابا ہر گئے اور چند سیکنڈ میں اس روتی دھوتی بھولی کو لے آئے۔ گہرے جامشی کپڑوں میں سر سے سے بھری آنکھوں کے ساتھ گردن جھکائے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ خوب جمائے تیل بھی سر میں لگایا تھا۔ کپے سانولے رنگ والی بھولی اس وقت خاصی بری لگ رہی تھی حالانکہ وہ قبول صورت تھی۔

”دیکھو آگئی نمونہ۔“ بولی جل کر بولا۔

”بھولی، یہ کیا حلیمہ بنا رکھا ہے، میں نے سمجھایا تھا کہ یہ شہر سے یہاں کیسے جتے ہیں۔“
”میں نے خواب میں بے بے کو دیکھا تھا وہ میرے سر میں تیل ڈال رہی تھیں۔“ اس نے روتے روتے سادگی سے کہا شرمین کو مزید ہنسی آ گئی۔

”اف میرے خدا۔“ بولی سر پینٹ کر رہ گیا۔

”بولی، پلیز۔“ شرمین نے آنکھوں آنکھوں میں اسے ضبط کرنے کو کہا۔
”شرمین سمجھا دو مجھے یہ سب حرکتیں اچھی نہیں لگتیں۔“ بولی یہ سنا کر چلا گیا تو شرمین نے اسے پیار سے دیکھا اور کہا۔
”بھولی، میں نے سمجھایا تھا کہ اب یہ تیل ہر وقت نہیں لگانا اور افسانہ سنا کر ممتا کھیں خراب ہو جائیں گی۔“

”نہیں ہوتیں، یہ چاچے دی ہٹی کا سرمہ ہے۔“ وہ بھولپن سے بولی۔

”چپ کر چاچے دی ہٹی والی۔“ بابا نے ڈرپٹا تو شرمین نے منع کیا۔

”بابا آپ جا کر کچن دیکھیں میں سمجھانی ہوں۔“ شرمین کی بات سن کر بابا کچن کی طرف چلے گئے تو شرمین نے بھولی کو دیکھا۔

”بھولی۔“

”جی ہاجی۔“

”اب آئندہ کانوٹی کے کسی بھی شخص کے ساتھ بات بھی نہیں کرنی بلکہ گیت سے باہر قہ نہیں نکالنا نہ زینت پانے سنا تو وہ بھی بہت خفا ہوں گی۔“ شرمین نے بہت نرمی سے سمجھایا تو وہ اثبات میں گردن ہلا کر بولی۔
”پھر میں کھیلوں گی نہیں۔“

”تم بڑی ہو گئی ہو اب پڑھا لکھا کرو لیکن اگر کھیلتا ہے تو پھر ہم چٹھی والے دن کھیلا کریں گے۔“

”آپ؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

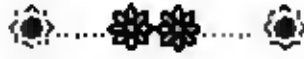
”ہاں، میں اور تم۔“

”اور چھوٹے صاحب۔“

"ان کو تو میں نہیں کہہ سکتی لیکن ایک بات ہے کہ اس طبعے میں تو وہ بالکل بھی تمہیں پسند نہیں کرتے۔"
 "میں اب تل نہیں لگاؤں گی۔"

"کم لگایا کرو، نہانے سے پہلے تا کہ اس کی بونہ پھیلے۔" شرمین نے کہا اور مسکرا دی۔
 "شرمین بی بی کھانا لگا دیا ہے آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے بابا آپ بوبلی کو بلائیں میں ذرا سنتا پا کولے کرتا ہوں۔"
 "بھولی، چل تو پانی میز پر رکھ۔" بابا نے اسے کہا اور بوبلی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
 "چلو جاؤ شاہاش۔" شرمین نے بھولی سے کہا۔



رات کا تیسرا پہر بھی بڑے درد بھرے عذاب لاتا ہے۔

نیندا نکھوں سے کوسوں دور چلی جاتی ہے۔ درد تہائی کے پہلو میں سمٹ کر اذیت ناک چٹکیاں لیتا ہے تو انسان بے اختیار ہی اس سے بچنے کے لیے بستر سے نکل کر کھڑکی سے باہر آسمان کی وسعتوں میں چاند کی ڈولتی روشنی سے باہم گلے لگ کر چپ چاپ سو بہانے لگتا ہے۔ شرمین کی آنکھوں کے بڑے بڑے کٹورے مکین جام چھلکا رہے تھے۔ ماضی کے سمندر میں طغیانی کا سلسلہ شروع تھا کوئی اندر توجیح کر دینے لگا تھا۔ یادوں نے جین شروع کر دیا۔

رات کے پہلے ہوئے پر اور تہائی

مری

اک تری یادوں کا لشکر اور تہائی

مری

چاند کی آنکھیں جب تریں دیویوں کے

روپ میں

جاگ اٹھا پھر دل کا مندر اور تہائی

مری

جب چلے ٹھنڈی ہو لیاؤں کولے

کر ساتھ ساتھ

جاتا ہے درد شب بھر اور تہائی

مری

آج پھر شب خون مارا ہے کسی کی

یادوں نے

دیکھو میرے دیدہ تر اور تہائی

مری

خوف کا عفریت وحشی چینی پاگل

ہوا

ہر طرف اک جاگتا ذرا اور تہائی مری

”رونے والے یہ بتا مجھ کو تو کسے یاد کر کے رویا ہے؟“ بوبلی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی بھیگی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کان میں سرگوشی کی تو وہ بری طرح اچھل کر پلٹی۔

”تم..... تم کیسے آئے؟“ زندگی ہوئی آواز میں بولی۔

”شرمین بی بی وہ دروہ کھواس دروازے سے۔“ بڑی سادگی سے اس نے دروازے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے لیکن اتنی رات گئے بنا دستک کے۔“ شرمین نے ہتھ بیزاری سے کہا۔

”شرمین..... میں تمہارا سایہ ہوں کرے کی کھڑکی سے تمہیں لگا تا رو دیکھ کر بے چین ہوا اور آ گیا۔“

”نہیں! ناچا ہے تھا۔“ اس نے کہا۔

”نہیں! تا تو کیسے دیکھتا کہ تم اتنی رات کو کیسے اشک بہاتی ہو؟“ وہ محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”بوبلی یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔“

”نہیں! میں تمہاری ذات کا حصہ ہوں۔“

”پلیز..... جا ڈالنے کرے میں اچھا نہیں لگتا۔“

”شرمین تم کتنے بھی زمانے گزارو، مجھا لگ رکھنے کے لیے تمہیں کبھی کامیابی نہیں ہوگی میرا انتظار کامیاب ہوگا جو تمہیں دروہے گئے انہیں بھول جاؤ ایک بار صرف ایک بار میرا ہاتھ تھام لو۔“ وہ جذب و کیف کے عالم میں بولا تو وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

”بوبلی پلیز جاؤ مجھے پریشان نہ کرو۔“

”جاؤ ہا ہوں مگر اس یقین کے ساتھ کہ تمہیں میری محبت کا سہارا لینا ہے۔“

”بوبلی تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟“

”گڈ نائٹ اب اچھے خوابوں کے ساتھ سو جاؤ۔“ وہ اس کی بات نظر انداز کر کے یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

.....☆☆☆.....

اس نے دو تین بار بلکے سے دروازے پر دستک دی اور پھر باہر کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی مگر دروازہ نہیں کھلا تب ذرا زور سے کھٹکھٹایا۔ اگلے ہی لمحے جھٹکے سے دروازہ کھلا اور وہ آنکھیں مسلتا ہوا باہر نکلا، گلابی پھول دار کپڑوں میں بنا تیل کے کھلے بالوں کے ساتھ خوب صورت گل دست ہاتھ میں لیے وہ کھڑی تھی۔ بوبلی کی پیشانی پر ہزار ہا سلوٹس پڑ گئیں۔

”کیا بات ہے؟“

”چھوٹے صاحب! یہ پھول۔“ وہ بولتے بولتے رکی۔

”کیا کروں؟“

”آپ کے لیے خود توڑے ہیں۔“ وہ بھولپن سے بولی۔

”اودھایا ہاتھ خوب صورت پھول توڑ ڈالے تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ پھول نہیں توڑنے۔“ وہ غصے سے جھلایا۔

”نہیں بتایا۔“

”جاؤ یہاں سے۔“

”یہ پھول اندر رکھ دوں۔“

”نہیں لے جاؤ۔“

”صاحب جی آپ کو پھول اچھے نہیں لگتے؟“

بسنگرہ نمبر بسنگرہ نمبر بسنگرہ نمبر | آنچل | اپریل ۲۰۱۵ء | 91 | بسنگرہ نمبر بسنگرہ نمبر بسنگرہ نمبر

”بھولی میری بات سمجھ میں نہیں آ رہی جاؤ۔“ اس نے غصے سے کہہ کر دروازہ بند کر لیا وہ پیدلی سے واپس آ رہی تھی کہ شرمین نے کمرے سے نکلنے ہوئے اسے دیکھا اور آواز دی۔

”بھولی۔“

”جی۔ وہ ٹٹی۔“

”اوپر آؤ۔“

”جی۔ وہ قریب پہنچ گئی۔“

”کیا بات ہے؟ آج تو بہت اچھی لگ رہی ہو۔“

”جی۔ وہ مسکرائی۔“

”بند، یہ پھول؟“

”یہ پھول صاحب کے لیے لائی تھی مگر انہوں نے ڈانٹ دیا۔“

”اوہ..... اچھا لاؤ مجھے دو، یہ میں لے جاتی ہوں تم ناشتہ لگواؤ ہو رہی ہو۔“ وہ پھول لے کر خود بونی کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ہولے سے دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔ وہ ڈاٹر چھابڈ پر لیٹا تھا اس نے پھول واز میں لگاتے ہوئے بات کی تو وہ چونکا۔

”وہ بے چاری کئی چاہ سے پھول لے کر آئی تھی ایسا سلوک کرتے ہیں کیا؟“

”زبے نصیب پھول، پھول لے کر آئے تو ہماری خوش بختی ہے۔“ وہ ایک دم ہاتھ کراس کے سامنے کھڑا ہوا۔

”بھولی کی بات کر رہی ہوں۔“ اس نے دانستہ یاد دلایا۔

”اور میں تمہاری بات مر رہا ہوں۔“ وہ محمود لہجے میں بولا۔

”بڑی مشکل سے میں نے اسے سلی دی، وہ بے خوف ضرور ہے مگر حساس بہت ہے۔“ وہ ایک بار پھر اس کی نظروں کا

مطلب بھانپ کر نال گئی۔

”شرمین آج میری زندگی کی سب سے خوب صورت صبح ہے میری ہر صبح تمہارے وجود کی دلکشی سے شروع ہوا کرے

ہلیز میری اس خواہش کو تکمیل کا رخ دے دو۔“ اس نے پھر بھی اپنی دلی خواہش کو بیان کر کے ہی دم لیا۔ تو شرمین نے کچھ

سنجیدگی اختیار کی۔

”بھولی آج اپورٹنٹ میٹنگ ہے جلدی تیار ہو کر ناشتے کے لیے آ جاؤ۔“

”شرمین یوں رو نہ کرو، کب تک آ زماؤ گی؟“

”بھولی، کیسا آ زمانا؟ میں کیوں آ زماؤں گی مجھے اپنے اور تمہارے رشتے کا مقام معلوم ہے۔“ وہ بہت رکھائی کا انداز

اختیار کرتی۔

”تو پھر میری زندگی میں شامل ہو جاؤ۔“ وہ منت پر آتا یا تو وہ صرف ٹھوکر دے گئی۔

”میں تپ کر غلطی کی۔“

”مجھے معلوم ہے تمہارے خاندان میں تمہاری بہن، پھر، پھر میں تمہارے لیے آیا ہوں۔“ وہ بہت ضدی بچے کی طرح اس کی

راہ میں اڑ گیا۔ وہ کچھ پرچپ چاپ کھڑی رہی پھر بہت دگھی سے سنبھلے میں بولی۔

”میرے خاندان میں تمہاری کا عہد لا زوال شروع ہو چکا ہے بس مجھے زندگی گزارنے دو پلیز۔“ وہ تو یہ کہہ کر چلی گئی اور وہ اس

کے جینے پر غور کرنے کے بعد بھی اسی نتیجے پر پہنچا کہ میں تمہاری تمہاری دور کر کے رہوں گا۔



”انسان اپنے اندر کی بے شمار غلطیاں جان کر بھی خود کو معاف کرتا رہتا ہے۔ لیکن کسی دوسرے کی ایک غلطی کو معاف کرنے کی اہمیت نہیں ہوتی اس میں۔“ زبانا نے اس کے امی کے سامنے کڑے عقیدے تہرے کے جواب میں کہا تو وہ بھونچا ہل کی زد میں آ گیا۔

”غلطی..... غلطی میں فرق ہوتا ہے محترمہ اپنے گناہ کو غلطی ہی مت کہو۔“

”اللہ معاف کرے کیسا گناہ؟“ جہاں آتا تقریباً ہول ہی نہیں۔

”چھوڑیں امی آپ ناشتہ کیجیے۔“ وہ طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نال گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے کی طرف چلی گئی۔

”صنفد یہ بات پر اس طرح تو نکار کرنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ اس کی حالت دیکھو ابھی تک وہ باپ کے صدمے سے باہر نہیں آئی اور نقصان تو ہمارے بچے کا ہوگا۔ لہذا شاید یہ جوس کا گلاس کمرے میں لے جاؤ وہ غریب ناشتہ کیے بغیر اٹھ گئی۔“ جہاں آتا رانے اسے کہا۔

”امی آپ اتنا کیوں سر پر چڑھاتی ہیں وہ یہاں رہنا نہیں چاہتی تو آپ قرآن ہوتی رہتی ہیں۔“ اس نے اپنے دل کی بات کہی۔

”ارے کس نے کہا؟ میں نے تو ایک مرتبہ بھی اس کے منہ سے نہیں سنا حالانکہ حاجرہ بہن اب بالکل اکیلی ہیں۔ سزا نے وہاں رہنے کی بات تک نہیں کی۔“

”آپ سے نہیں مجھ سے کہتی ہے۔“ اس نے خلاف عادت جھوٹ بولا۔

”جو اس کرتے ہو تم مجھے تو ایسا لگتا ہے تم اسے بسا ہی نہیں چاہتے اور کسی پر نظر رکھے ہوئے ہو۔“ کاش ایسا ہوتا۔

”بیٹا جو زندہ گیا وہ موتی اور حودہ گیا وہ پتھر۔“

”آپ کا فلسفہ میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”اچھا یہ جوس لے جاؤ اور آج زبیا کو ڈاکٹر کے پاس بھی لے کر جانا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور ہاں کچھ ضروری سامان بھی لانا ہے۔ ولادت کا وقت قریب آ گیا ہے۔“

”جی بہتر۔“ اسے مجبوراً ہتھیار چھیننے پڑے جوس کا گلاس اٹھا کر جانے لگا تو جہاں آتا مارا بولیں۔

”ڈرامائی اور محبت سے پیش آیا کرو بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے۔“

”وہی مجھے یہ سب باتیں بتائیں۔“

”تو عمل تو کرتے نہیں۔“

”اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی۔“ وہ دھیرے سے کہہ کر چلا گیا۔ جہاں آتا کی تسلی نہ ہوئی تو وہ بھی ٹوسٹ اور فرائی اٹھ لے اس کے پیچھے آئیں۔

”آپ کو یقین نہیں ہوگا کہ میں یہ جوس آپ کی لاڈلی کی جگہ خود نہ بی جاؤں۔“ انہیں دیکھ کر وہ جل کر بولا تو وہ غصہ ہو گئیں۔

”صنفد یہ کیا انداز ہے تمہارا؟“

”سچ کہہ رہا ہوں اور یہ جو نچلتا آپ اٹھائیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ وہ یہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا زبانا شرمندہ ہو کر جہاں آتا کے ہاتھ سے نرے لے لی۔

”امی آپ نہال بھانجری میں ٹھیک ہوں۔“ زینا نے کہا۔
 ”بس تم پردہ پوشی نہ کیا کرو، اب اسے بتاؤ کہ شام کو تمہیں ڈاکٹر کے پاس کتنے بجے لے کر جانا ہے۔“
 ”جی۔“

”نورنا شہتہ کر کے آرام کرو۔“ جہاں آرا یہ کہہ کر چلی گئیں تو اس نے دل کی کک کو دباتے ہوئے جوں کے سپ لینے شروع کر دیے۔

منجھی حاجرہ بیگم کے اصرار پر ان کے پاس رہنے آ گئی تھی۔ مختصر سا سامان تھا سب اٹھایا اور فلیٹ خالی کر دیا۔ حاجرہ بیگم کی تنہائی دور ہو گئی ورنہ چند ہی دنوں میں وہ بری طرح مرجھا کر رہ گئی تھیں۔ منجھی نے زینا کے برابر والا کمرہ اپنے لیے سیٹ کیا تھا کمر کے لیے کچھ ضروری سامان لینے کے لیے نکلے تو صندری بھی اسی مارکیٹ میں جہاں آرا کی رہی ہوئی فہرست کے مطابق خریداری میں مصروف تھا۔ منجھی کو اچھا لگا وہ اس کے پاس آ گئی۔
 ”صندری بھائی۔“ اس نے پکارا تو وہ پلٹا۔

”جی۔“

”اکیٹھ آئے ہیں۔“

”جی اور کسے لانا تھا۔“ کھرور سا لہجہ تھا ہمیشہ کی طرح۔
 ”میرا مطلب تھا کہ نہ بیانئیں سے ساتھ۔“ وہ شرمندہ سی ہو گئی۔
 ”وہ میرے ساتھ نہیں ہیں میرے کمر میں گھسی ہوئی ہیں۔“ وہ طنز سے باز نہ آیا منجھی دکھی سی ہو گئیں۔

”صندری بھائی خدارا معاف کر دیں اس مظلوم کو۔“

”کیا آپ کی سہیلی مجھے معاف نہیں کر سکتی؟“

”صندری بھائی دل کشادہ کر کے اچھی زندگی کا آغاز کر لیں پلیز۔“

”آپ نے یہ باتیں کرنی ہیں تو فارغ وقت میں کریں گے فی الحال میں ذرا جلدی میں ہوں۔“

”کچھ ضروری شاپنگ کر رہے ہیں شاید۔“ منجھی نے چھوٹے بچوں کے لوازمات سے بھرے اسٹور پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”جی میری امی کا حکم ہے۔“

”زینا ٹھیک تو ہے۔“ منجھی نے پوچھا۔

”چل کر دیکھ لیں۔“

”میں آؤں گی کسی وقت ابھی جلدی میں ہوں۔“

”جی ٹھیک ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ سے سمجھائیں۔“

”کیا؟“

”دیکھیے، ما سے میرے کمر سے جانا ہوگا کیونکہ یہ بات طے تھی۔“

”پہلے کی بات اور منجھی مگر اب تو آپ کی امی کو سب پتا ہے۔“

”بہر کیف اس نے اپنی ضد پوری کی اب یہاں سے سوچنا ہے۔“

”مطلب آپ اسے چھوڑ دیں گے۔“

”ہاں اب تو سبھی راستہ چھوڑا ہے اس نے۔“

”اور آپ کا بیٹا۔“ ننھی نے اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ کچھ بے کھل ہوا لیکن پھر کچھ گوار سے انداز میں اسے دیکھ کر دوسری طرف چلا گیا ننھی دل گرفتہ سی کھڑی اسے جانا دیکھتی رہی پھر اپنی شاپنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صفدر میں کسی قسم کی چمک کی گنجائش نہیں شاید زینا کا مقصد وہی ہے کہ وہ کچھ نہیں اسے لوٹا دے گا۔ صفدر بھائی کی امی کتنا سنبھال پائیں گی صفدر بھائی بہت ضدی اور سخت گیر انسان ہیں۔ ان کا دل بوجہ ممکن ہی نہیں۔“ وہ مارکیٹ میں گھومتے ہوئے بس زینا سے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔



دل بہت ادا اس تھا۔

وہ بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑا رہا تھا۔ سڑکی کی شدت میں دو روز سے بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ بارش کا قوی امکان تھا وہ کچھ سوچ کر وہاں سے کے لیے مڑا تو آبادی کے قریب گہما گہما کا احساس موجود تھا۔ سڑکی کی شدت سے لڑنے کے لیے لوگ لاٹنگ شووز، لاٹنگ کوٹ، ماسکراف اور اونٹنی ٹوپیاں پہنے بند سے گرم مہموں اڑاتے کام کاج کے لیے جا رہے تھے وہ بنا ناشتہ کیے نکلا تھا۔ بھوک پیاس سے بے نیاز ابھی رہا شگاہ سے تقریباً ایک ڈیزل کلو میٹر دور تھا کہ منیجر صاحب کا فون آ گیا اس نے بدلتی سی دیکھا۔

”ہیلو۔“

”جی ہر آپ کے لیے بڑے صاحب کا پیغام ہے۔“ دوسری طرف سے منیجر صاحب نے بتایا۔

”یہی کہ میں کیا کر رہا ہوں، بوقت برکھانا ہوں کنٹینر اور میں کسی لڑکی کے چکر میں ہوں۔“ وہ خود بخود بولتا چلا گیا۔

”جی..... جی آپ نے ٹھیک سمجھا لیکن بائیک بات اور بھی ہے۔“ منیجر صاحب نے اعتراف کے ساتھ اور بھی کچھ کہہ کر اسے چونکایا۔

”وہ کیا؟“

”آپ کی اسی ہفتے کی سینٹ کنفرم کرا کر بھیج دیا جائے۔“

”منیجر منیجر میں کوئی بچ نہیں ہوں جسے آپ بھیج دیں گے۔“

”سرا رڈ رہے۔“

”سن لیا ہے میں نے، مجھے جب جانا ہوگا چلا جاؤں گا۔“ اپنے مخصوص ریسنورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے بولا اور فون کاٹ دیا کچھ دیر اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے وہ بابا کے لیے فکر مندی سے سوچتا رہا پھر باہر نکل آیا مگر قدم اٹھاتے ہی پیچھے سے آواز آئی۔

”منیجر عارض۔“ وہ ٹھٹھا ہلکی فیروزی ساڑھی میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اس کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

”جی فرمائیے۔“

”کیا ہر بار آپ اجنبی بن کر ملیں گے۔“ منیجر نے شکوہ کیا مگر بڑی بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ۔

”ہم اجنبی ہیں اور ملنا میں چاہتا نہیں۔“ وہ بے گامگی سے بولا۔

”میں تو ایسا نہیں سمجھتی۔ آپ سے تو بار بار ملنے کو دل چاہتا ہے۔“

”جیس۔“

”منیجر۔“ اس نے خود اپنا نام دہرایا۔

”جی مس منیجر دیکھیے میں آپ سے مدد اور تم نہیں رکھ سکتا۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ میں مریض ہوں دوائے دل کی کوئی صورت نہیں ہے آپ بے تکلف نہ ہوں پلیز۔“ وہ سختی سے کہہ کر آگے بڑھا تو وہ پلوہرا آکر بولی۔

”مسٹر عارض جب میں یہاں آ رہی تھی تو بھگوہن سے ایک ہی پرائیوٹ کی تھی کہ میرا سن یہاں لگ جائے۔“

”تو؟“ وہ بولا۔

”تو میرا سن لگ گیا ہے میرے اندر سے پتا وانا آ رہی ہے۔“

”بس سنجینا پلیز میں اس وقت اس موڈ میں نہیں ہوں۔“

”تو؟“ وہ چہکی۔

”پلیز لیو می الون۔“

”لیکن ایک پر اس کے ساتھ۔“

”جی بولے۔“

”بس کی ایگریجیشن لگی ہوئی ہے مجھے کہنی چاہیے۔“

”سوری۔“ وہ رد کرتا ہوا تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا وہ شوخی سے ہونٹ سکیڑ کر رہ گئی۔

.....☆☆☆.....

اپنے سامان میں سے گھر کے کاغذات نکالتے ہوئے ایک پرانا سا صفحہ ہاتھ لگا اس نے آہستہ آہستہ صفحہ سیدھا کر کے نظریں جمائیں تو دل ڈوبنے لگا۔ اچھے دنوں میں صبح احمد نے لکھا تھا۔

تراجم لنگاہوں میں لے کے اٹھا ہوں

تکھڑی ہے فضا تیرے سروں کی سی

نسیم تیرے شہستان سے ہو کاتی ہے

مری سحر میں مہک ہے ترے بدن کی سی

اس سے ایک پارل کر گئے تو خط میں فیض احمد کے خوب صورت لفظ پرو کر بھیجے تھے تب وہ کئی روز بار بار یہ خط کھول کر پڑھتی رہی تھی۔ بے اختیار ہی اس کی پلکوں میں نمی سی اتر آئی۔ صفحہ منہی میں پھڑ پھڑایا اور بے دم ہو گیا۔ وہ ایڑی چھتر پر بیٹھ گئی۔

”صبح احمد، کاش تم نے اپنے کبے لفظوں کا بھرم رکھا ہوتا مجھے یوں اپنے بے اعتبار رویے کی بھیشت نہ چڑھایا ہوتا۔“ دو موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے بہ گئے۔ بندھا کھوں سے ماضی کی محبت نکلی اور بالوں میں جذب ہو گئی۔ مزید کچھ سوچنے سے پہلے کمرے میں زینت آ پا آ گئیں اس نے جلدی سے آنکھیں صاف کیں اور سکرانی۔

”آئیے یا۔“

”کیا کر رہی تھیں رونے کے علاوہ۔“ وہ بیڈ پر ٹک گئیں۔

”وہ بس اماں یا نا گئیں۔“ اس نے ٹالا۔

”نہیں، شرمین اماں کو تو تم کبھی بھولتی ہی نہیں، یہ تو صبح احمد ہیں یا عارض جس طرح چہرہ پر طال ہے اس سے کوئی بھی سمجھ سکتا ہے۔“

”ارے نا پامیہ تو آپ کی محبت ہے جو آپ ایسا سمجھتی ہیں۔“

نمبر 97 ستمبر 2015ء آنچل اپریل 2015ء 97 ستمبر 2015ء ستمبر 2015ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے تو اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔
 دکھ کی بجلی سے نکل کر آدی دوسروں کے لیے زرم پڑ جاتا ہے پھر اس سے نیک اعمال خود بخود اور بخوشی سرزد ہونے
 لگتے ہیں۔ دکھ تو روحانیت کی سیزمی ہے اس پر صابر و شاکر بنی چڑھ سکتے ہیں۔
 بانو قد سید کی کتاب ”دست بستہ“ سے انتخاب

صدیقہ خان..... باغ AK

اچھی بات
 اگر لوگ تم سے متاثر ہو رہے ہیں تو تکبر نہ کرو، شکر ادا کرو اپنے رب کا جس نے تمہارے عیب چھپا کر تمہیں لوگوں
 میں معزز بنا رکھا ہے۔
 کسی کا عیب تلاش کرنے والے کی مثال اس بکھی کی جیسی ہے جو خوب صورت جسم چھوڑ کر زخم برہنہ بنتی ہے۔
 سعید یہ عظیم..... بہادر پور

خلوص اور عزت
 خلوص اور عزت بہت نایاب تحفے ہیں اس لیے ہر کسی سے ان کی امید نہ رکھو کیونکہ بہت کم لوگ دل کے امیر
 ہوتے ہیں۔

عصم ملک..... تلہ گنگ

پاش نکاہوں سے دیکھا تو وہ بولی۔

”تھینک یو، میں مزید ایک سال سینئر ہوگئی تم سے۔“

”اور میں تو جیسے وہ ہیں کھڑا ہوں۔“ اس نے بھی جواب دیا۔

”خیر مجھے تو یاد بھی نہیں تھا۔“

”ماما کو یاد تھا انہیں میں نے منع کر دیا تھا۔“

”بہنہ۔“

”اب اٹھو ہم باہر چل کر تمہارے لیے گفٹ خریدیں گے اور پھر ماما کے ساتھ لٹچ کریں گے۔ انہوں نے اہتمام شروع
 کر دیا ہے۔“ اس نے تفصیل سے پروگرام بتایا۔

”جی نہیں، ابھی بہت ضروری کام دیکھنے ہیں آپ بھی اپنے آفس میں بیٹھو۔“

”ٹھیک ہے ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس، اوکے“ وہ بولا۔

”اوکے۔“

”اور یہ یہ میرے جانے کے بعد کھول کر دیکھنا۔“ اس نے ایک گریٹنگ کارڈ اس کو تھمایا اور چلا گیا۔ شرمین نے لغافہ
 کھول کر کارڈ نکالا اس پر درج تھا۔

یہ تائید محبت ہے

کہ تجھ پر محبت ہے

مگر جو کچھ بھی ہے جاننا

یہ تو حیدر محبت ہے

سو تو حیدر محبت میں چھڑنے کا کبھی دھڑکا نہیں ہوتا
 بجز چاہت کسی دل میں کوئی جذبہ نہیں ہوتا
 کبھی تا کید یا تجدید کی نوبت نہیں آتی
 کوئی کاغذ، کوئی خط، پھول یا تحفہ نہیں ہوتا
 مری آنکھوں میں جتنے رنگ ہیں ان سب میں
 چاہت ہے

مرے ہونٹوں پہ جتنے لفظ ہیں ان میں عقیدت ہے
 تمہیں معلوم ہے چاہت تو اک ایسی حقیقت ہے
 جسے لفظوں، خطوں، پھولوں، کتابوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی
 جہاں دل سے نکل کر بات خود دل تک پہنچتی ہے
 جہاں آنکھوں سے نکلے اشک خود اظہار کرتے ہیں
 کہ ہم کس حال میں ہیں
 اور کتنا پیار کرتے ہیں
 سوائے جان غزل دیکھو
 مری آنکھیں بوجھ کر کتا دل اور اس میں موزن جذبے
 مری چاہت کا تحفہ ہیں
 مری چاہت کے سب تحفے تمہارے پاس ہیں

جاناں.....!

شرمین کے دل کی دھڑکتوں کی رفتار جو کہ ٹولنے پر شاید ان دنوں محسوس ہوتی تھی پڑھتے ہوئے طوفان بن گئی دماغ
 میں جیسے گھنٹیاں بجائیں۔

”یہ..... یہ بولی نے کہا، لکھا اور پیش کر دیا۔“ وہ بار بار سطروں پر نظریں دوڑانے لگی تو حیرتوں کے سمندر میں غوطے
 کھانے لگی۔ یہ سب کیا تھا، کیا کہہ دیا۔ کیا تاوا یا شعوری جذبوں کی ایسی پختگی کہ وہ کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی پھر ٹہلنے
 لگی۔“ عارضہ جسے لفظوں کا سہارا چاہیے تھا اس نے اس کے نہ کرنے کی پاداش میں مزہ اسٹائی، محبت تو بچ بچ ایسے ہی کی
 جاتی ہے۔

صبح احمد، خطوں اور لفظوں کے سہارے محبت دچاتے رہے جبکہ سب لمحوں میں ختم ہو گیا۔ عارضہ نے محبت کا خول
 لمحوں میں اتار دیا اور یہ سب کیا سے کیا ایک لفظ جیسے اس کی بے پناہ محبت کی چوٹی اور گواہی..... وہ کارڈ پر نظر سے جمائے
 جمائے پھر سری پر بیٹھی۔ میز پر سٹرا تے پھولوں نے اسے گد گدایا تو مسکراتے ہوئے کارڈ اپنے پاس میں رکھ لیا۔



ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ اس کے آفس میں آدھ کا وہ پوسٹل بیکر ٹری کس حرا کو ضروری نوٹ ڈکلیٹ کر رہی تھی وہ ٹہلنے
 لگا اس نے مس حرا کو بھیجا اور کہا۔

”بولی حزید تحفے کی ضرورت نہیں ہے یہ پھول کافی ہیں۔“
 ”میں نے تم سے مرضی نہیں پوچھی۔“

100 **آئیڈیل** اپریل ۲۰۱۵ء سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر

سنو.....!!

کیوں کرتے ہو ہلکوارا اہل غیرت سے صاحب
کہ.....!

دیس میں ہمارے مہنگائی بہت ہے

میں نے دیکھا ہے اکثر

یہاں زندگی تو مہنگی ہے

پر عزت بڑی سستی ہے صاحب

گیزروں کے زرخ چائے بڑھ جائیں

پر عزت بڑی سستی ہے صاحب

آٹا مہنگا ہے رکے پرواہ

بھوک سے بھٹکتے بچوں کے

آنسو تو سستے ہیں صاحب

کھلی کارٹ چاہیے آسمانوں تک جاپنیے

رج والہ بڑے سستے ہیں صاحب

پسہ مہنگا تو ہے یہاں

پر علم بہت سستا ہے صاحب

عدالتوں کے وام بڑھتے رہتے ہیں

انصاف پھر بھی سستا ہے صاحب

کیوں کہتے ہو اہل وطن

کہ دیس میں میرے مہنگائی بہت ہے

کہ..... میں نے اکثر

محبت، خلوص اور وفا کا

سرعام تمنا شائد دیکھا ہے

یہ سب بھی تاسستے ہیں صاحب

ہاں جرم تو ہوا مہنگا ہے یہاں

پر کچھ بہت سستا ہے صاحب

میں نے اکثر یہاں خون کا اتوار بازار

گرم ہی دیکھا ہے.....

چراغ زندگی گل ہے صاحب

مسلم مسلم اب دشمن ہے صاحب

گل و غارت عام ہے یہاں

عصمتیں بھی تو نیلام ہیں یہاں

اس سے بڑھ کر سستا بازار اور کہاں پاؤ گے

بربریت کے قصے سگر دل جاؤ گے

سنو

میرے وطن کے ہاسیوں

مت کرو ہلکوارا تم اپنی مٹی سے کہ

ہلکے ہلکے شکایتوں کا رہا۔۔

اب ہمارے پاس وقت نہیں

تم جا ہو تو مل کر ساتھ چلتے ہیں

اک نیا قدم دھرتے ہیں

اک مہم خود سے کرتے ہیں

ہلکے ہلکے شکایتیں نہیں اب سناؤ گے

اس مٹی سے کیا دھوا ہم بھائیں گے

کانڈی تعبیر ہے یہی

اپنی تو تقدیر ہے یہی

ملک کو اپنے اک نیا پاکستان ہم خود بناؤ گے

ملک کو اپنے اک نیا پاکستان ہم خود بناؤ گے

شاہ ناز

"کوچھنی تو چاہیے۔" وہ بولی۔

"نہیں مجھ اپنی مرضی کرنے کی عادت ہے۔" وہ لہجہ بھرکواں کی طرف جھکا اور بولا۔

"بولی کچھ معاملات میں مرضی کی نہیں فہم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"مثلاً۔"

"مثلاً ابھی بہت سے ضروری کام ہیں باہر کیسے جاسکتے ہیں؟" وہ سمجھواری سے بات کا رخ بدل گئی۔

"چھوڑو کام وام، یہ تو زندگی بھر ختم نہیں ہوں گے۔"

"تو سنو، تجھ نہیں خریدتے گھر چلتے ہیں آپا کے ساتھ لہجہ کریں گے۔"

"نہیں پہلے تحفہ۔" وہ ضدی تھا۔

"اور جو کارڈ پر لکھا وہ جوٹ ہے؟" مجبوراً سے کہنا پڑا۔

"کارڈ تو میری ذات ہے میرا دل ہے مرے جذبات ہیں۔" وہ مخمور ہو کر بولا۔

"اس پرواز کھٹا ہے کہ محبتوں اور چاہتوں کے تحفے مارکیٹ میں نہیں ملتے۔" وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں کچھ بھگائی۔

”ہاں لیکن پھر اس کے لیے یہ اقرار بھی تو ضروری ہے کہ میری محبت قبول ہے۔“ اس نے بھی بڑے قرینے سے اپنی مرضی بتادی وہ گزبوا گئی۔

”چلو چلیں۔“ اس نے نظریں چماتے ہوئے اپنا پرس اٹھایا۔

”شرمین، تمہارے شایان شان ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مگر میں سرنا پا تمہاری محبت کا طلب گار ہوں۔“ ہمراہ چلتے ہوئے وہ عالم بے خودی میں بولا۔

”بونی ایسے لفظ ایسی شاعری کہاں سے سیکھتے ہو؟“ وہ ہنس کر بولی تو وہ مسکرایا۔

”تم سے۔“

”بس، حد ادب پلیز۔“ اس نے یاد دلایا۔

”محبت میں کوئی حد نہیں ہوتی۔“

”بونی پلیز۔“ اس نے رگ کر ٹوکا۔

”اوکے۔“

”میں نے اپنے اور تمہارے تعلق میں خلوص اور احترام چاہا ہے۔“ اس نے پھر اسے باور کرانے کی کوشش کی۔

”تو پھر میں چلا جاتا ہوں۔“

”بلک میٹنگ؟“ گاڑی کے قریب پہنچ کر اس نے کہا۔

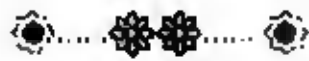
”نہیں، آپ کی خوشی۔“

”میری خوشی یہاں یہ کہہ کر بھی پوری کر سکتے ہو۔“

”تمہاری محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔“ ذرا ٹیوٹک سیٹ پر بیٹھے ہوئے وہ بولا۔ وہ دوسری سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی

گاڑی اشارت ہوئی تو فقط اس نے اتنا کہا۔

”میرا اس لفظ پر یقین نہیں رہا۔“



”ہم زندگی کے داخلی اور خارجی راستوں پر پہرے نہیں بٹھا سکتے بس جمائے اس کو خوش دلی سے خوش آمدید کہنا چاہیے اور جو جانا چاہیے اسے الوداع کہہ کر رخصت کر دینا چاہیے۔“ کھانے کے بعد وہ زینت آپا کے ساتھ ان کے گھر سے مل آ گئی تھی۔ زینت آپا نے اپنا ایک کڑا اتار کر اس کی کلائی میں پہناتے ہوئے کہا وہ حیران پریشان سی ان کی کارروائی دیکھ رہی تھی۔

”آپا..... یہ کس لیے؟“

”تمہاری سالگرہ کا تحفہ۔“ وہ پیار سے بولیں۔

”یہ بہت زیادہ ہے آپ کی دعا میں میرے لیے کافی ہیں۔“

”شرمین تم نے میری بات پر توجہ نہیں دی۔“

”آپا بس اب وہ مقام آ چکا ہے کہ روزانہ بند رکھنے میں ہی عافیت ہے۔“ اس نے بخوبی آپا کی بات کا مطلب سمجھ لیا

تھا۔ پھر انہیں سمجھانے کے لیے کہا۔

”شک کی بنیاد پر روزانہ بند نہیں رکھتے یقین کے ساتھ کھول کر دیکھو۔“

”آپا بہت پرسون ہوتی جا رہی ہوں میں مزید کوئی امتیاز نہیں چاہیے۔“ وہ صاف ٹال گئی۔

102 سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر اپریل ۲۰۱۵ سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر

”خیر..... اللہ بہتری کرنے والا ہے یہی بات میں نے بوبلی سے بھی کہی۔“ انہوں نے دانستہ بوبلی کا تذکرہ کیا تو اس نے پوچھا۔

”بوبلی کو کیا ہوا؟“

”حقیقت وہ سچ سچ دیوانہ ہے اگر اس کی بات نہ مانی تو وہ چلا جائے گا۔“ انہوں نے بتایا اور پھر دانستہ اخبار اٹھا کر اسے اٹھنے بلانے لگیں وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

بھولی ٹی وی بلاؤنچ میں، ٹی وی کے سامنے بیٹھی جموم رہی تھی۔ اس کی پسند کا گیت آرہا تھا اسے دیکھ کر فوراً بوبلی۔

”باجی، میں نے آپ کے کمرے کی اچھی طرح صفائی کر دی ہے۔ چھوٹے صاحب نے اتنے پھول رکھوا دیے ہیں کہ سارا کمرہ بھر گیا ہے۔ میں تو تھک ہی گئی۔“

”کب؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ابھی تھوڑی دیر پہلے۔“

”بھولا۔“

”جا کر دیکھیں۔“ وہ بوبلی۔

”تم اب آرام کرو، ٹی وی بند کرو۔“ اس نے غیر ارادی طور پر بھولی سے کہا اور وہیں صوفے پر گری گئی سر پشت سے لگا لیا۔

”سرور بادوں باجی۔“

”نہیں۔“

”میرے لیے بڑی نیک صاحبہ نے بہت ساری چیزیں منگوائی ہیں۔“ وہ اپنی ترنگ میں بوبلی۔

”بھولی، کم بولتے ہیں۔“

”آج نہ چھوٹے صاحب نے مجھے پیار دیا۔“

”ہیں۔“ وہ چونکی۔

”ہاں انہوں نے کہا کہ میں نے اچھے سے پھول سجائے ہیں۔“ وہ بوبلی تو شر میں کلاسی آ گئی۔

”بے خوف شاہاں دی ہوگی۔“

”جی..... جی..... وہی وہی۔“

”اچھا اب جاؤ ذرا سا آرام کرنے دو۔“

”کمرے میں جائیں جا کر تو دیکھیں۔“ بھولی نے اصرار کیا تو اسے اٹھنا پڑا اندازہ تو ہو گیا کہ بوبلی کہاں مصروف تھا؟

انگلش سرخ، گلابی، گلاب کے پھولوں کی معطر جگ سے اس کا کمرہ خواب ناک، ماحول پیش کر رہا تھا پورے کمرے میں جا بجا پھول ہی پھول تھے۔ دن ڈھل رہا تھا اس لیے کمرے میں مدہم سا اجالا باقی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیوب لائٹس آن کرنی چاہیں تو پشت سے ایک ہاتھ اس کے ہاتھ پٹا گیا۔

”بوبلی چھوڑو مجھے یہ کیا بے ہودگی ہے؟“ وہ اس شدت سے چلائی اور زور آ زورائی کرنے لگی کہ بوبلی نے وہیر سے اسے چھوڑ دیا۔

”سوری، میں ضبط نہ کر سکا۔“ اس نے خود لاشٹ آن کی اونا ہستہ سے اعتراف کیا۔

”تمہاری اتنی جرأت، یہ غیر اخلاقی حرکت اور ہو جاؤ میری نظروں سے۔“ وہ بہت زیادہ غصے میں تھی۔ پورا بدن تھر تھر

پسند اپنی اپنی

لوگوں نے ایک بوڑھے سے پوچھا "تم شادی کیوں نہیں کرتے۔" اس نے جواب دیا۔
"مجھے بوڑھی عورت پسند نہیں ہے۔"

لوگوں نے کہا "تمہارے پاس تو مال و دولت ہے، جوان عورت سے شادی کر سکتے ہو۔"
بوڑھا بولا "جب میں بوڑھا ہو کر بوڑھی عورت کو پسند نہیں کرتا تو میں کس طرح توقع کر سکتا ہوں کہ جوان عورت
مجھے پسند کرے گی۔"

حزق قریشی..... سلمان

کاتب رہا تھا۔

"میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے اس کی وجہ سے یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں۔"

"ششاپ۔" وہ چلتی۔

"شرمین، میں تمہیں اس طرح محسوس کرتا ہوں۔ ہر وقت ہر پہلو سوتے میں جاگتے ہیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی تم
میرے ساتھ ساتھ رہتی ہو، بولو اس میں میرا کیا قصور ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا اور وہ دکھ رہی تھی۔
"بونی جو تم سوچ رہے ہو کبھی نہیں ہو سکتا مجھے آئندہ کچھ نہیں کہنا پلیز اب جاؤ اور یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو۔" اس نے
رخ موز کر کہا۔

"اور میں ایسا نہیں کر سکتا۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"ایسا ہی ہوگا ابنی اور میری عمروں کا فرق ذہن میں رکھو۔" اس کو اور کچھ نہ سوچا تو یہ کہہ دیا جس پر وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔
"ہا، ہا، ہا یہ تمہیں کیوں یاد رہتا ہے میں محبت کی عمر میں تم سے بہت سینئر ہوں۔"

"بونی فارگا ڈیسک میرے سر میں درد شروع ہو گیا ہے جاؤ یہاں سے۔" اس نے چلا کر کہا۔

"لو کے لیکن جلدی سے تیار ہو کر آؤ، ہمیں باہر جانا ہے ہاں وہ سیاہ ساڑھی پہن لینا پلیز۔" وہ انتہائی بے پروائی سے
آرڈر دے کر چلا گیا اسے بہت غصہ آسا سارے پھول اٹھا کر فرش پر پھینکنے لگی۔

"دلغ خراب ہو گیا ہے۔ بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے ابھی عشق کا بھوت سوار ہے جو نبی اترتا تو عمر کا فرق ہی میری
ذلت بن جائے گا۔ میں نے آج تک اس انداز میں نہیں سوچا۔ کیوں نہیں سمجھتا یہ میں یہاں سے چلی جاؤں گی، حد ہو گئی
بے وقوفی کی۔" وہ جڑبڑاتی جا رہی تھی اور پھول پھینک رہی تھی جب دل نے کچھ ضبط کیا تو دروازہ لاک کر کے لاش آف
کر کے ستر پر گر سی گئی۔

زینت نے دو تین مرتبہ اسے بلایا مگر وہ نہیں آئی بلکہ اس نے دروازہ ہی نہیں کھولا تو بونی نے صاف صاف انہیں بتایا
کہ شرمین شاید اس سے ناراض ہے اس لیے میں خود بلانے جاتا ہوں وہ اس کے کمرے کے باہر پہنچا تو دروازہ لاک تھا
اس نے دستک دی۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا تو دوسری بار دستک کے ساتھ آواز بھی دی۔

"شرمین، شرمین، پلیز دروازہ کھولو۔" اس نے شاید دروازہ کھول کر باہر آتا تھا سو دروازہ کھول دیا۔ وہ اندھا گیا کرے کا
حال بہت خراب تھا۔ تمام پھول فرش پر بکھرے ہوئے تھے اس کے اظہار برہمی کا منہ بولتا ثبوت دیکھ کر وہ سانسختے
ہوئے بولا۔

"غصہ مجھ پر نکالنا تمہارا معصوم پھولوں نے کیا باگاڑا تھا؟"

105 اپریل 2015 اسکرہ نمبر 105 اسکرہ نمبر 105 اسکرہ نمبر 105

”صفر تمہارا مسئلہ کیا ہے بیوی سے کیا غصہ ہے تمہیں ارے اپنے بچے کا ہی احساس کرو۔“ جہاں آرا بہت خفا ہو گئیں۔

”امی میں جا رہا ہوں کوئی بات ہو تو فون کر دیتا۔“

”نہیں تم یہاں زیبا کے پاس بیٹھو میں ذرا نفل پڑھ لوں۔ جلدی میں آگئی زیبا کا خیال رکھنا۔“

”امی یہاں میرا بیٹھنا اچھا نہیں لگتا یہ میٹریشی اسپتال ہے میں باہر بیٹھتا ہوں۔“

”ارے ابھی ڈاکٹر ڈرپ لگانے کا کہہ گئی ہیں۔ نرس لگانے آئی ہوئی، اللہ خاص کرم رکھے۔“ جہاں آرا نے ایک

سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔

”آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا ٹھیک سے جائیں۔“ صفر نے بیٹھنے میں ہی عافیت جانی وہ چلی گئیں تو وہ زیبا کے

سامنے کھڑا ہو کر گھورنے لگا۔ وہ درو کو برواشت کرنے کے باعث شدید تکلیف میں تھی زرد رنگت، خشک ہونٹ، سناٹا زرد آنکھیں، صفر زیادہ دیر نہ دیکھ سکا۔

”یہ منسوبہ کیا ہے بائی واوے؟“ رخ موڑ کر اس نے پوچھا۔

”میں اپنے بچے کو بیچنے کو لے کر جا جاؤں..... کی۔“ وہ بمشکل تمام بولی۔

”شوق سے مگر میری ماں کو اب بیوقوف بنانا بند کرو۔“ اس نے کہا۔

”ان کے دل میں پوتے کی محبت ہے۔“

”جو کہ تم نے ڈالی ہے۔“ وہ طنزیہ کہتا ہوا مزا۔

”آپ... آپ کا بچہ ہے۔“ وہ بولی۔

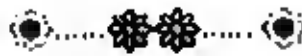
”چپ کر جاؤ، میں نہیں ماننا۔“ وہ گرجا۔

”تو.....!“ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نرس آگئی اس نے ذرپ لگانی شروع کر دی تو وہ باہر نکل گیا۔ زیبا کی پھیلتی آنکھیں

نرس نے نشوونما سے صاف گیس اور سلی دی۔

”مسز صفر پلمیزہ سے کاشمیر لیں۔“ وہ نرس کو کیا بتاتی کہ یہ کس درد کے نسو ہیں۔ چپ چاپ چھت گھونے لگی

بے شمار سوچیں ارد گرد موجود تھیں۔



وہ اسپتال کے ماحول سے بیزار ہو کر پاہرلان میں آ گیا وہاں قدرے بہتر ماحول تھا۔ اندھیرا تھا۔ کچھ فاصلے پر نول

پر بلب جل رہے تھے لیکن روشنی بہت کم تھی اکا دکا گازی جب پارکنگ کی طرف جاتی تو ہیڈ لائٹس کی روشنی پیدا ہوتی وہ

ٹپٹپنے لگا مبزنزم گھاس پر چلتے ہوئے چاروں طرف نظر بھی ڈال لیتا کچھ دیر ٹپٹنے کے بعد بیچ پر بیٹھ گیا۔

”کیا وحشت ہے، کس مصیبت میں گھر گئے ہو؟“ اسے خود پر غصہ آ یا حالانکہ یہ خوشی کا موقع تھا کسی بھی لمحے اندر سے

کوئی خوشی کی خبر آنے والی تھی۔ ایک باپ کے لیے اس سے بڑی خوشی کیا ہوگی کہ اس کا وارث، اس کا بیٹا دنیا میں آ رہا تھا

مگر وہ خوش نہیں تھا مضطرب تھا بے چین تھا اس کا ضمیر کچھ کے تو لگا رہا تھا مگر اندر کا مرد بہت ضدی اور طاقت ور تھا اسے

محبت نہیں ہو سکتی تھی نفرت کا رنگ بہت گہرا تھا اسے زیبا کی طرف مائل نہ کرنے پر مجبور کیے ہوئے تھا۔

”صفر اب جبکہ پوتا آ جائے گا تو امی جان کو کس طرح ذلیل کرو گے؟ زیبا کو بچے سمیت جانا ہے اور ایسے میں کیسے

انہیں سمجھاؤ گے؟ وہ تو اس قدر ٹپٹی ہیں، بہول اور پوتا نہیں پیارے ہیں تمہاری کیا حیثیت رہ جائے گی کیسے سب ٹھیک کر

گے؟“ وہ مسلسل یہی باتیں سوچ رہا تھا۔

سانکرہ نمبر سانکرہ نمبر سانکرہ نمبر [آنچل * اپریل * ۲۰۱۵ء 107] سانکرہ نمبر سانکرہ نمبر سانکرہ نمبر

”صفدر بھائی۔“ پشت سے ننھی نے پکارا۔

”جی۔“ وہ چونک کر اٹھا۔

”مبارک ہو آپ کا بیٹا ماشاء اللہ دنیا میں آچکا ہے، بہت پیارا اور کیوٹ ہے۔“ ننھی بالکل قریب آگئی تھی خوشی سے تپتا رہی تھی اور اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

”آپ کچھ بولیں گے نہیں؟“ ننھی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا کیا بولوں؟“

”خوشی نہیں ہوئی۔“

”آپ کو ہمتی ہے۔“

”اب تو بھول جائیں پلیز صفدر بھائی مانتا پیارا بیٹا ہے کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔“

”امیکسکو زمی وہ میرا نہیں صرف ذیابیطیم کا بیٹا ہے۔“

”حقیقت بدل نہیں جائے گی۔“

”حقیقت ہے ہی یہی آپ کی سبلی کو خود احساس ہے۔“

”تو آپ چھوڑ دیں گے ان دونوں کو۔“

”میں نے اپنا کیا کب ہے؟“

”ویری بیڈی آپ سے توقع نہیں تھی۔“ ننھی نے جل کر کہا۔

”میری سبلی کے کروت قابل فخر ہیں آپ کے لیے۔“

”وہ غلط تھی اس نے معافی مانگ لی۔ آپ کو اعلیٰ ترقی کا ثبوت دینا چاہیے۔“

”میں اعلیٰ طرف نہیں ہوں۔“

”اچھا، پلیز ابھی تو اندر چلیں آپ کی امی نے بلایا ہے۔“

”آپ چلیں میں آتا ہوں۔“

”جلدی آجائے۔“ ننھی واہس چلی گئی۔

”صفدر میاں اب کیا کرو گے اندر جا کر؟“ اس کے اعصاب کمزور پڑنے لگے۔

”ماں کا سامنا کرنے سے پہلے ہی وہ ان کے اس وقت کے احساسات سمجھ سکتا تھا۔ وہ تو خوشی سے پھولنے نہیں سار ہی

ہوں گی۔ کچھ بھی ہے اندر تو جانا ہوگا۔ چلو صفدر میاں ہمت کرو۔“ اس نے گویا تمام ہمت یکجا کر کے اپنی پونہ خود تھپتھپائی

اور قدم اٹھائے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





یہ عجیب صورت حال ہوئی جاتی ہے
رات کے بعد یہاں رات ہوئی جاتی ہے
وہ تو اب بھی مکمل ہے کسی پتھر کی طرح
ریزہ ریزہ میری ذات ہوئی جاتی ہے

جھوٹی..... دعا باز۔ ”ضرغام خان کا چہرہ مارے غصے کے
تانے کی طرح سرخ تھا اس کی بھوری خوب صورت
آنکھوں میں غصہ سرخی کے ڈورے سن کر تیر رہا تھا۔
”آپ تو یوں ہی لڑکیوں کے پیچھے پڑے ہیں کیا
لڑکے جھوٹ نہیں بولتے۔“ میں نے خستگی سے پوچھا۔
”بولتے ہوں گے۔“ ضرغام نے کندھے اچکائے۔
”مگر وہ بزدل ہوتے ہیں جس مرد میں حوصلہ کا فقدان ہو جس
سے مرد ہی نہیں کہتا اب یہی دیکھو میں نے تمہیں سچ سچ
بتادیا تھا کہ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی نہیں ہو۔“
”البتہ آخری ضرور ہوں۔“ میں مسکرائی تو ضرغام خان
بھی مسکرا دیا اور بولا۔

”ہاں آخری..... کہ شادی کر لینے کے بعد مرد ایک ہی
عورت نما بیوی کے ہاتھوں اس قدر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے
کہ اسے کسی اور طرف دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔“
”کھلا ضرغام..... میں نے تو شادی شدہ مردوں کو بھی
”پھر محبت“ کرتے دیکھا ہے۔“ ضرغام نے سگریٹ
کیس سے سگریٹ نکالتے ہوئے کہا۔

”لڑکیاں بہت ہی جھوٹی ہوتی ہیں۔“ ضرغام خان
نے زہریلے لہجے میں کہا۔
”کیسے بھلا؟“ میں نے نہایت حیرت سے اس کے
تتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔
”شادی سے پہلے محبوب سے محبت کا دم بھرتی ہیں
بلند و بانگ دعوے کرتی ہیں تم نہ ملے تو مر جاؤں گی
جی نہ سکوں گی اور جب.....“ ضرغام خان نے
ہونٹ بھینچ لیے۔

”اور جب.....“ مجھے جاننے کی جلدی تھی۔
”جب کسی دوسرے بندے سے شادی ہو جاتی ہے تو
تب اسے بےوقوف بتائی ہیں۔“
”کس طرح؟“ میرا دل بجانے کیوں اس کی باتوں پر
قلا بازیاں کھانے لگا تھا۔

”یہی کہ اس بندے کے سینے میں منہ چپا کر کہتی ہیں
میرے سر کے سامنے آپ ہی تو تھے جس کے میں خواب
دیکھا کرتی تھی میں گنتی خوش قسمت ہوں کہ قدرت نے
میرے خوابوں کو سچی اور خوب صورت تعبیر دی ہونہ

"اور واقعی....." میں نے اس کی خوب صورت بھوری آنکھوں میں دیکھا۔
 "لیکن لڑکیاں بھی تو بیوی بننے کے باوجود ذہن میں کسی اور کا خیال اور آنکھوں میں شوہر کے بجائے کسی دوسرے کے خواب چھپائے پھرتی ہیں اس بددیانتی کے یاد جو شوہر سے کہتی ہیں تم پہلے اور آخری مرد ہو۔"
 "ضرغام....." میں نے ہولے سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جو بھی سمجھتا ہے زوہبا! میرا فرسٹ کزن ہے عابد! اسے کل ہی پتا چلا ہے کہ اس کی بیوی شادی سے پہلے اپنے بھائی کے دست پر لٹھی۔ راجہ عابد کی خالہ زاوہ سے اور پتا ہے اسے جب سے پتا چلا ہے کہ راجہ کا دل اس کا نہیں وہ کس قدر پریشان ہے۔"
 "راجہ کیا کہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔
 "وہی ازلی جھوٹ کہ اس نے تو عابد کے علاوہ کبھی کسی کو چاہا ہی نہیں۔"

"کیا محبت کرنا جرم ہے؟"
 "نہیں۔" ضرغام نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا۔
 "اگر جرم ہوتا تو ہم کیوں کرتے۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکنا اور ہولے ہولے تامل لہجے میں بولا۔
 "مگر محبت کو سات پردوں میں چھپانا یہ محبت کی تو ہیں بے سب سے بڑا جرم ہے اگر کسی سے محبت ہو تو اس کا ہانگ دہل اقرار کرنا چاہیے جیسے میں نے کر دیا۔ تمہیں یاد ہے پورے ڈیڑھ پارٹمنٹ کو ہمارے تعلق کا پتا تھا۔"
 "تم نے تو حد کر دی تھی ضرغام!"

"ہو سکتا ہے کہ راجہ سچی ہو۔"
 "نہیں! وہ سچی نہیں ہے بلکہ جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہی ہے حالانکہ عابد چاہتا ہے وہ اسے سچ سچ بتا دے کہ واقعی راجہ نے شادی سے پہلے کسی کو چاہا تھا۔"
 "پھر کیا ہوگا؟"
 "وہ اسے معاف کر دے گا اور کیا۔"
 "مردانہ اعلیٰ طرف نہیں ہے ضرغام! میں نے کہا۔"
 "خود کو دواؤ پر لگانے سے فائدہ۔"
 "واؤ....." ضرغام نے اسے دیکھا۔

"کرنا ہی ایسا چاہیے یہ کیا کوئی جاننے والا نظر آ گیا تو خون خشک ہو جائے۔ وہ محبت ہی نہیں ہوتی دھوکا اور فریب ہوتا ہے اور ڈرتے وہی ہیں جن کے دل میں کوئی کھوٹ ہو نہیں دیکھو....." ضرغام خان نے سینے پر ہاتھ رکھ کر فخر سے کہا۔
 "ضرغام! تمہاری بات اور ہے تم مرد ہو ایسا کر سکتے ہو کہ یہ معاشرہ مرد کا ہے نہ ہر معاملے میں بااختیار ہے۔ اگر عورت ہانگ دہل اپنی محبت کا اعلان کرے تو تم جیسے مرد ہی اس پر سنگ باری شروع کر دو۔"

"فرض کرو ضرغام! میں تم سے کہوں کہ تم سے پہلے کوئی لڑکا میری زندگی میں آیا تھا تو....." میرے ساتھ کہنے پر ایک لمحہ کے لیے تو ضرغام خان کے چہرے اور آنکھوں کی مہمان حیرتیں ہو گئیں۔ اس کے چہرے پر درازیں پڑنے لگیں پھر وہ ایک دم ہی ہنس دیا۔
 "نہیں زوہبا جان! مجھے پتا ہے کہ میں پہلا مرد ہوں جس نے تمہارے درد دل پر دستک دی اور وہ چور دروازہ جو ہرن کی اپنے دل میں چھپا کر رکھتی ہے جو صرف وہ اپنی محبت کے لیے ہی کھولتی ہے تم نے بھی میرے لیے وہ دروازہ کھولا تھا۔"

"ہمت تو کرے عورت۔" وہ بولا۔
 "یہ ہمت اس میں کبھی نہیں آ سکتی۔" میں نے یقین سے کہا۔
 "پھر محبت نہ کرنے دوسرے شخص کو دھوکا کیوں دیتی ہے۔ تمہیں پتا ہے کہ میں آج کیوں ادا اس ہوں۔"
 "یہ کون سا آج کیوں اتنے تلخ ہوا؟"

"پھر بھی....." میں اپنی بات پر اڑی رہی۔
 "تم بہت مشکل لڑکی ہو زوہبا! مجھے معلوم ہے کہ پورے ڈیڑھ برس تک میں تمہارے دل کے دروازے پر دستک دیتا رہا تھا تب تم نے دروازہ کھولا تھا ورنہ لڑکیاں تو میری طرف ایک نظر میں ہی اسکی پہنچتی تھیں جیسے لوہا

مقتا بیس کی طرف۔"

جھانسنے نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا۔

"اچھا....." میں ہنس دی۔

"یہ میرا تجربہ ہے کہ جس لڑکی سے ایک بار محبت چمڑ جائے تو پیاں بڑھ جاتی ہے پھر کوئی دوسرا اس کی جانب

"زودہ....." ضرغام کی آواز نہایت مدہم تھی۔

"ہوں....." میں نے ہولے سے کہا۔

"کیا واقعی تم نے مجھ سے پہلے کسی کو چاہا ہے؟"

ضرغام خان کے لفظوں میں شک کے ناگ پھنکارے

تھے میں زور سے ہنس دی مگر مجھے احساس تھا کہ میری ہنسی

بالکل ہانس کی لکڑی کی طرح کھوکھلی ہے پھر بھی میں نے

جواب تو دینا تھا۔ اس کی بات برا گرایسا نہ کرتی تو اپنا انجام

مجھے پتا تھا۔ ضرغام خان نے جتنی شدتوں سے مجھے چاہا تھا

وہ مجھے نفرت کی آگ میں جلا بھی سکتا تھا اور میں ہنستے

ہوئے کہہ رہی تھی۔

"یار یہ مرد کا دل اتنا چھوٹا سا کیوں ہوتا ہے؟ دیکھو

ضرغام! اگر تم میری طرف سے اپنے دل میں شک پیدا

کر لو گے تو مجھے بے تحاشا دکھ ہوگا اور یوں بھی محبت اور

شک ایک ساتھ دل میں نہیں رہ سکتے۔" میں نے ضرغام

کے کندھے سے سر نکال دیا۔

"تم کو پتا ہے میں جتنی حسد ہی اور ہٹ دھرم ہوں اگر تم

سے پہلے میں نے کسی کو چاہا ہوتا تو گھر والوں کو مانا سکتی تھی

آخر تمہارے لیے بھی تو سب سے فکری ہے۔ ابو کو اپنی اس

روایت کو توڑنے پر مجبور کر دیا کہ ہم خیروں میں بیٹیاں نہیں

دیتے پھر تم جان لو کہ ایسا نہیں کہ زودہ خان بھی نہیں ہاری۔

تم نے اسے اپنے جذبوں کے زور پر جیتا اور وہ تمہارے

لیے سب سے لڑ پڑی۔" میں ہولے ہولے کہہ رہی تھی

بلکہ دھڑلے سے جھوٹ بول رہی تھی اور ضرغام خان خوشی

سے تقریباً پاگل ہو گیا۔

"مجھے علم تھا جو میرا دل کہتا ہے وہ سچ ہے۔" وہ جذبات

سے بھر پور لہجے میں بولا۔ "ہم بھلا ہارنے والے ہیں سچ

میں تو تمہیں انوا کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا اگر تمہارے بابا

جان میرا پر پوزل رو کر دیتے تو....."

"اچھا....." میں ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ بے تحاشا

جائے تو پیاں بڑھ جاتی ہے پھر کوئی دوسرا اس کی جانب

اس محبت سے ہاتھ بڑھائے تو وہ اس ہاتھ کو تھام سکتی ہے

پیاں جو ہو جاتی ہے۔ بہت کم لوگ محبت کو روک بنا لیتے

ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم مجھے ڈیڑھ سال تک خوار نہ

کرتیں۔" ضرغام خان نہایت یقین سے کہہ رہا تھا۔

"مگر تم یہ فرض کیوں نہیں کر لیتے کہ میری زندگی میں تم

سے پہلے بھی کوئی آیا تھا پھر تم آئے اور تم سے شادی ہو گئی۔

ہماری زندگی نہایت خوش گوار ہے ہم مطمئن ہیں لیکن اگر

عابد کی طرح تمہیں بھی پتا چل جائے کہ تم میری پہلی محبت

نہیں ہو تو تمہارا رویہ میرے ساتھ کیسا ہوگا؟" میں اسے

فرض کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔

"تو میں تم سے مخلص نہ رہ سکوں گا۔" ضرغام خان

نہایت سچائی سے بولا۔ "ہاں زودہ ضرغام خان! میری محبت

کی چادر میں شکاف پڑ جائے گا اور پھر ہماری قربت میں

بھی فاصلے ہوں گے اور قربت کے فاصلے بھی ختم نہیں

ہوتے جوں جوں وقت گزرتا ہے یہ فاصلے مزید بڑھتے

چلے جاتے ہیں۔" اس کا ایک ایک لفظ سچا تھا۔

"تو ضرغام خان! یہ طے ہے کہ مرد میں طرف نہیں

ہوتا جسے وہ شدت سے چاہے اس کی ذرا سی غلطی کو پرانی

لغزش کو معاف کر دے جب کہ یہ عورت ہی ہے جس کا دل

بہت بڑا ہے ماؤنٹ ایورسٹ کی طرح۔ وہ شوہر کے بے

شمار ذخیرے کی اور کی زبانی نہیں بلکہ اپنے شوہر کے منہ سے

اپنے بند رو میں سستی ہے مگر پھر بھی اس کے دل میں کوئی

پھانس نہیں چھبتی۔ ان کے درمیان کوئی خلیج حاصل نہیں

ہوتی، کوئی فاصلے پیدا نہیں ہوتے بلکہ وہ اور تندہی سے

اپنے سر کے سائیں کی خدمت کرتی ہے کہ اگر اس کے مرد

کے دل پر کسی اور عورت کی پرچھا میں ہے تو ختم ہو جائے

اور وہ اپنے مرد کے دل پر بھی پوری طرح قابض

ہو جائے۔" میں نے کہا۔ ضرغام خان تو دیوار پر نظریں

جنے کی وجہ سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے جنہیں
ضرغام نے اپنی انگلیوں کی پودوں سے صاف کیا۔
"تم یقین کرو کہ لڑکیاں جھوٹ بولتی ہیں تو سچ بھی بولتی
ہیں۔" میں نے کہا۔

"تمہاری طرح۔" ضرغام خان نے میرے ہاتھوں
کے کپڑے اپنے مضبوط ہاتھوں میں قید کر لیے اور میری
آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"یقین کرو اگر تم نے مجھ سے پہلے کسی کو چاہا ہوتا تو میں
تمہارا گلا گھونٹ دیتا پھر خود کو بھی شوٹ کر لیتا کہ وہ ہاتھ بن
جینے کا ضرغام خان تصور بھی نہیں کر سکتا۔" ضرغام کے
لہجے میں چٹائیاں تھیں۔

"یہ جملہ تم نے کتنی لڑکیوں سے کہا ہے؟"
"بہی نہیں کہا اور یہ جملہ میں نے اپنی بیوی کے لیے پنا
کر رکھا ہوا تھا۔" ضرغام نے ہنس کر کہا تو میں بھی ہنس دی۔
"اب سو جاؤ رات کے ڈھائی بج گئے ہیں۔"
"کیا نیندا رہی ہے؟"

"ہوں۔"
"ہاتھ کھو یا؟ ابھی تو میرا دل ہی نہیں بھرا تم سے
ہاتھ کر کے۔" وہ بچوں کی طرح بولا۔

"ساری زندگی ہاتھ ہی تو کرنی ہیں۔" میں نے تکیہ
دست کرتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے تمہارے سنگ یہ زندگی بھی تھوڑی ہے۔"

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا پھر

ضرغام نے بھی لائٹ آف کر کے زبرد کا بلب چلا دیا اور بیڈ
پر آ کر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ضرغام خان تو نیند کی
داوی میں کھو گیا اور میں جو اسے کہہ رہی تھی نیندا رہی ہے
میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

ہائے ضرغام خان! میں تو اب تمہاری آنکھوں میں
دیکھ کر بات بھی نہ کر سکوں گی مبادا تم میری آنکھوں میں
گزری محبت کے رنگ نا دیکھ لو۔ میرا اعتماد تم نے چھین لیا
ہے اور ضرغام خان! تم جو کہتے ہو کہ لڑکیاں جھوٹ بولتی
ہیں اور اگر سچ بولیں تو تم مردوں کی قوم نہیں جینے دو بھلا؟

کبھی نہیں اور ضرغام اگر تمہیں آج پتا چل جائے کہ
میرے دل میں فلائنگ لیغٹینٹ وارث افضل کی محبت کا
چراغ روشن ہے تو میری زندگی شعلوں کی نذر کر دو۔ وہ
وارث افضل جو میری زندگی کا پہلا خواب تھا وہ جب
میری زندگی میں آیا تو میں نے ابھی جوانی کی دلیہ پر قدم
رکھا تھا۔

اٹتی جوانی تھی اور یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جب لڑکیاں
ایک دم حسین ہو جاتی ہیں۔ آنکھیں انہوں نے خواب دیکھنے
لگتی ہیں۔ چال مست ہو جاتی ہے اور لہجوں کی گھنڑیاں
کھلی رہتی ہیں یہی وہ دور تھا جب میں نے وارث افضل
کے لیے اپنے دل کے سارے دروازے کھول دیئے تھے۔

وارث افضل جو بہادر پور کا رہنے والا تھا اور ہیر وارث شاہ
اتنی خوب صورت گانا تھا کہ اس کی آواز دل میں اندر بہت
عی اندر اتر جاتی تھی اور وہ بھی اپنی آواز کے ساتھ میرے
دل میں اتر گیا تھا میں بان دونوں میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔

میرے بابا جان دنگ کمانڈر تھے اور ان دنوں ہم سرور
ہیں کراچی میں رہتے تھے۔ بابا جان کی لاڈلی اور چھوٹی بیٹی
ہونے کا میں فائدہ اٹھاتی تھی۔ میری دونوں بڑی بہنیں بھی

میس کی کسی تقریب میں نہ جاتی تھیں مگر میں ہر تقریب
میں جانے کے ساتھ ساتھ کلب بھی جاتی۔ کورٹ میں

ٹینس بھی کھیلتی تھی کہ اسکول میں ٹینس نیم کی کیشن تھی۔ ریڈ

ٹینس کورٹ میں میری وارث افضل سے ملاقات ہوتی تھی

وہ میرے ساتھ ٹینس کھیلتا تھا۔ مجھے آج تک یاد ہے۔

بھوری بھوری خوب صورت آنکھیں جن میں مجھے بہت

سارے ستارے چمکتے نظر آتے تھے اور میری آنکھیں خیرہ

ہو جاتی تھیں۔ دل بہت زور سے دھڑکنے لگتا تھا اور دھڑکن

کا یہ نیا انداز میری سمجھ سے باہر تھا۔

پھر پتا بھی نہ چلا ایک دوسرے کے جذبے بھی رسیو

کرنے لگے کوئی نہ وعدہ ہوا نہ ہاتھ تمام کر عہد کیا گیا بس

وہ گئے تھکے یا لے ہالوں بھوری آنکھوں اور چمکتی رنگت

والا فلائٹ لیغٹینٹ وارث افضل میرے دل میں اتر

گیا۔ اس کی خوش بو سے میری روح تک معطر ہو گئی میں

ان دنوں امتحانوں سے فارغ ہوئی تھی اور زیادہ وقت اب میرا ٹینس کورٹ میں گزرتا تھا کہ وہاں وارث افضل بھی آتا تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کی قربت میرے دل میں بہت سارے پھول کھل رہے تھے اس روز بھی ہم دونوں ٹینس کھیل رہے تھے کہ میرے قریب ہی مثل اٹھانے کو وہ جھکا جب اٹھا تو میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم وارث کو بہت اچھی لگتی ہو زوہا! بن جاؤ تا وارث کی ہیرا“

”جی..... وہ.....“ میں گڑبڑائی۔

”سنو میں نے اپنی ماں کو تمہارے بارے میں فون کر کے سب بتا دیا ہے وہاں آئیں گی مگر اس سے پہلے میں خود کمانڈر صاحب سے بات کروں گا۔ زوہا میرا ساتھ دینا اگر تم نہیں تو وارث افضل مرجائے گا زوہا!“

اس کے لہجے میں بہت سے دکھ تھے۔

”آپ بابا جان سے تو بات کریں۔“ میں نے ہولے سے کہا دوسرے لفظوں میں کہہ دیا کہ مجھے اس کا ساتھ دینا ہے اور وہ جو کہتا تھا میں نہ ملی تو مرجائے گا بابا جان سے بات کرنے سے پہلے ہی وہ مر گیا۔

ہاں وارث افضل مر گیا میرے دل میں بسا وہ خوب صورت شخص وہ مجھ سے بات کرنے کے دوسرے دن فضائی مشقوں پر چلا گیا مگر پھر لوٹ کر آیا۔ چار روز بعد ہی پورے بیس میں یہ خبر پھیل گئی کہ وارث افضل کا فضائی مشقوں کے دوران جہاز کریش ہو گیا ہے۔ وہ میرے دل کا پہلا خواب وہ خوب صورت ہیرا گانے والا وارث میری جان و دل کا وارث پھر نہ آیا۔ میرا تو ذہن ہی سن ہو کر رہ گیا پہلا خواب دیکھا تھا وہ ہی پھر گیا تھا۔

پھر میں نے کراچی چھوڑ دیا اور اپنی نانو کے پاس لاہور چلی گئی۔ بابا جان کی پوسٹنگ تو کراچی ہی میں تھی مگر میں وہاں نہ رہ سکتی تھی۔ مجھے وارث یاد آتا اور بے تحاشہ یاد آتا لاہور میں آ کر پڑھائی میں مصروف ہو کر بھی میرا ذہن اسے نہ بھول پایا تھا دل اسے یاد کرتا اور خوب دوتا۔

یونہی دن گزرتے رہے میں لوٹ کر کراچی نہ گئی تھی

کہ بہنوں کی شادیوں میں بھی نہ گئی اس قدر اس شہر سے دل اکٹا گیا تھا۔ ایم اے انگلش میں میں نے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔ تب کئی لوگوں نے مجھ سے دوستی کرنی چاہی مگر میں سب سے بے نیاز رہی۔ حتیٰ کہ میری کسی لڑکی سے بھی دوستی نہ ہو سکی سوائے منبر کے۔ بہت جلد میں مغرور مشہور ہو گئی اب تک ہجی عمر کے خواب نے میرا پیچھا نہ چھوڑا تھا حالانکہ مجھے علم تھا وارث افضل کبھی لوٹ کر نہ آئے گا مگر پھر بھی میں اسے بھولنا نہ چاہتی تھی۔

ان ہی دنوں ضرغام خان راہ میں آیا تو میں چونک گئی بھوری آنکھیں کھٹکتی رہنے لگیں۔ چمکتا رنگ اور لمبا قد۔ مجھے لگا جیسے وارث افضل زندہ ہو کر آیا ہو ضرغام خان ملتان کا رہنے والا تھا۔ سعید خان ملتان کی اہم شخصیت تھے اور ملتان کے میئر تھے۔ ضرغام خان ان کا بیٹا تھا جو میرے پیچھے لگا تھا۔

پھر ایک روز مجھے پتا چلا کہ ضرغام خان وارث افضل کا پھوپھو اور کزن ہے۔

یہ اس طرح پتا چلا تھا کہ وارث افضل کی برسی کے موقع پر وہ بہاول پور گیا تھا اس کی واپسی پر عزیز کو ہی اس نے بتایا تھا اور پھر ضرغام خان مجھے ایک دم ہی اچھا لگنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے وارث افضل کے حوالے سے اچھا لگتا ہے۔

تجلی میں چونکی تھی اس خاندان کی آنکھوں میں ان کی خصوصیت ہے۔ بھوری آنکھیں جو میرا قرار لوٹ لیتی تھیں۔ ضرغام نے عزیز کو بتایا تھا کہ وارث افضل اس سے بڑا تھا دوسریس گروہوں ہی بے تکلف دوست تھے۔ وارث نے ان فورس جوائن کرنی تھی ضرغام نے بھی ایسا چاہا مگر گھر سے اجازت نہ ملتی تھی۔ ایک روز وہ منبر سے کہہ رہا تھا۔

”پتا ہے عزیز! وہ ایک لڑکی کو بہت چاہتا تھا اس کے آفیسر کی بیٹی تھی میں نے پھوپھی کو مایا تھا اور پھر پھوپھی اور میں نے کراچی جانا تھا کہ وہ ہی نہ ہا جس کے پاس جاتے جس کے لیے جاتے۔“

الہیہ ہے کہ سچ نہ کہوں۔ میری آنکھوں میں سلاون اتر آیا اور کتنے ہی آنسو تکیے کو بھگونے لگے۔

صبح فون کی کھنٹی نے ہمیں جگایا، ضرغام نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا فون کا ریسیور اٹھایا، میں ہاتھ روم میں چلی گئی اور جب تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو ضرغام خان منہ بہ منہ کر کہہ رہا تھا۔

"یار عجیب لوگ ہیں اب افضال مانا نے ہمیں شام کو انوائٹ کیا ہے۔ یہ دن تو ایسے ہوتے ہیں بندہ چاہتا ہے سورج ہی طلوع نہ ہو اور لوگ....." ضرغام بے ہزار سا تھا۔

"پھر انکار کر دیتے۔"

"مانا سے میں انکار نہیں کر سکتا، سہ پہر کو ہم بہاول پور روانہ ہو جائیں گے۔"

"اچھا....." میں نے سر جھکا لیا۔ بتائیں کیوں میرے ارد گرد وارث، افضال کی خوش بو پھیل گئی جس نے دل میں درد پیدا کر دیا مگر میں نے مسکرا کر اپنا بھرہم رکھنا تھا۔

تقدیر کے اس وار پر میں مسکرا رہی ہوں کہ وارث افضال جو مجھے نہایت احسن طریقے سے اپنے ساتھ اپنے گھر بہاول پور لے جانا چاہتا تھا اس کی خواہش اسی کے ساتھ مگر گئی اور میں آج اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر جارہی ہوں۔ کتنی زور مار رہے ہاں تقدیر مگر مجھے یقین ہے کہ آج وارث افضال کی روح بہت خوش ہوگی اس لیے کہ میری روح بھی آج خنداں ہے کہ میں آج وارث افضال کے گھر جارہی ہوں۔

اس گھر جہاں وارث کی خوش بو کھری ہوئی ہوگی اور وہ خوش بو یقیناً کھلے دل سے میرا استقبال بھی کرے گی جو میری آئندہ زندگی کے لیے کارآمد ہوگی کہ اب مجھے اس حوصلے اور اعتماد کی ضرورت ہے ضرغام خان کے ساتھ جموٹ بولتے ہوئے تمام عمر گزارنی ہے اسی حوصلے کے ساتھ زندگی بتانی سے آنسو میری آنکھوں سے بہ رہے تھے مگر دل میں ایک اطمینان سا ہے۔



"اور وہ لڑکی..... آپ سنے تھے اس سے؟" منبر نے پوچھا۔

"وارث کو سر پر از دینے کا شوق تھا، کہتا تھا تم آؤ گے تو ملو اداں گا۔ مجھے تو نام بھی نہ بتایا تھا اس نے اور....." ضرغام کے لہجے میں جو دکھ تھا وہ میرے دل میں اتر گیا تھا۔

پھر ضرغام خان کی مستقل مزاجی نے اور کچھ منبر نے مجھے قائل کیا اور میں نے خود کو جھکا لیا۔

ایسا اس لیے کیا تھا کہ مجھے ضرغام خان میں وارث کی جھلک نظر آئی۔ اس کی خوش بو پھر آئی ضرغام مانو سے ملا تھا اور جب بابا جان کو پتا چلا تھا تو انہوں نے ناٹو کو صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ غیر برادری میں میری شادی نہیں کریں گے مگر میں اڑ گئی۔

"شادی کروں گی تو ضرغام خان سے اور بس۔"

میرے فیصلے نے سب کو بلا کر رکھ دیا مگر میں اپنے فیصلے سے نہ ہٹ سکتی تھی بھلا کس طرح میں اپنے محبوب کی خوش بو سے جدا ہو جاتی اور پھر ایک ہفتہ قبل ہی ہماری شادی ہو گئی میں ضرغام کے ساتھ ملتان آ گئی۔ ضرغام بہت خوش ہے اور میں..... ہاں نہیں خوش ہوں کہ نہیں مگر آج مجھے پتا چلا ہے کہ میری ازدواجی زندگی آگ پر دھری ہے اگر ضرغام کو پتا چل گیا تو..... تو وہ پھوٹک دے گا میرا آشیانہ پھر مجھے تمام عمر جموٹ بولنا چاہیے کہ میں نے ضرغام کے علاوہ کسی کو نہیں چاہا اسی میں میری بہتری ہے اس میں میرا بھلا ہے۔

میں نے وارث افضال کی محبت سے مجبور ہو کر ضرغام خان کو چاہا ہے اس سے شادی کی ہے اور اب بھی اس کی چاہت سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ رہوں گی۔ ضرغام جو سمجھتا ہے کہ اس کے جذباتوں نے مجھے پایہ زنجیر کیا ہے تو یہ غلط ہے۔

لیکن اگر اسے سچ بتا دوں تو ابھی کاغذ پکڑا کر مجھے بے سائبان کر دے گا پھر..... میں نے نباہ کرنا ہے۔ سچ کو دل میں رکھ کر اور جموٹ لیوں سے بول کر یہی میری زندگی کا

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔

نہیں۔



کچھ کمی ہے

اب کے پیڑوں نے کچھ کہا ہی نہیں
کیسا موسم ہے بولتا ہی نہیں
یوں کھلے ہیں گھروں کے دروازے
جیسے گلیوں میں کچھ ہوا ہی نہیں

سنجیلا تھا گھر میں جراثیم کش دوائیوں کے اسپرے ہوتے، ہر روز فینائل میں بھیکے پونچھے سے فرش صاف ہوتے اور مہینے دو مہینے بعد گھر میں پتھروں اور دوسرے کیڑوں کے خاتمے کا اسپرے ہوتے دیکھ رہا تھا گھر میں ہر وقت ایک مخصوص سی بو رہتی رہتی تھی۔ لسی بو جیسی اسپتالوں میں ہوتی ہے اور وہ تو بچپن سے ہی اس کا عادی تھا پھر پتا نہیں اس شام کیا ہوا تھا جب گھر میں اسپرے ہونا شروع ہوا تو اسے پہلے تو چھینکیں آنا شروع ہوئیں پھر تکی کے ساتھ ہی سر میں شدید درد شروع ہو گیا اور یہاں تک پھر اس کے بعد ہمیشہ ہی ایسا ہونے لگا تب مامون انصاری نے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا تو پتا چلا کہ اسے اس طرح کی بو سے لڑنا ہی ہے لہذا احتیاط کی جائے۔

وہ مامون انصاری اور زہیرہ انصاری کا اکلوتا بیٹا تھا سو مامون انصاری نے ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا سردی نے میگنٹا کی شکل اختیار کر لی تھی۔ انگلینڈ اور امریکہ تک میں ڈاکٹروں سے مشورہ کیا گیا تھا یو کے میں اگر مامون انصاری کے چھوٹے بھائی سمعون انصاری ہیں تو نیویارک میں ان کی بڑی بہن اور بہنوئی مقیم تھے سب طرف سے یہی جواب ملا کہ میگنٹا کا کوئی حتمی علاج نہیں ہے احتیاط کی جائے، سو احتیاط کی جانے لگی جو اسپرے پہلے استعمال کیا جاتا تھا اس کی جگہ اسپورٹڈ لیموں کی گھٹی خوشبودار لائٹ سا اسپرے استعمال کیا جانے لگا جس سے اسے لڑی نہیں ہوتی تھی اور ماہانہ اسپرے اس وقت کیا جاتا جب وہ اسکول میں ہوتا اور وہ اتنی اعلیٰ کوالٹی کا ہوتا کہ

ہارون نے گاڑی سے باہر نکلنے ہی ناک کو سٹرا، فضا میں فینائل کی بو پھیلی ہوئی تھی سامنے ہی خلیہ نوران بآدے میں فینائل میں بھگا پونچھا لگا رہی تھی۔ وہ بآدے کی تین سیرھیاں چڑھ کر لکڑی کے مقوش گیٹ نکلا یا تب ہی نوران نے مڑ کر اسے دیکھا۔

”ہانی بابا اندر مت جائیے اندر اسپرے ہو رہا ہے۔“
”اوہ.....“ اس نے مڑ کر نوران کو دیکھا۔

”وہ جی پتا نہیں تھا کہ آپ جلدی آجائیں گے صاحب نے کہا تھا آپ کے آنے سے پہلے اسپرے کروائیں۔“

گلنار پتا نہیں کہاں سے نکل کر سامنے آئی تھی۔ اس نے گلنار کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں ڈسٹر تھا لہذا وہ باہر کی طرف سے کھڑکیوں کے شیشے اور گرل وغیرہ صاف کر رہی تھی۔ وہ بآدے کی سیرھیاں اتر کر لان میں آ گیا اور لان چیئرز میں سے ایک چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی کتابیں اور قابل ٹیبل پر رکھی فینائل کی بوتل ان تک آ رہی تھی نوران پونچھا لگاتے لگاتے اب پچھلی طرف چلی گئی تھی گلنار دن روم کی کھڑکیاں صاف کر رہی تھی۔

ہارون کو اسپرے اور جراثیم کش دواؤں کی بو سے لڑی ہو جاتی تھی چھینکیں آنا شروع ہو جاتی تھیں اور کبھی کبھار اگر تو تیز ہوتی تو سر اودا کھموں میں شدید درد شروع ہو جاتا تھا پتا نہیں یہ سلسلہ کب شروع ہوا تھا لیکن پچھلے چند سال سے اس میں شدت آ گئی تھی بلکہ ابھی تین ماہ پہلے اسے میگنٹا کا بو سخت ایک ہوا تھا حالانکہ جب سے اس نے ہوش

اس کے آنے تک دستم ہو جاتی تھی یا بالکل ہلکی رہ جاتی۔ آج اسے اسکول سے ہی اکیڈمی چلے جانا تھا اور اس کی واپسی چار بجے تک ہوتی وہ لویول کا اسٹوڈنٹ تھا اور بیٹے میں تین دن وہ اسکول سے ہی اکیڈمی چلا جاتا تھا جبکہ باقی تین دن وہ شام کو اکیڈمی جاتا تھا اس نے اپنے سامنے پڑی قابل اٹھا کر کھولی۔

گنثار نے گھڑکی کا شیشہ صاف کرتے کرتے اس کی طرف دیکھا اور پھر بیڑھیاں پھلائی، ڈسٹر ملائی ہوئی اس کے قریب آئی اور سلی کے ساتھ اتر میں پولی۔
 ”بس آپ فگر نہ کرو جی ابھی وہ لوگ چلے جائیں گے صرف سن دم اور لاؤنج میں ہی اسپرے کرنے کو کہا تھا صاحب نے آپ تاک پر یوں ہاتھ رکھ کر اپنے کمرے میں چلے جانا۔“ اس نے بایاں ہاتھ تاک پر رکھ کر بتایا۔
 ”وہی آپ آج جلدی کیوں آگئے صاحب تو بی بی جی سے کہہ رہے تھے کہ آپ وہاں سے آئیں گے۔“ گنثار کو بہت بولنے کی عادت تھی اس نے اکثر ناتو کے کمرے میں اسے ڈسٹنگ کرتے اور صفائی کرتے ہوئے مسلسل بولتے دیکھا تھا۔

گنثار نوران کی بیٹی تھی چار سال پہلے نوران اور گنثار اس کے گھر آئے تھے نوران کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک گنثار سے بڑی ایک پھولی۔ بڑی بیٹی کو نوران ڈینس میں ہی کسی اور گھر میں رکھوایا ہوا تھا۔ خود نوران اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ ان کے سرپرست کو لہڑ میں رہتی تھی۔ گنثار اس کے ساتھ ہی اندر کام کرتی تھی اور اس کا شوہر بھی مامون انصاری کے فیس میں چیز اچھی تھا۔

”آج اسکول میں گیمز میں اس لیے گھر آ گیا تاکہ کچھ پڑھ سکوں اور وقت ضائع نہ ہو۔“ ہارون نے گنثار کی بات کا جواب دیا وہ بہت نرم مزاج تھا اور آج تک اس نے کسی ملازم سے لڑائی و لڑام میں بات نہیں کی تھی۔
 ”آپ گیمز میں حصہ نہیں لیتے ہارون بھائی۔“ گنثار نے آٹھمیں پھیلا کر ہارون کی طرف دیکھا۔
 ”مجھے تو جی بہت شوق تھا کھیلنے کا ادھر مازی دالے پنڈ

میں ہمارے اسکول میں جب گیمز ہوتی تھیں تو میں بالکل چھٹی نہیں کرتی تھی۔ سارے اسکول کو جھنڈیوں سے سجاتے تھے۔ بہت سارے کھیل ہوتے تھے لیکن یہ کرکٹ اور ہاکی جیسے بڑے کھیل نہیں ہوتے تھے پھر بھی مجھے بڑا مزہ آتا تھا۔

جائی ریس، سادی ریس، ریٹ ریس وغیرہ ویسے مجھے تو کرکٹ کھیلنے کا بھی بہت شوق تھا۔ کئی دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عمران خان ہوں اور یہ چوکے پہ چوکا چھٹے پہ چمکا لگا رہی ہوں۔“ اس نے ذرا سی آنکھیں میچ کر ڈسٹر کو بلے کی طرح استعمال کیا۔

ہارون نے بے حد دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا وہ تقریباً تیرہ سال کی ہوگی۔
 ”عمران خان تو لڑکا ہے۔“

”ہاں تو کیا ہوا خواب میں تو لڑکا ہی ہوتی تھی میں۔“ اس نے تاک سے کھسی اڑائی۔

ویسے تو آج کل لڑکیاں بھی کرکٹ کھیلتی ہیں میں نے ٹی وی پر دیکھا ہے مجھے بہت شوق تھا پڑھنے کا لیکن ماں نے پانچویں میں آتے ہی اسکول سے اٹھالیا ہمارے پنڈ میں پانچویں تک اسکول تھا لیکن ماں نے تو پانچ بھی نہیں پڑھنے دیں۔ بس چار بجائیں ہی پڑھ سک اور ہم شہر آگئے۔ اتنا فرض جو پڑھ گیا تھا ہائے کہا وہ اتارنا ہے۔“

اس کا ریکارڈ چل پڑا تھا انوار سے ڈانٹتی رہتی تھیں کہ تموڑی ہاتھیں کیا کر لیکن جب وہ شروع ہوتی تو بولے ہی چلی جاتی۔ آج سے پہلے ہارون نے بھی اس کی باتیں دھیلنے سے نہیں سنی تھیں بلکہ اس نے ہارون سے اتنی باتیں بھی کی ہی نہیں تھیں۔ وہ اسے کچن میں کام کرتے ڈسٹنگ کرتے دیکھتا تھا۔

کبھی اس نے پانی منگوایا۔ کبھی چائے یا کبھی کسی اور چیز کی ضرورت پڑ گئی تو وہ خاموشی سے لا کر رکھ دیتی تھی۔ نالو سارے کام اپنی گھرانی میں کرتی تھیں اس سے گنثار آج ہارون کو اس کی باتیں اچھی لگ رہی تھیں اس کے دوستوں میں سے کوئی بھی اس طرح کی باتیں نہیں کرتا تھا اس نے

ایسی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔

”آپ نے کبھی کسی کھیل میں حصہ نہیں لیا؟“ وہ پوچھ رہی تھی ہارون نے چونک کر اسے دیکھا اور نگلی میں سر ہلا دیا۔

”ہم جب ادھر تھے تو اپنے گاؤں ماڑی والا پنڈ میں تو بہت کھیلتی تھی میں پنڈو گرم ہنسا پو.....!“

”یہ تمہارے گاؤں کا نام کتنا عجیب ہے۔“ ہارون نے اس کی بات کاٹ دی تھی..... اوہ وہ جی ادھر چھ سات پنڈ ساتھ ساتھ ہیں نا تو جو ہمارا پنڈ ہے اس میں دو میں بڑے بڑے کچے گھر ہیں اور ان میں بڑی ماڑیاں میرا مطلب اوپر والی منزل میں بڑے کھلے ہو اور کمرے ان کو ماڑی کہتے ہیں تو اس لیے ہمارے پنڈ کو ماڑی والا پنڈ کہتے ہیں۔“ اس نے تفصیل بتا کر گروں اونچی کی اور پھر جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے بولی۔

”میں تو بھائی بہت کھیلتی تھی گلی ڈنڈا کی بھی مجھے بڑی پریکٹس تھی ادھر گاؤں میں ”سرپاک“ کے سامنے والے میدان میں ہم گلی ڈنڈا کھیلتے تھے سرپاک کا مطلب سمجھتے ہیں نا آپ صاف پانی کا بڑا سا تالاب تھا۔ اب تو خیر وہاں جانور نہاتے ہیں لیکن پھر بھی سرپاک ہی کہتے ہیں اسے بارش کا پانی ہوتا ہے وہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ مجھے بڑی پریکٹس تھی گلی ڈنڈا کھیلنے کی یہ بچوں کر کے گلی اٹھاتی تھی یوں تیر کی طرح اڑتی جاتی تھی۔ لڑکے تو ڈھونڈتے ہی رہ جاتے تھے۔ بے چارا ناصر مستریوں کا جینا تھا روز دو تین گھنٹوں سے بھاگتا تھا اور.....“ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اتنی شاید کوئی بات یاد آگئی تھی۔ ہارون حیرت سے اسے سن رہا تھا اسے نہ تو گلی ڈنڈے کا پتا تھا نہ اسٹاپو کا اس نے یہ کھیل کبھی نہیں کھیلے تھے بلکہ اس نے تو آؤٹ ڈور کوئی کھیل بھی کھیلا ہی نہ تھا البتہ اس کے روم میں ان ڈور گیمز کا ڈھیر تھا پلے اسٹیشن سے لے کر لنڈ اور کیرم بورڈ تک تھے اسکول جاتے یا پاپا کے ساتھ کہیں باہر جاتے ہوئے اس نے بچوں کو سڑک کے کنارے پارکوں میں فٹ بال یا کرکٹ کھیلتے دیکھا تھا لیکن اس کا بھی جی

نہیں چاہتا تھا کہ وہ بھی ان کی طرح پارک میں یا باہر سڑک کے کنارے کھیلے۔ شاید اسے بچپن میں ہی باور کرا دیا گیا تھا کہ اسے گھر میں ہی کھیلتا ہے ان بچوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بنایا پھر جو بھی تھا اس نے ان بچوں کے ساتھ پارک میں جا کر کھیلنے کی بھی خواہش نہیں کی تھی ورنہ اگر وہ خواہش کرتا تو مامون انصاری ضرور کوئی نہ کوئی بندوبست کر دیتے جیسے ایک بار گرمیوں کی ایک دوپہر میں نمبر کے پاس سے گزرتے ہوئے بچوں کو ٹیکریں پہننے نہر میں چھلا تھیں لگاتے اور نہاتے دیکھ کر اس نے مامون انصاری سے پوچھا تھا۔

”پاپا ان بچوں کو ڈر نہیں لگتا کیا یہ ڈوب بھی تو سکتے ہیں۔“ وہ بچے تقریباً اس کے ہم عمر تھے۔

”نہیں مامون تیرا آتا ہے۔“ پاپا نے بتایا۔

”کیا میں تیرا نہیں سیکھ سکتا۔“ اس نے پوچھا تھا۔

”کیوں نہیں۔“ دوسرے روز ہی مامون انصاری اسے ایک سوئمنگ کلب میں لے گئے تھے یہ الگ بات تھی کہ اسے سانس کی تکلیف تھی اور وہ تیرا کی نہیں سیکھ سکا تھا۔

”پتا ہے۔“ اس نے ہنستے ہنستے ہارون سے کہا تو ہارون چونکا۔

”اس روز اماں میدان میں آگئی تھیں اور مجھے ناصر سے اور ضیے کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھ کر بالوں سے پکڑ کر جھوننا دیا۔“ اس نے قریب آئی گڈی کو بالوں سے پکڑ کر جھوننا دیا۔ نوویں سالہ گڈی منہ بسور نے لگی۔

”اب روئے نہ لگ جانا میں نے تجھے مارا تھوڑا ہے میں تو ہارون بھائی کو بتا رہی تھی کہ اماں نے مجھے ایسے بالوں سے پکڑا تھا۔“ اس نے ہاتھ پھر گڈی کے بالوں کی طرف بڑھائے۔

”نا..... نا..... مت کرو ایسا مت کھینچو اس کے بال۔“ ہارون نے ہاتھ اٹھا کر بے اختیار اسے روکا۔

”مجھے سمجھا گئی ہے۔“

”اماں منع کرتی تھیں مجھے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے سے وہ کہتی تھیں لڑکوں کے ساتھ کھیلنے سے سر پر سینک لگتے

ہیں۔ وہ پھر ہارون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”لیکن گلی ڈنڈا تو صرف لڑکے کھیلتے تھے تا اور مجھے مزہ آتا تھا گلی ڈنڈا کھیلنے میں لڑکیاں تو اور ہمارے پنڈ میں صرف کیے، چھین چھپائی، چور سپاہی اور ہراسنند کھیلتی تھیں یا پھر اسٹاپ اور.....“ وہ شاید ابھی بہت سے نام گنوائی کہ ہارون نے جھکتے جھکتے پوچھ لیا۔

”یہ گلی ڈنڈا کیا ہوتا ہے۔“

”اوہ جی۔“ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھی۔

”یہ تو جی بس سمجھ لیں کہ کرکٹ کی طرح ہوتا ہے میرا دادا کہتا تھا انگریزوں نے ہمیں گلی ڈنڈا کھیلتے دیکھ کر ہی کرکٹ کھیلنا شروع کیا تھا۔“

”اچھا تو گلی ڈنڈا کرکٹ کی طرح ہوتا ہے۔“ ہارون

نے بے حد اشتیاق سے پوچھا۔

”نہیں جی.....“ وہ پھر ہنسی۔

”تو وہ میرا دادا کہتا تھا، گلی ڈنڈا کھیلنے کے لیے پہلے کچی زمین میں یہ چھوٹا سا گڑھا کھودتے ہیں اور پھر اس پر گلی رکھ کر پھینکی (لکڑی کا قدرے چھوٹا سا ڈنڈا) سے تھکتے ہیں اور گلی بالکل شاید فریدی کے چھکے کی طرح اڑتی ہوئی جاتی ہے۔“ وہ باقاعدہ ایکشن کر کے بتا رہی تھی۔

جب ہی اس نے گلزار کا دو چا کھینچا۔

”گھو..... گھو..... اماں نے کہا ہے ذونبی بی بی کے جوس کا نام ہے یہاں نہیں جوس بنا کر دو۔“

”ہائے میں مر گئی مجھے یاد ہی نہیں رہا مرن جو کیسے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑا جھارون گڈی کو تھمایا۔

”یہ ادھر والی کھڑکی کے شیشے صاف کر دے۔“ اس نے اپنا دوپٹا جو سر سے سرک گیا تھا درست کیا تا نو کا سخت قسم تھا کہ وہ دوپٹا ابھی طرح لپیٹ کر کام کیا کرے۔ گلے میں ڈال کر نہ پھرتی پھرے گھر میں جو ان لڑکا ہے۔

وہ دوپٹا لپیٹ کر ہٹا دے کی طرف بڑھ گئی۔ ہارون نے اسے ہٹا دے کی تین سیزھیاں چڑھتے اور پھر اندر گھر میں جاتے دیکھا۔ یہ باتیں جو گلزار نے کی تھیں اس کے

میری بیوی

بچہ! اگر سچے دل سے ربت سے دعا کی جائے تو وہ پوری ہوتی ہے۔“

اسٹوڈنٹ: ”رہنے دیں اگر ایسا ہوتا تو آپ میری بیوی ہوتیں۔“

خود اعتمادی

ایک لڑکی خود اعتمادی کے موضوع پر تقریر کر رہی تھی کہ انسان کو چاہیے جو دل میں ہون زبان پر لا کر کہہ دے۔ اچانک سامنے والی قطار سے لڑکا اٹھا اور بولا۔

”آئی لو یو۔“

عاصمہ رحمان..... ہارون والا

لپے نئی اور انوکھی تھیں۔ گلی ڈنڈا چور سپاہی اس کے لمبوں پر بدہم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی لیکن اس نے فوراً ہی ہونٹ بچھینچ لیے اسے لگا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار مسکرایا ہو اپنی ہی مسکراہٹ اسے عجیب سی لگی تھی وہ بچپن سے ہی بہت سنجیدہ تھا وہ کبھی کبھی کھل کر نہیں ہنستا تھا کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی بھی چیخ چیخ کر گڈی کی طرح نہیں رویا تھا اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنی ماما کو بیمار دیکھا تھا۔ خوب صورت بریولر جس کی نازک سی ماما ہر وقت کمرے میں بیڈ پر لیٹی رہتی تھیں۔ کبھی کبھی نرم و گداز نگہوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتیں ان کی رنگت بے حد سفید تھی چھبلی جس کی اس میں سرخی نہیں تھی۔ ان کے کمرے میں سائیز ٹیبل پر دو اول کا ڈبیر بڑا رہتا تھا ٹیبلٹ سیرپ اور جانے کیا کچھ ڈاکٹر باقاعدگی سے ان کا چیک اپ کرتے تھے لیکن پھر بھی وہ ٹھیک نہیں ہوتی تھیں یونہی زرد زرد رنگت کے ساتھ کئی بار اس نے انہیں اسپتال جاتے بھی دیکھا تھا اور جب ہفتہ دن دن بعد واپس آتیں تو اسے پہلے سے بھی زیادہ غم حال اور بیمار لگتی تھیں پاپا نے اسے ان کے کمرے میں جانے سے منع کر رکھا تھا پھر بھی اس کا جی چاہتا تھا وہ ان کے کمرے میں جائے ان کے بیڈ پر خوب اٹھنے کو دے شور مچائے ان کی گود میں لیٹ جائے ان کے گلے میں بانہیں

ڈال کر ان کے رخساروں پر یوسدے سے علاوہ بھی اسے اپنی گود میں لے کر پیار کریں لیکن پایا اسے مانا کے کمرے میں جانے ہی نہیں دیتے تھے بس بھی بھی اسے ساتھ لے کر جاتے اور مانا کے بیڈ سے دور اس کی انگلی پکڑے کھڑے رہتے۔ وہیں کھڑے کھڑے باتیں کرتے تھے وہ چپ چاپ کھڑا نہیں دیکھتا رہتا مانا اسے دیکھتیں تو اسے ان کی آنکھوں میں حسرت سی نظر آتی جیسے وہ چاہتی ہوں وہ ان کے قریب آئے ان کے پاس جا کر بیٹھے اسے ایسا ہی لگتا تھا لیکن پایا مضبوطی سے اس کی انگلی پکڑے رکھتے تھے اور پھر اپنے ساتھ ہی لاتے تھے بھی بھی جب پایا گھر پر نہ ہوتے تو وہ مانا کے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا جاتا تھا وہ سو رہی ہوتی تو پاس کھڑا دیکھتا رہتا تھا کئی بار مانا نے اسے دروازے سے جھانکتے دیکھ کر اشارے سے امداد بلالیا تھا اور اس سے باتیں بھی کی تھیں اس کی پڑھائی کے متعلق اسکول کے متعلق اور بھی وہ بلا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر بس اسے دکھاتی رہتی تھیں اور آنسو رخساروں پر پھسلنے لگتے گرون سے ہوتے تکیے میں جذب ہوتے رہتے تھے سو وہ اس طرح تو کبھی نہیں ہنساتا تھا جس طرح گلنار ہنستی تھی بلکہ اسے تو مسٹر بین دیکھ کر بھی کبھی ہنسی نہیں آتی تھی۔ بس سپاٹ چہرے کے ساتھ دیکھتا رہتا تھا جبکہ اس کے دوست اور کزن مسٹر بین دیکھتے ہوئے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے اور یہ گلنار بھی کمال ہے کتنا ہنستی ہے اور کتنی مختلف اور انوکھی باتیں کرتی ہے کسی ونڈر لینڈ جیسی انوکھی اس کی کلاس میں لڑکیاں بھی نہیں سارہ، رابعہ، ہارہ، خرم، تیمور، تانیہ نہ صرف اس کے کلاس فیلو تھے بلکہ فیملی فرینڈز بھی تھے گئی بارہ پایا کے ساتھ ان کے گھر گیا تھا اور کئی بار وہ اس کے گھر آئے تھے کسی فری پریڈ میں یا گھر پر ان کے درمیان گفتگو بھی رہتی تھی لیکن یہ گفتگو گلنار کی باتوں سے کتنی مختلف ہوتی تھی۔ آئی فون، میس بک، گوگل، یوٹیوب، یار موویز، ٹیب، سیل فون ان کی گفتگو انہی چیزوں کے گرد گھومتی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر گلنار کی باتیں سوچتا رہا۔

اپنے لیے جبکہ بنائی۔
 ”آؤ بیٹھو میرے پاس۔“
 ”مانا سو رہی ہیں کیا؟“ مانو نے سر ہلایا۔
 ”اچھا۔ وہ خاموشی سے ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا اس کے پاس کرنے کے لیے بہت کم باتیں ہوتی تھیں وہ مانو سے کبھی کم ہی باتیں کرتا تھا مانو کوئی بات کرتی تو وہ جواب دے دیتا تھا۔
 ”تم آج جلدی آگئے بیٹا، ابھی گلنار نے بتایا ہے کہ تمہارے اسکول میں گیمز تھے اور اکیڈمی جانے کا ابھی نام نہیں ہوا تھا۔“
 ”جی۔“ اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور بہت دنوں سے جو سوال اس کے اندر چکر رہا تھا وہ آج لیوں پر آیا گیا۔
 ”مانا کی بیماری ناقابل علاج تو نہیں ہے آج کل تو ہر بیماری کا علاج ہے اور نی بی کوئی ایسی بیماری نہیں ہے کہ اس کا علاج نہ ہو سکے پھر مانا ٹھک کیوں نہیں ہوتی اتنے سال ہو گئے ہیں پایا آخر انہیں باہر کیوں نہیں لے جاتے؟“

لگے ہوں اور وہ پہلے سے زیادہ بیمار ہو جائیں اور اس نے ضد چھوڑ دی تھی وہ اس کی ماما تھیں اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے ان کی بیماری بڑھے۔ لیکن اب اس نے جانا تھا کہ پاپا اپنی اور اس کی حفاظت کے لیے ان کے کمرے میں کم جاتے تھے ماما کے لیے نہیں اسے بحث کی عادت نہیں تھی اور نہ اس روز اس نے سوچا ضرور تھا کہ نانو، نورماں اور گلنار تو ماما کے کمرے میں ہر وقت جاتی رہتی ہیں نانو تو ان کے پیڑ پر بھی بیٹھتی ہیں تو کیا ان کے ساتھ جراثیم نہیں ہوتے پھر وہ صاف کپڑے پہن کر اور ہاتھ اچھی طرح دھو کر جائے گا لیکن وہ یہ سب پاپا سے کہہ نہیں سکا تھا لیکن اس روز نورماں اور صابراہ کی باتیں سن کر وہ بہا تھا ماما کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ نانو ان کے کمرے میں بھی کر رہی تھیں ان کے بے حد لمبے بالوں کو سلجھاتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہی تھیں۔ ماما سے دیکھ کر لہو بھر کر حیران ہوئی تھیں لیکن پھر ایک دم ان کی آنکھوں میں چمک سی آئی تھی اور ہونٹوں پر دمہم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے بیٹا کوئی کام ہے۔“ نانو پوچھ رہی تھیں لیکن وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تھا اور ان کے بے حد خوب صورت تازک ہاتھ اسے ہاتھوں میں لے کر ان پر اپنے ہونٹ رکھ دیے اور ماما کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی تھی۔ انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑایا تھا لیکن وہ بہت دیر تک ان کے پاس بیٹھا رہا تھا نانو نے خوش ہو کر ان سے کہا تھا۔

”زونی اپنے بیٹے کو دیکھو ماشاء اللہ کتنا لمبا ہو گیا ہے بالکل شہزادوں جیسا ہے تمہارا بیٹا۔ تمہارے لیے او اس رہتا ہے اس کی خاطر ہی اپنے اندر زندہ رہنے کی امنگ پیدا کرو۔“

”اماں یہ اپنے باپ کے ساتھ بہت خوش ہے، ماموں اس کا بہت خیال رکھتے ہیں بہت محبت کرتے ہیں اس سے یہ میرے بغیر رہنے کا عادی ہے۔“ ان کی آواز ان کا لہجہ بہت خوب صورت تھا۔

”اماں۔“ اس نے پھر ان کے ہاتھ تھام لیے تھے۔

”ہاں یہ کوئی ناقابل علاج بیماری نہیں ہے کہ جس کا علاج نہ ہو اور نہ ہی یہ ایسی بیماری ہے جس کے لیے باہر جانے کی ضرورت ہو۔“ نانو نے ایک شخصندی سانس بھری۔

”لیکن کچھ روگ لا علاج ہوتے ہیں جتنا بھی علاج کرو بے فائدہ، جان کو چٹ جاتے ہیں اور یہ روگ تمہاری ماما کی جان کو بھی چٹ گیا ہے۔“

سال بھر پہلے تک وہ ماما کی بیماری سے لاعلم تھا اور نہیں جانتا تھا کہ انہیں کیا بیماری ہے نہ بھی نانو نے بتایا نہ پاپا نے اور نہ ہی کسی اس نے خود پوچھا اس کسی نانو کے کہنے پر ہاتھ اٹھا کر ان کی صحت کے لیے دعا مانگ لیتا تھا لیکن سال بھر پہلے وہ سن دم کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور باہر کھڑکی کے پاس کپڑے دھونے والی صابراہ نورماں سے پوچھ رہی تھی۔

”تیری باجی کو کیا بیماری ہے نورماں صاحب کا حکم ہے کپڑے اٹھتے پانی میں دھوئے جائیں اور پھر فینول والے پانی میں کھنگالے جائیں۔“

”انہیں بی بی ہے صابراہ۔“ نورماں نے بتایا تھا۔

اور صابراہ کے منہ سے حیرت سے نکالا تھا۔

”یہ..... یہ تو غریبوں والی بیماری ہے ڈاکٹر کہتے ہیں پھل دودھ اور اچھی خوراک نہ ملنے سے ہوتی ہے۔ میرے جیٹھ کو بھی بی بی ہے نا ڈاکٹر کہتے ہیں اسے اچھی خوراک دو اور یہاں بھلا کس چیز کی ہے بیٹا ڈاکٹر بھی بس۔“

”تو ماما کو بی بی ہے۔“ وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔

”یہ چھوت کی بیماری ہے۔“ ایک بار اس نے پاپا کو کہتے سنا تھا اور اس روز اسے پاپا کے اس جنون کی وجہ سمجھ آئی تھی کہ وہ اتنی باقاعدگی سے جراثیم کش دوائیوں کا اسپرے کیوں کرتے تھے ہر روز فینائل میں بیٹیکا پونچھا کیوں لگایا جاتا تھا اور وہ ماما سے اتنی دور کھڑے ہو کر بات کیوں کرتے تھے ایک بار بچپن میں اس نے ماما کے پاس سونے کی ضد کی تھی تو انہوں نے اسے سمجھایا تھا کہ وہ بیمار ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تمہارے کپڑوں یا ہاتھوں میں جراثیم

”اسے میری ضرورت نہیں ہے..... ماں۔“ انہوں نے پھر ہاتھ کھینچ لیے تو اس نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے ان کی بہت ضرورت ہے وہ ان کے بغیر بہت خالی خالی ہے زندگی سے خالی، لیکن وہ بہت کم گو تھا بہت کم بات کرتا تھا وہ مانا سے کچھ نہیں کہہ سکا تھا لیکن اس روز کے بعد وہ اکثر ان کے کمرے میں چلا جاتا تھا وہ سو رہی ہوتی تو پاس بیٹھ کر انہیں دیکھتا رہتا جاگ رہی ہوتی تو کوئی نہ کوئی بات کر لیتا۔ مانو سے اس نے کہا تھا کہ ہر وقت کمرے میں بند رہنے سے تو صحت مند آدمی بیمار ہو جاتا ہے آپ مانا کو باہر کیوں نہیں لاتیں، وہ باہر نکلیں گی تو صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔“

”وہ میری بات کب مانتی ہے..... ہانی۔“ مانو کے بچے میں بے بسی تھی۔

تب وہ اصرار کر کے خود ہی انہیں باہر لانے لگا۔ کبھی لاؤنج میں کبھی باہر لان میں لیکن وہ جلدی بیزار ہو جاتیں اور واپس کمرے میں چلی جاتیں۔

ان ہی دنوں جب مامون انصاری نے اسے زونیرہ کے کمرے میں آتے جاتے دیکھا تو سمجھا یا تھا۔

”وہ تمہاری ماں ہے ہانی اور تمہارا اس سے لگاؤ بھی فطری ہے پھر بھی تمہیں احتیاط کرنی چاہیے اب تم بچے نہیں ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ انہیں ٹی بی ہے اور اس کے جراثیم بہت سخت جان ہوتے ہیں یہ چھوت کا مرض ہے۔“ اس نے پیپا کی بات سن لی تھی لیکن ماما کے کمرے میں جانا نہیں چھوڑا تھا۔ مانا نے اس ایک سال میں اس سے بہت کم باتیں کی تھیں حالانکہ اس کا کتنا جی چاہتا تھا کہ وہ اس سے بہت ساری باتیں کریں لیکن وہ آنکھیں موندے یعنی رہتی تھیں کبھی کبھی ان کی رحمت بالکل زرد تھی ہلدی کی طرح اور کبھی بالکل سفید۔ کبھی ان کی آنکھیں بالکل بھٹی ہوئی سی لگتی تھیں زندگی سے خالی اور کبھی اسے دیکھ کر ان میں چمک آ جاتی اور وہ انفسوس کا اظہار کرتیں کہ وہ ایک ماں کی طرح اس کا خیال نہیں کر سکتیں۔

مانو گہری نظروں سے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ

رہی تھیں۔

”تمہاری مانا جینا ہی نہیں چاہتی ہانی اور جب کوئی جینا ہی نہ چاہے تو سب علاج بے کار جاتے ہیں۔“ بڑی دیر بعد مانو نے اپنی بات مکمل کی تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”کیوں مانو، کیوں جینا نہیں چاہتیں؟“ مانو ایک گہری نمندگی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”آج مامون نے بھی لہج گھر پر کرنے کو کہا تھا دیکھوں تو یہ لگن رکیا کر رہی ہے جب تک سر پر نہ کھڑی ہوں کام کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا اس کا بس باتیں سن لو اس کی۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی انہیں قرآن شریف حیلے میں رکھا اور باہر چلی گئیں انہوں نے ہارون کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور ہارون کو جیسے بوجھنے کے لیے ایک پھیلے دو سے دی تھی۔ آخر مانا کیوں جینا نہیں چاہتی کیا وہ پیپا کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔ لیکن پیپا..... کیا پیپا جیسے شخص کے ساتھ بھی کوئی عورت ناخوش رہ سکتی ہے؟“

کچھ دیر سونے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا ابھی لہج میں نام تمہارا سے اکیڈمی میں ہونے والے نمیسٹ کی تیاری کرنی تھی۔ اس نے اپنے روم میں آ کر کتاب اٹھائی لوٹ بک کھولی لیکن ذہن بار بار مانو کی کہی گئی بات کی طرف چلا جاتا تھا۔ خرمانا کیوں نہیں زندہ رہتا چاہتیں۔ میں، پیپا، مانو کیا ہم میں سے کوئی ایک بھی ان کے لیے جینے کا جواز نہیں بن سکتا۔ عیناً وہ اپنی بیماری سے بھگتا گئی ہیں اس لیے جینا نہیں چاہتیں۔ بلا آخر اس نے خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور کتاب بند کر کے نیرس کا دروازہ کھول کر نیرس پر آ گیا۔ اس کے بیڈ روم کے نیرس سے جیلانی پارک کا پورا سبزہ زار نظر آتا تھا اس نے دیکھا وہاں چند بچے کھیل رہے تھے اگرچہ شخص کا دل تھا پھر بھی کچھ بچتے بچتے ہوئے تھے۔ چند بچے ایک فٹ بال کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ دو بچے ایک سائیکل پر بیٹ ہال کھیل رہے تھے ایک بچہ بھگتے بھگتے گریز تو سب بچے ہنسنے لگے اسے ان کی ہنسی کی آواز سنائی نہیں دی تھی لیکن اس نے تصور میں انہیں ہنسنے دیکھا وہ اس طرح بھی کسی پارک میں جا کر نہیں

لے لیا۔

”ماما منہ کھولیں پلیز۔“ زبیرہ نے منہ کھول دیا اور ہارون انہیں اپنے ہاتھوں سے بخنی پلانے لگا۔

دل میں خوش گواری حیرت چھپائے مانو کچھ دیر کھڑی ہارون کو زبیرہ کو بخنی پلاتے دیکھتی رہیں۔ پھر باہر چلی گئیں ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ منتوں کے ہاں جو ایک دو گچ لے کر باؤل ہاتھوں سے پرے کر دیتی تھیں۔ تو کیا ہارون کی توجہ میری زدنی کے اندر زندگی کی وہ امنگ پیدا کرے گی جو مر چکی ہے وہ یکن میں گھٹنا کو کام کرتے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھیں جب ہارون نے خالی باؤل لا کر سلب پر رکھا۔ انہوں نے خالی باؤل کو بھی اسی خوش گواری حیرت سے دیکھا اور ہارون کو لاؤنج میں بیٹھنے کے لیے کہا۔

”میں بس کھانا لگوانے لگی ہوں تم کچھ دیر بیوی دیکھو۔“

”لیکن پاپائے آج لہج گھر پر کتنا کیا ان کا انتظار نہیں کریں گی۔“

”ہاں ماموں کا فون آ گیا تھا نہیں آ سکتا وہ۔“ وہ اسے بتا کر گھٹنا کو کچھ ہدایت دے لگیں تو وہ یکن سے باہر نکل آیا لاؤنج میں ابھی بھی ہلکی ہلکی جھک تھی۔ زبیرہ تھک گئی تھی اور آرام کرنا چاہتی تھی اس لیے وہ وہاں رکتے کے بجائے پھر لان میں چلا آیا لوریاں اب پوریج دھو کر باہر گیٹ کے سامنے دلی جگہ دھو رہی تھیں۔ وہ کھلے گیٹ سے باہر نکل آیا سامنے خالی پلاٹ میں جھکیوں والے بچے ایک چوڑی چوکی کے ساتھ کرکٹ کھیل رہے تھے وہ ہٹ لگاتے بال کے پیچھے دوڑتے اور زور سے ہتے ہوئے بہت خوش ہو رہے تھے۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا نہیں دیکھا رہا پھر وہاں ایک شخص آ گیا جس نے ایک ہاتھ میں لسبا بس اٹھا رکھا تھا جس کے سرے پر کوئی چیز لٹی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ٹھنسی بھی جسے وہ زور و شور سے بجا رہا تھا لڑکے کے کھیلنا چھوڑ کر اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے اور کچھ لڑکے اپنی جھکیوں کی طرف بھاگ گئے تھے وہ چند قدم آگے بڑھ کر دیکھنے لگا اس شخص

کے کندھے پر ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا جس میں سے وہ سر کنڈے کی پتلی تیلیاں نکال کر پانس پر لپیٹے ہوئے میٹرل کو جو ریز کی طرح لگ رہا تھا کھینچ کر مختلف روپ دے رہا تھا۔ چیزیاں طوطے، اس کے ہاتھوں سے بن کر بچوں کے ہاتھوں میں خنسل ہو رہے تھے۔ وہ بچے جو جھکیوں کی طرف بھاگے تھے غالباً پیسے لے کر آئے تھے اور اب شور مچا رہے تھے۔

”چا چا مجھے چڑیا بنا دو، مجھے حقہ، مجھے کبوتر۔“ وہ کچھ اور آگے بڑھا اور وہ کسی سے اسے حقہ بناتے دیکھنے لگا اس کا جی چاہا وہ بھی ایک حقہ بنوائے اور زبان لگا لگا کر چو سے وہ کچھ دیر بچوں کو دیکھتا رہا۔ بچے دلا اب ڈنڈا بلند کیے ٹھنسی بجاتا جا رہا تھا وہ بھاری دل کے ساتھ اندر آ گیا اسے لگا جیسے وہ مصنوعی زندگی گزار رہا ہے حاصل زندگی تو ان بچوں کی اور گھٹنا کی ہے۔

اس نے گھٹنا کی طرف دیکھا وہ دوپٹا اچھی طرح لپیٹے کھانا لگا رہی تھی۔ کھانے کی ٹیبل پر صرف وہ اور مانو تھے نہ جانے کس بات پر مانو نے گھٹنا کو ڈانٹا لیکن یہی کی طرح گھٹنا پر اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ برتن لگا کر چلی گئی اور یکن میں کھڑی نہ جانے کس بات پر گڈی کو جھڑک رہی تھی۔ اس نے مانو کی طرف دیکھا۔

”یہ گھٹنا گڈی کو ڈانٹ رہی ہے۔“

”تم کھانا کھاؤ۔“ مانو نے اس سے کہا۔

”اس کی تو عادت ہے اور یہ گڈی کجنت بھی بڑی ضدی ہے کھاؤ کے کھلونے لینے کی ضد کر رہی ہے یہ بھی ہر دوسرے دن ٹھنسی بجاتا آ جاتا ہے۔“

”اب تو وہ چلا گیا ہوگا نہیں تو وہ اسے ضرور لو لواتا۔“

اس نے سوچا اور کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گیا اس کا دل اب اکیڈمی جانے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا جانتا تھا پایا کو بتا چلا کہ وہ بلا وجہی اکیڈمی نہیں گیا تو وہ ناراض ہوں گے پھر بھی وہ بیڈ پر لیٹ گیا اور اپنی اور گھٹنا کی زندگی کا موازنہ کرتا رہا اور پھر یونہی سوچتے سوچتے سو گیا اور پھر اگلے کئی روز تک وہ گھٹنا کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا رہا کہ وہ

میں گڈی کی آواز بھی شامل تھی۔ سیا واہیں دائیں طرف سے آ رہی تھیں اس نے اٹھ کر دیکھا وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے تیز تیز گھوم رہی تھیں ان کے گھومنے میں ہولے ہولے شدت آ رہی تھی اور ساتھ ہی آواز بھی بلند ہو رہی تھی۔ بے معنی سے بولتے تھے ہارون کو سمجھ نہیں آئے تھے یک دم ہی گڈی کی نظر اس پر پڑی تھی اور اس نے گلزار کا ہاتھ چھوڑ دیا گلزار چکرائی ہوئی پلر سے چکرائی اور پھر زمین پر گر گئی۔ وہ یک دم ہی اس کی طرف بڑھا وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔

”گلزار چوٹ لگی ہے۔“ گلزار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور فس دی۔

”جی، لگ جاتی ہے چوٹ کبھی کبھی۔“ اس کے ماتھے پر بڑا سا گومز بنا ہوا تھا اس نے دوپٹے کا ایک کونا گول سا لپیٹ کر اس پر پھونک مار کر گومز پر رکھا اور وضاحت کی۔

”ہو جاتا ہے ہانگی میں ایسا جب کوئی اچانک ہاتھ چھوڑ دے۔“

”وہ گلزار کو چوٹ لگ گئی ہے۔ اوٹ پنا لگ کھیل ایجاد کیے ہوئے ہیں اس نے۔“ ماما کے پاس ہی دوسری کرسی پر بیٹھے ہوئے اس نے بتایا۔

”صدیوں سے لڑکیاں ہانگی ڈالتی ہیں اور ہانگی میں کبھی کبھی ہاتھ چھوٹ جائے تو چوٹ لگ ہی جاتی ہے سر گھومنے لگتا ہے۔“

”تو جب پتا ہے کہ چوٹ لگ جاتی ہے تو پھر ایسا فضول کھیل کھینے کی کیا ضرورت ہے۔“ وہ ابھی تک گلزار کے ماتھے پر ہن جانے والے گومز کے متعلق سوچ رہا تھا۔

”تو چوٹ لگ جانے کے خوف سے کوئی پسندیدہ کھیل کھینا تھوڑی چھوڑ دیتا ہے جیسے لوگ پہاڑوں کو سر کرتے ہیں اونچی بلند چوٹیوں تک جاتے ہیں۔ انہیں پتا نہیں ہوتا کہ وہ اوپر پہنچ پائیں گے یا مرجائیں گے پھر بھی برسوں پہلے لوگ پہاڑ سر کرنے کے لیے گھر سے نکلتے ہیں اور ایسے ہی کوئی اور کھیل تو۔“ انہوں نے ہارون کی طرف دیکھا اور مسکرائیں۔

کام سے فارغ ہونے کے بعد کیا کرتی ہے کیا کھیلتی ہے اور کیا باتیں کرتی ہے حیرت انگیز طور پر اس کی ہر حرکت اسے دلچسپ لگتی غیر مخصوص طور پر اس کی مدینہ بدل گئی تھی وہ صبح اسکول جانے سے پہلے ماما کے کمرے میں باقاعدگی سے جانے لگا تھا جب وہ انہیں خدا حافظ کہتا تو ان کی نم آنکھوں کی چمک اسے خوش کرتی اور وہ سوچتا کاش اسے پہلے ایسا خیال آ جاتا تو وہ ماما کو یہ خوشی دے سکتا تھا اسکول سنانے کے بعد بھی وہ ماما کے پاس بیٹھنے اور اپنے تجربے شیئر کرنے لگا تھا اس کے پاس ماما سے شیئر کرنے کے لیے اب ہر روز کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوتی تھی۔ چلات میں کھیلتے بچوں کی ایک ٹیوشن گلزار کی باتیں اور حرکتیں وہ ماما کو بتاتا تو وہ بہت شوق سے سنتی اور پھر وہ بھی اپنے بچپن کی کوئی نہ کوئی بات یاد کر کے اس سے شیئر کرتی جب اس نے چڑیوں، طوطوں والی میٹھی چیز کی بات انہیں بتائی تو انہوں نے کہا ہاں ہمارے گاؤں میں بھی چاچا خیر وہاں پروہ ریڑھی چینی چینی لپٹے دوہا سے ہی لٹھی بجاتا آتا تو سب بچے لٹھی کی آواز سن کر کھٹے ہو جاتے تھے۔ میں نے بھی کئی بار سرخ سبز دھاریوں والی چڑیاں اور طوطے بوائے تھے لیکن یہاں لاہور میں، بھلا ایسی چیزیں بیچنے والا کہاں سستا تھا۔

”ہو سکتا ہے وہ بھی جھکیوں کا کوئی ٹین ہو۔“ اس نے خیال غاہر کیا تو ماما نے اسے بتایا کہ ان کے گاؤں میں ایک شخص کٹری کا ڈبا اٹھائے آتا اور ڈبے کے اندر لگی مشین میں چینی ڈالتا تو ایک دم وہ چینی دھنکی ہوئی روٹی کی طرح بن جاتی۔ رنگ برنگی جھاگ جیسی روٹی منہ میں ڈالتے ہی گھل جاتی تھی۔“

وہ ماما کی ہر بات بہت شوق سے سنتا اور ماما کو اپنے ہاتھوں سے کھلا پلا کر بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ ماما کو کبھی کبھی لان میں لے جاتا تھا ایک دو بار جیلانی پارک میں بھی لے گیا تھا۔

اس روز بھی وہ ماما کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا کہ اس کے کانوں میں گلزار کے اونچا اونچا گانے کی آواز آئی جس

”ایسے ہی لڑکیاں بھی ہلکی ڈالتی ہیں بڑی تعمرل ہوتی
ہے ان میں۔“

دس سال کا تھا تب اور میں پانچ سال کی تھی۔ ”رعمان کے
متعلق بتائے ہوئے زونیرہ کا چہرہ کھل اٹھا اور آنکھوں میں
گہری چمک تھی۔“

”اور اب یہ انکل کہاں ہیں یہ ہمارے گھر کبھی کیوں
نہیں آئے؟“ ہارون نے پوچھا تو ان کا چہرہ یک دم پھیکا پڑ
گیا اور آنکھیں بجھ سی گئیں۔“

”میری شادی کے بعد وہ خالو کے پاس چلا گیا تھا اور
پھر کبھی ہمارے ہاں نہیں آیا ایک بار انہاں نے بتایا تھا کہ وہ
ملک سے باہر چلا گیا ہے۔“ زونیرہ نے چہرہ جھکا لیا تھا اور
آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی تھی وہ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا
تھا کہ اندرونی دروازہ کھول کر نانو باہر آئیں۔“

”زونیرہ، اتنی دیر سے باہر بیٹھی ہو تھک گئی ہوگی۔“ کچھ
دیر آرام کر لو۔“ اور وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
”ہاں کچھ تھکن ہو رہی ہے۔“

مخدرت طلب نظروں سے ہارون کو دیکھتی وہ نانو کے
ساتھ چلنے لگیں اور وہ وہاں بیٹھا نہیں جاتے دیکھتا ہا۔ نانو
کے اندر جانے کے بعد گھنار نے جوان کے تانے پر چھپ
گئی تھی طرکی اوٹ سے دیکھا اور پھر برآمدے میں آ گئی۔

”ہات سنو گھنار۔“ ہانی نے اسے پوری کی طرف
جاتے دیکھ کر بلا لیا وہ غالباً پیچھے اپنے کواڑ ٹرکی طرف جا رہی
تھی۔ مڑ کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اس نے اس
کے ماتھے کی طرف دیکھا۔

”تم نانو سے پوچھ کر کوئی دوا لگا لیا۔“
”اوہ جی آپ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے بے
پرہیزی سے کہا۔

”سنو تم ہلکی ڈالتے ہوئے کچھ کا بھی رہی تھیں کیا؟“
”ہاں..... وہ جی ہلکی کے بول تھے نا۔“
ہلکی گھیل دی

پگ میرے دیویدی
دیویدی منگیدی آئی
چمن چمن کریندی آئی
اس نے ہاتھ دھر لگا کر بتایا۔

”کیا آپ بھی ماما..... کیا آپ نے کبھی اپنے بچپن
میں ہلکی ڈالی تھی۔“ اس نے مڑ کر گھنار کی طرف دیکھا
جواب آلتی یالٹی مارے زمین پر بیٹھی تھی وہ اور گندی شاید
کچھ اور کھیل کھیل رہی تھیں ان کے بھن بھن کی آواز
آ رہی تھی شاید ساتھ ساتھ وہ کچھ گا بھی رہی تھی۔ ہاں
میں بھی کبھی کبھی سہیلیوں کے ساتھ ہلکی ڈالتی تھی بہت
مزا آتا تھا مجھے۔“ ان کی آنکھوں میں یادوں کے جگنو
جھلانے لگے تھے۔

”ٹیک ہار میری سہیلی ناراض ہو کر چلی گئی وہ کہتی تھی وہ
ہلکی نہیں ڈالے گی اسے بہت چکراتے ہیں۔ مجھے اس
پر بہت غصا یا کیونکہ کبھی کسی نے میری بات نہیں مانی تھی۔
میں رونے لگی تو رعمان جو برآمدے میں کرسی پر بیٹھا پڑھ
رہا تھا اس نے مجھے روٹے دیکھا تو میرے پاس آ کر پوچھا
کہ میں کیوں رو رہی ہوں جب میں نے بتایا تو رعمان
نہیں بڑا کہ اس میں رونے والی کیا بات ہے تمہارا ہلکی
ڈالنے کو جی چاہ رہا ہے تو میرے ساتھ ہلکی ڈال لو۔“

”آپ کے ساتھ.....!“ مجھے حیرت ہوئی تھی۔ لیکن
اس نے میرے ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا اور پھر وہ اتنا تیز گھوما
کہ مجھے چکراتے لگے لیکن اس نے میرا ہاتھ بالکل نہیں
چھوڑا تھا بہت ہولے ہولے رکھا تھا میں بہت خوش ہوئی
تھی آپ کو تو بہت اچھی ہلکی ڈالنی آتی ہے میں نے کہا
تو اس نے جواب دیا تھا۔

”ہاں مجھے سب کچھ آتا ہے اب آئندہ اگر کوئی سہیلی
ناراض ہوئی تو مجھے بتانا میں تمہارے ساتھ کھیلوں گا لیکن
پھر کبھی مت رونا۔“

”یہ رعمان کون تھا ماما؟“ ہارون نے پوچھا۔ اس نے
سیا مہکائی بار سنا تھا۔

”رعمان میری خالہ کا بیٹا تھا خالہ کے انتقال کے بعد
خالو نے دوسری شادی کر لی تھی اور سوتیلی ماں ایسے گھر
رکھنے کو تیار نہیں تھی تب ماں اسے حویلی لے آئی تھیں وہ

”لیکن ان بولوں کا تمہارے کھیل سے کیا تعلق ہے۔“
”تعلق ہے نا بھائی گاتے ہوئے لہنگی ڈالیں تو حزا
آتا ہے، جوش آتا ہے۔“ اس کے سانولے رخساروں پر
سرخی تھی۔

”اور وہ جو تم بیٹھ کر کچھ اچھا رہی تھیں۔“ ہارون نے
پھر پوچھا۔

”وہ تو ہم ”بچ کیز“ کھیل رہے تھے۔“

تین تار

رنگل والا

رنگ پیازی

آیا تاشی

اس نے پھر سر لگایا تو ہارون کے لبوں پر مسکراہٹ
نمودار ہوئی۔ مانوجج ہی کہتی ہیں اسے تو بس سچ کرنے کی
ضرورت ہوتی ہے اور شروع ہو جاتی ہے۔

تب ہی نورماں نے دروازہ کھول کر اسے آواز دی۔

”گلو کی بیٹی تجھے کہا تھا بی بی کے کپڑے استری

کر دے اور تو یہاں مری ہوئی ہے۔“ گنار نورماں ہی اندر

بھاگ گئی ہارون نے سوچا کہ کبھی فرصت سے بیٹھ کر گنار

سے گاؤں کی باتیں پوچھے گا کم از کم آج کے لیے ماما سے

شینئر کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ نہ کچھ تھا۔ وہ اپنی نئی

روشن کے ساتھ بہت مطمئن تھا اس بات سے بے خبر کہ

مامون انصاری اس پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور ایک روز

انہوں نے اسے طلب کر لیا۔ گڈی اسے بلانے آئی تھی

مامون انصاری اپنے بیٹروم میں دوڑوں ہاتھ پیچھے باندھے

ٹہل رہے تھے جب وہ کمرے میں آیا رک کر انہوں نے

اس کی طرف سدیکھا۔

”تم جانتے ہو اگلے ماہ تمہارا امتحان ہے۔“

”جی۔“ وہ جانتا تھا۔

”میں چاہتا ہوں تم سب میں ایس ایلو۔“ یہ بھی وہ

جانتا تھا اس میں نیا تو کچھ نہیں تھا۔

”تم آج کل پڑھائی پر توجہ نہیں دے رہے ہو۔“

ہلا خراہوں نے کہا تو اسے حیرت ہوئی۔

ایسا تو نہیں تھا وہ باقاعدگی سے اکیڈمی جاتا اور اسکول
میں ہرنیسٹ میں وہ اچھے نمبر لیتا تھا۔

”تم آج کل باہر پلاٹ میں کھیلنے والے بچوں میں

بڑی دلچسپی لے رہے ہو، یہ جھگیوں والے اللہ جانے کون

انہیں اجازت دیتا ہے جھگیوں بنانے کی اور.....“ بات

لاہوری چھوڑ کر مامون انصاری نے اس کی طرف سدیکھا۔

”یہ آج کل تم زونی کے کمرے میں زیادہ وقت

گزارنے لگے ہو۔“

”ہاں لیکن جب میں فارغ ہوتا ہوں تب ہی ماما کے

پاس جاتا ہوں۔“

”ہاں لیکن.....“ وہ بالکل اس کے سامنے کرکڑے

ہو گئے تھے۔

”تم جانتے ہو وہ بیمار ہے اور اس کی بیماری..... خیر

میں چاہتا ہوں تم زونی کے کمرے میں بہت زیادہ دیر

مت رہا کرو۔“ اس نے مامون انصاری کی بات سنی تھی

لیکن اس پر عمل نہیں کیا تھا وہ اس کی ماما نہیں اور اب وہ

انہیں انکو نہیں کر سکتا تھا اسے لگتا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ

بہتر ہونے لگی ہیں اور وہ سوچتا تھا کہ اگر پاپا نے بھی

انہیں اتنی توجہ دی ہوتی تو شاید اب تک وہ ٹھیک ہو چکی

ہوتیں۔ بہترین ڈاکٹر، مہنگا علاج کسی سے بھی بہتری

نہیں آئی تھی لیکن اب ان کے رخساروں کی رنگت بدلتی

جا رہی تھی اب انہیں بھوک بھی لگتی تھی کھانا بھی کھا لیتی

تھیں نا تو بہت خوش تھیں۔

”ہانی بیٹا اپنی ماں کو کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔“ ایک روز

نانو نے اس سے کہا تھا۔

اور وہ اپنے پیچھے ز کے دوران بھی ماما کو ہاتھ دیتا تھا ان

سے باتیں کرتا اور ان کی سنتا تھا حالانکہ وہ اسے بار بار کہتی

تھیں کہ وہ اپنی پڑھائی کرے وقت ضائع نہ کرے۔

”میرا وقت ضائع نہیں ہوتا ماما آپ کے پاس بیٹھنا

میرے وقت کا بہترین معرّف ہے یہ لمے میرے لیے

بہت بیش قیمت ہیں جو آپ کے پاس گزرتے ہیں۔“ اور

وہ ہنس پڑی تھی۔

”اماں سنا، یہ ہمارا ہانی کیسی پیاری باتیں کرنا
 سیکھ گیا ہے۔“
 ہانا خوش تھیں تو وہ خوش کیوں نہ ہوتا اس روز وہ اپنا
 آخری پیپر دے کر گنگنا بنا ہوا۔ بٹاے سے کی سیرھیاں چڑھ
 رہا تھا جب اس کی نظر گنگنا پر پڑی تھی وہ کونے میں ہلرے سے
 ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ پیپر زکی مصروفیات میں اس نے
 اتنے سارے دنوں سے گنگنا پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ امد
 جانے کے بجائے اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ہاتھ
 میں بوسیدہ سی کتاب تھی۔

”یہ یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہو؟“

”کچھ نہیں جی، یہ پڑھ رہی تھی۔“ وہ کھڑی ہو گئی۔

”یہ کیا ہے۔“ اس نے بحس سے اس کے ہاتھ میں
 موجود کتاب کی طرف دیکھا۔

”یہ ہارون بھائی یہ.....“ پیام عرض ہے اس میں سچی
 کہانیاں ہوتی ہیں۔“

”کہانیاں۔“ اس نے دہرایا۔

”ہاں جی، بالکل سچی کہانیاں ہمارے پنڈ میں ہماری
 استانی شریا تھیں وہ پڑھتی تھیں میں نے دیکھا تھا اور یہ میں
 نے روئی والے سے لیا ہے وہ بی بی جی نے اخباروں کی
 روئی دی تھی نادینے کے لیے تو میں نے روئی والے کے
 ریڑھے سے یہ لے لیا۔“

”تم پڑھ سکتی ہو۔“

”ہاں جی کیوں نہیں۔“ اس نے فخر سے کہا۔

”پوری چار جماعتیں پڑھی تھیں اور میں جی اردو کی
 کتابیں تو پڑھتی ہوں۔“

”اچھا کیا پڑھا ہے اس میں سے تم نے۔“ وہ دلچسپی
 سے پوچھ رہا تھا آج اسے ماما کے ساتھ سارا دن گزارنا تھا
 اور ان سے باتیں کرنے کے لیے اس کے پاس کچھ
 دلچسپ ہونا چاہیے۔

”ابھی میں نے جو کہانی پڑھی ہے۔“ وہ شروع
 ہو چکی تھی۔

”اس میں ایک لڑکی ہوتی ہے جسے ایک لڑکے سے

محبت ہو جاتی ہے۔ وہ ہر روز اسے خط لکھتی ہے لیکن کبھی
 وہی نہیں اپنے پاس ہی رکھ لیتی ہے لڑکے کو چاہی نہیں چلتا
 کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے ایک روز وہ لڑکا کہیں چلا جاتا
 ہے لڑکی کوئی بی ہو جاتی ہے اس کے گھر والے اسے مری
 اسپتال میں داخل کرادیتے ہیں۔ وہاں وہی لڑکا جو ڈاکٹر
 بن چکا ہوتا ہے وہ اس لڑکی کو نہیں پہچانتا لیکن اس کے
 مرنے کے بعد اس کے تنکے کے نیچے سے وہ سارے خط
 ڈاکٹر کو ملتے ہیں جو کبھی اس نے اسے لکھے تھے۔“

ہارون نے گنگنا کی طرف دیکھا بارہ تیرہ سالہ گنگنا کتنی
 روانی سے اسے محبت کی کہانی سنا رہی تھی۔

”آپ پڑھیں گے اس میں مزے مزے کی کہانیاں
 ہیں۔“ اس نے وہ بوسیدہ رسالہ اس کی طرف بڑھایا۔
 ”نہیں۔“ وہ ہدک کر پیچھے ہٹا تھا۔

اس نے بھلا کہیں ایسی کتابیں پڑھی تھیں وہ تو ابھی
 تک ہیری پوڈر کو پڑھتا تھا اور وی سی ڈبلیو جینل کے سپر
 نیچرل ڈرامے کی سی ڈی دیکھتا تھا۔ گڈی اپنے کوارٹر کی
 طرف سے گنا چوتی ہوئی آ رہی تھی۔ گنگنا نے لپک کر اس
 سے گنا چھین لیا اور اس کی طرف بڑھایا۔

”آپ لے لیں جی ابا گاڈوں سے لایا ہے۔“ وہ نشی
 میں سر ہلاتا تیزی سے اندرونی گیٹ کی طرف بڑھا۔
 لاڈلج میں چند لمبے رک کر وہ ماما کے کمرے کی طرف بڑھ
 گیا۔ ماما، نانو کا ہاتھ تھامے رو رہی تھیں۔ وہ ٹھٹک کر
 دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ ماما کی پیٹھ اس کی طرف
 تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

”اماں جب میں مرنا چاہتی تھی تو موت مجھ سے روٹھ
 کر دور کہیں چھپ کر بیٹھ گئی تھی اور اب میں جینا چاہتی
 ہوں سو ہانی کے لیے اپنے بیٹے کے لیے اور موت میرے
 قدموں میں آ بیٹھی ہے۔ مجھے دبوچنے کے لیے ہارون
 مجھ سے بہت محبت کرتا ہے ماما، وہ چھوٹا تھا تو ماموں اسے
 مجھ سے دور رکھتا تھا تو میں بگڑتی تھی وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا
 لیکن اب مجھے پتا چلا ہے کہ میرا ہانی بہت حساس ہے۔
 میری طرح وہ زندگی کی خوب صورتیوں اور لطفائتوں کو محسوس

کہتا ہے۔ یہ مصنوعی زندگی اسے اثریٹ نہیں سرتی میں ٹھیک ہوئی تو ہانی کو لے کر حویلی پہلی جاؤں گی۔ نیچرل ماحول اور زندگی..... میں مرنا نہیں چاہتی لیکن میں موت کی آہنیں بہت قریب سے سن رہی ہوں۔" ان کے رونے میں شدت آگئی تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"آپ زندہ رہیں گی ماما بہت سارے سال۔" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"اور ہم حویلی بھی جائیں گے اور ابھی کل سے ہم خوب گھومیں پھریں گے ہم سارا لاہور دیکھیں گے باری باری سب جگہوں پر جائیں گے شاہی قلعہ، مقبرہ جہانگیر، شاہی مسجد، شاہی باغ۔" وہ روتے روتے مسکرائیں۔

"انہاں دیکھا ہانی بالکل ریحان کی طرح باتیں کرتا ہے۔" نانوں نے سر ہلایا ہارون نے دیکھا وہ منہ پھیر کر آنسو پونچھ رہی تھیں۔

"آپ نے کبھی پہلے یہ سب جگہیں دیکھی ہیں کبھی گئی یہاں۔" اس نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

"ہاں شادی سے پہلے ریحان کے ساتھ بہت بار ہمارے گاؤں میں لڑکیوں کا ہائی اسکول نہیں تھا اس لیے جب میں چھٹی کلاس میں آئی تو بابا نے یہاں لاہور میں گھر لے لیا اور ہم یہاں آگئے ہمیشہ کے لیے کسی نئی خوشی پر ہی گاؤں جاتے تھے۔ یہاں آتے ہی چند دنوں بعد ہی ریحان مجھے اور ماماں کو شاہی مسجد دکھانے لے گیا تھا۔"

وہ کچھ دیر اس سے مامی کی باتیں کرتی رہیں اور اس روز اسے پہلی بار پتا چلا تھا کہ یہ گھر نانو کا ہے اور شادی کے بعد ماما پاپا کے گھر جانے کے بجائے یہاں ہی رہی تھیں اور پاپا اس گھر میں آئے تھے اس روز انہوں نے اس سے سب دنوں سے زیادہ باتیں کی تھیں اور جب تھک گئیں تو وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور رات کو بھی وہ جلدی سے سو گیا تھا۔ نیکہ امتحان کی وجہ سے وہ کئی راتوں سے پوری نیند نہیں سے رہا تھا۔

صبح حسب معمول وہ تیار ہو کر سیدھا ماما کے کمرے میں آیا تو کمرہ خالی تھا کچھ دیر وہ یونہی خالی کمرے میں کھڑا

رہا اسے دگا جیسے اس کا اپنا دل بھی خالی ہو گیا ہے وہ تھکے تھکے قدموں سے کمرے سے نکلا تو گلنار نے بغیر پوچھے ہی ساری تفصیل بتا دی۔

"وہ جی رات زونی باجی کا سانس بار بار رکت رہا تھا۔ سینے میں بہت درد بھی تھا تو صاحب اور بی بی جی انہیں اسپتال لے گئے ہیں۔" اس نے کیا کیا پلاننگ کر رکھی تھی کہ وہ ماما کا ڈنک کے لیے لے کر جائے گا اور پھر وہ کھانا بھی کہیں باہر ہی کھائیں گے اور باقی کی چھینوں کے لیے وہ کوئی لمبا پلان بنائے گا۔ مری، کاغان، سوات کہیں بھی جہاں جانا ماما کو پسند ہوگا۔

گلنار نے نیبل پرنا شہ لگا دیا تھا لیکن وہ لاؤنج میں ہی بیٹھا رہا اسے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ ماما جب بیمار ہوئی ہیں تو انہیں کس اسپتال میں لے جایا جاتا ہے وہ کبھی ماما کے ساتھ اسپتال نہیں گیا تھا لیکن باب وہ بچہ نہیں تھا۔

نانو واپس آئیں تو اس نے گلہ کیا۔

"میری ماما بیمار ہوں اتنی کہ انہیں اسپتال لے جانا پڑے اور مجھے کوئی خبر تک نہ دے۔"

"ماموں نے منع کر دیا تھا کہ تم کئی راتوں سے جاگ رہے ہو تو تمہیں سونے دوں۔" نانو بے حد تھکی تھکی سی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"میری نیند مجھے اپنی ماما سے زیادہ عزیز نہیں تھی نانو۔" وہ روہا سنا ہوا۔

"پہلے بھی اکثر زونی کو اسپتال جانا پڑتا تھا۔" نانو نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"پہلے کی اور بات تھی نانو لیکن اب مجھے بتانا چاہیے تھا میں ساتھ چلتا تو ماما کو حوصلہ ہوتا۔" وہ سچ کہہ رہا تھا نانو کو ندامت ہوئی۔

"میں فریٹس ہو جاؤں تو میرے ساتھ چلنا۔" انہیں... "اسے ان پر ترس آیا وہ بے حد تھکی ہوئی اور نہ حال ہی لگ رہی تھیں۔ کتنے سالوں سے وہ بیٹی کی یہ رتی کا دکھ برداشت کر رہی تھیں۔

"میں ڈرائیور کے ساتھ جا رہا ہوں آپ روہ نمبر بتا

دیں اور کچھ دیر ریست کر کے آجائے گا۔" نانو نے اسے نمبر بتایا اور گلزار کو زونی کے لیے مٹنی ہٹانے کا کہنے لگیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم چند منٹ رک جاؤ تو میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔" وہ انھیں تو اس نے ان کے کندھوں پر دباؤ ڈالتے ہوئے دوبارہ ٹھادیا اور گلزار کو نانو کا ہاتھ وہاں ہی لانے کو کہا نانو کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"میری زونی کتنے سالوں سے....." اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں تو انہیں تسلی دے کر اور آرام کی تاکید کرتا ہوا اسپتال آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ مامون اسپتال میں ہی ہوگا لیکن ماما کمرے میں آگئی تھیں اور مامون اپنے آنس جاچکا تھا۔

پھر اگلے کئی دنوں تک زونی کو اسپتال میں ہی رہنا پڑا تھا کیونکہ ان کا سانس بار بار اکھڑ جاتا تھا اور وہ زیادہ وقت اسپتال میں ہی گزارتا تھا۔

"ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں آپ مجھے آپ کے ساتھ ان چھٹیوں میں مری اور کاغان جانا ہے لیکن پہلے سارا لاہور دیکھنا ہے۔" وہ کہتا تو ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر جاتی۔

اس روز وہ گھر پہنچ کرنے کے لیے آیا تو مامون اسے لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھتے نظر آئے۔ وہ سلام کر کے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ انہوں نے اسے روک لیا۔

"ہارون تم اپنا وقت کیوں ضائع کر رہے ہو تمہیں اب تک اکیڈمی جوائن کر لینا چاہیے تمہارے سب فرینڈز اے لیول کی تیاری کے لیے اکیڈمی جوائن کر چکے ہیں۔"

ابھی تو اس کا رزلٹ بھی نہیں آیا تھا اور وہ ابھی سے اکیڈمی جوائن نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اسے ماما کے ساتھ ابھی گھومنا تھا لیکن ماما کی طبیعت اسپتال سے آ کر بھی کچھ زیادہ ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ہر روز پروگرام بناتا اور ہر روز کینسل کرتا ماما زیادہ تر لیٹی رہتی تھیں۔ وہ محسوس ان کے کمرے میں بیٹھا رہتا لیکن وہ بہت کم بات کرتیں ایک بار پھر انہوں

نے خاموشی اوڑھ لی تھی۔

اس نے اولیول میں ٹائن ایز لیے تھے مامون بہت خوش تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اپنا اے لیول پو کے سے ہی کرے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ پہلی بار اس نے مامون کی کسی بات سے انکار کیا تھا مامون نے اسے نرمی سے سمجھایا کہ اے لیول وہاں سے کرنے سے اسے بعد میں وہاں اپڈیشن لینے میں آسانی رہے گی لیکن وہ ماما کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگتا تھا کہ ماما کے اندر جو زندہ رہنے کی تموڑی بہت رقت پیدا ہوئی ہے وہ اس کے جانے سے ختم ہو جائے گی مامون نے زیادہ اصرار نہیں کیا تھا لیکن ان کا موڈ کئی دن تک خراب رہا۔

ایک روز اس نے سنا نانو ماما سے کہہ رہی تھیں کہ وہ انہیں اور اپنے بابا کو معاف کر دے۔

"تمہارے بابا نے تمہارے لیے صحیح فیصلہ نہیں کیا تھا میں شاید ضد کرتی تو وہ مان جاتے لیکن میں.....!"

"ٹھیک ہے لیکن میں آپ سے اور بابا سے ناراض نہیں ہوں۔" انہوں نے نانو کی بات کا ٹیٹھی۔

"اپنے حساب سے انہوں نے شاید صحیح فیصلہ کیا ہو اور مجھے مامون سے بھی کبھی کوئی شکایت نہیں انہوں نے ہمیشہ میرا خیال رکھا لیکن پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے ہمیشہ ایک کی سی محسوس ہوئی جیسے.....!" انہوں نے ایک گہری سانس لیا۔

"جیسے..... سب کچھ ہے اس گھر میں لیکن پھر بھی کہیں کچھ نہیں ہے۔ کچھ ایسا جو دل و جان کو یکساں تسکین دے سکے جیسے زندگی میں کہیں کچھ مسنگ ہو کچھ کھو گیا ہو خرابی ساری مجھ ہی میں تھی اماں، مامون تو بہت اچھے ہیں اور اب.....!" وہ شاید مسکرائی تھیں ہارون نے یوں ہی محسوس کیا تھا۔ "جب ہارون میرے پاس ہوتا ہے، ہم ایک دوسرے سے باتیں شیئر کرتے ہیں تو مجھے لگتا ہے کہ میری زندگی میں کہیں کوئی کمی نہیں ہے میں نے ہمیشہ نامکمل ادھوری زندگی گزارا ہے اماں اب میں ایک مکمل زندگی جینا چاہتی ہوں میں مرنا نہیں چاہتی اماں اور موت تیزی

پیا سا زونی باجی کے کمرے میں بیٹھا رہتا رہتا ہے تو نانو اپنے آپ کو بمشکل سنبھال کر اس کے کمرے میں آتے ہیں۔ اسے گلے لگا لیا پیار کیا تو وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگا تب ہی مامون انصاری بھی آگئے تھے ان کے ماتھے پر شکنیں تھیں اور لہجے میں ناگواری۔

”جاچی زونی اچانک نہیں مری، وہ کئی سالوں سے بیمار تھی اور ہم سنبھالی اس کی موت کے لیے تیار تھے۔ آپ اپنے آپ کو سنبھالیں اور اس بے وقوف ہنسی کو بھی سمجھائیں یہ کئی دنوں سے اسکول نہیں جا رہا میں اسے بلند مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اس وقت اسے مامون انصاری بہت سنگ دل اور بے حس لگے تھے وہ نانو سے الگ ہو کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے آنسو بھی پونچھ لیے تھے۔

”زونی کے ساتھ شادی کر کے سوائے ہارون کے میں نے کوئی اور دولت نہیں کمائی اور میں اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا۔“

نانو نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا لیکن وہ جتنی تیزی سے کمرے میں آئے تھے اتنی ہی تیزی سے بات مکمل کر کے چلے گئے نانو چپ سی بیٹھی تھیں۔

”نانو۔ اس نے پوچھا۔
”کیا ماما یا اپنی شادی سے خوش نہیں تھے۔“ نانو کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

”زونی صرف اٹھارہ سال کی تھی جب اچانک تمہارے ماما جان نے مامون کے ساتھ اس کی شادی کا فیصلہ کیا۔ ابھی تو وہ لٹان میں ریحان کے ساتھ کھیلتی پھرتی تھی دونوں ابھی بچوں کی طرح کیرم بورڈ اور ناش کھیلتے ہوئے شور مچاتے تھے سخت سردی میں آئس کریم کھانے نکل جاتے۔ میں نے تمہارے ماما جان سے کہا تھا اتنی جلدی نہ کریں لیکن انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا مامون یو کے سے اپنی تعلیم مکمل کر کے تین سال قبل آیا تھا اور اپنے ساتھ ہمارا بزنس بھی دیکھ رہا تھا۔ زونی بہت حساس آرٹسٹک ذہن رکھنے والی زندہ دل لڑکی تھی جبکہ مامون بہت سنجیدہ اور بزنس مائنڈ وہ زونی کی دلچسپیوں میں حصہ

سے میری طرف آ رہی ہے..... ہیں ماماں؟“ نانو رو رہی تھیں وہ دل پر بھاری بوجھ لیے دروازے کے پاس سے ہی پلٹا یا اس روز اس نے اللہ سے بہت دعائیں کیں کہ اللہ اس کی ماما کو کھل زندگی جسے کی مہلت دے لیکن کچھ دعائیں قبول نہیں ہوئیں اس کی دعا بھی در مقبولیت تک نہیں پہنچ پائی تھی اور ماننے اس کے اے لیول کپیٹ کرنے سے پہلے ہی ایک رات چپکے سے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند میں۔ اس رات انہوں نے در تک اس سے باتیں کی تھیں۔ اپنی ریحان کی اور اپنے بابا کی۔ ساڑھے بارہ بجے نانو نے اسے زبردستی سونے کے لیے بھیجا تھا۔ نانو رات کو ان کے کمرے میں ہی سوتی تھیں اور اس رات ساڑھے بارہ بجے زنیہ کے کمرے سے نکلنے دیکھ کر مامون نے اسے سرزنش کی تھی۔

”میں نہیں سمجھتا کہ اس روشن کے ساتھ تم اے لیول کلیئر بھی کر سکو گے۔“ اور اس نے ہمیشہ کی طرح خاموشی اختیار کر لی تھی اور اسی رات تین بجے کے قریب نانو نے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

”ہانی جلدی آؤ تمہاری ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔“ نانو زار و قطار رو رہی تھیں۔ وہ بھاگتا ہوا ان کے کمرے میں پہنچا تھا ان کی نظریں دروازے کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں۔

”ہانی.....“
”ماما۔ زمین پر دو زانو بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

”ہانی میں.....“ ان کی زبان لڑکھڑائی تھی اور آنکھوں کے کونے سے دوا آنسو نکلے تھے اور آنکھیں جیسے پتھر اسی گنی تھیں۔ نانو نے کلمہ پڑھتے ہوئے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو مامون انصاری نے گاؤن کی ڈوریاں بند کرتے ہوئے اندر قدم رکھا تھا۔

پھر کئی دن وہ اپنے آپ سے بے خبر رہا۔ سارا سارا دن زنیہ کے خالی کمرے میں بیٹھا رہتا۔ نانو خود غم سے بے حال تھیں لیکن جب گنار نے انہیں بتایا کہ وہ سارا دن بھوکا

نہیں لیتا تھا بلکہ انہیں اجتماعاً قرار دیتا تھا اور پھر اپنے بزنس کو ترقی دینے کے جنون میں وہ زوئی کو وقت بھی نہ دے پاتا اور تمہارے مانا کے بعد تو وہ اور ابھی مصروف ہو گیا تھا۔ رحمان بھی چلا گیا تھا اور وہ بالکل تنہا ہو گئی تھی۔ وہ بہت خاموش رہنے لگی تھی اور ہمیں پتا ہی نہیں چلا کہ یہ خاموشی اسے کیا روک نگا گئی ہے۔

”اگر مانا کی شادی رحمان انکل سے ہوتی تو وہ زیادہ خوش رہتیں۔“ اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا تو مانو نے آنکھیں چرا لیں اور اسے گلنار کی سنائی ہوئی کہانی یاد آ گئی تو وہ اٹھ کر لاؤنج میں آ گیا گلنار لاؤنج کے بیچوں بیچ گھٹنوں میں سر رکھ کر بیٹھی رو رہی تھی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے گلنار، کیوں رو رہی ہو؟“ اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے زوئی باجی یاد آ رہی ہیں وہ اتنی اچھی تھیں اللہ جانے انہیں ایسا مرض کیوں لگ گیا تھا ان کے پاس تو سب کچھ تھا پھر بھی۔“ اس نے اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھے۔

”ماں کا رتبہ بڑا ہوتا ہے جی، ہزار جتن کر ڈالو پھر بھی ماں نہیں ملتی میری ماں تو ابھی تک میری مانی کو روٹی ہے۔

یہ ماں ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔“ اور یہ بات جو گلنار سمجھتی تھی وہ ماموں انصاری نہیں سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ زوئی کو بھول جائے جو اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ پھر بھی اس کی روئین ایک بار پھر بدل گئی تھی وہ پھر پہلے جیسا خاموش اور کم گو ہو گیا تھا مانو کوئی بات نہ کر سکتا تو جواب دے دیتا گلنار کی سرگرمیاں بھی اب اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کرتی تھیں۔ ہر شے سے جیسے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ وہ

ایک ریویٹ کی طرح ماموں کی خواہش کے مطابق محنت کر رہا تھا اور پھر شان دار گریڈز کے ساتھ اے لیول کرنے کے بعد ماموں کی خواہش پر ہی وہ مزید ایجوکیشن کے لیے پورے چلا گیا کبھی کبھی اسے اپنا آپ ایک مشین کی طرح لگتا لیکن پھر اس مشین میں رانیہ نے زندگی کی حرارت پیدا کی۔ رانیہ اس کی کزن بھی اس کی چھوٹی پھوپھی کی اکلوتی بیٹی

جو اس سے ایک سال پہلے پڑھنے کے لیے گئی تھی اور اس نے اپنا اے لیول وہاں سے ہی کیا تھا۔ اس کی پڑھائی کی وجہ سے پھوپھی نے بھی وہیں رہائش اختیار کر لی تھی رانیہ کے پاپا تو ہمیشہ سے وہاں ہی سٹل تھے۔ ماموں نے اس خیال سے کہ اس کی پڑھائی ڈسٹرب نہ ہو اسے ایک الگ اپارٹمنٹ لے دیا تھا۔ تاہم کبھی کبھار وہ پھوپھی کے گھر جاتا تھا اور اسے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ اور رانیہ کب ایک دوسرے کے قریب آئے اور کب اسے نگا نہ اسے رانیہ سے محبت ہو گئی ہے۔ رانیہ خوش شکل تھی۔ بولتھی اور وہ بالکل دسکی ہی تھی جیسی اس کی کلاس کی لڑکیاں ہوتی تھیں اس میں ایسا کچھ لگتا تو نہیں تھا پھر بھی وہ اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا تھا اور جب ماموں نے اس کی تعلیم ختم کر کے وطن آنے کے بعد اس سے کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ اس کی شادی رانیہ سے ہو جائے تو اسے کوئی اعتراض نہ ہوا۔ وہ چھ سال بعد وطن آیا تھا مانو پہلے کے مقابلے میں زیادہ بوزھی اور کمزور ہو گئی تھی لیکن ایکٹیو تھیں۔ انہیں رانیہ کے ساتھ اس کی شادی پر حیرت بھی انہوں نے اس کے لیے کچھ اور سوچ رکھا تھا لیکن انہوں نے کچھ کہا نہیں وہ صرف زونیرہ کا نہیں ماموں کا بھی بیٹا تھا اور یوں اس کی شادی رانیہ سے ہو گئی تھی۔

وہ جب سے آیا تھا اس نے گلنار کو نہیں دیکھا تھا اور اسے خیال بھی نہیں آیا تھا لیکن اس صبح نئی لڑکی کو ہشت نگاتے دیکھ کر اس نے مانو سے پوچھا۔

”مانو گلنار کہاں ہے؟“

”ارے اس کی تو تمہارے جانے کے سال بھر بعد ہی شادی ہو گئی تھی۔“

”اتنی چھوٹی عمر میں۔“ اسے حیرت ہوئی۔

”ہاں یہ لوگ چھوٹی عمر میں ہی شادیاں کر دیتے ہیں دو سال پہلے گڈی کی بھی شادی کر دی تھی نورماں نے اور خود میاں بیوی واپس گاؤں چلے گئے۔ سچی بات ہے گلنار نے بڑا کھد دیا تھا۔“ اس کی آنکھوں کے سامنے گلنار آ گئی تھی۔ ہنسی کھٹکھٹاتی، ہنسی ڈالتی اور ہاتھ ہٹا ہٹا کر باتیں کرتی اس کے لبوں پر ہم سنی مسکراہٹ بکھر گئی اور رانیہ نے بغور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اسے دیکھا۔

”یہ گنار کون تھی؟“ اس رات ناخن قائل کرتے ہوئے بظاہر بے پروائی سے رانیہ نے پوچھا تو اسے ہنسی آگئی اور کتنے سالوں بعد وہ اس طرح ہنسا تھا۔ ماما زادہ تھیں تو کبھی کبھی گنار کی کسی بات پر وہ یوں ہی بے اختیار ہنس پڑتا تھا۔

”اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے۔“ رانیہ کو اس کا ہنسا برا لگا۔

”مجھے تمہاری تفتیش پر ہنسی آتی ہے وہ پہلے ہمارے ہاں کام کرتی تھی۔“

رانیہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی اور وہ دل ہی دل میں بہت دیر تک محفوظ ہوتا رہا کہ رانیہ اس کے منہ سے کسی اور لڑکی کا نام سن کر جھلس ہوئی ہے۔

وقت اپنی مخصوص چال سے چلتا رہا مامون انصاری شادی کر کے اپنی بیوی کے ساتھ کینیڈا چلے گئے اور وہیں سینل ہو گئے اور وہ بے حد مصروف ہو گیا۔ رانیہ کی اپنی مصروفیات تھیں گلہ، پارٹیاں، جہ، کبھی کبھار شاپنگ کے لیے دعویٰ اور لندن کے چکر..... اور ان مصروفیات میں گھر کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا اور چار سال بیت گئے نانو کا جی چاہتا تھا گھر میں بچوں سے روتی ہو جائے لیکن رانیہ ابھی بچے نہیں چاہتی تھی اور یہ بات اس نے شادی کے ابتدائی دنوں میں ہی ہارون کو بتا دی تھی کہ کم از کم پانچ سال بعد ہم بچوں کے متعلق سوچیں گے اور ہارون کو کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا نانو نے دو تین بار وہ بے لفظوں میں کہا تو ہارون مسکرا دیا۔ لیکن گنار کے بچوں کو دیکھ کر اسے اس کی کاشدیت سے احساس ہوا اور اس نے سوچا نانو صحیح تو کہتی ہیں کہ اگر اس کے ایک دو بچے ہو جائیں تو گھر کا سکوت ٹوٹ جائے۔

اس روز سنڈے تھا اور اس کی عادت تھی کہ وہ اتوار کو کچھ وقت نانو کے ساتھ گزارتا تھا۔ اتوار کو عموماً ناشتہ لیٹ ہوتا تھا بقول رانیہ کے سنڈے برنچ۔

اس روز بھی گیا رہے بچے کے قریب وہ تیار ہو کر نیچے آیا

رانیہ کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی سیز جیوں سے اترتے ہوئے اس نے گنار کو دیکھا وہ فرس پریشانی تھی ایک بچہ گود میں اور ایک پاس ہی بیٹھا تھا نانو صوفے پر بیٹھی تھیں۔ گنار کو اس نے کئی سال بعد دیکھا تھا لیکن اسے پہچاننے میں وقت نہیں ہوئی تھی وہ بالکل ویسی تھی بس کچھ بڑی ہوگئی تھی۔ پاس بیٹھا ہوا بچہ ایک بیکٹ میں سے بسکٹ نکال کر کھا رہا تھا وہ نانو سے باتیں کرتے کرتے اپنا ہاتھ بچے کے ہاتھ میں پکڑے بیکٹ کی طرف بڑھاتی بچہ ہاتھ پیچھے کر لیتا تو اسے دھموکا لگاتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں پکڑے بسکٹ سے تھوڑا سا تو زکر گود میں لیٹے بچے کے منہ میں ڈالتی۔ سیز جیوں کے پاس کھڑے کھڑے اس نے گنار کے اس عمل کو بڑی دلچسپی سے دیکھا اور اس کے لیوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”کیسی ہو گنار؟“ قریب آ کر اس نے کہا تو گنار نے شپٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

”سلام بھائی کیسے ہیں آپ۔“

”ٹھیک ہوں، یہ تمہارے بچے ہیں؟“ اس نے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔

”جی.....“ اس کے لیوں پر مسکراہٹ دوزخنی اور چہرہ ماسٹا کے نور سے دکنے لگا۔

”آپ کے کتنے بچے ہیں ہارون بھائی۔“ اس نے ننی میں سر ہلایا اور پہلی بار اس کی نظر بائیں طرف صوفے پر بیٹھی رانیہ پر پڑی جو انتہائی بے زادی سے ماتھے پر تیردی چڑھائے لے سے دیکھ رہی تھی۔

”کتنے سال ہو گئے ہارون بھائی کی شادی کو؟“ اب وہ نانو سے پوچھ رہی تھی اور نانو کے جواب پر اس نے افسردگی سے سر ہلایا۔

”بچوں کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے جی۔ آپ وہاں بھائی کو ڈاکٹر کو ایک بار ضرور دکھائیں۔ اپنی گڈی کے ہاں دو سال اولو وٹھیں ہوئی تو اس کے سسرال والوں نے رولا ہی وال دیا کبھی اس ڈاکٹر کے پاس بھی اس حکیم کے پاس ہر مرض کا علاج تو ہوتا ہے ناجی اب خیر سے

رنگارنگ کہانیوں سے آراستہ دلچسپ کہانیاں

AANCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



قلبِ درذات

دنیا کو تخریر کرنے اور انسانیت کو اپنی انگلیوں پر پھیلانے
دلِ لذات کے قلندر کا حوالہ احمد مایہ کی قلندرِ محرم

دید بان

حالیہ شہوں کے بس منظر میں وطن پرستوں کے
ظہور خاص اور شہ علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول

جگر

تاریخ کے صفحات میں محض ہرگز زمین پنجاب کی کسی
دیکھا وہ اتنا جھکا سکا کہ اتنا زلزلہ میں شامل ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قاریوں کی دلچسپی کے لیے خود مصوریت سلسلے

خوشبو سخن: منتخب غزلیں نظمیں۔ ذوق آگہی اقتباسات

اقوال زریں احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظہ

شیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل جانے

پہلے کی صورت میں رجسٹر لیس (2) 021-35620771

بہی ہے گود میں۔" اس نے تاسف سے ذرا سا رخ موڑ
کر رانیہ کو دیکھا۔

"تم فارغ ہو جاؤ تو لو پرا جانا مجھے تم سے ضروری کام
ہے۔" رانیہ نے ہارون سے کہا اور غصے سے تکتکتی ہوئی
بیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"اسے کیا ہوا؟" نانو نے ہارون سے پوچھا تو ہارون
نے کندھے اچکائے اسے اس طرح رانیہ کا مخاطب کرنا اور
پھر اوپر چلے جانا اچھا نہیں لگا تھا چار سالوں میں پہلی بار
اسے رانیہ کی کوئی بات بری لگی تھی۔

اس نے اپنا والٹ نکال کر ہزار ہزار کے دو نوٹ
نکالے اور گلنار کی طرف بڑھائے "بچوں کے لیے کچھ
لے لیتا۔"

"نہیں جی میں تو بس ویسے ہی ملنے آئی تھی نانو سے
بھر فیصل آباد میں تھی نائتے سالوں سے تو بہت یاد آتی تھی
مجھے زونٹی باجی کی اور نانو کی اب کوئی دو ماہ پہلے ادھر لاہور
میں ہی آگئے ہیں تو تب سے تڑپ رہی تھی ملنے کا راج رشید
کو وقت ملا تو چھوڑ گیا ادھر جو ہر ٹاؤن میں شیدے کے
بھائی کی جھلکی تھی اس نے ہمیں دے دی خود تو وہ کراچی چلا
گیا تو بس جی ہم ادھر جو ہر ٹاؤن میں آگئے۔" اس کا ریکارڈ
چل بڑا تھا ہارون دیکھتی سے سن رہا تھا۔

"کہیں کام شام اٹھنا ہے گلنار؟"

"نہ جی شیدے نے منع کر دیا ہے، اچھا کما لیتا ہے
گزارا ہو جاتا ہے بڑا کرم ہے یہ ہارون بھائی کی دلہن
بہت پیاری ہیں اور صاحب جی ویسے ہیں ویسے۔"

ہارون کا موبائل بجا تو اس نے نکال کر دیکھا رانیہ کی
کال تھی اس نے ہاتھ میں پکڑے نوٹ گلنار کی طرف
بڑھائے۔

"لے لو گلنار۔" نانو نے کہا۔

"پہلی بار بچوں کو لے کر آئی ہو تو حق ہے تمہارا۔"
گلنار نے جھکتے ہوئے نوٹ پکڑ لیے تو وہ بیڑھیوں کی
طرف بڑھ گیا۔ رانیہ منہ پھلانے بیٹھی تھی۔

"گئی وہ نانو کی چہیتی یا ابھی تک بیٹھی ہے۔"

سنگرہ نمبر 135 اپریل 2015ء | سنگرہ نمبر 135 اپریل 2015ء | سنگرہ نمبر 135 اپریل 2015ء

کا احترام کرتا تھا لیکن پھر بھی کبھی کبھی اسے لگتا جیسے وہ کسی آکسیجن باکس میں بند مصنوعی زندگی گزار رہا ہو زندگی میں سب ہی کچھ تھا رانیہ بھی اس کی محبت، اس کی چاہت، مانو تھیں ہمہ وقت اس کے لیے دعا گو۔

پھر بھی کبھی کبھی اسے لگتا جیسے ہمیں کچھ کمی سی ہے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہمیں کچھ نہیں ہے اور ایسے میں وہ نانو کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لیتا کانوں میں کھانڈ کے کھلونے بیچنے والے کی تھنٹیوں کی آواز آتی، پارک میں کرکٹ کھیلتے شور مچاتے بچے، گنا چوستی گزرتی، دیکھی ڈالتے ہوئے بند سے ٹکراتی گلزار تصور میں آتی تو رانیہ کی محبت سے بھرے دل میں سناٹے اتر آتے۔ سارے رنگ باند پڑ جاتے اور دل میں اس مصنوعی زندگی سے دور کسی نیچرل زندگی کی خواہش ہمسکتی تو وہ آنکھیں کھول کر نانو سے پوچھتا۔

"نانو سب کچھ ہے پھر کہیں کوئی کمی ہی کیوں محسوس ہوتی ہے جیسے کچھ نہیں ہے۔" اور نانو کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر جاتیں۔

"کیا زونی کی طرح میرا ہانی بھی آدمی ادھوری زندگی جی رہا ہے۔ لیکن نہیں وہ بھلا ادھوری زندگی کیوں جیسے گا اس نے تو اپنی محبت پالی ہے اور زونی تو.....!" وہ خود سے کہتیں اور پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتیں۔

"بھلا میرے ہانی کو کیا کمی ہے بس تمہارے بچے ہوں گے تو ساری کی خود ہی پوری ہو جائے گی۔"

"ہاں شاید" وہ اٹھ کر تھکے تھکے قدموں سے سبز حیاں چڑھنے لگتا اس امید پر کہ شاید کبھی وہ اس مصنوعی زندگی سے نجات پالے اور اس آکسیجن ٹینٹ سے باہر کھلی فضا میں سانس لے سکے شاید.....!!



"رانیہ اس نے کئی سال ہمارے گھر کام کیا ہے اور کئی سالوں بعد نانو سے ملنے آئی ہے تو کچھ دیر تو بیٹھے گی نا۔"

"کچھ دیر گھنٹے بھر سے تو بیٹھی ہے کچھ دے دنا کر فارغ کرتے ارے یہ لوگ ذرا منہ لگاؤ تو چپک ہی جاتے ہیں دو لکے کی ملازمہ نانو کو مشورے دے رہی تھی کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ جی چاہ رہا تھا کہ منہ تو زردوں اس کا۔"

"کچھ غلط تو نہیں کہا اس نے۔" ہارون کے لبوں سے بے اختیار نکلا ایک دم خالی گھر کا سناٹا اس کے اندر اتر آیا تھا۔

"کیا.....!" رانیہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا کہا تم نے ہارون، ہرگز نہیں میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا پانچ چھ سال تک مجھے بچوں کا جنموت نہیں چاہیے ساری سوشل لائف تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔"

"لو کے میں ایسا کچھ نہیں کہہ رہا تم بتاؤ کیا کام تھا تمہیں۔" ہارون نے خود کو کمپوز کیا وہ رانیہ کی کسی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

"کچھ کیش ہوگا آج سندے کی وجہ سے بینک تو بند ہیں اور مجھے آج ہی کلب کے سالانہ فنکشن کے لیے ڈریس چاہیے تھا۔"

"لا کر میں ہوتا ہے کیش جو لینا ہے لے لو۔"

"تھینک یو ڈر تمہارا پروگرام نہ ہو آج تو تم چلو گے ساتھ مجھے کچھ جیولری بھی لینی ہے۔"

"نہیں میرا سوڈو نہیں ہے۔" ہارون کے اندر ایک دم ہی ٹھکن اتر آئی تھی۔

"او کے ایز یوش۔" وہ اٹھ کر وائش روٹم کی طرف بڑھتی اور اس نے بیڈ پر نیم دراز ہوتی آنکھیں موند لیں۔

وقت کچھ اور آگے بڑھا زندگی لگی بندھی روٹین کے مطابق گزر رہی تھی۔ رانیہ کی وہی سرگرمیاں تھیں وہ بچوں کے متعلق ابھی بھی سنجیدہ نہیں تھی اور ذمہ داریوں سے گھبراتی تھی اور وہ رانیہ سے محبت کرتا تھا اور اس کی خواہش

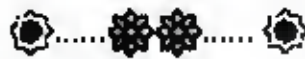
ٹوٹا ہوا گلاب
سمیرا شریف طور

تجھ سے چھڑا ہوں تو مرجھا کے ہوا بُرد ہوا
 کون دیتا ہے مجھے کھلنے کی دعا تیرے بعد
 ملنے والے کئی مفہوم پہن کر آئے
 کوئی چہرہ بھی نہ آنکھوں نے پڑھا تیرے بعد

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

شہوار اور مصطفیٰ خوش گوارا و دواجی زندگی کی جانب گامزن ہیں جبکہ دریا کے لیے مصطفیٰ کے والہانہ انداز اور شہوار کی محبت برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب ہی انہیں دور کرنے کی خاطر وہ مصطفیٰ کو اپنے سنگ الجھائے رکھتی ہے۔ دوسری طرف شہوار دریا کے اس عمل کو محسوس کر کے مصطفیٰ سے برہمی کا اظہار کرتی ہے جبکہ شہوار کے رویے میں جلیسی محسوس کرتا مصطفیٰ خوش گوار حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ولید اور انا کے تعلقات مزید انتہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ انا واضح طور پر ولید کی کیتھی اور کلاہ سے دوستی کو اس کے منکوک کردار سے وابستہ کر لیتی ہے جبکہ اپنی اس تذلیل پر ولید بھی کوئی صفائی نہ دینے کا عزم کرتے ہوئے ترک تعلق کر لیتا ہے۔ دوسری طرف تابندہ اپنی شناخت حاصل کرنے میں ناکام ٹھہرتی ہیں۔ ایسے میں ممتا کے ہاتھوں مجبور وہ شہوار سے بات کر کے اسے تسلی دیتی ہیں جبکہ شہوار ان کے واپس لوٹ آنے اور ایڈریس کے متعلق دریافت کرتی ہے لیکن وہ ٹال جاتی ہیں۔ تابندہ کی کال کے متعلق مصطفیٰ کو بتا کر وہ مدد طلب کرتی ہے ایسے میں مصطفیٰ نمبر کے ذریعے مطلوبہ جگہ ٹریس کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن مزید کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ امجد خان کی مدد سے مصطفیٰ رات کی تاریکی میں ایاز کے ٹھکانے پر چھاپا مار کر اسے گرفتار کر لیتا ہے جبکہ ایاز اس افتاد پر بڑھتا جاتا ہے۔ اپنے اور ولید کی تاریخ ٹھہرنے کی بات سن کر انا صاف لفظوں میں پڑھائی کا بہانہ کر کے ٹال دیتی ہے جبکہ اس کے انکار پر ضیاء صاحب اور دیگر گھر والے حیران رہ جاتے ہیں۔ ولید اس انکار کی وجہ دریافت کرتا ہے جس پر انا اس کے کردار کو منکوک ٹھہراتے اس رشتے کو ختم کرنے کی بات کرتی ہے ایسے میں ولید کا ہاتھ انا پر اٹھ جاتا ہے جبکہ ولید کا یہ جارحانہ انداز انا کو مزید متنفر کر دیتا ہے۔ ماں جی آفاق کے مستقبل کے متعلق سوچ کر عادلہ کو واپس لانے کی بات کرتی ہیں جب ہی انہیں شاہ زیب کی زبانی عادلہ اور عباس کی طلاق کے متعلق علم ہوتا ہے یہ سب جان کر وہ از حد رنجیدہ ہو جاتی ہیں۔ انا اپنی بیماری کو نظر انداز کیے کالج چلی آئی ہے لیکن یہاں بھی کلاہ کی کالز اسے تنگ کیے رکھتی ہیں جب ہی وہ اس تعلق کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی خاطر کلاہ کی بات مانتی اس کے سنگ چلی جاتی ہے۔ کلاہ کے ساتھ انجان جگہ پر پہنچ کر انا کو کسی خطرے کا احساس ہوتا ہے جب ہی کلاہ اپنی اصلیت دکھاتے انا کا موبائل چھین کر اسے اپنی قید میں کر لینے کی نوید سناتی ہے۔ کلاہ کی اصل حقیقت جان کر انا کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)



عبدالقیوم پریشانی سے بار بار موبائل پر نمبر طار ہے تھان کی بیگم اور بیٹی عادلہ خاموشی سے ان کو دیکھ رہی تھیں اور ان

سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر | آنچل اپریل ۲۰۱۵ء | 138 | سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر

دونوں کے چہروں پر پریشانی رقم تھی۔

”کوئی تو حل ہوگا؟ تم آفسر سے بات کرو جتنی بھی رقم لگتی ہے میں لگانے کو تیار ہوں ایک بار ایاز ہاہر تو آئے خود اس لیے گیا تھا مگر وہ مصطفیٰ کچھ سننے پر آمادہ ہی نہیں۔“ غیبی سے عبدالقیوم نے کہا تو بیگم نے پریشانی سے دیکھا۔

”ٹھیک ہے میں کسی اور سے بات کرتا ہوں۔“ تلخی سے کہہ کر انہوں نے کال بند کر دی۔

”یہ سب ہوا کیسے؟ آخر پولیس کو کیسے اطلاع مل گئی۔“ بیگم نے پریشانی میں پوچھا تو عبدالقیوم نے بیوی کو دیکھا۔

”مجھے خود خبر نہیں، یہ تو اردگرد کے لوگوں اور اس ملازمہ لڑکے کے والدین نے اطلاع دی مجھے کدات پولیس نے چھاپہ مارا تھا اس لڑکے اور ایاز دونوں کو پکڑ کر لے گئے تھے اب اس جگہ پر پولیس کتا دی قبضہ کیے ہوئے ہیں۔“ انتہائی غم حال حالت میں عبدالقیوم صوفے پر گرے گئے تھے۔

”اور وکیل صاحب کیا کہہ رہے تھے؟“ عادلہ نے سنجیدگی سے پوچھا تو انہوں نے بیٹی کو دیکھا۔

”وکیل اب کچھ نہیں کر سکتا پہلے ہی وہ ضمانت پر رہا تھا اب کی بار اس پر مصطفیٰ پر قاتلانہ حملہ کرنے کا بھی کیس ہے۔ وکیل بتا رہا ہے کہ سارے شواہد ایاز کے خلاف جا رہے ہیں۔ ابھی تک ایاز نے اقرار تو نہیں کیا مگر خاموش نہیں رہے گا۔“

”لیکن اس طرح ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بھی تو نہیں بیٹھ سکتے۔“

”تو کیا کروں خود تھانے میں جا کر پیش ہو جاؤں۔“ بیٹی کے الفاظ پر عبدالقیوم نے تڑپ کر کہا۔

”کہا بھی تھا کہ ایسی ویسی کوئی حرکت نہ کرنا اب ایک دو دن میں فلائٹ مگی باہر چلا جاتا نجانے پولیس کو کیسے اطلاع ہوئی اور نہ وہ جگہ جہاں وہ تھا میرے علاوہ کوئی دوسرا زندہ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ تم لوگوں کو بھی نہیں بتایا تھا۔“ اندازہ حال سنا تھا۔ بیگم کے آنسو بہنے لگے تھے۔

”پہلے ہی مار مار کر برا حال کر دیا تھا میرے بچے کا اب نجانے کیا بیت رہی ہوگی اس پر۔“ بیگم عبدالقیوم کو ایاز سب سے زیادہ عزیز تھا اسی لیے وہ ایاز کے پکڑے جانے کا سن کر مسکسل رہ رہی تھیں۔ عادلہ نے لب بچ کر ماں باپ کو دیکھا۔

”لیکن کچھ تو کرنا ہوگا؟“ باب کو تلخی سے کہا تھا جو ہمت ہار چکے تھے۔ لیکن وہ خاموشی سے نہیں بیٹھ سکتی تھی اس کے اندر ایک آگ جل رہی تھی دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ جلا کر بھسم کر ڈالے۔

”وکیل کو کہا تو ہے وہ جائے اس امجد خان سے بات کرے پیسے سے اگر کام بنتا ہے تو میں کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن جہاں تک مجھے اندازہ ہے وہ آدی پیسے وغیرہ سے ماننے والا نہیں ہے۔“ عبدالقیوم کی یہی تو پریشانی تھی۔ وہ پہلے ہی معصائب میں گھرے ہوئے تھے کاروباری پریشانیوں علیحدہ تھیں۔ اوپر سے عادلہ کی طلاق اور ایاز کی گرفتاری انہیں ایک دم کاٹھ پائائی نجانے وہ کہاں تھی۔

”کاٹھ کہاں ہے؟“

”پتا نہیں صبح کی گاڑی لے کر نکلی ہوئی ہے۔“ ماں کی بجائے عادلہ نے ہی تلخی سے کہا۔

جب سے ایاز کی گرفتاری کے بارے میں سنا تھا دل و دماغ پر ایک غبار سا چھا گیا تھا۔

”ایک تو میں اس لڑکی کی حرکتوں سے عاجز آ چکا ہوں ساری اولاد ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔“ کاٹھ کا سن کر عبدالقیوم ایک دم غصہ ہوئے۔

”اسے میں نے اتنا سمجھایا لیکن کچھ نہ سمجھ پائی جو اباب طلاق لے کر بیٹھی ہوئی ہے۔“ ان حالات نے ان کے دماغ پر اس قدر اثر کیا تھا کہ بہت تلخی سے عادلہ کو دیکھا۔

سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر 139 سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر ۲۰۱۵ اپریل ۲۰۱۵ ۱۳۹ سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر سنسکرہ نمبر

”مجھے الزام مت دین ایک دن بھی میرے علاوہ کسی اور کو ان کے ہاں جا کر رہنا پڑتا تو چاہٹل جاتا کہ کس قدر کمزور ہو تھے وہ لوگ۔“ باپ کے الفاظ پر اس نے بھی سخی سے جواب دیا۔

”کچھ عرصہ برداشت کیا ہوتا تو کیا چلا جاتا لوگ اپنے فائدے کے لیے نجانے کیا کیا کر لیتے ہیں۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے حالات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں۔ ورنہ رشتہ داری کا اسی خیال کر لیتے۔“ انہوں نے غم و غصے سے سارا الزام بیٹی پر بھرا۔

عادلہ نے بہت غصے سے ماں اور باپ کو دیکھا اور نب بھینچ کر تیزی سے کمرے سے چلی گئی۔

”اس کا کیا قصور ہے اسے کیوں ڈانت رہے ہیں آپ کے کہنے پر شادی کی گئی اس نے اس کے لیول اور مزاج کے لوگ نہیں تھے جان چھوٹی، ان سے اب اس کو کیوں الزام دے رہے ہیں۔“ بیگم نے فوراً بیٹی کی طرف داری کی۔

”آج یہ دن صرف تمہاری ہمہ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے۔“ انہوں نے بیوی کو بھی اپنے غصے کی لپیٹ میں لیا۔

”تم نے اگر ذرا بھی اولاد کی طرف توجہ دی ہوتی تو کم از کم آج یہ حالات نہ ہوتے سارا سارا وقت پارٹیز اور دعوتوں کی نذر کر دیا تم نے اور آج یہ دن دیکھ رہا ہوں میں۔ کالج کی کنت نئی دوستیاں اور جہ بانی فطرت، بجز زانی اور نا اہلی سے تو میں ویسے ہی مایوس ہو چکا تھا ایاز پر بھی پیسہ خرچ کر کے اس مقام تک لایا تھا ایک عادلہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتی تھی وہ بھی تمہاری باتوں میں آ کر سب تباہ کر گئی۔“ وہ شروع ہوئے تو سب حساب گناتے چلے گئے۔

”بہت خوب مجھے الزام دے لیں خود توجہ دے لیتے ساری عمر دولت اکٹھی کرنے میں گزار دی، نہ کرتے۔“ سب رونا دھونا بھول کر بے مروتی سے جواب دیا۔ درحقیقت عبدالقیوم کو اس کا اصل چہرہ دکھانا چاہتا تھا۔

”ہاں دولت اکٹھی کرنے میں گزار دی ساری عمر میں نے اور اس دولت پر ہمیشہ تم لوگوں نے کیا۔ جو بھی کمایا دوڑوں ہاتھوں سے لٹایا ہے تم لوگوں نے اور کالج اور ایاز کے لیتاے دن کے کنت نئے کارنامے بر باد کر کے رکھ دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔“ صوفی سے انھو کر چیخ کر کہا تو عادلہ نے اپنے کمرے سے نکل کر ان کو آ کر دیکھا۔ اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ تھا۔ اس کے ماں باپ جانوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو طعنے دے رہے تھے۔

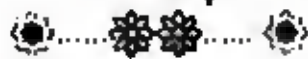
”کیا کر رہے ہیں آپ دونوں بیٹھ کر آرام دسکون سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے کیوں لڑ رہے ہیں۔“ اس نے ناگواری سے مداخلت کی۔

”کاش یہ سب میں نے پہلے سوچ لیا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“ بیوی کو حور کر بیٹی کو جواب دے کر وہ چلے گئے۔

بیگم ان کے جانے پر بے تحاشا بڑبڑانے لگیں تھیں۔

”سنھیا گیا ہے تمہارا باپ اب اس عمر میں آ کر مجھے طعنے دے رہا ہے خود تو ساری عمر دولت کے لالچ میں لگا دی اب کہتا ہے کہ سارا قصور میرا ہے۔“ چیخ کر کہتے عادلہ کوٹا کر وہ بھی وہاں سے چلی گئی۔

عادلہ نے سرخ چہرے اور از حد سنجیدگی کے ساتھ انہیں جاتے دیکھا تھا اس کے ذہن و دل میں ایک طوفان کی سی کیفیت برپا تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ہر چیز کو جس جس کر دے۔ عباس کی طرف سے موصول ہونے والے طلاق کے کاغذات کے بعد سے اس کے اندر یہ کیفیت مسلسل برپا تھی۔



ڈرائیور انا کو پک کرنے گیا تھا لیکن کافی انتظار کے بعد بھی وہ باہر نہ آئی تو اس نے کال کی مگر انا کا نمبر بند تھا اس نے پریشان ہو کر گھر کال کی۔

روٹی اور ضیاء صاحب گھر پر ہی ہوتے تھے روش نے کال ریسیو کی تھی۔ دونوں سن کر پریشان ہو گئے۔

بسکریہ نمبر ۱۴۰ مسکریہ نمبر ۲۰۱۵ اپریل ۲۰۱۵ مسکریہ نمبر ۱۴۰ مسکریہ نمبر ۲۰۱۵

”پلیز ولی بھائی پتا کریں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ ابھی سب لوگ گھر آ جائیں گے وہ نہ پہنچی تو سب نے پریشان ہو جانا ہے۔ ابھی کسی کو بھی نہیں خبر کی میں نے۔“ روشنی رو ہنسی ہو رہی تھی۔

”اوکے ڈونٹ وری میں خود دیکھتا ہوں۔“ ولید نے اسے تسلی دے کر کال بند کر دی تھی۔ شہوار کی بار بار کا تڑپتی رہی تھیں مغرب کے بعد تک سبھی گھر پہنچ گئے اور سبھی انا کی غیر موجودگی کا سن کر از حد خوف زدہ ہو چکے تھے۔ کچھ دیر بعد ولید اور چوکیدار بھی لوٹ آئے تھے۔

”کہاں جا سکتی ہے وہ تو دوست کے ہاں بھی جائے تو مجھے کال کر کے بتا دیتی ہے اجازت لے کر جاتی ہے۔ کہیں خدا نخواستہ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا۔“ ضیا صاحب کے دل میں طرح طرح کے اندیشے جاگ رہے تھے۔

”شہوار نے بتایا تھا کہ وہ کالج سے بھی کافی پہلے نکل گئی تھی اس نے کسی سے بھی ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔“ روشنی نے بتایا تو صہوتی بیگم اور شدت سے رونے لگی۔ احسن اور وقار صاحب مسلسل اس کے نمبر پر کال مارتے رہے جو مسلسل بند تھا۔ ولید لب بچھینے ایک طرف کھڑا تھا۔

”اسے بخار بھی تھا منجھے بھی کیا تھا کہ کالج مت جائے رات بھی بخار میں تھی رہی تھی۔ اللہ میری بچی کو اپنی حفظہ دامن میں رکھے میرا تو دل ہول رہا ہے۔“

”میرا خیال ہے پولیس کو رپورٹ کر دینی چاہیے خدا نخواستہ اگر کوئی حادثہ ہی ہو چکا ہے تو کم از کم ہمیں اطلاع تو ملنی چاہیے۔“ احسن نے موبائل ایک دم صوفے پر ڈالتے بہت ضبط سے کہا تو صہوتی بیگم اور بھی شدت سے روتی رہی۔

”مصطفیٰ کو کال کر دو ولید اتنے گھنٹوں سے وہ غائب ہے اب مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔“ احسن نے ولید کو دیکھا تو اس نے سر ہلا کر موبائل نکالا۔

”غصہ وہ یہ چھوٹی بات نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی بدنامی ہو ہم خود ہی اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“ وقار صاحب نے غم محال سے لہجے میں کہا تو ولید نے گہرا سانس لیا۔

”اتنے گھنٹوں سے ہی کوشش تو کر رہے ہیں اگر وہ ابھر ادر ہو تو اب تک گھر پہنچ چکی ہوتی۔ اس طرح ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھ سکتے نا۔“ ولید کے انداز میں کافی تیزی تھی۔ احسن نے بھی سر ہلا کر اتفاق کیا تھا۔

”لیکن ولید بیٹا بات پولیس تک پہنچنے کا مطلب ہے کہ بات گھر سے نکل کر لوگوں کے علم میں آ جائے گی۔ وقار ٹھیک کہہ رہا ہے یہ پاکستان ہے یہاں ایسی باتیں بہت تیزی سے پھیلتی ہیں۔ یہ وقت جذبات کا نہیں ہوش سے کام لینے کا ہے۔“ ضیا صاحب نے بھی کہا تو اس نے بھی سر ہلایا۔

”مصطفیٰ کوئی غیر نہیں میرا دوست ہے وہ بات سنانے تک دکھے گا اس کی مدد لینے میں کوئی حرج نہیں۔“

”وہ سب ٹھیک ہے لیکن کچھ دیر اور انتظار کر لو، پھر مجھے مصطفیٰ کو بلو الیٹا۔“ وقار صاحب کا انداز تھی تھا۔

ولید لب بچھینے سچ کر ہاں نکلا تو احسن بھی اس کے پیچھے فوراً نکلا تھا۔

”میرا خیال ہے ہمیں پھر ادر ادر دیکھ لینا چاہیے ہو سکتا ہے وہ اپنے اسپتال وغیرہ میں ہو۔“ اس کے سامنے آ کر احسن نے ایک امید سے کہا تو ولید نے محض سر ہلایا۔

در حقیقت وہ اس قدر پریشان تھا کہ سوچنے بچھنے کی تمام صلاحیتیں سب ہو چکی تھیں اس نے اتنا پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ دل میں انا کے خلاف بے حد غصہ گھرا ہوا تھا۔ اس کی کم عقلی و بے وقوفی پر اس کی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہتا لیکن اس سب کے باوجود دل کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے یا وہ اس طرح نظروں سے اوجھل ہو جائے جوں جوں وقت گزر رہا تھا اسے لگ رہا تھا کہ دل کی ہر دھڑکن مدہم پڑتی جا رہی ہے۔

سوائے ولید کے وہ اس طرح ساکت و صامت اسے دیکھ رہا تھا۔

"کہاں تھیں تم؟" اس سے جدا ہوتے انہوں نے پوچھا تو دوسرے جھکائے کھڑی رہی۔

"بتاؤ نا کہاں تھی تم؟" اب کی بار انہوں نے ہنسنے لگا پوچھا تو ضیاء صاحب ایک دم آگے بڑھے تھے۔

"کیا کر رہی ہو صبحی اسے بیٹھنے تو دو۔" انہوں نے اسے ساتھ لگا کر کہا۔

انہوں نے اسے صوفے پر بٹھایا تو شہوار نے آگے بڑھ کر زمین پر کھری کتابیں اور موبائل اٹھالیا تھا اس کا بیگ اس کے بازو پر جمول رہا تھا۔ دوسرے کندھے پر چادر تھی وہ ابھی تک اسی کانچ والے حلیمے میں ہی تھی۔ بس فرق یہ تھا کہ اس کا چہرہ ستا ہوا اور بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں بے تحاشا رونے سے سرخ اور ناک انار کی طرح دھک رہی تھی۔ انا کی حالت قابل تشویش تھی۔

"روٹی بہن کے لیے پانی لاؤ۔" ضیاء صاحب کو اس دوران محسوس ہوا کہ وہ بخار سے دھک رہی ہے۔ وقار صاحب اور احسن نے ضبط سے لب بچھڑکے تھے جبکہ ولید خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا شہوار اور مصطفیٰ خاموش تماشا سنی ہے۔ وہ دونوں تو انا کی خبر لینے آئے تھے کیا پتا تھا کہ یہاں صورت حال ایک دم بدلے گی روشی پانی لے آئی تھی تو ضیاء صاحب نے گلاس اس کے لبوں سے لگانا چاہا تو دوسرے پیچھے کر گئی تھی۔

"تم ٹھیک ہونا؟" انہوں نے دوبارہ پانی پلانے کی کوشش نہیں کی تھی گلاس ایک طرف رکھتے محبت سے پوچھا۔ وہ اس طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"انا کہاں تھیں تم۔" احسن اس کے پاس چلا آیا تھا۔

وہ اور ولید اس کی تلاش میں اس قدر خوار ہو چکے تھے کہ حد نہیں اور اب اسے یوں اس حالت میں سامنے دیکھ کر احسن کے اندر ایک دم غصے کا بال اٹھا تھا۔

"بتاؤ کہاں تھی تم؟" اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت طیش کے عالم میں پوچھا۔

"احسن پلیز اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی۔ یہ سمجھتی ہے تو آرام و سکون سے پوچھ لیتا۔" مصطفیٰ نے احسن کے غصے و طیش کو محسوس کرتے کہا تو وہ لب بچھڑک کر تیزی سے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تو مصطفیٰ نے شہوار کو اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھی تھی۔ شہوار نے اس کی بس اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ خود اس کے بازو سے بیگ نکال کر چادر رست کی اور اس کا بازو تھام کر اٹھانا چاہا تھا۔

"چنواؤ کمرے میں چلتے ہیں۔" اس نے کہا تو وہ نہیں اٹھی۔

"انا چلوؤ نا؟" شہوار نے زور دیا اور پھر بازو سے تھام کر کھڑا کیا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس کے ساتھ چل دی۔

شہوار اور روشی اسے لے کر کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ صبحی بیگم شدت سے رو دیں۔

"اس سے پوچھنے تو دیں کہ وہ کہاں تھیں۔ ایسی کیوں ہو رہی ہے؟"

"وہ ابھی ہوئی ہے اس کی حالت دیکھو سمجھتی ہے تو سب سوال جواب کر لیتا لیکن ابھی اسے کوئی بھی مت چھیڑے۔"

ضیاء صاحب نے سمجھایا تو وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔

انا کا اس طرح غائب ہو جانا اور اب واپس آ جانا، موبائل کا مسلسل آف رہنا کئی ایسے سوال اٹھا رہا تھا کہ خوف سے صبحی بیگم کا دل بیٹھنے والا تھا۔ مصطفیٰ نے ماحول پر چھائی کشیدگی محسوس کرتے ولید کو دیکھا وہ اسی طرح دیوار کے ساتھ سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس نے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا۔ چہرہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

”تم بیٹھو میں آتا ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہاں سے نکل گیا تھا۔ مصطفیٰ نے خاموشی اسے جاتے دیکھا تھا۔

وہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی شہوار اور روشنی اس کے دائیں بائیں تھیں۔

”انا کیا مسئلہ ہے کہاں تھی تم۔ تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کس قدر پریشان رہے ہیں اس سارے عرصے میں ہم سب تو یہاں تک سوچ بیٹھے تھے کہ ہمیں خدا نخواستہ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا ہم نے ہر جگہ تمہیں تلاش کیا ہے ولید بھائی اور احسن مختلف اسپتال تک کھنگالے ہیں۔“ روشنی نے کہا تھا وہ پھر بھی خاموش تھی۔

”کیا ہوا ہے تمہیں، پوچھ لو۔“ روشنی نے اسے سختی سے جھنجھوڑا لایا تھا انا کا چہرہ ایک دم بالکل زرد ہو گیا تھا۔

”روشنی پلیز اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔“ شہوار جو اسے بغور دیکھ رہی تھی ایک دم پریشان ہوئی تھی۔

تب ہی ولید کمرے کے دروازے پر آ رکھا تھا۔ شہوار اور روشنی دونوں نے اسے دیکھا تھا جبکہ انا اپنا سر اپنے گھٹنوں میں چھپا گئی تھی۔ وہ اندم آ گیا تھا۔

وہ قریب آیا تو روشنی اور شہوار اس کے پاس سے اٹھ گئی تھیں۔ دونوں بغیر کچھ کہے باہر نکل گئی تھیں۔ ولید نے خاموشی سے اسے دیکھا تو وہ گھٹنوں میں سر دیے ہوئے تھی ولید اس کے سامنے ستر کے کنارے نکلا گیا تھا۔

”انا.....“ ولید نے پکارا تو وہ ساکت ہو گئی تھی۔ گویا پورا وجود پتھر ہو گیا ہو۔

”یہ سب کیا ہے، کہاں تھیں تم۔“ وہ پوچھ رہا تھا کچھ میں بے پناہ سنجیدگی و سرور پہن تھا۔ ”اٹنے بیٹھے کہاں تھیں تم..... تمہیں اندازہ ہے کہ ہم کتنا خوار ہوئے ہیں؟“ انا کی پوزیشن میں ذرا بھی فرق نہ آیا تھا۔

”میں تم سے مخاطب ہوں انا۔“ ایک دم تھی سے کہتے ولید نے اس کا بازو پکڑا تو وہ اس کی طرف لڑھک گئی۔

ولید نے دیکھا اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ تھیں اور وہ ہونٹ کھل رہی تھی۔

”انا.....“ ولید نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی گئی۔ جب سے وہ لونی تھی یہ پہلا ہی ایکشن تھا جو اس کے مسلسل پتھر پلے جوڈ میں سے بہا رہا تھا۔ ولید لب بلبھیچھا سے دیکھتا رہا۔

اس کا وجود زبرد رہا تھا۔ سسکیاں بے اختیار تھیں۔ ولید اس کے یوں رونے سے الجھ گیا تھا اس کا اس طرح کی گھٹنے غائب رہتا اور اب خود ہی واپس آ جانا ایک سوالیہ نشان تھا جس کا کوئی سراہا تھا نہیں لگ رہا تھا اس نے بڑی بے چین ہوا یہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ نظر میں کھونج تھی۔ وہ بالکل اسی حلیے میں تھی جس حلیے میں وہ صبح کالج کے لیے نکلی تھی۔ لیکن حلیہ بگھرا ہوا تھا۔ وہ روتے روتے پھر اپنے گھٹنوں میں سر جھکا گئی تھی ولید خاموشی سے بیٹھا رہا تھا کچھ توقف کے بعد اس کی سسکیاں ختم ہو گئی تھیں۔

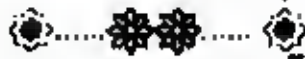
”انا.....“ ولید نے پکارا پھر وہ چپ رہی۔

”انا.....“ ولید نے اس کا بازو دھسا لیا تو وہ ایک دم اس کے ہاتھ کے دباؤ سے ایک طرف لڑھک گئی۔

”انا.....“ ولید ایک دم پریشان ہوا اور اس کو سیدھا کیا اور ہاتھ تھم کر نبض چیک کی۔ انا بے ہوش ہو چکی تھی اسے اس حالت میں دیکھ کر ولید کے اندر ایک دم وحشت سرایت کر چلی گئی۔

”روشنی.....“ اس نے لوٹتی اور تیز آواز میں پکارا تو روشنی کے ساتھ ساتھ شہوار بھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ دونوں شاید باہر ہی تھیں جنوڑا آ گئی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ انا کو اس طرح اس حالت میں پڑے دیکھ کر دونوں بے اختیار آگے بڑھی تھی۔



رابعہ کھانے کے بعد اپنا کمپیوز کھولنے بیٹھی تھی۔ ابھی وہ ایک سائٹ سرچ کر رہی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔

اس نے کال ریسیو کی دوسری طرف ہادیہ تھی جو سلام دعا کے بعد پوچھ رہی تھی۔
”کیا کر رہی ہو؟“

”بھائی کو کپڑوں کے کچھ بزنس دیکھا ہے اور کار تھے وہی سرچ کر رہی ہوں۔“
”اوکے۔“ دوسری طرف وہ بخجیدہ تھی۔

”تم کیا کر رہی ہو؟“

”میں فیس بک پوز کر رہی تھی ابھی ایک پوسٹ دیکھی تو سوچا تم سے ہی بات کر لوں۔“ ہادیہ سے بات کرتے کرتے
راہجہ نے ایک دو بزنس آن کو سلیکٹ کر لیا تھا۔

”کیسی پوسٹ؟“ انداز بے پروا تھا۔

”تمہاری اور سرعباس کی کچھ ٹیکس ہیں۔“ ہادیہ نے بتایا تو وہ ایک دم چونکی۔
”کیا مطلب۔“

”کس کی ٹیکس ہیں؟“ اس کی تمام توجہ بزنس سے ہٹ گئی تھی۔

”تم اپنی آئی ڈی اوپن کرو اور میری وال چیک کرو تمہیں سب پتا چل جائے گا۔“ ہادیہ نے بتایا تو وہ ساکت ہو گئی تھی
اس نے فوراً فیس بک اپنی آئی ڈی لاگن کی تو ہادیہ کی کال ابھی جاری تھی۔

اس نے ہادیہ کی آئی ڈی اوپن کی تو سب سے پہلی پوسٹ دیکھ کر ہی اس کے پیروں تلے سے گویا زمین ہرک گئی تھی۔
اس کی اور سرعباس کی وہی تصاویر تھیں جو سرعباس کی بیوی عادلہ نے اسے دکھوائی تھیں جس کے ساتھ دھمکی بھی تھی کہ وہ ان
تصاویر کو سوشل میڈیا پر لگا دے گی اور اب یہ تصاویر سوشل میڈیا پر تھیں۔ وہ جانتی تھی یہ سب ٹیک ہے مگر یقین کون کرتا۔ وہ
بت نہی آ نکھیں پھرتے تصاویر دیکھ رہی تھی۔ سرعباس کے ساتھ اس کی انتہائی واہیات قسم کی تصاویر تھیں۔
”راہجہ.....“ ہادیہ نے پکارا تو وہ چونکی۔

”دیکھا تم نے۔“

”ہادیہ یہ تصاویر۔“ اس کی آواز لرز رہی تھی۔ وہ ایک محتاط اور منڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تھی۔ وہ یہ سب بدنامی انفریڈ نہیں
کر سکتی تھی۔

”یہ عادلہ نے اپنی نوڈ کی ہیں اور مجھے بھی ٹیک کیا تھا۔“

”یہ تھوٹ ہے یہ تصاویر سب ٹیک ہیں۔“ وہ ایک دم رونے لگی تھی۔

”ہاں میں جانتی ہوں ذرا پوسٹ کو چیک کرو دیکھو کتنے سارے لوگوں کو عادلہ نے ٹیک کیا ہوا ہے۔ ان میں سے تو سر
عباس کے بہت قریبی جاننے والے ہیں یہی اصل میں تمہیں نہیں بلکہ سرعباس کو بدنام کرنا چاہ رہی ہے۔“
”ہادیہ میری آئی ڈی پر تو میرے بھائی بوز بھی بہت سے جاننے والے لائیڈ ہیں اگر کسی نے یہ سب دیکھ لیا تو۔“ وہ رو رہی
تھی۔ متوقع بدنامی کے خوف نے اسے مجھ کر دیا تھا۔

”میں بھی یہی سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں بچانے اس نے کس کس جگہ یہ ٹیکس شیئر کی ہیں ان پوسٹوں پر لوگوں کے
ٹیکس پر تھوڑا۔“ ہادیہ نے کہا تو اس نے جھلملائی آنکھوں سے ٹیکس دیکھنا شروع کیے۔ ہر دوسرے بندے کا ٹیکس
اس کے وجود سے گویا جان نکالتا چلا جا رہا تھا۔

”یہ کیا ہے سب۔“ دوسری طرف ہادیہ نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

”آئی لو۔“

"سر عباس کو ہمارا نہیں علم بھی ہے کہ نہیں اتنے بڑی انسان ہیں وہ ہمارا نہیں وہ نہیں ایک کے اسٹیشن دیکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ اگر انہوں نے ایک بار دیکھ لیا تو جی کہوں یہ عاقلہ زندہ نہیں بنے گی۔" ہادیہ کہہ رہی تھی اور وہ بس روتی رہی تھی۔

"تم سر عباس سے بات کرو ان کو بتاؤ اگر بات پھیل گئی تو بہت دور تک جائے گی۔" ہادیہ مشورہ دے رہی تھی۔

"میں..... میں بھناناں سے کیا ہوں۔" اس واقعہ نے گویا ساری عقل خبط کر دی تھی۔

"او کے تم ٹینشن مت لو میں سر سے بات کرتی ہوں۔" ہادیہ نے کہا۔

"عاقلہ جیسی عورت سے وہ خود ہی نسبت لیں گے۔" ہادیہ کے الفاظ پر وہ چپ رہی تھی وہ اسے مزید چند اور تسلیاں دیتے کال بند کر گئی تھی جبکہ وہ ابھی تک بے حس و حرکت بیٹھے آنسوؤں سے کمپیوٹر کی اسکرین پر روشن جگمگاتی تصاویر دیکھ رہی تھی۔



انا کے زویں سسٹم پر اثر ہوا تھا تاہم خطر سے والی کوئی بات نہ تھی دو تین گھنٹوں بعد اسے ہوش آ گیا تھا لیکن ذہنی طور پر وہ اس کاٹل نہ تھی کہ کسی سے بات کرتی یا سوال و جواب کا سلسلہ چلتا۔ ڈاکٹر نے اسے پھر سے نریکولائز کے حوالے کر دیا تھا۔ سب ہی کا پریشانی اور ٹینشن سے برا حال تھا۔

پہلے انا کی گمشدگی اور اب اس کی یہ کنڈیشن صوبی ہیٹم کا تو رورور کر برا حال تھا۔ ضیاء صاحبہ تو مسلسل تسلیاں دے رہے تھے۔ ولید گم صم تھا۔ وقار صاحبہ خاموش تھے اور احسن اس کے اندر گویا غم و غصے کا طوفان اٹھا ہوا تھا۔ انا کا اس طرح مسلسل کئی گھنٹوں تک غائب رہتا اور پھر اس طرح گھر واپسی اور اب یہ بے ہوشی؟

مصطفیٰ اور شہوار دونوں مسلسل تسلی دولا سے کافرغہ سرانجام دیتے رہے تھے۔ روشی گھر پر تھی۔ انا کی طبیعت سنبھلی تو ضیاء وقار اور صوبی ہیٹم کو بڑا صراحت گھر بچھو دیا گیا تھا۔ انا کو دوران کم از کم اسپتال ڈاکٹر زکی زمر نگرانی رکھنا تھا۔ احسن اور ولید وہیں رک گئے تھے۔ احسن بار بار ولید سے نظریں چار رہا تھا جس کا انداز بہت کچھ سوچتا ہوا اور گم صم تھا۔ نجانے کیوں احسن کو لگ رہا تھا کہ انا کی گمشدگی اور پھر واپسی آنے کے پیچھے انا کا اپنا ہاتھ ہے۔ اگر کوئی حادثہ نہ ہوتا یا کوئی اور وجہ ہوتی تو انا واپسی پر اس طرح ری ایکٹ نہ کرتی۔

ضیاء صاحبہ اور باقی لوگوں کے جانے کے بعد مصطفیٰ نے شہوار سے واپس چلنے کا کہا وہ انا کے پاس ہی تھی ڈاکٹر نے اسے ایک تو میڈیکل اسٹوڈنٹ کے سبب دوسرا مصطفیٰ کے کارڈ دکھانے پر روم میں انا کے پاس جانے دیا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر مصطفیٰ کے ساتھ ایک طرف بیچ پر بیٹھے ولید اور احسن کے پاس آ گئے تھے۔

"او کے یار چلتے ہیں۔" مصطفیٰ نے کہا تو ولید اور احسن دونوں کھڑے ہو گئے تھے۔

"وہ ٹینکس یار ہماری وجہ سے تم لوگوں کو اتنی پریشانی اٹھانا پڑی۔" احسن نے مصطفیٰ سے ہاتھ ملاتے کہا تو مصطفیٰ مسکرا دیا۔

"کوئی پریشانی نہیں اور نہ ہی کوئی زحمت اٹھانی ہے یہ تو ہمارا اخلاقی فرض تھا۔"

"انا کو جب حمل طود پر ہوش آئے تو مجھے اطلاع کر دینی چاہیے۔" شہوار نے بھی کہا تو احسن نے سر ہلایا۔

"او کے ولید، ذونت وری سب ٹھیک ہو جائے گا۔" مصطفیٰ نے ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ ہنسا مسکرا دیا۔

وہ دونوں سلام دعا کے بعد چلے گئے تو ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔ احسن نے بغور اسے دیکھا وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا وہ سیکنڈ فلور پر تھے باہر سڑک پرانی جالی گاڑیوں کی روشنیاں تھیں۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" احسن نے پوچھا تو ولید چونکا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا تو احسن نے سر جھکا لیا۔

”ولید میں تمہاری فیئلٹور کنڈیشن سب سمجھ رہا ہوں میں جانتا ہوں انا کی اس طرح گمشدگی اور پھر خود واپس آ جانے پر تم کیا ہم سب بہت الجھ گئے ہیں۔ ذہن میں طرح طرح کے سوالات اٹھ رہے ہیں لیکن کچھ کہنے کوئی حتمی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر ہیں۔ اب اصل بات تو انا ہی بتا سکتی ہے۔ پلیز تم ابھی ایسی ویسی کوئی بات نہیں سوچنا وہ ہوش میں آتی ہے تو میں خود اس سے بات کروں گا۔“ وہ اس کے سامنے شرمندہ تھا۔ مدامت سے بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ولید نے ایک گہرا سانس لیا۔

”تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔ میں ایسا ویسا کچھ بھی نہیں سوچ رہا۔ میں انا کو ابھی طرح سے نہ سمجھ رہا ہوتا تو بھی جانتا تھا کہ وہ کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے۔ وہ گئی اس کی گمشدگی واپس بات بس وہ الجھاری ہے خیر وہ واپس آ گئی ہے جب ہوش میں آئے گی تو صحیح صورت حال کا بھی علم ہو جائے گا۔ ابھی قبل از وقت کچھ بھی کہنا درست نہیں ہوگا۔“ ولید کے الفاظ گویا احسن کے اندر زندگی بھر کر رکھ گئے تھے اس نے ایک گہرا اطمینانیت گہرا سانس لیا تھا۔

وہ جانتا تھا انا کرداری لحاظ سے کوئی کمزور لڑکی نہیں ہے لیکن پھر بھی اسے اس طرح گھر میں دیکھ کر وہ خائف ہو گیا تھا دل میں خواہناہ کے خدشات جو دور آئے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ انا سے بس ایک پل میں ساری حقیقت اٹھوا لے۔

”تم انا کے پاس چلے جاؤ میں ذرا تب تک باہر کینٹین سے کچھ کھانے پینے کو لے آؤں۔ انا کی پریشانی میں سبھی بھوکے پیاسے بیٹھے ہوئے تھے یہی باتیں بھی جھوک لگی ہوگی۔“ احسن ولید کے الفاظ سے ایک دم ہلکا پھلکا ہوا تھا۔ وہ چلا گیا تو وہ روم میں آ گیا تھا۔ مصطفیٰ کی بدولت پیشرفت کے ساتھ ایک وقت میں صرف ایک اینڈنٹ کو ساتھ رہنے کی اجازت ملی تھی۔ نرس انا کے پاس کمری پر بیٹھی ہوئی تھی اسے دیکھ کر کھڑکی ہو گئی تھی۔

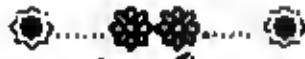
”اگر آپ جانا چاہیں تو جا سکتی ہیں میں اوہری ہوں۔“ انا کو ڈرپ لگی ہوئی تھی اور وہ خود ادویات کے سبب بے خبر تھی۔ نرس اس کی تسلی پر اسے کچھ ہدایات دے کر چلی گئی تھی۔ وہ آہستگی سے انا کے بستر کے پاس آ رہا تھا۔

وہ بے خبر بیٹھی ہوئی تھی۔ سفید چادر اس نے کندھوں تک اس کے وجود کو ڈھانپنے ہوئے تھے بس چہرہ اور دایاں بازو باہر تھا جس پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ ولید کو اس کے لڑشتہ روار کھے گئے تمام سلوک یاد آئے لگے تو اس نے لب سمجھ لیے۔ وہ اس سے اس حد تک بدگمان ہو چکی تھی کہ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

انا کی فنگلی، اس کی ناراضگی اور اس کے شکوے اگر عام نوعیت کے ہوتے تو وہ ہنسی خوشی اس کا ہر نخرہ سر آنکھوں پر اٹھاتا۔ ابھی تک تو وہ سبھی کرتا آیا تھا مگر اب ایک دم اس نے گویا آسمان سے زمین پر پرتن دیا تھا۔ انا بدگمان تھی کہ حد نہیں اور اس سے کچھ سننے کی بھی روادار نہ تھی۔ لیکن اب انا کی تکلیف سے تکلیف سے دوچار کر رہی تھی۔ ولید آہستگی سے کمری بستر کے قریب تھیسٹ کر بیٹھ گیا تھا۔ ولید نے آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ نرم سبک سا ہاتھ اپنی تمام تر نری لیے اس کے ہاتھ کے نیچے تھا۔ وہ جو اس کی بدگمانی پر اس پر بجا تھا غصے کے عالم میں اس کے رخسار پر اپنا ہاتھ بیٹھا تھا اور اس پر اسے قطعی پکچھتاوا بھی نہ تھا لیکن اس وقت اپنی تمام تر انسنت بھلائے وہ بھی یہ سوچ رہا تھا کہ انا کہاں تھی اتنے گھنٹے اور پھر واپس آئی تھی تو پھر کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔

اگر کہیں گئی بھی تھی تو کم از کم کچھ سیانس تو دیتی، کوئی جواب..... کچھ تو کہتی۔ اسے انا کا وہ ہم صم انداز بے انتہا الجھا گیا تھا۔ وہ بھی اس انداز میں ہم صم بیٹھا ہوا تھا کہ نرس اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شاپر تھا۔

”آپ کے ساتھ جو سٹھیں ہیں انہوں نے یہ بھجوا دیا ہے اور کہہ رہے تھے کہ وہ نیچے ویننگ روم میں جا رہے ہیں اگر کوئی



ہاویہ نے عباس کو کال کی تو وہ سونے کی تیاری میں تھا لیکن اس کی کال کے بعد تمام نینداڑ چکی تھی وہ فوراً اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن عادلہ کا کارنامہ دیکھ کر وہ ہارے غصہ کے کمرے میں ٹھٹھنے لگا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ عادلہ سامنے ہوتی تو وہ اس کو زندہ دگر کر دیتا۔ عباس نے فوراً راجہ کو کال کی لیکن دوسری طرف راجہ کی سسکیاں سن کر دل کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔

"میں نے کیا بگاڑا تھا اس عورت کا سر، میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں آپ کی اسپتالی تھی اور میں نے اس کی آفر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"راجہ پلیز خود کو سنبھالیں۔" عباس از حد شرمندہ ہو رہا تھا۔

"سر میں بدنام ہو جاؤں گی سر اگر میری فیملی کو ظلم ہو گیا تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گی۔" اس کی سسکیاں تھمنے میں ہی نہیں آ رہی تھیں۔ عباس کے دل پر منوں بوجھ بڑھ رہا تھا۔

"راجہ پلیز..... میں وعدہ کرتا ہوں آپ کو کوئی آج نہیں آئے دوں گا۔ میری بات کا اعتبار کریں، بلیوی۔"

"لیکن سر میری فیملی۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"اگر کوئی مسئلہ ہو تو میں دیکھ لوں گا۔" عباس کے الفاظ بھی اس کی تسلی و تشفی نہیں کر پا رہے تھے وہ اور شدت سے رونا شروع ہو گئی تھی۔

"سر میں ایک عزت دار گھرانے کی بیٹی ہوں سر میں نے ہمیشہ اپنے چہرے کو بری نظر سے بچانے کی کوشش کی تھی اور اب یہ عالم ہے کہ ساری دنیا کے سامنے میرا چہرہ رکھ دیا گیا ہے اور ہر کوئی اپنی ذہنی سطح کے تحت میرے چہرے پر ٹھنکس پاس کر رہا ہے۔" عباس کے اندر ایک دم شدید بیجانی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی دل چاہ رہا تھا کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر عادلہ کا گلا دبا دے۔

"راجہ پلیز دیکھیں میری بات کا اعتبار کریں میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا لیکن صبح ہوتے ہی سب معاملہ ہینڈل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" عباس کے لہجے میں بے بسی کی انہج تھی۔

"میرے لیے شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے سر میں سچ کہتی ہوں اگر میری ذات میرے کردار اور میرے خاندان کی عزت کو کوئی نقصان پہنچا تو میں آپ کو بھی کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ اس وقت اذیت کے عالم میں تھی روتے ہوئے کہہ کر اس نے کال بند کر دی تھی۔ عباس موبائل بستر پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

بات اگر اس کی ذات تک ہوتی تو وہ شاید خاموش رہتا لیکن اب بات لوگوں تک پہنچ چکی تھی ایک لڑکی کی پوری ذات واؤپر لگ گئی تھی وہ جانتا تھا کہ عادلہ نے یہ عمل کیوں اٹھایا ہوگا۔ محض اپنی طلاق کا بدلہ لینے اور اپنے بھائی کی گرفتاری کا سن کر گھر واپسی پر ہی تو یہ خوش خبری ملی تھی کہ ایاز گرفتار ہو چکا ہے۔ عباس پریشانی سے ٹھل رہا تھا بھی باہر گاڑی کے ہارن نے متوجہ کر لیا تھا مصطفیٰ کی گاڑی تھی۔ مصطفیٰ شہوار کے ہمراہ اپنے دوست کے ہاں گیا ہوا تھا شاید ابھی واپسی ہوئی تھی۔

عباس نے ایک دوہلے کچھ سوچا اور پھر باہر نکل آیا۔ شہوار اور مصطفیٰ اندر داخل ہوئے تو عباس کو دیکھ کر رک گئے۔

"السلام علیکم! دونوں نے سلام کیا۔"

"وعلیکم السلام۔"

"آئے دوست سے۔"

"جی۔" دونوں نے ولید کے ہاں جانے کی اصل وجہ گھر میں کسی کو بھی نہیں بتائی تھی۔

”مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے اس وقت کچھ زحمت تو ہوگی لیکن پیسج کرنے کے بعد میرے کمرے میں آ جاؤ وہیں بات کرتے ہیں۔“ عباس کا انداز سنجیدہ تھا مصطفیٰ چونکا۔

عباس داپس کمرے میں چلا گیا تو مصطفیٰ نے پرسوج نظروں سے اٹھس جاتے دیکھا تھا وہ اسے کچھ پریشان سے لگے تھے۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ ہو رہے تھے بھی اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے۔

”آپ چلیں میں من جی سے مل آؤں۔“ شہوار کہہ کر ممبر النساء کے کمرے کی طرف چل دی۔
 ”مصطفیٰ کچھ سوچتے اپنے کمرے میں آیا اور لباس بدلنا اور فریش ہو کر وہ عباس بھائی کے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ لیپ ٹاپ کھولے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

”اوہری آ جاؤ مصطفیٰ۔“ عباس کے کہنے پر وہ ان کے پاس ہی بستر پر بیٹھ گیا تھا۔
 ”یہ دیکھو مصطفیٰ۔“ تمہیں تو شرمندگی کی بات لیکن مصطفیٰ سے شکر کیے بغیر کوئی اور حل بھی نہ تھا۔ مصطفیٰ نے چونک کر اپنے سامنے کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین کو دیکھا تھا۔

”یہ.....!“ مصطفیٰ ایک دم سہکت ہوا تھا۔ اس نے فوراً نگاہ ہٹائی تھی۔ عباس سر جھکائے ہوئے تھا۔
 ”یہ سب فیک ہے۔ تم ذرا پوسٹ دیکھو یہ عادلہ کا کام ہے وہ پہلے بھی کچھ ایسی جکس بنوا کر میری ایک ایمپوائی کو کھوا چکی تھی اور اب مجھ سے طلاق کا بدلہ لینے کے لیے یہ سب کر رہی ہے تاکہ وہ ہمیں بدنام کر سکے۔“ عباس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

”اوہ...“ اس کے بعد عباس نے اسے تمام تفصیل کہہ دی تھی مصطفیٰ لب بھینچے حیرت زدہ تھا۔ محض انتقام کے لیے کوئی عورت اتنی بھی کر سکتی ہے اور اس سے بھی زیادہ شرمندگی کا مقام یہ تھا کہ یہ نفسیاتی طور پر دیوالیہ عورت کہی ان کے خاندان کا حصہ تھی۔ ان کے فاق کی حقیقی ماں۔

”تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں نے شادی کے بعد اس عورت کے ساتھ کس قسم کی ذہنی ازیت برداشت کی ہوگی میں نے کوئی خوشی سے طلاق کا فیصلہ نہیں کیا تھا کاش کوئی جان سکتا میں ان دنوں کس قدر ڈسٹر پر رہا ہوں لیکن میں محض اس عورت کی وجہ سے یہ سب کرنے پر مجبور ہوا تھا۔“ عباس از حد پریشان تھا۔

”لیکن اب میری وجہ سے وہ معصوم لڑکی بدنام ہو رہی ہے لوگ محض وہی دیکھتے ہیں جو ان کو دکھایا جاتا ہے لیکن کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان تصاویر کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے پیسے میں نے یہ مسئلہ بابا کے سامنے رکھا تھا تو انہوں نے میرے طلاق کے فیصلے کی حمایت کی تھی اب تم سے کہہ رہا ہوں تم بتاؤ تم میری کیا بد کر سکتے ہو مجھے اپنی قطععی فکر نہیں لیکن مجھے اس معصوم لڑکی کی پروا ہے۔“ مصطفیٰ کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا تھا۔

”سب سے پہلا مل بیکی ہے کتا پ کی طرف سے عادلہ پر کیس ہوگا جس کے تحت اس کو گرفتار کر کے ان تمام جگہوں پر جہاں پولیس کی گئی ہیں یہ تصاویر پبلٹ کرالی جائیں دوسرا حل یہ ہے کہ کل خود جا کر اس سے بات کر لیتے ہیں تاکہ علم ہو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔“ مصطفیٰ نے اس پیش کیا۔

”صاف اور واضح بات ہے کہ وہ محض انتقام یہ سب کر رہی ہے اور کوئی ریزن نہیں اس سے بات کرنا سب بے کار ہے میں اس پر سب احتجاج نہ استعمال کر چکا ہوں وہ عورت سمجھنے سمجھانے والی نہیں ہے۔“

”چند ٹھیک ہے یہاں فرصت میں بیکی کا نمبر دیتے ہیں عادلہ کو بروٹی براس جگہ پر جہاں جہاں اس نے ٹکس شیئر کی ہیں ڈیٹ راستے میں باقی کا کام بعد میں دیکھیں سننا آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ مصطفیٰ کا انداز نسلی دینے والا تھا۔

”مجھے خود سے زیادہ اس لڑکی کی فکر ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں مصطفیٰ وہ کس قدر دروغی ہے وہ کرواری الفاظ سے بہت اچھی لڑکی ہے تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ با کروار لڑکیوں کے لیے یہ سب مرجانے کے مترادف ہوتا ہے۔“ عباس کا لہجہ ایک دم رنجیدہ ہو گیا تھا۔

”وہ لڑکی بہت پاکیزہ خیالات کی مالک ایک مضبوط لڑکی ہے اس کے وجود نے مجھے احساس دلایا تھا کہ عادلہ جیسی عورتوں کے باوجود دنیا میں ابھی با کروار لڑکیوں کی کمی نہیں۔ کاش تم اندازہ لگا سکتے اس لڑکی کی مضبوطی اور کرواری کا حتمی کا۔“ مصطفیٰ نے اپنے بڑے بھائی کو بغور دیکھا۔ رابعہ کے لیے عباس کے لب و لہجے میں از حد عقیدت و احترام تھا۔ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”ٹینشن نہ لیں میں کوشش کرتا ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے ویسے عادلہ کی آئی ڈی ہیک کرنا مشکل کام نہیں ایک جاننے والا ہے اس کو کہتا ہوں باقی کا کام عادلہ کو سامنے بٹھا کر کرالیں گے۔“ مصطفیٰ نے کہا تو عباس کو اس کی یہ بات پسند آئی تھی مصطفیٰ نے کسی کو کال کی اور پھر اسے عادلہ کی آئی ڈی کہا کہ تمام سٹیٹو سمجھانے لگا تھا۔ وہ دونوں ابھی باتیں کر رہے تھے کہ شہوار نے سے چائے کے گک لیے چلی آئی تھی۔ وہ لباس بدل چکی تھی عباس نے اسے دیکھ کر لب و لہجہ سے کہہ دیا تھا۔ اس نے دونوں کو چائے کے گک تھمائے تھے۔

”آپ چائے نہیں لے رہے ہیں۔“ عباس بھائی کے سامنے مصطفیٰ نے مسکرا کر شہوار سے پوچھا تھا الفاظ میں احترام تھا۔

”میں نیندا رہی ہے بس نماز پڑھ کر سوؤں گی۔“ شہوار نے مسکرا کر جواب دیا۔

”اوکے میں عباس بھائی کے ساتھ کچھ بڑی ہوں۔ ذرا غ ہو کر آ جاؤں گا۔“ مصطفیٰ نے کہا تو وہ سر ہلا کر چلی گئی۔ وہ دونوں کافی دیر تک اکٹھے بیٹھے رہے تھے مصطفیٰ نے جس کو کال کی تھی اس شخص نے منٹوں میں آئی ڈی ہیک کر کے نیا پاس ورڈ لگا کر اس کو بتا دیا تھا۔ اس کے بعد اس شخص کی ہدایات پر مصطفیٰ اور عباس کافی دیر تک عادلہ کی آئی ڈی سے جہاں جہاں پاس اپ لوڈ ہوتی تھیں ڈیلیٹ کر چکے تھے۔

فیس بک کے علاوہ اور نجانے کہاں کہاں تصاویر شیئر کی گئی تھیں اس بات سے وہ بے خبر تھے اب آئی ڈی ٹینشن تو ریلیف ہو چکی تھی باقی کا کام اب صبح کرنا تھا عباس بہت حد تک پرسکون ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ جب عباس کے کمرے سے ان کو سلی دلا سے دے کر نکلا تو اڑھائی بج رہے تھے۔

دروازہ ان لاک تھا مصطفیٰ نے ہاتھ رکھا تو کھلتا چلا گیا۔ شاید اس کے لیے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ ٹائٹ بلب روشن تھا باقی لائٹس آف تھیں۔ شہوار سو چکی تھی۔ مصطفیٰ نے اس کے سر کے نیچے سے کٹن کھینچ لیا تھا لیکن پھر بھی اس کی نیند نہیں ٹوٹی تھی مصطفیٰ مسکرا کر اس پر جھکا تھا۔

”شہوار..... اگلے ہی پل اس کی نیند ٹوٹ گئی تھی۔“

”بڑی گہری نیند تھی۔“ مصطفیٰ نے پھیپھڑوں سے جھینپ گئی۔

”آپ سوئے نہیں۔“ اس سے نظریں چرا کر تھوڑا پیچھے نیچے اس نے پوچھا۔

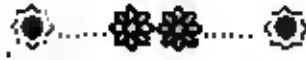
”عباس بھائی کے ساتھ تھا ابھی کمرے میں آیا ہوں۔“ مصطفیٰ نے اس کے رخسار سے بالوں کی لٹ پیچھے کرتے کہا تو وہ چونکی۔

”کیا نام ہوا ہے؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

”اڑھائی۔“

”ارساتی دیر تک ادھر رہے کوئی خاص بات تھی۔“ بالوں کو سمیٹ کر جوڑا بناتے اس نے پوچھا۔

چوٹی تھی مصطفیٰ کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھتا تھا مسکرا کر بازو پھیلا یا تو وہ چمکتے ہوئے بازو پر سر رکھتے دروازہ ہوتی تھی۔
 ”پریشان نہیں ہوتے سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔“ مصطفیٰ نے اس کے بالوں کو سہلاتے نرمی سے کہا تو وہ ہلکا سا مسکراتا نکلیں بند کر گئی تھی۔



وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی صبح تک ٹینشن سے برا حال تھا اس نے آفس سے بھی آف کر لیا تھا۔ وہ طبیعت خراب کا بہانہ کیے بستر پر لیٹی رہی تھی۔ ابو بکر دو دن سے آؤٹ آف مہنی کسی کام سے گیا ہوا تھا۔ وہ گھر میں ہوتا تو شاید وہ اس کے سامنے دل کا بوجھ ہٹا کر لیتی۔ بھابی کو کچھ کہہ کر وہ پریشان نہیں کرتا چاہتی تھی اور اگر امی کو کچھ بھنگ بھی پڑ جاتی تو انہوں نے مارے ٹینشن کے بستر سے لگ جانا تھا ثریا بیگم ایک مذہبی گھرانے کی پردہ دار خاتون تھیں۔

فیضان ماسوں کی بدولت ان کے دونوں بچوں نے وقت کے تقاضوں کے مطابق تعلیم تو حاصل کر لی تھی لیکن ماں کی سوچ کو نہ بدل سکتے تھے ثریا بیگم بھی بھی باپردہ رہتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر فوراً پریشان ہو جاتی تھیں۔ ایسے میں اگر ان کو ذرا بھی خبر ہو جاتی تو یقیناً صدمے سے انہوں نے غم حال ہو جانا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب دس بجے کے قریب بھابی اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ سر منہ لپیٹے بستر میں دوٹی ہوئی تھی۔

”رابعہ تمہارے پاس آئے ہیں۔“ انہوں نے لائٹ آن کر کے کہا تو اس نے چونک کر فوراً کبل سر سے نکالا۔
 ”سر..... سر عباس؟“

”ہاں، میں نے ڈرائنگ روم میں بیٹھنا ہے امی سے سلام دعا کر رہے ہیں۔ تم جلدی آؤ۔“ وہ کہہ کر بچتی تھیں لیکن پھر رکیں۔

”ہاں جلیہ درست کر کے آنا۔“ انہوں نے بکھرے بالوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ چلی گئیں۔ رابعہ نے ایک گہرا سانس لیتے بستر چھوڑا بالوں کا اٹھائیوں کی مدد سے درست کیا کپڑوں پر ایک ناقدرانہ نگاہ ڈالی بس ٹھیک ہی تھے۔
 ذہنی طور پر ایسی رستری چھائی ہوئی تھی کہ کسی بھی طرف دھیان نہیں جا رہا تھا اس نے واش روم جا کر منہ پر پانی کے پھینکے مارے لیکن آنکھوں کی سرخی بھی تھی۔ وہ رات دیر تک روٹی رہی تھی۔ رات جب سر عباس نے کال کی تھی تو وہ تب بھی حوصلہ ہار گئی تھی۔ ان سے بات کرتے وقت بھی بڑی شدت سے روٹی تھی۔ اب پھر آنکھوں میں نمی آنے لگی تو اس نے ناول لے کر چہرہ صاف کیا۔ استیضاح کی ہو رہی تھیں۔ وہ دوپٹا اٹھا کر اچھی طرح اوڑھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ باہر آئی تو امی ڈرائنگ روم سے نکل رہی تھیں۔

حسب عادت انہوں نے بڑی سی چادر اوڑھ رکھی تھی اور آدھے سے زیادہ چہرہ اس میں چھپا رکھا تھا وہ غیر مردوں کے سامنے اسی طرح رہتی تھیں۔

”ماسوں کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
 ”وہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔“

اوہ.....

”تم جاؤ انہیں شاید کوئی کام ہے بے چارے پریشان سے لگ رہے تھے۔ بارہا تمہارا پوچھ رہے تھے میں چائے لاتی ہوں۔“ امی نے کہا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”کپڑے تو بدل لیتی؟“ امی نے جاتے جاتے اس کے منہ پر ایک ناقدرانہ نگاہ ڈالی۔
 ”ٹھیک ہوں امی گھر میں ہوں کون سا آفس جا رہی ہوں۔“ وہ کہہ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سر عباس اسے

دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم۔"

"والسلام علیکم السلام۔" انہوں نے اسے بغور دیکھا تھا۔ سرخ آنکھیں بڑی نمایاں تھیں۔ سوٹ کے ہم رنگ دوپٹا اوڑھے بڑے گھریلو طے میں تھی۔

وہ بیٹھے تو وہ بھی ان کے سامنے نو سٹر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں آفس گیا تو علم ہوا کہ آپ نہیں آئیں۔ بادیہ نے بتایا آپ نے چھٹی کی ہے مجبوراً مجھے خود آنا پڑا۔" انہوں نے ابتدا کی تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپ کی۔" وہ سر جھکائے گود میں رکھے ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔

"جی۔" آپ نے سر ہلایا۔

"تو پھر آفس کیوں نہیں آئیں۔" انہوں نے پوچھا تو راجہ نے بہت سنجیدگی سے انہیں دیکھا وہ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

"ایم سوری راجہ۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بے چینی سے کمرے میں بیٹھے گئے تھے۔

"عادلہ نے جو بھی کیا میں اس کے لیے اتنا شرمندہ ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ یقین چلیے جب سے ہاویہ نے رات کال کر کے اطلاع دی تھی میں تب سے ایک بل کو بھی چین سے نہیں پہنچا۔ مجھ اپنی ذات سے زیادہ آپ کی عزت کی پروا ہے۔" عباس کہتے کہتے چلنا تو بے اختیار ٹھنکا۔ راجہ سر جھکائے بیٹھی گئی۔

آسو ایک کے بعد ایک کرتے اس کے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔ عباس کے اندر رندامت و شرمندگی کا ایک بحر بے کراں تھا۔ مارنے لگا تھا۔ وہ بڑی اذیت سے چلتا اس کے پاس آ کر رکا تھا۔ راجہ نے جلدی سا اپنے رخسار صاف کیے تھے۔

"راجہ پلیز ایسے مت کریں میں پہلے ہی بہت زیادہ کٹی فٹل کر رہا ہوں۔" عباس کو راجہ کے آسو ایک دم شدید گھٹست سے دوچار کر گئے تھے۔ عباس بے اختیار اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ نرمی سے کہا تو راجہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"پھر میرا کیا قصور تھا بس یہ کہ میں آپ کی ایمپلائی تھی اور میں نے آپ کی وائف کی ڈیمانڈ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔" اس نے رندگی آواز میں کہا۔

"وہ ذہنی طور پر ایک بیمار ذہنیت کی مالک عورت ہے اگر آپ نہ ہوتے تو وہ کسی اور کو استعمال کرتی۔ اس کا مقصد محض مجھ اور میرے خاندان کو نچاؤ کھانا ہے۔ یقین چلیے وہ یہ سب اپنی طلاق کا بدر لینے کے لیے کر رہی ہے۔"

"گمراہ لوگوں کی بائیس لڑائی میں میں تو بندہ نام ہو گئی ماسر۔" عباس نے مٹھیاں بچھ کر سر جھکا لیا تھا۔

کچھ توقف کے بعد اسے دیکھا وہ اپنی نم آنکھوں کو اپنے دوپٹے سے صاف کر رہی تھی۔ صاف شفاف بے دیا چہرہ اس وقت پر شرموگی کا شکار تھا۔ عباس کے اندر جذبات کا ایک سمندر تھا۔ انہیں مارنے لگا تھا۔

"میرے ساتھ چلیں میں آپ کو لینے یا ہوں۔" عباس نے کہا تو وہ چوٹی۔

"جی..... لیکن کہاں؟"

"ایک ضروری کام ہے اور وہ کام آپ کے بغیر ممکن نہیں۔" عباس نے سنجیدگی سے کہا تو راجہ نے نظریں جھکا لیں۔

"ایم سوری ماسر۔ میں نہیں جانتی میں شاید اب آفس نہ سکوں۔ آپ کی بیٹی کے جو بھی روڈ ہیں اس کے باوجود میں چاہ چھوڑ رہی ہوں مجھے اپنی عزت اور وقار سے بڑھ کر کوئی بھی چیز عزیز نہیں میں اپنے اس وہاں نے بھی چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ کام نہیں کرتا۔" وہ حد سے زیادہ بدگمان ہو چکی تھی سر جھکائے اس نے بہت گھون لہجے میں

کہا تو عباس نے لب بھینچ لیے۔ رابعہ کے الفاظ دل پر ایک پتھر کی طرح لگے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ عادلہ سامنے ہو تو وہ اس کے وجود کو اس نہیں کہہ دے۔

”یعنی عادلہ کی اس حرکت کے بعد میں آپ کے لیے اس قدر بے اعتبار ہو چکا ہوں کہ آپ میرے ساتھ کام کرنے سے بھی انکاری ہیں۔“ عباس نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ نے نئی میں سر ہلایا۔

”ہات بے اعتباری کی نہیں بلکہ اپنی عزت و وقار کی ہے اگر بے اعتباری ہوتی تو اس وقت آپ میرے گھر میں موجود نہ ہوتے۔“ رابعہ نے بہت صاف الفاظ میں عباس کی پوزیشن کیس کی تھی۔ عباس کو لگا وہ ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہو۔

”تو پھر یقین کیجیے آپ کی عزت اور آن پر کوئی حرف نہیں آئے دوں گا میں ایک اسٹریٹ فارورڈ انسان ہوں لمبے چوڑے عموں نہیں کرتا لیکن جو کہہ رہا ہوں یقین سے کہہ رہا ہوں میں یہ سارا معاملہ اپنے بھائی مصطفیٰ سے سلسلے کر چکا ہوں مصطفیٰ کو تو آپ جانتی ہیں تاکہ وہ پولیس میں ہے۔“ اس کے سامنے سے ٹھہ کر وہ قریب صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ رابعہ نے سر ہلایا۔

”وہ سب پینڈل کر لے گا بلکہ بہت سارا کام وہ کر چکا ہے عادلہ کی آئی ڈی بیک ہو چکی ہے اور جہاں جہاں اس نے وہ پکس شیئر کی تھیں وہ سب ڈیٹا ڈیلیٹ ہو چکا ہے یقین نہیں آتا تو بے شک آپ چیک کر لیں۔“ عباس نے مطمئن انداز میں کہا تو وہ حیران ہوئی۔

”ہادیہ کی کال کے بعد میں ایک ہل کو بھی سکون سے نہیں بیٹھا تھا میرے لیے یہ قابل خدمت اور شرمندگی کا مقام تھا کہ میری وجہ سے آپ بدنام ہو رہی ہیں۔“ عباس نے کہا تو رابعہ کو لگا اس کے دل پر طاری ہمنوں بوجھ اتر گیا ہو۔ اس نے ایک دم آنکھیں بند کر کے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

”اب صرف عادلہ کا دماغ درست ہونا باقی ہے۔“ عباس کے الفاظ پر اس نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں وا کی تھیں۔

”تھینک یو سو مچ سر۔“ وہ بے حد مشکور تھی عباس اس سارے عرصے میں پہلی بار مسکرایا تھا۔

”آپ کو نہیں اندازہ آپ نے مجھے کتنی بڑی ذلت سے بچایا ہے۔“ اس کی آواز میں نئی تھی۔

”آپ پر یہ سارا عذاب میری وجہ سے آیا تھا آپ سے زیادہ میں نے اس اعتبار کو ذمہ لیا ہے جس کی وجہ سے آپ مجھ پر اعتماد کرتی ہیں مجھے اندازہ تھا کہ آپ کس اذیت سے دوچار ہیں اس لیے خواہاں یا تاکہ آپ کو سلی وے سکوں۔“

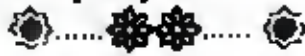
”تھینک یو سر۔“ اس کے لہجے میں ممنونیت تھی۔ عباس نے سر ہلایا۔

”آفس چل رہی ہیں پھر میرے ساتھ۔ میں چاہتا ہوں آپ کچھ وقت اس ٹینشن سے نکل کر گزریں آپ کو بہت سنا ذہنی سکون ملے گا۔“

”نہیں سہرا بھی نہیں کل چکر لگیوں گی۔“ اس نے کہا تو عباس نے سر ہلایا تھا۔ عباس کے لیے ابھی اتنا ہی کافی تھا کہ کم از کم وہ آفس نے پر راضی تو ہوئی بھی ثریا بیگم چائے کی ٹرے لیے چلی آئی تھیں۔

رابعہ نے فوراً چہرہ پھیر لیا تھا اس کا چہرہ رونے کے سبب سرخ تھا اور ہنورا کھڑی ہوئی تھی۔

”آپ سر پلینز چائے۔“ کس میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔“ وہ کہہ کر فوراً نکل گئی تھی۔ ثریا بیگم کو چائے کا گگ تھماتے ساتھ دیگر لوازمات بھی سرور کر رہی تھی۔ عباس قدرے سہلے ہو کر چائے پینے لگے تھے۔



وہ ہوش میں آئی تو اس حسن پاس تھا ساتھ روشنی ملا اور ماسوں بھی تھے۔ وہ دونوں وزیننگ آؤرز میں اس سے ملنے آئی

تھیں۔ وہ ذہنی طور پر اس قدر مضرب تھی کہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی لیکن ذہن پر بہت بوجھ تھا گیا رہے اسے حسن روشی کو لے کر گھر چلا گیا تو ماں اس کے پاس ہی رک گئیں۔

اس سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ماں بطور خاص اس کا خیال رکھ رہی تھیں ان کی محبت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس کی ذہنی حالت از حد تیز ہو چکی تھی۔ ڈاکٹرز ہار ہار اسے کچھ بھی نہ سوچنے اور بالکل ریلیکس رہنے کا کہہ رہے تھے۔ وہ بچے کے قریب پایا بھی آگئے تھے وہ زیادہ تر وقت سولی جاگتی کیفیت میں رہتی تھی۔ ماں ڈرائیو کے ساتھ گھر چلی گئی تھیں۔ پاپا نے اس سے کوئی سوال و جواب نہیں کیا تھا تین بجے کالج سے واپسی پر شہوار ڈرائیو کے ہمراہ اسپتال آگئی تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

”کیسی ہو؟“ وقار صاحب سے سلام دعا کے بعد وہ اس کے قریب آئی تو اس نے بازو ہٹا کر دیکھا۔
 ”ٹھیک۔“ وہ ذرا سا مسکرائی تھی لیکن مسکراہٹ میں کسی بھی قسم کی کوئی تازگی نہ تھی جیسے بے جان سے مسکراہٹ ہو۔
 ”ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں کب تک فارغ کر رہے ہیں تمہیں۔“ شہوار اس کے پاس بیٹھی تو وقار صاحب باہر نکل گئے تھے۔

”شاید کل رات کو یا شاید کل صبح۔“ دھم سے اس نے کہا تو شہوار خاموش ہو گئی تھی۔ جیسے کرنے کو کوئی بات نہ ہو۔
 ”تم کالج سے آ رہی ہو۔“ انا نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔
 ”مصطفیٰ بھائی کے ساتھ آئی ہو؟“

”نہیں ڈرائیو کے ساتھ۔“ شہوار اس کی میڈ۔سنز چیک کرنے لگی تھی۔
 ”ڈرائیو چھوڑ کر چلا گیا ہے واپسی پر مصطفیٰ خود چک کر لیں گے۔“ اس نے مسکرا کر انا کو دیکھا تو وہ بخجندی سے اس سے ہی بغور دیکھ رہی تھی۔

غذہ حال ہی پر مردہ انا سے برسوں کی پہچان گئی تھی۔ اس کے چہرے کی ساری سرخی ایک غیر محسوس زردی میں لپٹی لگ رہی تھی اور آنکھیں جو ہمہ وقت چمکتی رہتی تھیں اس وقت بجھی بجھی سی تھیں۔ جیسے ان کی ساری جوت ختم ہو گئی ہو۔ شہوار نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ چونکی۔

”کیا بات ہے انا؟“ انا سر جھکائے خاموش ہو گئی تھی۔
 ”ہم دونوں بہت اچھی دوست ہیں نا ایسی کیا بات ہوئی ہے جو تم مجھ سے بھی شہر نہیں کرنا چاہتی۔“ ہاتھ کو نرمی سے سہلاتے اس نے پوچھا تو انا نے لب بچھینچ لیے۔

”انا کیا مجھ پر بھی اعتبار نہیں۔“ اس نے محبت سے ہاتھ دبایا تو انا بس خاموشی سے دیکھتی رہی۔
 شہوار نے چند لمبے اسے دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے لیکن اس کے لبوں کی خاموشی نہ ٹوٹی تو اس نے ایک مہر اسانس لیا۔
 ”کچھ کھاؤ گی؟“ کچھ توقف کے بعد شہوار نے موضوع بدلنا تو انا نے سر ہٹائی میں ہلا دیا۔

”نہیں تمہارے آنے سے پہلے پاپا نے سوپ پلایا تھا۔“ اس کے جواب دینے پر شہوار کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔

”ولید بھائی نے چکر لگایا مات تو وہ شاید ادھر ہی تھے۔“ اس نے مزید کہا تو انا نے لب دانٹوں تلے دبایا تو شہوار کو محسوس ہوا کہ ولید کے نام پر اس کے چہرے کے تمام تاثرات بدلے تھے۔
 ”تو کیا ولید بھائی اور انا کے بیچ میں ہی کوئی ایسا ریزن ہے جس کی وجہ سے یہ سب ہو رہا ہے۔“ شہوار کے اندر سوالات پیدا ہونے لگے تھے۔

”ولید بھائی ہے چارے بہت پریشان تھے تمہاری غیر موجودگی میں وہ اور احسن بھائی مسلسل تمہیں تلاش کرتے رہے تھے اور پھر یہاں اسپتال لانے کے بعد بھی وہ بہت پریشان تھے۔“ شہوار نے مزید کہا تو اٹانے حیزی سے اپنا سر تھا م لیا تھا۔

”میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے شہوار۔“ وہ اذیت سے بولی تو شہوار فوراً چوکی تھی۔ انا کا زرد چہرہ مزید زرد ہو رہا تھا۔
 ”میں ڈاکٹر کو بلا سکتی ہوں۔“ اسے دونوں ہاتھوں سے سر تھا سے دیکھ کر شہوار نے کہا تو وہ خاموشی سے سر سر ہانے پر رکھ کر آنکھیں بند کر گئی تھی۔ شہوار نے انٹرکام پر نرس کو بلا لیا تھا۔

نرس نے آ کر میڈیسن دی تھی۔ جن کے بعد وہ کچھ دیر میں ہی غنودگی میں چلی گئی تھی۔ شہوار اٹانے کے رویے پر از حد الجھ گئی تھی۔ ولید کے ذکر پر اس کا اس طرح کاری ایکشن بنجانے کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے انا اور ولید کے درمیان کوئی گڑبڑ ہے۔ کچھ دیر بعد ولید اور ضیاء صبا آ گئے تو وقار صاحب گھر چلے گئے تھے۔ ضیاء انا کے پاس کمرے میں رک گئے تو شہوار ولید کے ہمراہ نیچے گئی تھی۔ وہ اٹانے کے رویے سے بہت الجھ گئی تھی وہ ولید سے اس کے بارے میں کچھ سنس کرنا چاہتی تھی۔

”ایک بات پوچھوں ولید بھائی۔“ نیچے آنے کے بعد اس نے پوچھا تو ولید نے اسے دیکھا۔
 ”ہاں نکل۔“

”انا کہاں جا سکتی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”مجھے علم ہوتا تو اسے تلاش ہی کیوں کرتا۔“ ولید نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اندازہ تو ہو سکتا ہے۔“ اس نے ولید کو بخور دیکھتے پھر کہا۔

”مجھے اندازہ ہوتا تو یہ سب سنس نہ ہی کیوں ہوتا پھر۔“ ولید کے لہجے میں ہلکی سی خفگی دہائی تھی۔

”بہتر یہی تھا کہ آپ یہ سوال اپنی احسن اور کم فہم دوست سے کرتیں۔“ انا چاہتے ہوئے بھی ولید کے لہجے میں برہمی تھی۔

”اگر وہ احسن اور کم فہم تھی تو کم از کم آپ ہی اس کی درست رہنمائی کر دیتے۔“ جواب ایسا تھا کہ ولید نے چونک کر شہوار کو دیکھا۔

”کیا اسے آپ سے کچھ کہا ہے۔“ بے پناہ سنجیدگی سے پوچھا تو شہوار نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔
 ”یہ تو دکھ ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہی، کچھ بھی بتانے پر آمادہ نہیں حتیٰ کہ آپ کا ذکر کرنے سے اس کی طبیعت بگڑنے لگی ہے۔“ شہوار نے آ زردگی سے کہا تو ولید نے لب بھنج لیا۔

”میں نے انا کو ہمیشہ ایک بہن کی طرح سمجھا اور اپنے لیے مخلص پایا ہے اب اسے اس طرح دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ دیکھیں ولید بھائی اگر آپ دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہو گیا ہے تو پلیز اسے انا کا مسئلہ بنا کر اس الجھن کو بڑھا دامت دیجیے گا۔ میں مانتی ہوں ہم لڑکیاں جذباتی لحاظ سے بہت کمزور ہوتی ہیں۔ ہم ان باتوں کو بھی رائی کا پہاڑ بنا لیتی ہیں جن کا سرے سے کوئی وجود نہیں ہوتا۔ انا بھی میری طرح ایک لڑکی ہے وہ جذباتی بھی ہے اور شدت پسند بھی آپ مرد ہیں برداشت و ضبط کا زیادہ حوصلہ و مظاہرہ کرنے والے پلیز اگر کوئی مسئلہ ہے تو آپ خود آگے بڑھ کر گلے کر لیں۔ مجھے یقین ہے وہ آپ کے معاملے میں کبھی دل کو پتھر نہیں بنا سکتی۔“ شہوار کے لہجے میں انا کے لیے بے پناہ محبت اور خلوص تھا بہت فکر مندی بھی۔

ولید نے بہت پرسوج نظروں سے شہوار کو دیکھتے اس کی تمام بات سنی تھی۔

لمن

پچھلے پہر کا چاند
تنہائی میں میرا سا گھی ہوتا ہے
تو میرا دل
تیرے لمن کی چاہ کرتا ہے
میرے ہاتھ اٹھتے ہیں دعا کے لیے
اس پہر مانگی دعا

سنا ہے جلد قبول ہوتی ہے
لب پکارتے ہیں تجھے
خود پر میرا اختیار نہیں رہتا
آنکھیں نم ہو جاتی ہیں
اور یہ دل
تم سے لمن کی دعائیں کرتا ہے

حرارِ رمضان..... اختر آباد

”آپ نے پوچھا نہیں اس سے اس کی الجھن کا سبب؟“

”کسی وجہ سے میں خود پریشانی تھی بس تو چند دے پائی اگر مجھے گمان ہوتا کہ حالات اس نہج پر آ سکتے ہیں تو میں شاید پوچھ ہی لیتی۔“ شہوار کے لہجے میں افسردگی تھی۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی انا آپ کی دوست ہے اس کے قول و فعل کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔“ ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

”پھر کوئی تو وجہ ہوگی نا؟“ وہ الجھ گئی تھی۔

”یہ تو آپ اپنی دوست سے ہی دریافت کریں وہ شاید بہتر طور پر آپ کی رہنمائی کر سکیں ایم سوری میں اس سلسلے میں کچھ بھی کہنے سے قاصر ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹا گیا تھا۔

”آئیں اور چلتے ہیں بابا تنہا ہوں گے۔“ ولید کے کہنے پر وہ کچھ سوچتی اس کے ساتھ چل دی۔ مغرب کے بعد مصطفیٰ بھی آ گیا تھا۔ انا بھی حواس میں تھی۔

مصطفیٰ نے اس کی خیر خیریت دریافت کی تو اس نے محض سر ہلایا تھا۔ ولید بہت سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ صرف ایک دن میں وہ بالکل بچھ کر رہ گئی تھی۔ وہ اس کی موجودگی کے سبب زیادہ تر آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ مصطفیٰ اس سے ملنے پھلنے سوال کر رہا تھا اور وہ محض ہاں کر رہی تھی۔ رات آٹھ بجے ذرا نیور کھانا دینے آیا تو فیاض صاحب اس کے ہمراہ گھر چلے گئے تھے۔ شہوار اور مصطفیٰ تیار کھڑے تھے انا نے شہوار کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”تم احرسی رک جاؤ نا۔“ وہ بڑی آس سے کہہ رہی تھی شہوار نے بے اختیار مصطفیٰ کو دیکھا جس نے آنکھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

”میں سب کالج جاتے ہوئے پھر آؤں گی اور شام میں بھی آؤں گی اگر تم کل ڈسپارچ ہو گئی تو گھر آ جاؤں گی۔“ انا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ شہوار نے اس کی خاموشی بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ اس نے ذرا سا جھک کر قدرے شہارت سے کہا تھا۔

”ویسے بھی ولید بھائی رک رہے ہیں میں جو انخواہ رک کر تم دونوں میں ہڈی کیوں بنوں۔“ وہ بھی آواز میں کہا۔

انا کا رنگ بدلاتا تھا اور پھر آنکھیں بند کر گئی تھی۔ شہوار کو شدت سے احساس ہوا کہ جیسے کوئی بہت ہی سیریس بات ہے اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ دونوں اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل گئے تھے۔ ولید انہیں باہر تک رخصت کرنے گیا تھا۔ انا آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی رہی تھی۔ ولید دو پارہ کمرے میں آیا تو وہ کروت کے ٹل منہ بازو میں چھپائے بیٹھی ہوئی تھی۔ ولید اپنے ساتھ لائے میگزین کو لے کر ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ میگزین دیکھتے گا ہے بگا ہے انا کی طرف بھی

سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر اپریل ۲۰۱۵ء 161 سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر

نگاہ ڈال لیتا تھا۔ کچھ دیر بعد نرس اندر داخل ہوئی تو ولید نے اخبار رکھ دیا تھا۔

”میڈیسن کا ٹائم ہو گیا ہے۔“ نرس نے آتے ہی کہا تو انا نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

نرس نے میڈیسن نکالی اور پھر گلاس میں پانی نکال کر اسے تمھارے دیا۔

”آپ آج رات بھی یہیں رکھ رہے ہیں۔“ انا کی ہتھیلی پر میڈیسن رکھتے نرس نے ولید کو بھی مسکرا کر دیکھا۔

”کیوں آپ کو کوئی اعتراض ہے؟“ ولید نے بھی مسکرا کر پوچھا۔

”یہ بھی ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے۔“ نرس کھلکھلائی تھی۔ انا نے میڈیسن پانی کے ساتھ نگلتے نرس اور

ولید کو دیکھا تھا۔ نرس نے انا سے گلاس لے کر واپس نیل بر رکھ دیا تھا۔

”ویسے آپ بہت لگی ہیں اتنی شاندار پرسنلٹی کے مالک ہیں آپ کے فیزیسی۔“ نرس نے اپنی طرف سے انا کو چھیڑا

تھا۔ وہ لب بلیجنگ لگی تھی۔

”ویسے ان کی موجودگی میں اس طرح کا ذہنی اسٹریس کافی حیرت میں ڈالتی ہے یہ بات تو۔“ نرس نے براہ راست انا

کو مخاطب کیا تھا۔

وہ کچھ بھی نہ بولی تھی ولید نے بغور انا کو دیکھا اس کے چہرے کے اعصاب سرخی مائل ہو رہے تھے۔

”ایسا ہم سزاگر کسی کو مل جائے تو ہم جیسی لڑکیاں تو پھولے نہیں جاتیں آپ نے خود کو ایسا کیا روگ لگا لیا ہے کہ ذہنی

سطح اس قدر اسٹریس کا شکار ہو چکی ہے۔“ نرس نا صرف از حد بات تو لگتی تھی بلکہ اچھی خاصی بے تکلف بھی۔ ولید کی موجودگی

میں اس کی تحریشیں ولید تو مسکرایا تھا جبکہ انا اپنی جگہ سے اٹل بھی نہ کی تھی۔

”آپ ان کو خوش نہیں رکھتے کیا؟“ نرس نے اب کے ولید کو مخاطب کیا۔

”یہ محترمہ میرے خوش کرنے کی حدود سے ابھی بہت بالا ہیں اور نہ ہی ابھی مجھے ان کو خوش رکھنے کے ایسے کوئی

اختیارات حاصل ہوئے ہیں ویسے بھی یہ محترمہ خوش ہونے کی حدود سے ماورا ہیں۔“ ولید کا انداز از حد سنجیدہ تھا۔ نرس

کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ جبکہ انا کا چہرہ مارے تو ہیں کے سرخ پڑ گیا تھا۔

”یعنی آپ شادی جیسے اختیارات حاصل نہ ہونے پر افسردہ ہیں۔“ نرس اپنی طرف سے تو وہ دونوں کو چھیڑ رہی تھی جبکہ

اس کی یہ چھیڑ کسی کے دل و دماغ پر کس طرح اثر انداز ہو رہی تھی وہ قطعاً بے خبر تھی۔

”ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ میں محدود سوچ اختیار کرتے افسردہ ہو جاؤں بلکہ میں تو بہت سکون محسوس کرتا ہوں کہ میں

ہر طرح کی ٹینشن سے آزا ہوں۔“ انا کے ذہن پر یہ الفاظ اتھوڑا بن کر رہے تھے۔

”پلیز سسٹر میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے میں آرام کروں گی اب۔“ لہجے میں ناگواری و تخی تھی۔ سسٹر فوراً

چوکنہ ہوئی تھی۔

”اوہ ایم سوری، آپ لیٹ جائیں اور آرام کریں میں نے نیند کی میڈیسن کھلائی ہیں آپ کو فوراً نیند آ جائے

گی کل تک آپ کافی ریلیف لیں کریں گی۔“ نرس نے اس کے کمر کے پیچھے تکیہ درست کیا تو وہ لیٹ گئی۔ دل

عجیب سا جو جھل ہو رہا تھا۔

”میں کل گھر چلی جاؤں گی نا۔“ اس نے آہستگی سے پوچھا۔

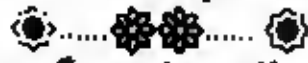
”بالکل چانس تو یہی ہیں باقی ڈاکٹر صاحب ہی بہتر جانتے ہیں۔“ وہ کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

”ویسے آپ کی والدہ بتا رہی تھیں کہ آپ بھی ڈاکٹر بن رہی ہیں۔“ نرس نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

”کسی ڈاکٹر کو پہلی بار اپنی صحت سے متعلق اتنا کیئر لیس دیکھا ہے۔ اپنا خیال رکھا کریں۔ بعض اوقات ایسے اسٹریس

شدید نوعیت بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ وہ ہمدردانہ مشورہ دے کر چلی گئی اور انا کے اندر جیسے ایک جنگ سی چھڑ گئی تھی۔ اس نے سر جھما کر دیکھا ولید میگزین پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس کے اندر خطرناک و طلال کے گہرے باؤل چھانے لگے تو وہ لب دانتوں تلے دبا کر ٹیکے میں منہ چھپا کر سسکا اٹھی تھی۔

ولید نے میگزین سے سر اٹھا کر دیکھا تو نگاہ گئی انا نے تک اس کی طرف پشت کیسے وجود پر ٹھہر گئی تھی۔ انا کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ ولید نے لب بھینچ کر دوبارہ میگزین اپنے چہرے کے گرد کر لیا تھا۔



مصطفیٰ ابھی کھانا کھا کر بیٹیکس ہوا ہی تھا کہ انسپکٹر شہناز کی کال آ گئی۔

”سر ہمیں عورت کو لے آئے ہیں۔ اب کیا کریں؟“ مصطفیٰ نے گہرا سانس لیا تھا۔
”کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا۔“

”نوسر..... آپ کی انسٹرکشنز کے تحت ہی سامرا کام کیا گیا ہے۔“

”اوکے ویل ڈن اب آپ ان خاتون کی زبان کھلوائیں تب تک میں بھی چکر لگاتا ہوں۔“ مصطفیٰ نے ہدایت دی۔
”اوکے سر۔“ کال بند ہو گئی تھی۔ وہ موبائل پکڑے کچھ سوچ رہا تھا جب در یہ چلی آئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح

نپ ناپ تیار۔

”مصطفیٰ مجھے مارکیٹ لے چلو گے۔“ اس نے آتے ہی کہا۔

”اس وقت؟“ مصطفیٰ نے وقت دیکھا ساڑھے نو ہو رہے تھے۔

”دن میں کوئی فری ہی نہیں ہوتا۔“ در نے کہا۔

”تو تم کسی اور کو ساتھ لے جایا کرو، ڈرائیور ہر وقت گھر پر ہی ہوتا ہے شام کے بعد سجاد بھائی اور عباس بھی گھر پر ہی ہوتے ہیں۔“

”یعنی انکار کر رہے ہو؟“ در نے فوراً مزاج بدلا تھا۔

”اس وقت تو آدھے سے زیادہ مارکیٹ بھی بند ہو چکی ہوگی تم کل کسی اور کے ساتھ چلی جانا اس وقت تو مجھے خود کہیں ضروری کام سے جاتا ہے۔“ مصطفیٰ نے صفا چٹ جواب دیا۔ اس دن تو وہ محض شہوار کو ستانے کی خاطر چلا گیا تھا لیکن آج تو وہ بالکل بھی فری نہ تھا۔

”تم رستے میں مجھے ڈراپ کر دینا اپنا کام کر لینا واپسی پر نیٹے آنا۔“ در نے دوسرا حل پیش کیا۔

”ایم سواری برا مت ماننا ہماری خواتین رات کے اس پہر شاپنگ کے لیے نہیں نکلتیں۔ تم دن میں چلی جانا تمہارے ساتھ کوئی بھی چلا جائے گا۔“ مصطفیٰ رکھائی سے کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا تو در نے بہت تاگواری سے اسے جاتے دیکھا

تھا۔ اسے مصطفیٰ سے اس قدر صاف جواب کی امید نہ تھی۔

وہ تو اس دن شائستہ کے ہاں جانے پر مصطفیٰ کے فوراً بلا چوں چہاں مان جانے پر ابھی تک پھولے نہ سار ہی تھی اور اب ایک دم اس انکار نے اس کے اعصاب کو کھنکھایا تھا۔ مصطفیٰ عباس بھائی کو تیار ہونے اور ساتھ چلنے کا کہہ کر کمرے میں آیا

تو شہوار ابھر رہی تھی۔

”سدا دن تو آپ بڑی راجتے ہیں اس وقت بھی چل دے۔“ اس نے شکوہ کیا۔

”دیکھو بھی یہ سب میرے کام کا حصہ ہے۔ کہیں سے بھی کسی بھی وقت کال آ سکتی ہے اگر تم اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو میرے لیے جاب کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔“

”مجھے نہیں پسند یہ جانب انسان کی اپنی کوئی لائف ہی نہیں ہر وقت خطروں میں گھرے رہو۔“ اس نے تاپسند یہی گے سے کہا تو مصطفیٰ ہنس دیا۔

”کبھی کبھار میں سوچتا تھا میڈم شہوار صاحبہ بھلا بیویوں والے گیٹ اپ میں کیسی لگتی ہوں گی۔ اس طرح حق جتنا انداز دیکھ کر تودل خوش ہو گیا ہے میرا۔“ مصطفیٰ نے شرارت سے کہا تو اس نے سنجیدگی سے دیکھا وہ الماری درست کر رہی تھی۔

”تائیس نہیں، جا کہاں رہے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
 ”اب اپنا ہر کس پہلے تم سے ڈسکس کرنا پڑے گا کیا؟“ مصطفیٰ نے گھورا۔ شہوار نے آئیٹ گہرا سانس لیا وہ کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔

”اور اس ایاز کا کیا بنا؟“ کپڑے کھنے کے بعد اس نے مصطفیٰ کو دیکھا۔
 ”واپس آ کر ڈسکس کروں گا لیت ہو رہا ہوں۔“ مصطفیٰ اپنا بسٹل لے کر جانے کو بیڑی تھا۔
 شہوار نے ایک گہرا سانس لیتے مصطفیٰ کے تمام کاغذات اور ضروری فائلز کو ترتیب دینا شروع کر دیا تھا مصطفیٰ اس کے ہاتھ میں فائل دیکھ کر جاتے جاتے پٹنا تھا۔

”ان فائلز کو ادھر ہی رہنے دیں یہ سب بہت ضروری کاغذات ہیں کہیں کوئی بیپرکس نہ ہو جائے۔“ مصطفیٰ نے کہا تو شہوار نے دیکھا بھی ہاتھ سے ایک فائل نیچے کر گئی تھی۔
 ”ارف...“ وہ اٹھانے کو جھکی تھی۔

”آپ ان کو ادھر کیوں رکھتے ہیں آفس میں ہی رکھا کریں نا۔“ گھر کو بھی آفس بنا رکھا ہے۔ ساری الماری میں بس فائلز ہی فائلز جمع کر رکھی ہیں۔“ وہ ہزبائی تھی۔

مصطفیٰ نے گھورا اور خود ہی اس کے اٹھانے سے پہلے فائل اٹھا کر الماری میں ٹھونس دی تھی۔
 ”موڈ کیوں آف ہو رہا ہے۔“ سیدھا ہو کر الماری کا پٹ بند کر کے اس پر ہاتھ تھا تم کر شہوار کو گھورا۔
 ”میرا تو نہیں ہو رہا۔“ وہ فوراً سکرائی تو مصطفیٰ نے بغور دیکھا۔

”تو پھر اتنے تھکے تھکے جو اب کیوں دیے جا رہے ہیں یہ دعوائ کیوں اٹھ رہا ہے یہ بھی تو پتا چلے۔“
 ”کچھ نہیں ہوا آپ جا میں آپ کو دیر ہو رہی ہے۔“ اس نے نظریں چرائی تو مصطفیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر وال کلاک کو۔

”واپس پر بات کر دوں گا تب تک جواب سوچ رکھیے گا۔“ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔
 وہ پھر سے الماری کی طرف متوجہ ہوئی مگر الماری بند کر کے پٹی تو چوٹی قدموں کے پاس کوئی چیز پڑی تھی۔ شاید فائل میں سے کچھ گرا تھا۔ وہ جھک کر اٹھانے لگی تو اس کا سیل بچنے لگا تھا۔ اس نے بنا دیکھے جلدی سے اٹھا کر واپس الماری کا دروازہ کھول کر اسی فائل میں بے ترتیبی سے رکھ کر وہ فوراً اپنے موبائل کی طرف بڑھی تھی۔ عائشہ کی کال تھی۔ اس نے فوراً کال پک کی۔

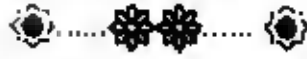


تابندہ بو انما ز پڑھ کر آئیں تو دل بہت بوجھل ہو رہا تھا اتنے دن گزر چکے تھے کوئی سراہا تھا نہیں آ رہا تھا۔ وہ اب ہمت پار چکی تھیں۔ ان کا دل کہتا تھا کہ وہ واہس چلی جائیں اور جا کر حویلی اور اس کے کینوں کو سب کہہ ڈالے ان کے اندر باہر ایک طوفان مچا ہوا تھا اب ناگزیر ہو چکا تھا کہ کم از کم شہوار کی حقیقت دی جانی۔ تابندہ بی گھر کے محن میں چکر لگاتے بہت

165 ستمبر 2015ء آنجل اپریل 165 ستمبر ستمبر ستمبر ستمبر ستمبر

کچھ سوچنے پر مجبور ہو چکی تھیں۔ کچھ دیر مزید غور و فکر کرنے کے بعد وہ وہاں اپنے کمرے میں آئی اور اپنے سامان میں سے بیگ نکال کر انہوں نے اپنا موبائل نکالا تھا۔

حویلی سے نکلنے وقت انہوں نے یہ موبائل بند کر دیا تھا لیکن اب اس موبائل کی ضرورت تھی۔ انہوں نے نمبر آن کیا اور پھر انہوں نے ایک نمبر نکالا کر ڈائل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر کافی دیر سوچا اور پھر انہوں نے نمبر نکالنے سے وہ نمبر مٹا ڈالا تھا۔ وہ کافی دیر تک کال جانے اور ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی تھیں۔



بابا صاحب اپنے کمرے میں وراز کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ بخشواں کے پاس بیٹھان کی ٹائٹیس دبا رہا تھا۔ حویلی میں رات کے اس پہر ایک عجیب سا سناٹا تھا۔ جیسے ہر طرف ایک ہوکا عالم ہو۔ تابندہ ہوا کے بعد حویلی میں سرے شام ہی رات اتر آئی تھی۔ فون کی بیل بجی تو بابا صاحب کو زندگی کا احساس ہوا۔

”دیکھو کون ہے؟“ بابا صاحب نے بخشو کو کہا۔ وہ فون اٹھا کر ان کے پاس لے آیا تھا۔ انہوں نے کارڈ لیس تمام لیا کر کال پک کی تھی۔

انہوں نے پہلو کہا لیکن دوسری طرف جمنا واز سنائی وی وہ سن کر وہ ایک دم ساکت ہوئے تھے۔ دوسری طرف کچھ کہا جا رہا تھا۔

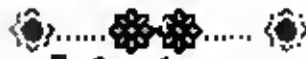
”ہاں جانتا ہوں میں۔“ انہوں نے لرزتی آواز میں کہا۔

”لیکن تم۔“ ان کے ہاتھ سے کارڈ لیس چھوٹ گیا تھا۔ بخشو جو بڑے ادب سے کھڑا ایک دم فوراً ان کے پاس ہوا تھا۔

”بابا صاحب خیر ہے۔“ بابا صاحب نے اسے دیکھا۔ ان کے وجود میں گویا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایسا طوفان جس سے ان کا وجود زلزلوں کی زد میں آ چکا تھا۔ دماغ میں ایسے ہتھوڑے برس رہے تھے۔ وہ خواب جو برسوں سے ان کو ڈراتا تھا آج مجسم ان کے سامنے تھا۔ ان کو لگا اس انکشاف پر ان کے دماغ کی رگیں بس پھٹ پڑنے والی ہیں۔ دوسری طرف شاید کال بند ہو گئی تھی۔ انہوں نے اپنے چکراتے سر کو تھامنا تو بخشو نے فوراً پریشان ہو کر انہیں بستر پر لٹایا تھا۔

ان پر اب پھر وہی کیفیت تھی جو ہمیشہ خواب دیکھنے کے بعد ظاہری ہوتی تھی لیکن اس بار بس فرق یہ تھا کہ یہ خواب نیند کی صورت نہ تھا بلکہ ایک کال کی صورت ان کے وجود پر ظاری ہوئی تھی۔ وہ بس وہ حال سے ہو کر بستر پر ڈھے سے گئے تھے۔



وہ گھر شفٹ ہو گئی تھی صبح ہی وہ احسن اور بابا کے ہمراہ گھر آ گئی تھی۔ اس کی طبیعت اب پہلے سے بہتر تھی۔ گھر آئی تو روشی اسے کمرے میں چھوڑ گئی تھی۔ اس کا کمرہ ویسا ہی تھا اس کی بکس اور بیگ کوئی اس کے بستر پر رکھ گیا تھا۔ ساتھ ہی اس کا موبائل بھی تھا۔ اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا تو وہ اسی طرح بند تھا جس طرح چند دن پہلے بند تھا۔ موبائل کو دیکھتے اس نے لب بھینچ لیے تھے اس نے موبائل آن کر کے سائیڈ پڑا لیا تھا۔ کتابیں ایک طرف کر کے وہ لیت گئی تھی۔

ڈاکٹر کہتے تھے کہ وہ کچھ نہ سوچے لیکن اس کے پاس سوچنے کے لیے بہت سارا کام تھا۔ اسے بہت کچھ سوچنا تھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی ہوئی تھی جب اس کا موبائل بجنا اٹھا۔ اس نے چونک کر موبائل دیکھا لیکن وہاں جگمگا تا نام دیکھ کر اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اس کا شخص ایک دم تیز ہو گیا تھا۔

”پیلو۔“ اس نے کال ریسیو کی۔

یوں..... اس پر دس گنگن میں میں تارا ہوں مجھے تاروں کی محفل واپس جانا ہے میں پر دسکی ہوں مجھ کو لوٹ کے اس..... دس جانا ہے مجھے پر لوک جانا ہے مجھے اب لوٹ جانا ہے	نغم مجھے پر لوک جانا ہے میری پلکوں پر ستاروں کا جہاں آباد رہنے دو ستارے خوشنما لگتے ہیں مجھ کو اس لیے جانا! ستاروں سے محبت کے درواجا قائم رہنے دو کہ مجھ کو ان ستاروں سے گزر کر آگے جانا ہے مجھے تم کب تک روکو گے
---	---

عائشہ..... سرگودھا

”کیسی ہو؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا تھا۔

”تمہارا نمبر بند تھا۔ سنا تھا تم اسپتال میں ایڈمٹ ہو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”کیوں کال کی؟“ انا کو اپنا لہجہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری محسوس ہوا۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کیوں کی میں نے۔“

”میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”تم اسپتال سے گھر شفٹ ہو چکی ہو۔“ اسے شاید ہل ہل کی خبر تھی۔

”دیکھو میں دھوکہ دینے کی کوشش مت کرنا تم جانتی ہو اچھی طرح کہ ہم پھر کیا کریں گے۔ جو کہا ہے وہ بنا کسی تاخیر

کے جلد از جلد کرو..... ورنہ“ انا نے لب بھینچ لیے تھے اس کے دماغ میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ اس نے کال بند کر دی اور

دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ اسے ننگہ ہاتھ کہ جیسے بھی اس کے دماغ کی کوئی شریان پھٹ جائے گی۔

”کیا ہوا؟“ روشی جو اس کے لیے کچھ بھول لینے باہر گئی تھی اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ انا نے اسے

دیکھ کر اپنے ہاتھ ہٹائے تھے۔ وہ اس کے لیے کچھ سبب لے کر آئی تھی۔

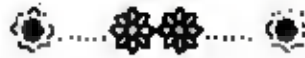
وہ اسے سبب کاٹ کر دینے زبردستی اصرار سے کھانے پر مجبور کرتے اس کا دھیان بنانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن انا کو

نگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دھیان بس ایک ہی نقطے پر جم گیا ہے۔ وہ بس اس کی باتوں پر ہوں ہاں کرتی رہی تھی۔ روشی اسے

ایک سبب کھنا کراٹھ گئی تھی۔

”تم تھک گئی ہو آرام کرو۔“ وہ اس کا رخسار تھپتھا کر چلی گئی۔ روشی کی محبت پر اس کی آنکھیں بھینکنے لگیں تو وہ خاموشی

سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔



شاہ زیب صاحب کو کال آئی کہ جو ملی میں بابا صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔ صبح کے وقت ملازمین ان کو

اسپتال لے گئے تھے لیکن ان کی طبیعت مستحکم نہیں رہی۔ شاہ زیب صاحب از حد پریشان ہو گئے تھے۔ وہ فوراً جانے کو

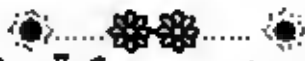
تیار تھے مہر النساء بھی ساتھ جا رہی تھیں۔ شہوارا بھی گھر پر ہی تھی اسے تاج کالج کے لیے ڈراما لٹ لکنا تھا۔ وہ بھی جانے

167 اپریل 2015ء سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر

پر تیار ہوگئی۔ فون کر کے اس نے مصطفیٰ سے جانے کی اجازت لئے لی تھی۔ دو لوگ دو پہر کو وہاں پہنچے تھے۔ بابا صاحب کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ شاہ زب صاحب ڈاکٹرز سے ملنے چلے گئے واپس آئے تو چہرے پر کافی تشویش تھی۔

”کیا کہتے ہیں ڈاکٹرز؟“ مہر النساء نے پوچھا۔

”ہمیں انہیں شہر شفقت کرنا ہوگا۔ یہاں علاج کی سہولیات نا کافی ہیں۔ ڈاکٹر نا امید ہیں۔“ ان کے اپنے لہجے میں مایوسی تھی۔ شہوار نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ لوگ شام تک انہیں شہر لئے آئے تھے۔ یہاں آتے ہی شاہ زب صاحب نے اچھے سے اچھے ڈاکٹرز کا فوری بندوبست کیا لیکن بابا صاحب کی کنڈیشن میں کوئی بہتری نہ آ رہی تھی۔ گھر سے بھی باقی لوگ آ گئے تھے۔ مہر النساء اور شہوار گھر واپس آ گئی تھیں۔ اس بار بابا صاحب کی طبیعت کافی عرصے بعد خراب ہوئی تھی۔ سوسب کا اس طرح پریشان ہو جانا فطری تھا۔ شہوار کو بابا صاحب کی محبت اور شفقت ملی تھی۔ وہ اس کے لیے ہمیشہ ایک ابر باران کی طرح مہربان رہے تھے۔ ان کے وجود سے اسے ہر طرح کی محبت اور چاہت ملی تھی۔ اس نے ان کا ہاتھ تمام کمزور زندگی کے تمام مدارج طے کیے تھے اور اب ان کی مسلسل بے ہوشی دیکھ کر وہ خود بھی افسردہ تھی۔ ڈاکٹر کہتے تھے کہ وہ کسی مینٹلی ڈسزنس کا شکار رہے ہیں۔ جب تک ان کے دل و دماغ کی وہ گریں نہیں کھل جاتی ان کو کھل طور پر صحت یاب ہونا ناممکن ہے اور شہوار سوچ رہی تھی نجانے ایسی کون سی گریں تھیں جو ان کے اندر کی تمام خوشیوں اور آسودگیوں کو دیمک کی طرح چاتی جا رہی تھیں۔ ورنہ ان کے پاس سب کچھ تو تھا۔ اتنی محبت کرنے والے ہڈتے پھر کہاں کی تھی۔ وہ سوچ سوچ کراٹھ رہی تھی۔



رات کا کھانا کھانے کے بعد صبحی بیگم اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ گھیر واپسی کے بعد بھی کسی نے اس سے کوئی بھی سوال نہ کیا تھا۔ جبکہ وہ اندر ہی اندر خود کو ختم ہوا محسوس کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد سب کچھ آریا پار ہو جائے اور وہ جلد از جلد اس مسلسل ذہنی اذیت سے باہر نکل آئے۔

”ماما مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے؟“ کچھ سوچنے کے بعد اس نے کہا تو صبحی بیگم نے اسے دیکھا۔

وہ اسے ہاتھ میں پڑی ہوئی انگلی ہین اور تھی اتار رہی تھی۔

”ہاں گہو۔“ انہوں نے نے محبت سے کہا۔

”ماما یا آپ ماموں کو واپس کر دیں۔“ اس نے انگلی صبحی بیگم کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

”کیا.....؟“ صبحی بیگم نے از حد حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”میں بیدار تو رہتی ہوں، ماما، مجھے اب یا کبھی بھی ولید ضیاء سے شادی نہیں کرنی۔“ صبحی بیگم نے محسوس کیا کہ انا کے لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ انہوں نے وہل کر بیٹی کا چہرہ دیکھا وہ بالکل سپاٹ اور بے تاثر تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)





عید سعید بیکر

WWW.PAKSOCIETY.COM

”عثمان کہاں رہ گئے تھے تم۔ میں تمہارے لیے بہت پریشان ہو گئی تھی اتنی دیر مت کھیلا کرو۔“ حور نے اس کے ہال تو لپے سے خشک کرتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا کر بولا۔
 ”حورا لی! آپ کو تو پتا ہے کہ کرکٹ میری جان ہے اور کھیلتے ہوئے وقت کا احساس ہی نہیں ہو پاتا مگر آئندہ ضرور خیال رکھوں گا۔“ اس نے نظریں چرا کر جواب دیا۔
 حور بھائی کو دیکھ کر ساری پریشان بھول کر مسکرائی اور ہنستے ہنستے بولی۔

”اچھا کرکٹ تمہاری جان ہے تو پھر میں تمہارے لیے کیا ہوں؟“ اس نے شریر لہجے میں پوچھا۔ جو اکثر حور آپنی کی بجائے کبھی جان آپنی کے نام سے پکارتا تھا۔ وہ ہنس کر بولا۔

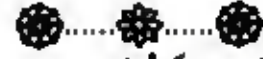
”آپ..... آپ بھی میری جان ہو۔“ اس نے بھی شریر لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا جی آپ کی جان ہوتی تو یوں تم دیر سے گھر آتے۔“ اس نے مصنوعی سی خفگی ظاہر کی وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

”آپ پلیز معاف کر دیں اور جلدی سے شربت پلا دیں بہت پیاس لگی ہے۔“ وہ اس کے سر پر پیار دے کر بولی۔

”اچھا بابا..... تم کپڑے تبدیل کرو میں جھٹ پٹ تمہارے لیے شربت لے کر آتی ہوں۔“ وہ ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی اور وہ شیشے میں بیٹ تھماتے ہوئے خود کو دیکھ کر گانا گنگنانے لگا۔

”ہم ہیں پاکستانی ہم تو جیتیں گے..... ہاں جیتیں گے۔“



قوم صاحب کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے ہوئے تھے اور حور بڑے سلیقے سے ان کے سامنے کھانا لگا رہی تھی اچانک وہ شائستگی سے بولے۔

”حور عثمان کہاں ہے..... اس نے کھانا کھا لیا؟“ عثمان کی غیر موجودگی پر انہوں نے پوچھا۔ حور چاول کی

ڈش ان کی جانب بڑھا کر بولی۔
 ”جی وہ ابھی آتا ہے میں نے اسے کھانے کا بتا دیا ہے۔“ اس نے شائستگی سے جواب دیا اور خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ کر اپنے لیے کھانا نکالنے لگی۔ پانچ منٹ کی خاموشی کے بعد آخر کار وہ غصے سے بولے۔

”کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا جاؤ اس کو بلاؤ۔“ قیوم صاحب کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔ حور نے پھر شائستگی سے جواب دیا۔

”بابا وہ..... وہ..... اس کی فیورٹ فلم لگی ہوئی ہے میں اسے بعد میں کھانا گرم کروں گی آپ اطمینان سے کھانا کھائیے۔“ قیوم صاحب خفگی سے بولے۔

”آج مجھے راستے میں عثمان کے استاد صاحب ملے تھے ان کا کہنا تھا عثمان پڑھائی میں بہت کمزور اور بہت بے پروا ہو گیا ہے۔“

”اچھا مگر عثمان تو مجھے بتا رہا تھا کہ استاد صاحب نے اس کی انٹھی پڑھائی سے اسے کلاس کا میٹر بوائے بنا دیا ہے۔“ وہ نوالہ چباتے ہوئے حیرانگی سے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔

”حور! عثمان کی ہر بات کو تم سچ مت سمجھا کرو وہ بہت شریر ہو گیا ہے۔ اس نے تم سے جھوٹ بولنا بھی شروع کر دیا ہے اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤ ورنہ یوں پڑھائی سے بے پروا رہا تو فیل ہو جائے گا۔“ قیوم صاحب نے بیزارگی سے بیٹی کو دیکھا جو کانی حد تک اسے بگاڑنے کی حق دار بھی تھی۔

”بابا! میں عثمان کے ساتھ سختی کروں..... مجھ سے نہیں ہوگا انہوں نے مرتے وقت میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں اسے اس کی کبھی کی محسوس نہیں ہونے دوں گی۔ پھر میں کیسے.....؟“ اس نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور اس کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔

”میرا مطلب وہ نہیں۔“ قیوم صاحب بھی اپنی بیوی کے نام پر افسردہ سے نظر آنے لگے وہ مزید بول نہ پائے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی فرماں بردار بیٹی انہیں

ہو جائے اور پھر انہوں نے بات کو پلٹنا مناسب سمجھا۔

"باتوں ہی باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا شہباز ہمارے گھر رہنے کے لیے آ رہا ہے؟" قیوم صاحب نے خوش گوار لہجے میں اطلاع دی۔

"وہ کیوں؟" وہ حیرانگی سے بولی۔

"بھائی صاحب کا فون آیا تھا کہ رہے تھے اس کی کمپنی کی دوسری برانچ ہمارے شہر میں کھول رہی ہے۔ وہ تو کرائے کے مکان کا بندوبست کرنا چاہ رہے تھے مگر میں نے صاف انکار کر دیا اور یوں کہ شہباز ہمارے گھر ٹھہرے گا آخر وہ میرا کلوٹا بھتیجا ہے۔"

"جی آپ نے ٹھیک کہا۔" اس نے شائستگی سے جواب دیا۔

"تم اوپر والا کمرہ صاف کرو میرے خیال میں وہ اوپر ٹھیک رہے گا۔ تم کیا کہتی ہو؟" قیوم صاحب نے شائستگی سے اس کی رائے لی۔

"جی بابا جی آپ مناسب سمجھیں میں ابھی اس کمرے کی صفائی کر دیتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نوہو بیٹھو! یہی کہاں جا رہی ہو۔ وہ کل نہیں ایک ہفتے کے بعد آ رہا ہے بہت اچھا لڑکا ہے۔" قیوم صاحب اس کو سوچ کر بولے۔

"بابا آپ نے گھبر نہیں لی۔" اس نے ایک دم پوچھا۔ "ہاں ہاں کھیر بھی کھاؤں گا پہلے کھانا تو کھا لوں۔ تم بالکل اپنی ماں کی طرح کھانا پکانے لگی ہو۔" قیوم صاحب مسکرا کر بولے اور اس کا چہرہ چل سا اٹھا کہ وہ اپنی ماں کی ذمہ داریاں بخوبی نبھاتی تھی۔

"عثمان آج چھٹی کا سوچا تو..... تمہیں بابا کی ذانت سے میں نہیں بھا سکوں گی۔" اس نے صاف لفظوں میں گھبرا کر بتایا۔ کل رات جو قیوم صاحب نے اسے تختی کا مشورہ دیا تھا وہ عثمان کو بگاڑنا بھی تو نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس بات پر حلقی سے ناشتے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مجھے سلا س نہیں پراٹھا کھانا ہے۔" اس نے اس کی بات پر خفا سا جواب دیا وہ اس کی حلقی پر پریشان ہی ہو گئی۔

"اچھا اچھا ناراض کیوں ہو رہے ہو میں پراٹھا بنا دیتی ہوں۔" اس نے پیار سے اس کا گال چھوا۔ قیوم صاحب باورچی خانے میں داخل ہو کر خفا لہجے میں بولے۔

"حور پراٹھا بنانے میں کافی دیر ہو جائے گی تم اسے سلا س ہی دو۔" قیوم صاحب نے شاید اپنے بیٹے کی بات سن لی تھی کہ وہ اسکول سے چھٹی کا ارادہ رکھتا ہے حور فکر مندی سے بولی۔

"بابا زیادہ دیر نہیں لگے گی میں دو منٹ میں پراٹھا بنا رہی ہوں۔" حور نے عثمان کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کھڑا تھا اور اس میں باپ کے سامنے بولنے کی جرأت نہ تھی۔ قیوم صاحب حلقی سے اسے دیکھ کر بولے۔

"حور! اس کی ہر فرمائش پوری کرنا لازمی نہیں تمہیں جو میں نے کہا ہے تم وہی کرو۔" قیوم صاحب نے بیٹی کو بھی جذبا یا کہ وہ جان بوجھ کر دیر ہونے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے کیوں کہ گزری میں سناڑھے آٹھ بج چکے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ حریہ لب کھولتی وہ تیزی سے باورچی خانے سے نکل گیا اور وہ دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے کو تکتے رہ گئے۔

"بابا تو ڈانٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے! آپس میں مجھ سے محبت نہیں کاش کہ اماں کے ساتھ میں بھی مر گیا ہوتا تو بابا کی ذانت تو روز کھانے کو نہ ملتی۔" اس نے خفا سا منہ بنا کر کہا۔

"اللہ نہ کرے تمہیں میری بھی عمر لگ جائے۔ بابا تم سے بہت محبت کرتے ہیں عثمان! وہ کل تمہارے

وہ باورچی خانے میں ناشتا بنا رہی تھی جب وہ منہ پھلائے یونین فارم پہن کر اس کے سامنے آ گیا۔

"کیا ہوا موز کیوں آف ہے؟" اس نے آلیٹ پھینکتے ٹکر مندی سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"حور آئی! سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" اس نے دوڑوں ہاتھ سر پر رکھ دینے وہ ٹکر مندی سے بولی۔

”حورا پتی! آپ کے کام کب ختم ہوں گے میرا ہوم ورک کب کریں گی؟“

”اوہ عثمان! میں تمہارا ہوم ورک کر دوں گی تمہیں پتا تو ہے کہ آج گھر پر شہباز آئے ہیں اس لیے تمہوڑا اہتمام کرنا پڑے گا۔“ اس نے تیزی سے پلیٹیں لگاتے ہوئے سمجھایا۔

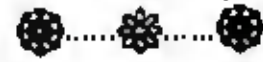
”بس چھوڑ دو میں کام اور میرے ساتھ میرے کمرے میں چل کر میرا ہوم ورک کر دیں۔“ اس نے حور کا مضبوطی سے ہاتھ تھام لیا اور اسے تھمٹنے لگا۔

”اوہ ہور کو تم عثمان! تم مجھ کیوں نہیں رہے میں تمہارا سارا کام آج رات ہی کر دوں گی۔“ اس نے پیار سے اپنا بازو چھڑایا۔ اسی دوران شہباز نے ان دونوں کی بات سن لی جو دروازے کے باہر کھڑا تھا وہ ہستے ہستے بولا۔

”عثمان میرے پیارے کزن! یہ کیا بات ہوئی ہوم ورک تمہارا ہے یا پھر حور کا؟“

”دیکھئے شہباز بھائی! آپ یہاں مہمان بن کر آئے ہیں بہتر ہے کہ مہمان بن کر ہی رہیں۔“ عثمان نے عیسیٰ نظروں سے اسے پلٹ کر جواب دیا وہ گھبرا کر بولی۔

”عثمان بڑوں سے ایسے بات نہیں کرتے تم کمرے میں جاؤ میں ابھی تمہارے پاس آتی ہوں۔“ حور نے اس کی بدٹیسری پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے فوراً کمرے میں بھیجا تو وہ غصے سے اسے دیکھ کر چلا گیا اور شہباز کے چہرے پر حیرانگی ہی چھا گئی۔



رات کے دو بج رہے تھے اور اس کے کمرے کی لائٹ آن تھی وہ پانی پینے کی غرض سے اٹھا تو لائٹ آن دیکھ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ شہباز نے دروازہ کھول کر اسے پکارا۔

”حور کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“

”جی..... جی.....“ وہ چونکی دوپٹہ سنبھالا اور پیار سے بولی۔ ”آپ کو کچھ چاہیے تھا کیا؟“ شہباز نے اس کے ہاتھ میں قلم اور ٹیبل پر کاپی دیکھی تو سمجھ گیا کہ وہ عثمان کا ہوم

ورک مکمل کر رہی ہے وہ شائستگی سے بولا۔

”رات کے دو بج رہے ہیں اور آپ پھر بھی ہوم ورک.....؟“ اس نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔

”کتنے دنوں کا کام عثمان نے نہیں کیا ہوا؟ کل اس کی کاپی چیک ہوئی ہے اور اگر کام نہ ہوا تو اسے سزا بھی مل سکتی ہے۔“ اس نے معصومیت سے بتایا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی سے بہت محبت کرتی ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر بولا۔

”حور آپ اپنے بھائی کی پڑھائی میں یوں مدد کرتی رہیں تو ایک دن آپ کی محبت اس کی زندگی کو نقصان پہنچا دے گی آپ سمجھ تو رہی ہیں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔“

”عثمان ابھی چھوٹا ہے وقت کے ساتھ یقیناً سمجھ وار ہو جائے گا۔“ اس نے شائستگی سے جواب دیا اور نظریں جھکا لیں جو زندگی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔

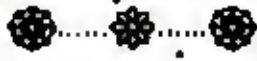
”ہاں یقیناً اللہ کرے وقت کے ساتھ اس میں سمجھ داری آ جائے مگر آپ تو سمجھ وار ہیں آپ اپنا رویہ اس کے لیے تبدیل کریں۔“ وہ لگرمندی سے بولی۔

”جی ہیں میں اپنا رویہ پڑھائی کے معاملے میں ضرور تبدیل کروں گی۔ مجھے بھی اس کے مستقبل کی فکر ہے۔“

”میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔“ اس نے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا وہ بار بار نظریں چرا رہی تھی۔

”نہیں نہیں..... بس تمہوڑا سا کام تھا مکمل ہو جائے گا آپ بھی سو جائیے کل کہنی میں آپ کا پہلا دن ہوگا آپ کو فریش لگنا چاہیے۔“ وہ شائستگی سے بولی اور اس نے نظریں جھکا لیں۔

”خیال کرنے کا شکریہ۔“ اس نے بھی پیار سے جواب دیا اور اللہ حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔



وہ چھٹی کے دن آفس کا کام لپ ٹاپ پر کر رہا تھا جب اسے محن میں شور کی آواز سنائی دی۔

”اگر آپ مجھے نیابت نہیں دلا سکتیں تو میں کہیں دور

بہت دور چلا جاؤں گا۔"

"خدا یا کیسی بھگی بھگی باتیں کر رہے ہو عثمان!
تمہیں کیا ہو گیا ہے تم جانتے ہو مہینے کا آخری ہفتہ ہے
بابا کی تنخواہ آئے گی تو پھر نیا بیٹ خرید دوں گی۔" شہباز
کو حور کی آواز میں بے بسی محسوس ہوئی اس نے کام
چھوڑ دیا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ عثمان کو جا کر
سمجھائے مگر پھر خاموشی سے کرسی پر بیٹھا رہا وہ جانتا تھا
کہ یہ ان دونوں کا ذاتی مسئلہ ہے۔

"آپ! نہیں..... میں نے اپنے دوستوں سے
بات کر لی ہے کہ کل میں نیا بیٹ لے کر اسکول آؤں گا
آپ کو میری عزت کا ذرا خیال نہیں۔" اس نے خفا
لہجے سے جتلیا۔

"اوہو عثمان! میں کیسے سمجھاؤں! میرے پاس پیسے
ہوتے تو میں کبھی انکار نہیں کرتی۔"

"اچھا تو آپ اپنی کیلی فضا سے ادھار لے لیں مجھے
یقین ہے کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔" اس نے حور کا ہاتھ
تھام کر منت و سماجت شروع کر دی شہباز کے چہرے پر
غصہ چھا گیا مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ اس کا سا بھائی
ہوتا تو کب کا وہ اس کے دو تین پھڑر سید کر چکا ہوتا وہ اپنا
غصہ قابو کرنے لگا وہ فکر مندی سے بولی۔

"عثمان میں نے کبھی کسی سے ادھار نہیں مانگا اور بابا
کے علم میں یہ بات پہنچ گئی تو.....؟" اس نے اپنے باپ کا
سوچ کر منع کیا۔

"آپ! آپ میرے لیے اتنا چھوٹا سا کام نہیں
کر سکتیں ویسے تو آپ ہر وقت کہتی رہتی ہیں کہ آپ
میرے لیے اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہیں۔" اس نے
جان بوجھ کر اپنی آنکھیں مسنا شروع کر دیں وہ جانتا تھا
کہ اس کی بہن اس کے آنسو نہیں دیکھ پائے گی۔

"اچھا بابا رونا مت..... میں ادھار مانگ لوں گی اب
خوش۔" اس نے فوراً ہار مان لی جو اس سے بے پناہ محبت
کر رہی تھی۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں آپ! وہ چیخنے لگا اور بار بار

اس سے پوچھنے لگا۔

"ہاں بابا! بالکل سچ....." وہ ہنسنے لگا جبکہ شہباز ہاتھ
مسلتا کرسی پر بیٹھا ہی رہ گیا تھا۔



وہ سر جھکائے حور کے بارے میں سوچ رہا تھا جب ہی
اس نے ہلکی سی دستک دے کر اپنے آنے کی اطلاع دی جو
اس کی آمد پر باخبر تھا۔

"وہ..... وہ میں نے کھانا تیار کر دیا ہے اگر آپ کو
بھوک لگے تو کھا لیجئے گا۔" اس نے اپنے سر کتے دوپٹے کو
ٹھیک کرتے ہوئے بتایا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ وہ
بابر جا رہی ہے۔

"تم نہیں بابر جا رہی ہو؟" اس نے شائستگی سے پوچھا
علم تھا کہ وہ اپنی سبکی کی طرف جا رہی ہے اور وہ بھی ادھار
لینے۔ وہ نظریں چرا کر بولی۔

"میں اپنی کیلی فضا سے ملنے جا رہی ہوں! شام سے
پہلے لوٹ آؤں گی۔" اس نے دھڑکتے دل سے جواب دیا
اور سوچنے لگی کہ کہیں اسے علم تو نہیں ہو گیا کہ وہ اپنی سبکی
سے پیسے مانگنے جا رہی ہے۔

"آپ فضا سے پیسے لینے جا رہی ہیں تو آپ وہ
ادھار مجھ سے لے لیں۔"

"ہی..... وہ..... وہ..... نہیں تو ایسی بات نہیں؟" وہ
شرمندہ ہی ہو گئی اور اس کا دل زرد زور سے دھڑکنے لگا۔

"دیکھو حور! بے شک فضا تمہاری کیلی ہے مگر تاجان
کی عزت کے لیے کہہ رہا ہوں! اگر تم پیسے نہیں لینا چاہتیں تو
میں عثمان کی پسند کا بیٹ اسے دلا دیتا ہوں۔" اس نے پیار
سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں..... میں عثمان کو نیا بیٹ خود دنا دوں گی۔" وہ
فکر مندی سے بولی۔

"کیوں..... کیا میں ابھی بھی تمہارے لیے اپنا نہیں
ہوں۔" اس نے شائستگی سے پوچھا۔

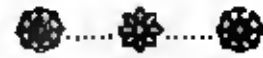
"کیسی بات نہیں شہباز! وہ دراصل....." اس نے
بات کو اٹھورا چھوڑ دیا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا اس سے وہ

یہ انگوٹھی کسی اور کے لیے لے کر آئے ہیں۔“ اس نے ڈیبا کھول کر انگوٹھی کو ہمارے دیکھا جسے پہلے دیکھنے پر اسے کتنی جتن محسوس ہوئی تھی کہ شہباز کی زندگی میں کوئی لڑکی ہے کتنے دنوں سے جو کیفیت شہباز کی تھی وہ بھی مسلسل اس میں گھری ہوئی تھی۔ اس انگوٹھی نے اسے جتلا دیا کہ وہ شہباز کو پسند کرنے لگی ہے۔

”اور اگر یہ انگوٹھی سچ میں تمہارے لیے نہیں ہوتی تو پھر تم کیا کرتی؟“ اس نے شریر لہجے سے پوچھا۔

”پھر میں اس محبت کو دفن کر دیتی۔“ اس نے مصنوعی خفگی سے جواب دیا۔

”اچھا! مگر ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ اس نے ڈیبا سے انگوٹھی نکال کر اس کو پہنادی اور وہ اپنی محبت کو پا کر کھل سی گئی۔



”بھابی! کون آیا تھا وہ شہباز کے لیے تمہارا ہاتھ مانگ رہی ہیں۔ شہباز مجھے بھی بہت پسند ہے میں نے تو فوراً ہاں کر دی مگر اب سوچ رہا ہوں مجھے تمہاری زندگی کا فیصلہ لینے سے پہلے تم سے بات کر سکتی چاہیے گی۔“ قیوم صاحب نے شائستگی سے اسے کمرے میں بلوا کر بتایا۔

”بابا! آپ جو فیصلہ کر چکے ہیں مجھے قبول ہے اور مجھے اندازہ ہے کہ آپ جو فیصلہ لیں گے میرے لیے بہتر ہوگا۔“

”جیسی رہو میری بیٹی! مجھے تم پر فخر ہے۔ ماشاء اللہ میری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔“ قیوم صاحب نے اس کے سر پر پیار دیا اور مطمئن سے ہو گئے۔

”بابا! میں آپ کے لیے ناشتالاؤں۔“ اس نے شائستگی سے بات کھل ہونے کے بعد پوچھا۔

”ہاں بیٹی! مگر ایک اور بات بھی کرنا چاہ رہا تھا آج تمہاری ماں زندہ ہوتی تو شاید مجھے اس بات کی ضرورت نہ پڑتی۔“ قیوم صاحب نے جھکی نظروں سے بات کی۔

”بابا! آپ نے باپ کے ساتھ ماں کا بھی فرض نبھایا ہے آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں بتائیے۔“

”بیٹی! شہباز سے تمہارا رشتہ طے ہو گیا ہے اب مناسب ہوگا کہ محتاط رہو تم سمجھ رہی ہو ناں۔ یہ رشتہ بہت نازک ہوتے ہیں۔“ قیوم صاحب نے فکری مندی ظاہر کی۔

”بابا! آپ فکر نہ کریں میں اپنی حد جانتی ہوں آپ کو میری وجہ سے کبھی شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔“ قیوم صاحب نے لمبی مطمئن سانس لی اور پیار سے بولے۔

”جیسی رہو میری بیٹی! اللہ تعالیٰ تمہیں بے شمار خوشیوں سے نوازے۔“ حور باپ کو تسلی دے کر خود کو کافی ہلکا محسوس کر کے باورچی خانے میں آ کر کام کرنے لگی۔



”آپ اور یہاں میرے کمرے میں.....؟“ وہ شہباز کو اپنے کمرے میں دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

”کیوں میں تمہارے کمرے میں کیا نہیں آ سکتا۔“ وہ شریر لہجے میں بولا۔

”آپ..... آپ جائیے بابا نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو کہیں مجھ سے خفا نہ ہو جائیں۔“

”اوہو یار! تمہیں مہناک باو بیٹے آیا ہوں جناب اور اگر آپ یوں مجھ سے چمپ کر رہیں گی تو میرے معصوم دل کا کیا ہوگا۔“ اس نے معصوم چہرہ بنا کر دل پر ہاتھ رکھ کر اسے دیکھتے پوچھا۔

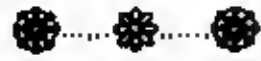
”شہباز! آپ جائیے پلیز.....“ وہ گھبرا کر بولی۔

”میں کیوں جاؤں! مجھے سارا دن تمہارا چہرہ دیکھنا ہے۔“ وہ اس سے گن نہ ہوا۔

”اُف..... آپ کتنے شریر ہو گئے ہیں پلیز جائیے۔“ وہ گھبرا کر بار بار اس سے استعفا کر رہی تھی۔

”اوہو شریر نہیں بہت شریر ہوں اور میں کہیں نہیں جا رہا مجھے اسی کمرے میں رہنا ہے۔“

”حور بیٹی..... حور بیٹی.....“ اچانک قیوم صاحب کی آواز ابھری جس پر شہباز کا رنگ از سا گیا اور وہ گھبرا کر کمرے سے بھاگ کھڑا ہوا اور حور کا کمر اس کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔



"چھوڑو عثمان..... چھوڑو....." وہ شام کو آفس سے گھبرا رہا تھا جب اس نے عثمان کو دیکھا جس نے اپنے ہی کسی دوست کا گریبان پکڑا ہوا تھا اور وہ دونوں بُری طرح سے لڑ رہے تھے۔

"میں اس کو نہیں چھوڑوں گا میں اس کو جان سے مار دوں گا۔ شہباز بھائی آپ میرے مسئلے میں نہ پڑیں۔" عثمان نے غصے سے شہباز کو گھورتے ہوئے جواب دیا اور گریبان نہ چھوڑا۔

"عثمان پاگل ہو گئے ہو چھوڑو....." عثمان نے ایک زور کا مارکا پھر اپنے دوست کے منہ پر دے مارا جس پر شہباز آگ بگولہ سا ہو گیا اور پوری قوت کے ساتھ اس نے عثمان کو پکڑ کر دوسری طرف دھکیلا اور ایک زور کا طمانچہ اسے رسید کیا۔

"بد تمیز یوں جھگڑا کرتے ہیں دوست ہے تمہارا۔" عثمان تھپڑ بڑنے پر حیرانگی سے اسے دیکھنے لگا۔ شہباز غصے سے اسے ٹھیسٹ کر گھمزلے آیا اور راستے میں اس نے عثمان کی خوب خبر لی جس پر عثمان نے اشاروں سے لگا۔

"کیوں رو رہے ہو..... اُف اللہ! کچھ تو بتاؤ۔" وہ اس کے بُری طرح رونے پر خوف زدہ ہی ہو گئی۔
"دیکھو اپنے لاڈلے بھائی کا حال اگر وہاں میں نہ ہوتا تو شاید یہ لڑکا اس کا گلہ دہا کر ہی سانس لیتا۔" شہباز نے غصے سے حور کو دیکھتے جتایا۔

"تم..... تم جھگڑا کر رہے تھے۔" حور فکر مندی سے اس سے پوچھنے لگی جو بُری طرح سے رو رہا تھا کہ شہباز نے اس کو مارا ہے۔

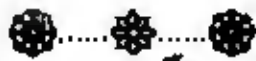
"آپی! شہباز بھائی نے مجھے مارا ہے۔" اس نے اپنے سرخ گال کو دکھا کر چیختے ہوئے بتایا۔ حور گھبرا کر شہباز کی طرف دیکھنے لگی۔ دوسری طرف شہباز بھی غصے سے بولا۔

"تھپڑ نہ مارتا تو تم اس کی جان چھوڑتے شکر کرو کہ وہاں اس کا ہاپ نہ پھینچا ورنہ بات کہاں سے کہاں چلی

جاتی اور پچھا جان کو بھی شرمندگی اٹھانا پڑتی۔"
"آپی! اس نے پہلے مجھے مارا تھا۔" اس نے روتے روتے بتایا اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا وہ حور کی ہمدردی زیادہ سے زیادہ ہونے چاہتا تھا کہ اس کے تھپڑ کا بدلہ اب حور لے۔

"اچھا اس نے تمہیں مارا ہے مگر اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا اس کے چہرے پر تمہارے ناخنوں کے نشان تھے اور اس کے بعد بھی تم اس کو چھوڑ نہیں رہے تھے۔" شہباز نے دوسرے لڑکے کی حالت حور کے سامنے بیان کی جس کی آنکھوں میں آنسو بھرا آئے اور اس نے عثمان کو گلے سے لگا لیا۔

"آپی! شہباز بھائی نے مجھے بہت مارا ہے۔" وہ روتے روتے بولتا جا رہا تھا اور حور کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جبکہ شہباز بے قصور ہونے کے باوجود قصور وار نظر آ رہا تھا اور ایسا عثمان نے اسے حور کی نظروں میں کر دیا تھا۔



"حور آپی! آپ متنی توڑ رہی ہے کہ نہیں۔" وہ جب کھانا لے کر اس کے کمرے میں پہنچی تو اس نے خشکی سے پوچھا۔

"اوہو پہلے کھانا کھاؤ پھر میں کچھ سوچتی ہوں کہ شہباز سے کیسے پیچھا چھڑوانا ہے۔"

"حور آپی! انہوں نے سب کے سامنے مجھے تھپڑ مارا دیکھئے ابھی بھی میرے گال پر ان کی انگلیوں کے نشان ہیں۔"

"بہت بُری بات ہے شہباز کوچ میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ میں اس سے بات کرنی ہوں کہ آئندہ میرے بھائی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کرنا۔" اس نے دھمکی والا انداز ظاہر کیا جیسے وہ عثمان کے دل کو مطمئن کر سکے۔

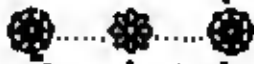
"آپی! آپ بہت پیاری ہیں آپ کو شہباز بھائی سے اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔ مجھے شہباز بھائی اب بالکل

سے حور کو حکم دیا۔

”مجھے معاف کر دیں۔“ اس نے منہ بسور کر معافی مانگی۔ اس سے پہلے شہباز کچھ کہتا اس نے حور کی آنکھوں میں دیکھا جس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ شہباز اپنی محبت کی خاطر تھوڑا نرم سا پڑ گیا اور شاہکی سے بولا۔

”آئندہ ایسی حرکت مت کرنا۔“ اس نے پیار سے جواب دیا عثمان نے خاموشی سے اپنے سر جھکا لیا۔

حور اور شہباز ایک دوسرے کو پھر تکتے رو گئے جیسے انہوں نے عثمان کو اپنی غلطی کا احساس دلا دیا ہو۔



”تمہیں چوری نہیں کرنی چاہیے مگر مجھے تمہاری اس حرکت پر.....“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی جس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

”حور! بی! مجھ سے غلطی ہو گئی میں تو سرسعد کو تھکدے کر اپنا نام کرکٹ نیم میں شامل کروانا چاہتا تھا بس اسی وجہ سے پیسے چرائے۔“ وہ حور کی ناراضگی پر پریشان سا ہو گیا۔

”تم نے مجھے شہباز کی نظروں میں گرا دیا۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

”تو پھر ماریں مجھے میری جان نکال لیں..... میں ہوں ہی بُرا آپ کو میری تکلیف سے زیادہ شہباز بھائی کی نکر ہے آپ میری وہ پہلی والی حور آئی نہیں رہیں۔“ وہ بھی روتے روتے پھٹ پڑا حور اس کے یوں اچانک رونے پر پشیمان ہی ہوئی۔

”نہیں..... عثمان نہیں تم سب سے اچھے ہو مجھے تمہاری فکر ہے۔ میں تو ہر وقت اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تمہیں ہر تکلیف سے بچا کر رکھے۔“ وہ اس کے آنسوؤں پر پھل سی گئی۔

”آبی! میں نے صرف پیسے اس لیے چرائے تھے کہ مجھے کرکٹ نیم میں جانا تھا۔“ وہ رونے لگا۔

”عثمان! میں تمہارے سرسعد سے بات کروں گی تم رو کر خود کو بلکان مت کرو۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اس کی تکلیف سچ میں اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

”آپ سچ میں سرسعد سے بولیں گی؟“ وہ حیرانی سے

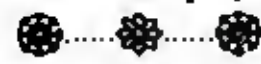
”میں نے آپ کے والٹ سے پیسے نہیں نکالے“ آپ مجھ پر گھنیا الزام مت لگائیں۔“ عثمان نے بھی غصے سے جواب دیا۔

”شہباز! عثمان نے کبھی میرے پیسے بغیر اجازت نہیں اٹھائے یہ سچ بول رہا ہے۔“

”اچھا ٹھیک ہے میں ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیتا ہوں۔ میں اس کے بستے کی تلاشی لینا چاہوں گا۔“ شہباز کی نظر بستے پر پڑی کمرے میں آنے سے پہلے عثمان بستے کی زپ بند کر رہا تھا۔

”نہیں آپ میرے بستے کی تلاشی نہیں لے سکتے۔“ عثمان کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا بستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ شہباز نے غصے سے بستہ اس سے چھین لیا اور زپ کھول کر بستہ اٹا دیا۔

بستے میں سے ساری چیزیں کا پیاں کتابیں قلم گرنے لگے اور آخر کار ایک کا پی کے گرنے کے ساتھ پیسے بھی زمین پر آ پڑے۔ حور پیسہ دیکھ کر گھبرا سی گئی شہباز نے ایک زور کا طمانچہ عثمان کے منہ پر دے مارا اور غصے سے باہر نکل گیا حور روتے روتے بس عثمان کو دیکھتی رہ گئی جو اس سے نظریں چرا رہا تھا۔



وہ لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب اس نے دیکھا حور عثمان کا ہاتھ پکڑے اسے زبردستی کمرے میں لارہی گئی وہ ان دونوں سے بے پروا سا ہو گیا اور لیپ ٹاپ پر مسلسل کام کرنے لگا۔

”شہباز! عثمان آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے آپ اسے معاف کر دیں۔“ حور نے شاہکی سے نظریں چرا کر بات کی جو عثمان کو کمرے میں زبردستی لے کر آئی تھی۔ شہباز نے عثمان کے چہرے پر سرسری سی نظر ڈالی جس کے چہرے پر شرمندگی کا احساس نہیں تھا۔

”عثمان! شہباز بھائی سے معافی مانگو۔“ اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے ہلایا جو بس دیواروں کو مسلسل گھور رہا تھا۔

اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں بس رونا بند کرو۔" حور نے اس کے آنسوؤں کو پونچھا۔ اس نے نیپیل سے اس کا سیل فون اٹھایا اور نمبر ڈائل کر کے اس نے سیل فون افراتفری میں حور کو تھما دیا وہ نہ چاہ کر بھی عثمان کی ضد کے ہاتھوں ہار گئی۔

دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز ابھری۔

"ہیلو..... ہیلو کون؟" حور شائستگی سے بولی۔

"جی میں حور عثمان کی بہن۔" حور جو سر سعد سے دو تین دفعہ مل چکی تھی اس نے اپنا تعارف کروایا۔

"آپ سیسی ہیں؟" دوسری طرف سر سعد نے پیار سے پوچھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں آپ سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"جی ضرور۔" سر سعد نے شائستگی سے جواب دیا۔

"وہ..... میں..... یہ کہنا....." حور نے ابھی تک بات مکمل نہیں کی تھی کہ دوسری جانب سنا آواز ابھری۔

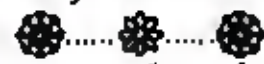
"سنیے..... آپ کی آواز کٹ کٹ کر آ رہی ہے لائن میں پر اہم ہے آپ سبج پر بات کر لیں۔" سر سعد نے زور سے بول کر بتایا۔

"جی ٹھیک ہے۔" وہ بھی بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سبج پر بات کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سبج کرنی قیوم صاحب نے اسے پکارا۔

"حور بیٹی! کہاں ہو تم؟" وہ گھبرا سی گئی۔

"آپنی! میں خود سبج کر لیتا ہوں آپ پاپا کی بات سن آئیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے مگر وعدہ کرو کہ آئندہ تم ایسی حرکت کبھی نہیں کرو گے جس سے میری اور پاپا کی عزت پر کبھی کوئی آنچ آئے۔" حور نے پھر سے ہدایت دی اور وہ بے پروا ہو کر سبج ٹائپ کرتے ہوئے سر ہلانے لگا۔



"سارا دن موبائل پر لگے رہتے ہو۔" وہ اس کو دیکھ کر

مسکرائی جو بستر پر اس کا موبائل لے کر نیم کھیل رہا تھا۔

"آپنی! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ میں زیادہ وقت گھر پر رہتا ہوں آپ کی نظروں کے سامنے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں یہ تو سچ ہے تمہارے گھر رہنے سے میں خوش ہوں۔ مگر موبائل پر نیم کھیلنے کھیلنے نظر گزارنا ہوا جائے۔"

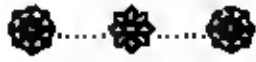
"آپنی! میں آپ کی تصویر کھینچ لیتا ہوں آج آپ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔" حور شائستگی سے بولی۔

"بہت باتیں بنانا سیکھ گئے ہو۔" اس نے دو تین تصویریں اس کی کھینچ لیں وہ ایک دم چینی۔

"آف خدایا! پاپا نے تو چائے مانگی تھی اور میں تمہاری باتوں میں بھول گئی۔" اسے فوراً یاد آیا تو وہ گھبرا کر بولی۔

"دیکھ لیں حور آپنی! غلطیاں آپ سے بھی ہوتی ہیں۔" وہ ہنسنے لگا۔

"اچھا ابھی تمہیں دیکھتی ہوں ذرا چائے بنا کر پاپا کو دے آؤں۔" وہ ہنستے ہنستے اس کا کان مروڑ کر چلی گئی اور وہ پھر سیل فون پر بڑی ہو گیا۔



قیوم صاحب اخبار پڑھ رہے تھے اور شہباز کے ہاتھ میں میگزین تھا۔ وہ جب چائے لے کر اندر داخل ہوئی تو شہباز نے شریرا انداز میں اس کو آکھ ماری۔ وہ باپ کی موجودگی سے ذری اور اس کے ہاتھ میں موجود ٹرے کا پینے لگی۔

"کیا ہوا؟" قیوم صاحب اس کی کپکپاہٹ سے چونکے مگر وہ ٹرے سنبھالنے میں کامیاب ہو گئی۔

"کچھ نہیں پاپا! وہ..... وہ..... ہندیا کا چولہا بند کرنا بھول گئی۔" قیوم صاحب فکر مندگی سے بولے۔

"اوہ بیٹی! چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے جلد بازی کرنا اچھی بات نہیں۔ ابھی چائے تم پر گر جاتی تو.....؟"

قیوم صاحب نے پیار سے اسے سمجھایا۔

وہ ہاں میں سر ہلا کر فوراً کمرے سے باہر آ گئی اور شہباز کی ہنسی بمشکل اس کے قابو میں آئی۔ وہ برتن دھو رہی

تھی تو وہ ہنستا ہوا اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ وہ غصے سے اس کی طرف دیکھنے لگی تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔
 ”بس اتنی چھوٹی سی بات پر خفا ہو گئی۔“

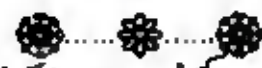
”تو بے جا بادیکھ لیتے تو..... آف میری کیا عزت رہ جاتی۔“ اس نے فکر مندی سے بتایا۔

”اچھا بابا! لوکان پکڑ کر اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں اور آئندہ میری کیا مجال جو آپ کی شان میں گستاخی کروں۔“ حور غلطی سے بولی۔

”ہر دفعہ وعدہ توڑ دیتے ہیں، چاہئے مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔“ اس نے بھی اسے معاف نہیں کیا جو شریہ لہجے میں اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

”آپ بات نہیں کریں گی تو میرا معصوم دل دھڑکنے بھول جائے گا حور! کیا آپ ایک معصوم سے دل کی قاتلہ بننا چاہیں گی۔“ اس نے پاس پڑا ایک چاقو اٹھالیا اور اسے حور کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ مضبوطی سے چاقو پکڑ کر بولی۔
 ”ہاں بالکل میں یہ کام سرانجام دوں گی۔“ اس کے چہرے پر اب مسکراہٹ دوڑنے لگی۔

”محبت میں دھوکہ..... نھیک سے آپ وار کریں نہیں نہیں ہنس کر زخم سہ لوں گا۔“ اس نے آنکھیں بند کر کے خود کو اس کے حوالے کر دیا۔ حور نے آہستگی سے ایک گلاس میں پانی لیا اور سارا پانی اس کے سر پر انڈیل دیا۔ وہ ٹھنڈا پانی گرنے پر چلایا اور باورچی خانہ حور کے قبضہ میں سے گونچا اٹھا۔



وہ حور کی تصویریں سنبھال رہا تھا اور وہ مسکرا کر بولی۔
 ”آف تو بے پورے فونو گرافر بن گئے ہو ہر وقت میری تصویریں لیتے رہتے ہو کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟“
 ”آبی! میں فونو گرافر نہیں کر کر بننا چاہتا ہوں۔“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”تم نے ہوم ورک کر لیا؟“ اس نے فکر مندی سے پوچھا جو جانتی تھی کہ وہ اپنے ہوم ورک سے بہت بے پروا رہتا ہے۔

”جی آبی! میں نے ہوم ورک کر لیا ہے بلکہ سبق بھی یاد کر لیا ہے اگر یقین نہیں آ رہا تو آپ مجھ سے سن سکتی ہیں۔“ اس نے فخر سے گردن اٹھا کر جواب دیا۔

”سچ عثمان! تم اسی طرح پڑھتے رہے تو ایک دن تم پوزیشن لے لو گے اور اگر اب تم نے کر دیا تو بابا کی خوشی کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا۔“ اس نے ہنستے ہنستے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”آبی! میں آپ کی ساری خواہشات پوری کروں گا مگر ایک شرط پر؟“ اس نے نظر سرجھا کر بات کی۔
 ”شرط..... کیسی شرط؟“ وہ حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

”بہت آسان شرط ہے۔“ وہ لب اسے دیکھنے لگا جو پہلے زور سے ساہور ہا تھا۔

”شرط بتاؤ تو پھر اندازہ کر پاؤں گی آسان ہے کہ مشکل؟“

”آبی! وہ میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ ہمارے اسکول میں کرکٹ نیم بنی ہے۔“ اس نے پیار سے اسے یاد دلایا۔

”ہاں ہاں اور اس میں تمہارا نام بھی شامل ہو گیا تھا پھر کوئی مسئلہ ہو گیا ہے کیا؟“ اس کے چہرے پر فکر مندی کتا ثار چھا گئے۔

”نہیں آبی! میں نے تجھ نہیں دیا تو سوچ رہا تھا اگر آپ میرے سرسجد کے لیے کوئی ڈش بنادیں تو وہ خوش ہو جائیں گے۔“ اس نے وہی آواز سے بات کی کہ کوئی دوسرا اس بات کو سن نہ لے۔

”بس اتنی سی بات جناب! میں کل ہی تمہیں چکن بریانی پکا دوں گی۔“ اس نے خوشی سے اس کی بات مان لی۔

”سچ آبی.....!“ وہ خوشی سے چلایا۔
 ”ہاں بابا! اب مجھے دوسرے بھی کام کرنے دو تم بہت باتونی ہو گئے ہو۔“ وہ ہنسی اور وہ پھر سے اس کے جانے کے بعد سیل فون پر بزی ہو گیا۔

”جینا کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ، میں مگر چھوڑتا.....؟“ قیوم صاحب اس کے اچانک فیصلے سے بوکھلا گئے تھے۔

”چچا جان! میرا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے اب۔“ اس نے حور کی جانب خفا نظر دوں سے دیکھ کر جواب دیا۔

”جینا کچھ تو بتاؤ آخر مجھ سے کیا غلطی ہوئی یا پھر حور سے۔“ قیوم صاحب نے پریشانی کے عالم میں اپنی بیٹی کو دیکھا جس کے چہرے کی رنگت زرد ہوئی۔

”غلطی شاید مجھ سے ہوئی ہے جو میں انسانوں کو سمجھ نہیں سکا۔“ اس نے اپنا سوٹ کیس سمجھالا اور جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ سکتی اس نے قیوم صاحب کا ہاتھ تھاما اور پیار سے بولا۔

”چچا جان! مجھے اجازت دیں میں آپ کا داماد نہ بنی مگر جینا ہمیشہ تھا اور ہوں گا۔“ اس نے انہیں آخری سلام کیا اور پھر چلا گیا۔ وہ کچھ چاہ کر بھی کھنکھ کر رہی۔

”حور بیٹی! تمہارا اور اس کا ساتھ شاید اللہ تعالیٰ نے یہاں تک ہی رکھا تھا۔“ اس کے آنسو بہنے پر آخر کار قیوم صاحب سر دلبچے میں بولے۔ جو خود بھی اندر سے ٹوٹ رہے تھے کہ وہ ان کی معصوم بیٹی کا دل تو زکریوں چلا گیا۔

”بابا! میرا قصور تو بتا کر جاتا آخرا کسی کیا بات ہوئی جو ایک دم مجھ سے تعلق توڑ دیا۔“ وہ باپ کے سامنے پھٹ پڑی اور روتے ہوئے بولی۔

”بس میری بیٹی! یہ سب تمہاری قسمت میں تھا ہم پر یہ قیامت ٹوٹی ہی تھی۔“ قیوم صاحب نے پریشانی سے جواب دیا اور پھر آہستہ قدموں سے کمرے سے باہر چلے گئے۔

اس نے پھر خود کو آنسوؤں کے حوالے کر دیا اس کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔

وہ بستر پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی جب اس نے

شہباز ایک دکان پر کھڑا حور کے لیے گفت لے رہا تھا جب پیچھے سے ایک ہاتھ اس کے کندھے پر آ گیا اس نے مڑ کر دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ آج برسوں کے بعد وہ اپنے پرانے دوست سعد کو دیکھ رہا تھا۔

”سعد تم یہاں.....“ شہباز نے اسے گلے سے لگا لیا۔

”ہاں میرے دوست! قسمت مجھے اس شہر میں کھینچ لائی اور تم اپنی سناؤ تم یہاں پر۔“ سعد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”میں اسی شہر میں جا رہا ہوں نور مجھے اس شہر میں آئے ہوئے تین ماہ ہو رہے ہیں۔“

”اچھا تم اسی شہر میں ہو یہ سن کر بہت اچھا لگا۔ میں تو اکیلا اس شہر میں محوم محوم کر چک گیا تھا۔“ اس نے ہنستے ہنستے اپنی بوریت کو ظاہر کیا۔

”ابھی شادی نہیں ہوئی؟“ شہباز نے ہنستے ہنستے پوچھا۔

”نہیں یار! ہماری ایسی قسمت کہاں اور تم شاید بھائی جی کے لیے کچھ لے رہے تھے۔“ اس نے شریر نظروں سے اسے دیکھا جو ایک لیڈی پر فہوم ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔

”نہیں نہیں یار! ابھی شادی نہیں ہوئی بس رشتہ طے ہوا ہے۔“ شہباز نے بھی شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

”آف دونوں کی قسمت ایک جیسی ہے پھر۔“ اس نے قہقہہ لگایا۔

اور شہباز نے بھی اس کا ساتھ دیا اور پھر دونوں دوست ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔

شہباز غصے سے اپنا سامان سوٹ کیس میں ڈال رہا تھا اور وہ بہت بی کھڑی رہ گئی جبکہ قیوم صاحب فکر مندی سے بچکھاتے ہوئے بولے۔

نے اپنے استاد و حور بن کر کب سے بے وقوف بنا رکھا تھا۔ اس کے سیل فون پر بے شمار میسجز آنے لگے وہ میسج پڑھتے پڑھتے ٹھنڈی برف ہو گئی۔ ہر میسج میں سعدا سے اپنی محبت کا یقین دلایا ہوا تھا۔ وہ بالکل بھی اس شخص کو نہیں جانتی تھی۔

”آپی..... آپنی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ دوستی کو محبت سمجھ لیں گے۔ میں نے تو صرف اس لیے آپ کی طرف سے میسج کیے تھے کہ وہ مجھے کرکٹ ٹیم کا کپتان بنادیں گے مگر..... مجھے معاف کر دیں آپی!“ وہ اس کے آنسو گرنے پر فوراً ہاتھ جوڑ کر بولا۔ قیوم صاحب کمرے میں داخل ہوئے جنہوں نے دونوں کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ وہ عثمان کو جوتے سے پینے لگے۔

”خدا یا..... یٹو نے کیا کر دیا صرف کھلاڑی بننے کے چکر میں، بہن کی خوشیاں اجاڑ دیں۔“ قیوم صاحب چیخنے لگے حور زمین پر گر گئی۔

”آپی..... مجھے بچالیں آپی..... مجھے بچالیں“ دیکھیں بابا مجھے مار رہے ہیں.....“ وہ چیخنے ہوئے اس کو مدد کے لیے پکارنے لگا۔

”اپنی بہن کی خوشیوں کو تباہ کر دیا..... تجھے کرکٹ کی زبان میں سمجھاتا ہوں۔ ٹو نے اپنی بہن کی عزت کو آج آؤٹ کر دیا..... آؤٹ ہو گئی ہماری عزت..... اس گھر کی عزت.....؟“ قیوم صاحب غصے سے چیخنے چلانے لگے۔ وہ روتے روتے منہ میں بڑبڑائی۔

”ہاں..... میں آؤٹ ہو گئی..... ہمیشہ ہمیشہ کے لیے..... شہباز کی نظروں میں آؤٹ.....“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔



اپنے کمرے کے باہر آہٹ سنی تو اس نے خود پر قابو پایا یہ سوچتے ہوئے کہ شاید اس کے بابا اسے دیکھنے آئے ہیں۔ مگر قیوم صاحب کے بجائے وہ بے قدموں سے اس نے عثمان کا آہنی الماری کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا جو بہت گھبرا ہوا دکھائی دے رہا تھا مگر دوسرے ہی لمحے وہ حیران ہی ہو گئی۔ عثمان نے اس کی الماری سے سیل فون نکالا اور اپنی جیب میں سے ایک سم نکال کر اس میں ڈالی۔ وہ حیرانگی اور خاموشی سے دیکھنے لگی عثمان نے فوراً میسج ٹائپ کرنا شروع کر دیا اور پھر اس کا سیل فون لے کر باہر جانے لگا۔

”رات کے ایک بجے عثمان اس وقت کس کوچ کر رہا ہے؟“ وہ منہ میں بڑبڑائی اور اس نے عثمان کو پکارا۔

”عثمان..... عثمان..... اس وقت کس کوچ کر رہے ہو؟“

وہ بستر چھوڑ کر حیرانگی سے اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ وہ بہن کے اچانک سامنے آنے پر گھبرا سا گیا اور سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

اس سے پہلے حور کے ہاتھ میں سیل فون آتا عثمان گھبرا کر بولا۔

”حور آپی..... حور آپی..... مجھے معاف کر دو مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی۔“ حور حیرانگی سے سیل فون کی اسکرین پر میسج پڑھنے لگی۔

”میں تمہیں نہیں بھول سکتا، بچھلے ایک ماہ سے تم مجھے اپنی تصاویر میسج پر بھیج رہی ہو اب میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور حور تم انکار کر رہی ہو۔ پلیزیوں مجھے دھوکہ مت دو ایک بار مجھ سے بات کرو۔ چھپنے ایک ماہ سے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں اور تم اپنے بابا کے ڈر سے فون نہیں اٹھا رہیں پلیزی میرا فون اٹھاؤ۔ حور.....“ وہ اپنا نام میسج میں پڑھ کر حیرانگی سے بولی۔

”یہ..... یہ..... کیا ہے یہ کس کا میسج ہے؟“ اس نے عثمان کو حیرت سے دیکھا۔

”آپی..... وہ..... وہ..... میں نے سر سعد کو..... سر سعد کو.....“ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ جس





طلعت نظامی

میکے کھتے ہیں روئے

نہ چاہت کے جذبات الگ
نہ خوشیوں کے لمحات الگ
ہے ساری بات لکیروں کی
تیرے ہاتھ الگ میرے ہاتھ الگ

کو شش کرتیں اپنے عم کو سوا کرنے کا ان کا یہ طریقہ بہت پرانا تھا کہ بندہ کسی اور طرح سوگوار ہو جائے۔ حالانکہ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھیں کہ نگینہ عرف نگو سے انہیں کوئی پُر خاش نہیں تھی۔ اگلوئی بہن اور اگلوئی نند ہونے کے ناطے اور کچھ فی اماں کی حد سے بڑھی ہوئی محبت دیکھ کر بھی انہوں نے نگو کی کاٹلی پھونپنے اور خود سر طبیعت سے سمجھوتہ کر لیا تھا کہ جس کر اس کی ناجائز ضد کو بھی پورا کرنے میں تاٹل نہ کرتے اور سہرینہ تو تھی ہی چودھویں صدی کی بسو کہ معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے زبان بندی کو ہی اپنا سب سے بڑا اہتیار سمجھتی اور چپ چاپ خدمات کو اپنی سب سے بڑی نیکی سمجھتی بی اماں کو شکایت رہتی کہ نگو کو بہن سمجھ نہیں رہی ہے۔

”آج نگو چپ چاپ کیوں ہے ضرور بھابی نے کیوں کا تیر پھینکا ہوگا۔“ جس کی بتا پران کی سیدھی سادی بی بی کو چپ لگ گئی ہے۔

”آج تنویر کا موڈ بیوی سے اچھا اور بہن سے آف کیوں تھا؟“ ذرا ذرا سی بات کو وہ بیٹھے بیٹھے کینہ توڑ لگا ہوں

بی اماں کی اگلوئی بی بی کی رعیتی کے دن جوں جوں قریب آ رہے تھے ان کے چہرے پر تو کیا گھر کے درود یوار پر بھی حزن کے ہادل نمودار ہونے لگے تھے۔ اچھا بھلا دو پوتیوں، بہن بیٹے کی ہنسی و چہکار کی آواز سے گونجتا من بی اماں کے چہرے پر چھائی ادا سی دیکھ کر یکا یک بے رونق ہو جاتا۔ ایک سناٹا سا چہرہ سوچھا جاتا کسی میں ہمت نہ ہوتی کتا گے بڑھ کر انہیں کسی کے دو حرف بول سکے ورنہ کہیں کا طبع کہیں گر پڑتا۔ جو کبھی بہن بیٹے نے ہمت بندھانے کی کوشش کی تو وہ ایسے ترخ پڑتیں کہ وہ منہ ہی دیکھتے رہ جاتے۔

”ارے تم کیا جانو پودے کی طرح سٹیج سٹیج کر پردان چڑھائی بی بی دوسروں کو دان کر دینے کا دکھ جب اپنے اوپر پڑے گی تا تو ماں کے آنسو یاد آئیں گے۔“ وہ ہنسنے اور آبدیدہ ہو جاتیں دوپٹے کا پتو آنکھوں پر آ جاتا۔

”تم لوگوں کو تو سکون حاصل ہو جائے گا کہ بہن سے جان چھوٹی اس کی نت نئی فرمائشوں اور غروں سے خلاصی حاصل ہو جائے گی۔“ وہ کسی اور سوچ کو اجاگر کرنے کی

185 ستمبر 2015ء اپریل 2015ء ستمبر 2015ء ستمبر 2015ء ستمبر 2015ء

سے تاڑتی رہتیں تاکہ بہن کی طرف سے وہ ذرہ برابر بھی غافل نہیں رہیں لیکن بی اماں مسلسل "توجہ فرمائیے" کا ریڈ سنٹل آن کیے رہتیں۔ خدا خدا کر کے ان کی چھٹی اولاد کا رشتہ طے ہوا جس کے لیے وہ بہت فکر مند رہتی تھیں کہ پھولوں میں تولنے والا خاندان بھی نصیب ہو جائے خیر بہت جانچ پڑتال کے بعد مرزا صاحب کا گھرانہ قابل قبول ٹھہرا اور انہوں نے بھی پسندیدگی کی سند دے دی۔

دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں کیونکہ مرزا صاحب کے بڑے بیٹے کو واپس جرمنی جانا تھا اور اسی چھٹی کے عرصے میں شادی بھی ہونا قرار پائی تھی اور تاریخ طے ہوتے ہی بی اماں کی آنکھوں میں سادوں بھادوں کا موسم آن ٹھہرا تھا۔

کر رہی ہوتی کہ کوئی بات انہیں بُری نہ لگ جائے اس آخری اور تازک وقت کہیں برسوں کی خدمت گزارى واؤ پر نلگ جائے۔

وہ خاندانی لڑکی تھی جسے اپنی رکھ رکھاؤ کا خوب احساس تھا جہاں نسووس کی مسلسل دھار سول میں سوراخ تو کر سکتی تھی لیکن اپنی وضع قطع پر حرف نہ آنے دیتی۔ ایسے میں گھر رخصت بھی ہو گئی اور بی اماں بے ہوش ایسی ہوشن پر دوڑوں میں بیوی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے مہمان الگ تاسف کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

"بی بی کی جدائی بہت کڑا وقت ہوتا ہے خالہ کو اندر لے کر چنوا بہت محبت تھی انہیں گھینے سے۔ بہت دشوار ہوگا ان کے لیے یہ وقت سمجھنا۔"

"ارے کوئی ڈاکٹر کو تو بلاؤ۔"

"سنو ان کی بی بی کوکانوں کان خبر نہ ہو کہ ماں کا یہ عالم ہے بے چاری وہ بھی بیمار نہ پڑ جائے۔"

"کچھ زیادہ ہی صدمہ لے لیا ہے انہوں نے بی بی کا۔" ہر کوئی اپنی ہی بولی بول رہا تھا اور ٹہنی خوشی والا ماحول ماتم کدہ بن گیا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ ہوش میں آئیں تو دوبارہ گھٹو گھٹو کرنے لگیں۔

"اماں..... اماں پلیز ٹینشن مت لیں اس کی آئندہ زندگی کے خوشیوں سے ہمکنار ہونے کی دعا کریں وہ بہت خوش رہے گی۔" سبرینہ نے لجاجت سے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"ارے جو بی بی پہلا نوالہ میرے ہاتھ سے کھائی تھی اپنا ہر قدم میری آنکھ کے اشارے پر اٹھاتی تھی وہ کیا صدمہ نہیں جھیل رہی ہوگی جدائی پر۔ سسرال والے لاکھ اجھے سبھی ماں کی محبت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔" ان کی الگ ہی کہانی تھی ساتھ ساتھ چیکوں بیکوں روکنے کا سلسلہ جاری تھا۔ سب نے بہت تسلی دی بڑی مشکوں سے دنووالے انہوں نے کھائے تصویر نے سکون کی گولی دے دی تاکہ نیندا آجائے۔ ایسے میں سبرینہ اور تھویر کیسے کھانا کھاتے ماحول ہی کدرا ہو گیا تھا جیسے تیسرات کئی۔

دوسری صبح بارہ بجے تک سب بیدار ہو چکے تھے سبرینہ

"نازوں کی پٹی بیٹی کو غیروں کے ہاتھ سوپ دینا بھی کیا غضب ہے حیر میری اوقات ہی کیا ہے جب بڑے بادشاہوں پٹنمبروں اور دیویوں نے اپنی بیٹیوں کو بیاہا ہے اور دوسرے گھر کی راہ دکھائی تو میں کس کھاتے میں میں تو ان کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہوں۔" ٹھنڈی سانس بھرتی وہ اس روز کے آخری آنسو پونچھتی اور دوسرے روز پھر یہ سلسلہ شروع ہو جاتا۔

ساتھ گھٹو بھی ان سے چپک کر وہ چار آنسو بہا ہی لیتی یوں بی اماں کی آنسووں کو تسلسل مل جاتا۔

ایسے حالات میں ان کو سمجھنا "آنٹیل مجھے ماں کے مترادف ہوتا بلکہ سبرینہ کو ہاں میں ہاں ملانے میں ہی عافیت نصیب ہوتی۔ ایسے میں مایوں کا دن بھی آن پہنچا ان کے لیے جیسے آج ہی رخصتی کا دن ہو۔ گھو پیلے سوٹ پیلے پھولوں کے زیورات میں خود بھی سرسوں کا پھول بنی بی بی تھی ساتھ ساتھ بی اماں کو تسلی دیتی خود بھی آبدیدہ ہو جاتی۔ گھر میں مہمان بھی اکٹھے تھے جو ہنس بول رہے تھے مذاق کا سلسلہ بھی جاری تھا ایسے میں اگر سبرینہ ان کی کسی بات پر ہنس دیتی تو بی اماں کڑی نگاہوں سے اس کی خبر لیتیں گویا اسے نند کی رخصتی پر مومج مستی سوجھ رہی ہے ایسے میں وہ اپنی ہلکی مسکراہٹ پر قفل لگائے سب کو انینڈ

رزگارنگ کہانیوں کے آراستہ دلچسپ حیرت

AANCHALPK.COM

تازہ شماره شائع ہو گیا ہے



قلندرات

دنیا کو حیر کرنے والا سائبر سٹوری کی انٹریں پر پچاسے
دلذات کے قلندر کا دل ایسا دلیر کی قلندرات حیر

دیدبان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے
رہنے بطور خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول

جلد نمبر

مات کے صفحات میں محفوظ سرزمین پنجاب کی لہری
دلگداز داستان جگلا سکہ داستانوں میں شملہ ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

قارئین کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن، منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگہی، اقتباسات،
اقوال، زریں احادیث وغیرہ معروف و نئی اسکالر حافظ
شہیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہئے

پہلے صفحہ کی صورت میں رجوع جولائی 2015 (021-35620771)

سب کے لیے ناشتے کا بندوبست کر رہی تھی۔ تھکا تھکا سا
وجود جسے رات کو ذرا سا بھی آرام نہ مل سکا تھا، تنور مسلسل
نوٹ کر رہا تھا مگر پھر بھی ماتھے پر خشک لائے بغیر وہ ہر فریضہ
انجام دے رہی تھی۔ بی اماں بھی سے چہرے سمیت میز پر
آگئی تھیں مہرینہ نے ناشتہ دیا۔

”پہلے پتا تو کر لو بیچی نے ناشتا کیا بھی کہ نہیں وہ تو اس
وقت تک کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی جب تک کہ میں
نہ کھانا شروع کر دیتی۔“ ان کی راگنی شروع ہو چکی تھی۔

”آئی کا بھی شادی کا گھر ہوگا پتا نہیں ابھی اسٹے بھی
ہوں گے کہ نہیں۔ اتنی جلدی میکے سے فون جانا اچھا نہیں
پتا نہیں وہ لوگ کیا سوچیں۔“ ان کی بھانجی نے طبیعت
صاف کی تو وہ خاموش ہو گئیں۔ یہی بات مہرینہ سمجھانے
کی کوشش کرتی تو وہ اس پر چڑھ دوڑتیں۔

ان کی انتہا پسندی کو سب ہی نوٹ کر رہے تھے ویسے
والے روز تو ان کی بے تالی عروج پر تھیں یوں گلے لگا کر
رہیں کہ بی بی کو سسرال نہیں مقلع بھیج دیا ہو جبکہ خود حیران
پریشان تھی جیسے پہلی بار ان کی یہ کیفیت دیکھ رہی ہو کچھ
گھریلو مہمان بھی دہلی دہلی اسی سمیت منظر سے آؤٹ
ہو چکے تھے۔

ویسے کے بعد ان کی گھریلو روٹن تھی اور بی اماں کی
یادوں کا پھارا جگہ ہے بگاڑے کھلتا رہتا۔

”میری گواہیے رہتی تھی..... ایسے چلتی تھی..... ایسے
مدھر بولتی تھی کہ کول کی کوک دم توڑ دیتی تھی۔ بچی جانے
کیسے ذمہ دار یوں کو بھاتی ہوگی۔“ اچھی بھلی چوبیس سالہ
لڑکی بی اماں کی نگاہوں میں ابھی بھی بچی تھی۔

بھی جو فون آتا تو شتم شتم و جو میں جیسے بھلی دوڑ جاتی
لپک کر سیل کان سے لگاتیں اور حال چال پوچھتیں۔

”ارے بیٹی میں کہاں تمہارا نمبر ملاستی ہوں جانتی تو ہو
کہ تمہاری ماں پر مٹی لکھی نہیں ہے ورنہ پریشانی کس
بات کی تھی روز ہی تم سے بات کر لیتی یہاں تو نمبر ملانے
کے لیے دوسروں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔“ ترچھی نگاہوں
سے کام میں معروف مہرینہ کی طرف دیکھا جو ان کی اس

سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر | اپریل 2015ء 187 | سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر

طلب پر فوراً ہنبر ملا دیا کرتی تھی چاہے کتنے ہی اہم کام میں مشغول کیوں نہ ہوتی۔ روایتی ساسوں کی طرح فوراً بہو کو عدالت میں گھسیٹنے میں کوئی تاخیر نہ کرتیں۔

مجیب ہم زدہ سا گھر کا ماحول ہو گیا تھا جب گھر کا بڑا اس طرح کا ماحول بنائے رکھے گا تو چھوٹوں کی کیا مجال کہ وہ اس میں رتی برابر بھی فرق لاسکتے۔ دونوں پوتیاں بھی گھنے گھنے ماحول میں جی رہی تھیں۔ سرینہ تنویر کے سامنے ایک روز تو حال بدل بیان ہی کر گئی تھی۔

”اماں کو تو خوش ہونا چاہیے کہ اب وہ تمام ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو چکی ہیں ورنہ تو آج کل عمر رسیدہ لڑکیاں ماں باپ کی راتوں کی نیند اڑائے دے رہی ہیں۔ اچھے رشتوں کے انتظار میں لڑکیاں بوزھی ہو رہی ہیں، لگو تو پھر بھی مناسب عمر میں بیاہی گئی ہے۔ مجیب ماں ہیں، بیٹی کے سکھی رہنے کی دعا کریں اور خود سگھ پا میں ہر وقت آتی ہیں بھرتی رہتی ہیں۔“ کاؤچ پر نیم دھار تنویر مسکراتے ہوئے اسے پہلی بار جھنجھلاہٹ کا شکار دیکھ رہا تھا۔

”جس طرح کہانتوں میں جادوگر کی جان کسی طوطے میں ہوتی ہے، نامیری پیاری بیوی! اس طرح بی اماں کی جان لگو میں ہے اگر انہیں خوش دیکھنا چاہتی ہونا تو ان کی ماں میں ہاں ملایا کرو، خواہ غلط ہی بات کیوں نہ ہو۔“ روٹی روٹی ہی وہ اسے اور لطف دے رہی تھی۔

”جادو ان کی زندگی ہے سرینہ! اگر ان کا بوڑھا دل اسی بات پر تسکین پا جائے کہ کوئی ان کے جذبات کا حامی ہے تو کوئی بُری بات نہیں باقی رہی لگو کی ذاتیات کی بات تو اس کے سسرال والے اب جس طرح چاہیں اسے ذیل کریں یہ ہمارا ہیڈک نہیں۔“

”اپنی بیٹی کی محبت کی دیوانگی میں میری ذات کی ناقدی کس قدر ہو رہی ہے، نہیں شاید احساس بھی نہیں۔“ مزید بحث اسے گوارا نہ تھی بس سوچ کے کہہ گئی۔

ایسے میں لگو کی سال گرہ کا دن بھی آن پہنچا وہ جوانی سپیلیوں کو اکٹھا کر کے گھر میں دھوم دھام سے منایا کرتی تھی پراچ وہ نہیں تھی تو ایسا کوئی اہتمام بھی نہیں تھا اور

پچھلے اہتمام کی رونقیں بی اماں کو صبح سے ہی شدت سے یاد آ رہی تھیں۔

”لگو تھی تو رونقیں تھیں، چھوٹی چھوٹی خوشیاں اہتمام سے منایا کرتی تھی اب تو گھر میں ہر طرف وحشت برستی ہے۔“ سرینہ محض دیکھ کر کہہ گئی۔

”اماں چلیں اسے گفٹ دے کر آتے ہیں ویسے بھی شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں گئے اس کے گھر وہ بھی خوش ہو جائے گی۔“ اچانک خیال آنے پر وہ چپک کر بولی۔ جو اب انہوں نے بڑے بڑے تیردوں کے ساتھ اسے گھورا تو وہ اندر ہی اندر سہم کر کہہ گئی تھی کہ کچھ غلط بول دیا ہو۔

”میں پہلی بار بیٹی کے گھر جاؤں گی تو قافلے لے کر نہیں جاؤں گی۔ تمہاری دونوں بیٹیاں مجھے جی بھر کے اپنی بیٹی سے بات کرنے دیں گی؟ اس قدم آفت کی پرکالہ ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ اس کے سسرال والوں کے سامنے کتنی سبکی محسوس ہوگی میں خود ہی جاؤں گی تو پھر چھوٹائے گا اور ایک دو دن رہوں گی بھی اس کی ساس ہمیشہ ہلاتی رہتی ہیں اتنی اچھی اور سادہ دل ہیں کیوں سا ہار بار جانا ہوگا۔“ اب ان کے عراجم کی اس کو خیر ہوتی تھی خیر اسی بہانے اسے کھل کر مینے کا تو موقع ملے گا جس لمحے کے لیے وہ ترس کے رہ گئی تھی کہ اپنی بچیوں اور شوہر کے ساتھ کچھ نہ لطف اور اطمینان بخش وقت گزار سکے۔

”جیسی آپ کی مرضی؟“ ہسٹلی سے کہتی ان کی منتخب کردہ ڈشز بنانے لگی جو لگو کو بہت پسند تھیں اور بی اماں نے اسے رڈ کر دیا تھا جن میں مین کے لٹڈ ماش کی دال کے بڑے چٹنی کباب کا آمیزہ گھر کی بنی رس ملائی وغیرہ۔ ایک سرشاری کے عالم میں سرینہ نے سب چیزوں کی تیاری کر دی بی اماں بھی نہاد ہو کر تیار تھیں۔

”ویسے تو تم کیک بھی گھر میں اچھا تیار کر لیتی ہو پر تمہاری تھکن کا بھی خیال آتا ہے۔“ ان کی اب بھی سیری نہیں ہوئی تھی پھر بھی بہت بڑی کرم فرمائی تھی کہ لگو کے آگے اس کی تھکن کا بھی احساس ہوا تھا۔

”آپ کو پہلے کہنا تھا اب تو نا تم بھی نہیں۔“

”چھوڑو..... جانے دو ویسے بھی میری بچی اتنی بیٹھ نہیں کہاں کھائے گی اتنا کچھ وہ۔ بس یہ تو اپنی خوشی سے لے جا رہی ہوں۔“ انداز اب بھی متکبرانہ تھا اور احسان جتانے والا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رو گئی۔

ادھر لی اماں ایک سرشاری کے عالم میں لدی پھندی ٹگو کے گھر پہنچی تھیں راستے سے انہوں نے ایک پھل اور خوب صورت سا سوٹ بھی گفٹ کے طور پر لے لیا تھا اور بیٹی کو سر پر اتار دینے کے چکر میں فون تک نہ کیا تھا۔

تیار وہ شاید کہیں جانے کی تیاری میں تھی۔ بیٹی کو گھے لگاتے ہی وہ پھر سے آبدیدہ ہو گئیں۔

”کیا ہوا اماں! خیر تو ہے..... مگر میں سب ٹھیک ہے نا۔ آپ رو کیوں رہتی ہیں؟“ چوڑیوں اور مہندی بھرے ہاتھوں سے وہ انہیں خود سے الگ کرتی گویا ہوئی دوبارہ سے بالوں کی سیٹنگ کو ہاتھوں سے درست کیا۔

”بس تجھے اتنے دنوں بعد دیکھ کر آ نکھیں بھرا آئیں۔“ دوپٹے کے پوسے آ نکھیں خشک تھیں۔

”اُف..... آپ بھی نا! حد کرتی ہیں۔“ وہ انہیں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی پیشانی پر ایک دوہل بھی پڑ گئے۔

”آپ کا رونا دھونا ابھی کیا نہیں بچوں والی حرکت ہے آپ کی بھی اماں!“ وہ ہلکی جیسے پہلی بار ان کا یہ پسندیدہ فعل دیکھ رہی ہو۔

”ارے بھئی بیٹی کو دیکھ کر ان کے جذبات قابو میں نہیں آ رہے، چلو چھوڑو جانے دو تم فرحان کو فون کرو کب تک آئے گا اور کب ہم نکلیں گے۔“ ساس نے پیار سے اسے سمجھایا۔

لی اماں کے دل کو کچھ دھوکا سا ان کا یہ وہ والی ٹکو تو لگ نہیں رہی تھی جو چونچال میں ان کا پتو ہر جگہ تھا سے مدھکتی تھی۔

”آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں؟“ بہت خشک آوازیں ان کے گلے سے برآمد ہوئی۔

”ہاں بہن! آج ٹگو کی سال گرہ کی خوشی میں ہم

رہنوردت میں کھانا بھی کھائیں گے اور ایک بھی کانٹا نہیں گے۔ یہ سارا پروگرام فرحان کا طے کر رہا ہے آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔“ ساس چنکیں۔ یہاں تو سارا ماجرا ہی الگ تھا انہیں تو امید تھی ان کے گلے لگ کے ٹگو کم سے کم آدھ گھنٹہ تو ضرور روئے گی پر وہ تو بے زاری سے فرحان کا نمبر مارتا رہی تھی۔

ان کی بڑی بہو کانی رنیر شمنٹ رکھ کر خود تیار ہونے چلی گئی تھی۔ ساس نے ہی کہنی دی۔ ٹکو بھائی بھانجی اور بھتیجیوں کا حال پوچھتی رہی بس یہ نہیں پوچھا کہ آپ کے جذبات کا کیا حال ہے۔ دن رات کس کی مالا جینے میں گزار رہے ہیں۔ داماد صاحب آئے تو محل چال پوچھ کر جانے کی تیاریوں میں لگ گئے انہیں بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

”میں کہیں جاؤں گی بوزھی جان! ابھی تو تھک کر آئی ہوں۔“ کافی اصرار کے بعد بھی وہ جانے کو تیار نہ ہوئیں۔

”میں بہت ساری چیزیں تیرے لیے بنا کر لائی ہوں انہیں مناسب جگہ رکھوا دے ورنہ خراب ہوتا شروع ہو جائیں گی۔“ انہوں نے نشان دہی کی کہ شاید اسی بہانے وہ ساری چیزیں دیکھ کر خوش ہو جائے اور ان کے ارمان کو ٹھنڈک پہنچے پردہ تیزی سے پر فیمو اسپرے کرنے لگی۔

”اماں آپ کمرے میں جا میں خود مناسب جگہ پر رکھ دوں اور آرام کریں۔ ہم آپ کے لیے کھانا پیٹ کر والیں گے ابھی دیکھنے کی فرصت نہیں ہے۔“ وہ خوشبوؤں میں ہی تیزی سے کمرے سے نکل گئی یہ وہی ٹگو تھی جو ضد کر کے ان سے اپنی پسندیدہ چیزیں تیار کروایا کرتی تھی اور جب سے لی اماں کی طاقت کچن میں کھڑے ہونے کی ختم ہو گئی انہوں نے سہرینہ کو اس کی خواہشات پورا کرنے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ جب وہ صوفے پر براجمان ہو کر نیوی دیکھتے ہوئے مڑے لے لے کر کھاتی تو وہ داری جاتیں۔

آج بھی خدا نے اسے شاد آباویں رکھا تھا پر اس میں ان کا کوئی عمل دخل نہیں تھا کارفرمائی تھی تو فرحان کی محبت کی اس کے بخت میں یہی تھا خوش رہنا پر آج اس کی

خوشیوں کی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔

کا ذمہ جو تھا انھوں نے روکا۔

”ایک دو روز اور رہ لیس پھر بار بار کہاں آنا جانا ہوتا ہے اماں۔“

”نہیں..... سرینہ کو اکیلے رہنے کی عادت نہیں، تنہا

بھی رات کو دیر سے گھرا آتا ہے۔ دوپٹیوں سمیت وہ ڈرتی

ہوگی۔“ پہلی بار سہو کی نفسیات سے وہ آگاہی ہوئی تھیں۔

”اب تم آنا.....“ دل تو جاہا کہہ دیں (اگر دل چاہے

تو) پر بد مزگی نہیں پھیلانا چاہتی تھیں۔

رات میں بہت ساری چیزیں بہو بیٹھے اور پوتوں کے

لیے خریدیں، دل ایک نئی ہمک سے سرشار تھا۔ سرینہ نے

دوسری ہی شام انہیں گھر کے دروازے پر دیکھا تو لگا ہیں

پھنی کی پھنی رہ گئیں۔ کہاں وہ کچھ دن رہنے کے ارادے

سے گئی تھیں؟ کہاں اتنی جلدی.....

”کیا ہوا اماں! خیریت تو ہے سب ٹھیک تھا تو ہیں

.....“ سلام کے بعد لڑکھرائی۔

”ارے ہاں سب ٹھیک اور مست ہیں۔“ وہ تیزی

سے اندر آ گئیں۔ ”میں ہی نم منی کو سیراب کرنے چلی گئی

تھی حالانکہ میرے آس پاس کی کھیتی سوچی پڑی ہے۔“

بیک ایک طرف رکھتے ہی ہم آٹھوں سمیت سرینہ کو گلے

لگا لیا وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیران پریشان ان کی نرم گرم

گداز بانہوں میں سما گئی۔

”ذرتو نہیں لگتا تھا اکیلے میں.....“ وہ جانتی تھیں وہ

اکیلے میں ڈرتی ہے۔

”جی بہت لگا تھا شام کو مغرب کے بعد لیکن نمی کے پنا

جلدی آگئے تھے ان چوبیس گھنٹوں میں مل جل کر گزرے

وقت کے قصے انہیں سنانے تھے کچھ تو وہ بھی جان گئی تھی

کہ جس سکون کی طلب گار وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی وہ

راحت اب ان کا وجود فراہم کرے گا۔

کیونکہ ان کو اس کے نصیب کی خوشیاں مل گئی تھیں اب

اسا پنے حصے کی کھولی ہوئی کھیتیں پانی تھیں۔

وہ رات کھانا کھائے بغیر سو گئی تھیں کیونکہ ان لوگوں کو

واپسی میں بہت دیر ہوئی تھی۔ انہوں نے جگا کر اصرار کیا

کہ کچھ کھالیں پر اب تو بڑھاپے کا معدہ تھا نا مناسب ٹائم کا

عادی نہیں رہا تھا سو وہ دوبارہ سو گئیں۔ کچھ ان کے بھڑکتے

جذبات بھی سرد ہو گئے تھے۔

صبح ناشتے کی میز پر وہ کچھ بھجی بھجی ہی تھیں اس کے

برعکس جو بہت کھلی کھلی ان کی خوش مزاجی سے من ان کو بھر پور

پر دیکھ کر دے رہی تھیں اور خاطر مدارت میں بھی آگے

آگے تھیں پر جو جس کے لیے وہ شادی سے لے کر اب تک

تین مہینے کے عرصے میں مسلسل آہ و بکا میں مبتلا تھیں جس

کی فکر میں وہ کھل کھل کر آدھی ہو چکی تھیں کہ لوگوں نے کہنا

شروع کر دیا تھا۔

”بہنی کی جدائی کا گہرا اثر ہوا ہے بی اماں پر۔“ وہ ان کی

موجودگی کو سرسری انداز میں لے کر فرحان کو ٹیٹھی ٹیٹھی

نظروں سے دیکھ رہی تھی فرحان کا بھی یہی رد عمل تھا۔ جس

کی خاطر اپنی زندگی کو روک لگا لیا تھا وہ ان کی محبت سے

بے گنہ گار دنیا میں گن ہو چکی تھی۔

اس کی چاہت نظری عمل تھا شادی کے بعد لڑکی کا

ماحول اور گھرا رہی نہیں بدلتے محبت کے پیکر بھی بدل

جاتے ہیں۔ میکے کی چاہت ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی

ہے۔ میکے میں اس کا یہ طرز عمل بی اماں کی محبت کی شدت

پسندی کی وجہ سے تھا کہ انہوں نے بہو کو بیٹی کا درجہ نہیں دیا

تھا اور نہ محبت تقسیم ہو کر انتہا پسندی کو جنم نہ دیتی۔

گھو کی محبت کی شوریدہ لہروں کو نیا راستہ نظر آیا تو اس

نے رخ بدل لیا اور بی اماں اپنی ہی غیر منتسم شدہ جذبات

کے دائروں میں گھر کر رہ گئیں جس کا احساس انہیں اب ہوا

تھا۔ گھو کے بخت کی خوشیاں اسے مل گئی تھیں۔

سرینہ کے نصیب کی چاہتیں وہ کھائی تھیں جس کی

باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھائی گئی تھی۔ شام تک وہ

جانے کو تیار ہو گئیں ان کی لائی ہوئی چیزیں ابھی تک بیٹی

نے کھول کر نہیں دیکھی تھیں۔ آس پاس اشیائے خورد و نوش



محبت دل کا سحر



کھیل ہیں یہ سارے مقدر کے
 نہ رہے گھر اور نہ رہے در کے
 کس سے ہم قصہ الم کہتے
 لوگ سارے ملے تھے پتھر کے

(حصہ اول کا خلاصہ)

وہاب احمد کا امپورٹ انڈسٹریز کا بزنس ہے۔ ان کی بیگم نوشین غیر مہذب خاتون ہیں۔ گھر میں آئے دن مختلف پارٹیز کرانا ان کا شوق ہے۔ نوشین کو وہاب احمد سے چڑھے جبکہ وہاب احمد ہر طرح سے نوشین بیگم کا خیال رکھتے ہیں۔ تیمور حسن اور وہاب احمد دونوں ہم زلف ہیں کچھ عرصہ پہلے وہاب احمد کو بزنس میں نقصان ہوا تو تیمور حسن نے انہیں سہارا دیا اور ساتھ ہی اپنا بنگلہ بھی رہنے کے لیے دے دیا تھا۔ جس میں ابھی وہاب احمد اپنی فیملی کے ساتھ رہ رہے ہیں جبکہ تیمور حسن اپنی فیملی کے ساتھ لندن چلے گئے ہیں۔ وہاب احمد کے تین بچے ہیں گلین، ذوالنون اور نوفل ہیں۔ گلین یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور ایک لڑکے جاوید کو پسند کرتی ہے۔ ذوالنون اپنی اسٹڈی اور ٹریننگ کے سلسلے میں اسلام آباد میں ہے نوفل کالج کا طالب علم ہے اور بری صحبت سنے اسے بگاڑ دیا ہے۔ وہاب احمد کا بھانجا علی بھی پڑھنے اور نوکری کے سلسلے میں وہاب ہاؤس میں رہتا ہے۔ تیمور حسن اپنی فیملی کے ساتھ حج پر جانا چاہتے ہیں مگر راتیل کا ویزا انہیں لگتا اس لیے وہ اسے وہاب احمد کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ نوشین کا رویہ راتیل کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے انہیں راتیل کا وہاب ہاؤس نا پسند نہیں آیا وہ چاہتی ہیں کہ راتیل کسی بھی طرح یہاں سے واپس چلی جائے راتیل کو ان کا رویہ دکھ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نوفل راتیل کو اپنے دوستوں سے ملوانے سے ملتا ہے نوفل کے دوستوں سے

مل کر راتیل کو بہت غصا آتا ہے اور وہ غصہ سے گھرا جاتی ہے۔ گلین جاوید کے ساتھ بھاگنے کا پلان بناتی ہے اور گھر سے زیورات اور وہاب احمد کی الماری سے دو لاکھ کیش بھی نکال لیتی ہے۔ کرن ذوالنون کی محبت میں گرفتار ہے لیکن ذوالنون اسے پڑھائی پر توجہ دینے کے لیے کہتا ہے اور اسے سمجھاتا ہے کہ انہی ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔

(لاب آگے پڑھیے)

”دکھ تو اسی بات کا ہے بیٹی کہ تم بڑی ہوئی ہو تم جیسی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی مرجانا چاہیے تھا۔“ وہاب احمد کس جملے نے نہ صرف گلین کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی تھی بلکہ سب گھروالوں کے سر پر بھی حیرتوں کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔ گلین کے ہاتھ سے بیگ چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ وہ بری طرح شیشا پھل گئی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو وہاب احمد؟“ نوشین نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں میں وہ بیٹی جو ہاپ کی عزت کو پاؤں تلے روند کے چلی جائے۔ اس کے لیے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟“ وہاب احمد نے بہت ضبط سے کہا۔

”آپ بتائیں گے بھی کیا خر ہوا کیا ہے؟“ نوشین نے چلا کر پوچھا تو وہ غصے سے گلین کو دیکھتے ہوئے بولے۔

”اپنی اس بلا ڈلی بیٹی سے پوچھو کہ یہ کہاں جا رہی ہے؟“

”آپ جانتے ہیں پیارے کلاس فیلوز اور اساتذہ کے ساتھ یونیورسٹی سے اسٹڈی ٹرپ پر جا رہی ہے۔“

”جھوٹ بولا ہے اس نے“ دھول جھونکی ہے ہم سب کی آنکھوں میں یونیورسٹی سے کوئی اسٹڈی ٹرپ نہیں جا رہا میں نے فون کر کے معلوم کر لیا ہے۔“ وہاب احمد کی بات پر نکلین کا بدن خوف سے کانپنے لگا۔ حلق میں کانٹے اگ آئے اس کا جھوٹ پکڑا گیا تھا۔

”کیا.....؟“ نوشین کو جھٹکا سا لگا۔ ”تو پھر کہاں جہڑی تھی یہ..... یہ سب تیاری کہاں جانے کی تھی؟“

”یہ مگر سے بھاگ رہی تھی ایک لڑکے کے ساتھ۔“

”کیا.....؟“ نوشین کی تو حیرت کے مارے آکھیں پھنی کی پھنی رہ گئیں۔

”اور نوشین بیگم کل جو دولا کھ کیش رقم میں نے لا کر اپنی الماری میں رکھی تھی وہ بھی الماری سے غائب ہے۔“

”م..... میں نے نہیں چرائے آپ کے دولا کھ۔“

نکلین نے ہکلاتے ہوئے کہا تو وہ تھی سے بولے۔

”اچھا! میں نے ابھی تمہارا نام بھی نہیں لیا اور چور خود ہی وضاحت کرنے لگا۔“

”یہ حرکت ضرور آپ کی لاڈلی رائیل کی ہوگی اور نام میری بیٹی کا لگایا جا رہا ہے۔“ نوشین نے رائیل کی طرف توپوں کا رخ موڑا۔

”اچھا ابھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ حرکت کس کی لاڈلی نے کی ہے؟ ذرا تھی کا سامان چیک کرو تلاشی لو اس کے سامان کی نہ صرف میرے دولا کھ برآمد ہوں گے بلکہ اور بھی بہت کچھ نکلے گا اس کے سامان سے۔“ وہاب احمد نے غصیلے لہجے میں کہا تو نکلین رونے لگی۔ نوشین نے کانپتے ہاتھوں سے نکلین کا سفری بیگ کھولا تو اس میں سے نہ صرف دولا کھ روپے نکلے بلکہ نوشین کے زیورات اور جواز ہرات اس نے نکلین کے لیے بنوا کے رکھے تھے وہ بھی اس بیگ سے برآمد ہوئے تھے۔ نوشین تو صدمے سے ڈھسے سی گئی تھیں۔ اس کی اپنی بیٹی نے اس کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ سب کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

”کیوں اب آیا یقین؟“ وہاب احمد نے حیرت سے بولے لہجے میں سوال کیا تو وہ پھر بھی رائیل کو بیچ میں گھسیٹنے سے باز نہ آیا۔

باز نہ آئیں۔

”یہ یقیناً رائیل کی سازش ہے۔“

”ہاں یقیناً یہ رائیل ہی کی سازش ہے کہ اس نے تمہاری بیٹی کے ان کرتوتوں پر سے پردہ اٹھا دیا اس کے جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا اور اس گھر کی عزت کو نیلام ہونے سے بچا لیا۔ رائیل نہ ہوتی نہ کرتی یہ سب تو آج تمہاری یہ بیٹی ہمارے چہروں پر کانٹے لکڑی کے چلی بھی گئی ہوتی اس خبیث جاوید کے ساتھ۔“

”جاوید۔“ نوشین نے وہاب احمد کی زبان سے جاوید کا نام سنا تو اسے یقین آ گیا کہ اس کی بیٹی ہی قصور وار ہے اور رائیل کا اس سارے معاملے میں کوئی قصور نہیں کوئی ٹھل دخل نہیں ہے بلکہ اس کا تو احسان ہے ان پر کہ اس نے انہیں رسوا ہونے سے بچا لیا۔

”ہاں اور اگر اب بھی تم دونوں ماں بیٹی اپنے جرم سے انکاری ہو تو یہ ثبوت بھی دیکھ لو یہ تصویریں اور یہ ایس ایم ایس جو جاوید کے نمبر سے نکلین کو کیا گیا اور نکلین کا جوابی ایس ایم ایس بھی ملاحظہ کرو۔ یہ ایس کے اڈے پر جا رہی تھی جیسی تو اکیلی جانا چاہتی تھی۔ جاوید سے کورٹ میرج کر کے ہنی مومن کا پلان تھا اس اسٹڈی ٹور کے پیچھے۔“ وہاب احمد نے رائیل کے دیئے ہوئے تمام ثبوت اس کے سامنے رکھ کر غصے سے کہا ان کا ایس نہیں چل رہا تھا کہ وہ نکلین کو تڑی سزا دیتے مگر وہ اب تھے ضبط کی انتہا پر تھے۔

”نکلین تم جس شخص کے ساتھ بھاگنے کی پلاننگ کر رہی تھیں ماں وہ اس وقت حوالات میں ”ہنی مومن“ بنا رہا ہے۔ کل جیل بھیج دیا جائے گا اسے کیونکہ اسے کل رات کسی ٹرکی کے ساتھ ایک ہوٹل سے گرفتار کیا گیا تھا وہاں اس کی منگیتر بھی پہنچی تھی اور ان دونوں کے بیچ خوب جھگڑا ہوا تھا۔ جس کے نتیجے میں جاوید نے اپنی منگیتر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا تم نے شاید آج کا اخبار نہیں پڑھا پڑھ لیا اس میں جاوید کی شرافت کی ساری داستان رقم ہے اس کا تو پیشہ ہی یہ تھا لڑکیوں کو پینڈا جھانسدے کر دلت عزت لوٹ کر سننے شکر کی تلاش میں نکل گئے ہونا مگر اس بار وہ اپنے چہروں پر

کھڑا نہیں ہو سکے گا آئی جی مسٹر جمشید نے اس کے خلاف تمام ثبوت اکٹھے کر لیے ہیں اور تمہیں راتیل کا اور اپنی دوست ذرین کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں نے مل کر ہمیں اس ذلت اور مصیبت سے بچایا۔ راتیل نے بیٹی ہونے کا حق ادا کر دیا، بہن ہونے کا فرض نبھایا ہے۔ اب بھی اگر تم دونوں کا احساس زندہ نہیں رہتا تو تف ہے تم پر۔ وہاب احمد کے پردے کیے جانے والے انکشافات نے جہاں ان کو حیران کر دیا تھا وہاں نکمین اور نوشین کو بولنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نکمین تو جاوید کی حقیقت جان کر خوف سے لرز اٹھی تھی۔ اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنی بڑی اور سنگین غلطی کرنے جا رہی تھی۔ ایک فریب کے پیچھے بھاگ رہی تھی ایک جھوٹے شخص پر اپنے سچے جذبے لٹانے چلی تھی۔ اپنے آپ کو اتنی آسانی سے اس شخص کو سوچ رہی تھی جو اسے استعمال کر رہا تھا۔ احساس ذلت احساس رسوائی اور احساس ندامت نے بیک وقت اسے اپنے تکتے میں جکڑ لیا تھا۔

”جاؤ اپنے کمرے میں اور اس وقت تک مجھے اپنی شکل مت دکھانا جب تک تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس نہ ہو جائے۔ جاؤ اس سے پہلے کہ میں بھول جاؤں کہ تم میری بیٹی ہو اور میں کچھ غلط کر چکوں چلی جاؤ میری نظروں سے دور۔“ وہاب احمد نے غصیلے اور درشت لہجے میں نکمین سے کہا تو وہ روٹی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگی تھی۔ نوشین زبورات اور تم اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نوافل غصے سے منھیاں بھیجتا باہر نکل گیا۔ علی بھی لاؤنج کی طرف چل دیا۔

”راتیل بیٹی تمہارا کیا احسان میں ساری زندگی نہیں اتار سکوں گا جتنی روٹنا خوش رہو۔ مجھے خبر ہے تم میری بیٹی ہو۔ خوش رہو اللہ تمہیں ہر سکہ نصیب کرے..... آمین۔“

وہاب احمد نے راتیل کے ہاتھ پر پیار سے بوسہ دیا۔
 ”تو یہ بات تھی جو تم نکمین کے بارے میں مجھ سے کرنا چاہ رہی تھیں۔“ علی نے راتیل کے لاؤنج میں آنے پر سنجیدگی سے کہا۔
 ”جی.....“

”تم تو واقعی بہت جسٹس ہو بہت سمجھ داری سے سارا معاملہ سنبھالا ہے تم نے آئی ایم امپریسڈ۔“ علی نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ایمان داری سے کہا۔
 ”آئی ایم سوری میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکا۔“ علی کا اشارہ نکمین والے معاملے کی طرف تھا وہ سمجھ گئی تھی۔

”اس لوگوں کی طرح میں کچھ اچھا کرنے کے لیے کسی کی مدد کا انتظار نہیں کرتی، اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیتی ہوں۔ کامیابی آپ ہی آپ ملتی چلی جاتی ہے۔“ راتیل نے سنجیدگی سے جواب دیا علی متاثر ہوئے بغیر زندہ سکا۔

”اس سینیور می۔“ علی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔ جانے کیوں راتیل کو محسوس ہوا تھا کہ اگر وہ زیادہ دیر وہاں اس کے سامنے بیٹھی رہے گی تو پکسل جائے گی۔ اس کے دل میں عجیب سی کھلبلی مچ گئی تھی۔ دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ نکمین بند کیوں تو آنکھوں میں بھی علی کی صورت سمائی تھی اس نے گہرا کر آنکھیں کھول دیں۔

نوشین پیگم نکمین کے کمرے میں آنے کی طوفان کی طرح داخل ہوئیں۔ نکمین بیڈ پر بیٹھی تھی اسے دیکھ کر کڑھی ہو گئی۔
 ”مام.....“ نکمین کے لب تلے اور ساتھ ہی نوشین کا زور دار طعنا تھا اس کے خسار و ہکا گیا وہ لڑکھا کر بیڈ پر گر گئی۔
 ”مر گئی تمہاری مام میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم میری بیٹی ہو کراتی گری ہوئی حرکت کر سکتی ہو۔“

”آپ کی بیٹی ہوں جیسی تو یہ گری ہوئی حرکت کی ہے۔“ نکمین بھی غصے سے بھڑک کر بولی۔
 ”شٹ اپ۔“ نوشین غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے بولی۔

”تم اس دو نکلے لٹنگے جاوید کے لیے ہماری ناک کٹوانے چلی تھیں۔ پاپ کی محنت کی کمائی سب کچھ اس فراڈیے پر لٹانے چلی تھیں۔ ڈوب مرو شرم سے آج اگر راتیل نہ ہوتی تو تم تو نکل گئی تھیں ہمارے ہاتھ پر بنائی کا دھبہ لگا کر لڑکی جس سے میں شدید نفرت کرتی ہوں اس

دے رہی ہے سب اس راتل کی وجہ سے ہوا ہے کچھ
 رہی ہوگی کہ میں اس کا شکر بجلاؤں گی ہونہ اس کی تو میں
 ایسی بیٹھ بیٹھوں گی کہ ساری زندگی یاد رکھے گی۔ "نوشین
 غصے سے آگ بولے سوچ رہی تھیں اور اس کا دماغ ایک نئی
 سازش کا جال بن رہا تھا۔



"کہاں ہو تم مسٹر ہینڈ سم؟" کرن لال، مجھو کا ہوئی اس
 کے روم میں آئی تھی۔ وہ بالکل کوئی میں تھا سو باہل پر گھبرات
 کر رہا تھا اور کھانا ٹھیل پر لگا تھا۔ کرن کرسی کھسکا کر وہیں
 بیٹھ گئی اور کھانا کھانے لگی چکن بریانی اور سلاوتھا۔ ذوالنون
 بات کرنے کے بعد کمرے میں آیا تو کرن کو اپنے کمرے
 میں دیکھ کر ال کے رہ گیا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ یوں کسی
 دن اس کے کمرے میں بھی آ سکتی ہے۔

"تم..... یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"دیکھ نہیں رہے بریانی کھا رہی ہوں۔" کرن کا
 اطمینان قابل دید تھا اور ذوالنون کو اپنی رہ پوٹیشن خراب
 ہونے کا خدشہ تھا۔

"یہ بریانی بھی میری ہے اور روم بھی میرا ہے چلو نکلو
 یہاں سے کسی نے دیکھ لیا تو میری کیا عزت رہ جائے گی؟"
 "تمہیں اپنی عزت کی فکر ہے اور میری عزت کی کوئی
 پروا نہیں۔" وہ بریانی کھاتے ہوئے بولی۔

"تمہیں خود ہی پروا نہیں ہے اپنی عزت کی ورنہ تم
 میرے روم میں کبھی نہ آتیں۔"

"کیا مطلب؟ تم اتنے بدنیت اور میلی نظر کے مالک
 لگتے تو نہیں ہو میں تو تمہیں شریف لڑکا سمجھتی ہوں تم خود
 بھی یہی کہتے ہوتا۔"

"کرن تم بہت اچھی لڑکی ہو خود کو اس طرح بے مول
 مت کرو۔ اور جب کسی کو پسند کرتے ہیں کسی سے پیار
 کرتے ہیں تو خود کو اس کی مرضی اور اس کی پسند کے مطابق
 ڈھالنے کی کوشش بھی تو کرنی چاہیے نا یہی تو حقیقی محبت
 ہے تم جیسا چاہتی ہو میں ویسا چاہوں یہ ضروری تو نہیں
 ہے۔ تم نے مجھے چاہا تو جوابا میں بھی تمہیں چاہوں یہ تو کوئی

لڑکی کا احسان مند بنا دیا تم نے مجھے۔ میں اسے برا اور
 بدنام ثابت کر رہی تھی الٹا اس نے ثابت کر دیا کہ برا اور
 بدنام ہمارا چلن ہے۔"

"تو دیکھ لیا نا ماہر تقدیر کا کھیل اللہ تو دیکھ رہا ہے نا کہ
 جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے؟" نکین نے زخمی سی ہنسی
 ہنس کر کہا۔

"بکو اس بند کرو یہ سکھایا ہے میں نے تمہیں جھوٹ کی
 تربیت دی ہے میں نے تمہیں۔" نوشین غصے سے بولیں۔
 "ہاں یہی کچھ سکھایا ہے آپ نے ہمیں جھوٹ بے
 پروائی رشتوں کی پامالی غیر مردوں سے دوستی اور گھر میں
 نفرت اور ناقدری کے مظاہرے..... یہی کچھ سکھایا ہے
 آپ نے مجھے۔ بیٹیاں تو ماں کا ہی عکس ہوتی ہیں نا۔
 میں نے وہی کیا ہے ماں جہاں تک آپ کو اس گھر میں
 کرتے دیکھا ہے ڈیڑی بہت اچھے ہیں مگر آپ نے کبھی
 ان کی قدر نہیں کی آپ نے ہر وہ کام کیا جو ڈیڑی کو پسند
 نہیں تھا۔ کتنا خیال رکھتے ہیں وہ آپ کا ہم سب کا گھر ہم
 سب نے انہیں ہمیشہ مایوس ہی کیا ہے۔ دکھ ہی دیا ہے
 آپ کی مسکراہٹ باہر لوگوں کے لیے غیر مردوں کے لیے
 ہے اپنے شوہر کے لیے آپ کے پاس ایک سچی مسکراہٹ
 تک نہیں ہے آپ نے ہمیں ڈیڑی کے خلاف کیا ڈیڑی
 تو ہم سے بہت پیار کرتے ہیں آج میں انتہائی غلط قدم
 اٹھانے جا رہی تھی تو اس کے پیچھے بھی آپ کی تربیت اور
 نیت کا ذرہ مانگی۔"

"کیا بک رہی ہو تم؟" نوشین نے خشکیس نظروں
 سے اسے دھورا۔

"ٹھیک بک رہی ہوں راتل ٹھیک کہتی ہے کہ ہم
 اپنے ماحول کا تربیت کا عکس ہوتے ہیں۔ ہم وہی کرتے
 ہیں جو ہمیں ماں سکھاتی ہے آپ نے یہی کچھ سکھایا ہے
 اپنی لونا دکو تو پھر تم وغیرہ کس بات پر ہے ماں؟" نکین نے
 سنجیدگی سے کہا تو نوشین سچ کتاب کھاتی باہر نکل گئیں۔

"ناک میں دم کر دیا ہے اس لڑکی نے دیکھا میں اس
 لڑکی کے ساتھ کرنی کیا ہوں؟ میری اولاد آج مجھے ہی طعنے

"او گاؤں! ذوالنون نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے گہرا سانس لہوں سے خارج کیا۔"



"ہائے راتل۔" زرین اس سے ملنے وہاب لاج آئی تھی۔

"السلام علیکم زرین آئی کیسی ہیں آپ؟" راتل نے خوش دلی سے اس سے گلے ملتے ہوئے سلام دعا کی۔

"بہت خوش ہوں" کہ ہم نے اپنی دوست کو برباد ہونے سے بحال کیا شکر ہے اللہ کا۔"

"السلام علیکم علی بھائی۔" راتل نے چونک کر زرین کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا اعلیٰ روش پر سے گزر رہا تھا؟ یہ راستہ گیسٹ روم کی طرف جاتا تھا۔

"وعلیکم السلام کیا حال ہے مسٹر؟" اعلیٰ نے اخلاقی طور پر مسکراتے ہوئے اس کی خیریت دریافت کی۔

"بائٹل ٹھیک ہوں مسٹرس۔"

"اوکے آپ لوگ باتیں کریں مجھے کچھ کام ہے۔" اعلیٰ نے مسکرا کر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ راتل کے دل کی دھڑکن بھی بڑھ گئی تھی۔

"ہائے کیا پر سنائی ہے علی بھائی کی مگر مجال ہے جو کسی لڑکی سے فریٹک ہو جائیں۔ لڑکیاں تھک کر ہار مان کر نہیں بھائی کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں میری طرح۔" زرین نے سرد آہ بھر کر اس انداز سے کہا کہ راتل بے ساختہ کھٹکھٹا کر ہنسنے لگی۔

علی نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے یوں ہنستے دیکھا تو لمبے بھر کو تو ساکت سا کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔ کتنی دلکش تھی اس کی ہنسی اور جب سے وہ یہاں آئی تھی شاید پہلی بار کھل کر ہنس رہی تھی۔

"راتل ایک غیر معمولی لڑکی ہے۔ بہت کیرنگ اور سوچیٹ بھی۔ ممانی نبجانے کیوں اس معصوم کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں انہیں تو اب راتل کا احسان مند ہونا چاہیے کہ اس کی سمجھ داری کی وجہ سے ان کی بیٹی گھر سے بھاگنے سے رخوا ہونے سے بچ گئی۔ راتل اگر ان کی زیادتیوں کا بدلہ لیتا چاہتی تو بہت آسان تھا اس کے لیے

محبت نہ ہوئی۔ آئی تو زندگی محبت کے بغیر کچھ نہیں سب کو محبت دینی چاہیے سب کو اپنی محبت سے مرشار کرنا سب میں محبت بانٹو مگر واپسی کی امید مت رکھو۔" ذوالنون نے نہایت سنجیدگی سے اسے سمجھایا۔

"تو تمہاری طرف سے میں جواب یہی سمجھوں۔" کرن نے بہت مایوسی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو ہنس پڑا وہ روہا سی ہو کر بولی۔

"مذاق مت ازاد میرا۔"

"ارے میری یہ مجال کہ میں آپ جیسی پرینی لڑکی کا مذاق اڑاؤں۔ نووے تمہیں پتا ہے مجھے مشرقی انداز و اطوار میں ڈھلی شریک حیات کی خواہش ہے بیوی ایسی ہو جو بہت اچھا کھانا پکا سکتی ہو انے گھر کو جانا سنوارنا جانتی ہو

رشتوں کو آپس میں جوڑے رکھنے کا گرجانتی ہو بہت سادھی ہوئی اور پڑھی لکھی ہو اللہ تعالیٰ سے بھی اس کی خوب دوستی ہو

کیئرنگ ہو جیسی میری خالہ جان ہیں وہ لندن میں رہتی ہیں لیکن اپنی مشرقت اپنا مذہب ان کے ہر عمل میں چھلکتا ہے۔ وہ ہر کام میں اس بات کا خیال رکھتی ہیں کہ کچھ غلط نہ ہو جائے۔" ذوالنون نے اٹشین کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا۔

"ایسی لڑکی تم اپنے لیٹا مڈر پر بنو لینا گئے وہ زبانی نے جب تمہاری خالہ جیسی اللہ میاں کی گائے ملا کرتی تھیں۔ یہ ایک سوئیں صدی سے مسٹر ذوالنون اب آپ کو اچھی لڑکی ہی مل جائے تو غنیمت سمجھیں۔ جاری ہوں میں اور آئندہ تمہارے پیچھے بھی نہیں آؤں گی۔" کرن نے بہت سپاٹ اور سخت لہجے میں کہا۔

"اے ہم اچھے دوست تو ہیں ناں دوستی بھی ختم کر رہی ہو کیا؟"

"دوستی کے بعد محبت ہو سکتی ہے مگر محبت کے بعد دوستی نہیں صرف دوستی نہیں مسٹر ذوالنون کیونکہ دواموت سے پہلے دی جاتی ہے موت کے بعد نہیں۔" کرن نے اس کے چہرے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا اور اس کمرے سے تیزی سے باہر نکل گئی۔

بھی تھی اور شاداں بھی تھی۔ نوشین کی زبان کے زخم اسے علی کی یاد اور علی کے خیال سے بھرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ چپکے سے ایک شریلی مکان اب بھی اس کے ہونٹوں پر ٹھہری تھی۔



کرن نے اپنے جذلوں پر بند پانچ لیا تھا ایسا نہیں تھا کہ اس نے ذوالنون کی چاہ چھوڑ دی تھی بلکہ یہ چاہت تو ہرگز رتے دن کے ساتھ اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ بس ذوالنون کے سامنے اب وہ ایک کالج فیلو کے انداز میں ہی رہتی تھی۔ کہیں سامنا ہو جاتا تو حال احوال پوچھ لیا۔ دل جلتا تھا کہ وہ اتنی دریاں کیوں رکھتا ہے اپنے اور اس کے بیچ ہمیشہ اتنے فاصلوں سے کیوں ملتا ہے؟ کبھی کبھت کیوں نہیں ہے؟ کوئی ایسی بات جس سے اسے لگے کہ وہ اسے یاد کرتا ہے؟ اہمیت دیتا ہے؟ اسے اپنے لیے خاص سمجھتا ہے۔ وہ ہر ایک کے دوران لان میں بیٹھی تھی۔ ذوالنون اسے دیکھ کر وہیں چلا آیا۔ کرن اسے اپنا تصور ہی سمجھ رہی تھی۔

”ہیلو! کیا حال ہے؟“

”مصرف زندگی میں تیری یاد کے سوا“

آنا نہیں ہے کوئی میرا حال پوچھنے“

کرن نے بے خودی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے شعر پڑھا۔

”ارے میں پوچھ تو رہا ہوں تمہارا حال؟“ وہ ہنستے ہوئے بولا تو جواب میں کرن نے پھر شعر پڑھا۔

دل دکھایا کریں اجازت ہے

بھول جانے کی بات مت کرنا

تجھے بھولنے کو اک بل چاہیے

وہ بل کیسے موت کہتے ہیں لوگ!

ذوالنون نے اس کی شریلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواباً یہ شعر پڑھا تو کرن کے اندر جیسے بجلی سی کوندی تھی۔

آنکھیں جھپک جھپک کر اسے دیکھ کر جیسے اس کی اپنی سامنے موجودگی کا یقین کر رہی ہو۔

”ارے یار اب میں اتنا بھی کھور نہیں ہوں جتنا تم

کہ جو تکمیل کرنے جا رہی تھی اسے کرنے دیجی مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور تکمیل کو اپنی بہن سمجھتے ہوئے اس گھر کی دہاب ناموں کی عزت کو اپنی عزت سمجھتے ہوئے کچھ بھی برا ہونے سے بچا لیا۔

علی نے دل میں سوچا اور ساتھ ساتھ اپنا سوٹ کیس پیک کیا۔ وہ تین چاروں کے لیے اسلام آباد اپنے گھر جا رہا تھا۔ ضروری کام بھی تھا اور ایجنہ اور عثمان بیگ بھی اسے یاد کر رہے تھے اس کی فلائٹ شام پانچ بجے کی تھی اور اس وقت پونے تین بج رہے تھے۔ وہ نوشین کو اپنے جانے سے آگاہ کر کے خدا حافظ کہہ کر باہر آیا تو رائیل کو لان میں ٹھہرتے دیکھا۔

”رائیل میں اسلام آباد جا رہا ہوں تمہیں کچھ منگوانا ہوتا تھا۔“ علی نے جانے کیوں اس سے ایسا کہا مگر رائیل کو خوش گوار حیرت ہوئی تھی ان کے پوچھنے سے وہ مسکرا دی۔

”نہیں جھپک پووری رنج۔“

”او کے گڈ بائے۔“ علی نے مسکرا کر کہا اور جانے کے لیے مڑا۔

”آپ واپس کب آئیں گے؟“ رائیل کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ علی کے کتے کے بوہتے قدم ہرک گئے اس نے گردن گھما کر دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے پر بجل سی ہو کر نظرس جھکا گئی۔ ہاتھوں کی انگلیوں کو گھبراہٹ میں آپس میں پیوست کرتی الگ کرتی وہ علی کو بہت بھلی لگی۔

”آئی ایم سوری مجھے آپ سے یہ نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔“ رائیل نے اس کے دلچسپ چہرے کو دیکھتے ہوئے خجالت سے کہا۔

”اٹس لوکے میں ان شاء اللہ تین چار دن تک لوٹ آؤں گا تم اپنا خیال رکھنا۔ اللہ حافظ۔“ علی نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے نرمی سے کہا۔

”اللہ حافظ۔“ رائیل نے بھی جواباً مسکراتے ہوئے کہا اور جب تک علی کی گاڑی گیٹ سے باہر نہیں نکل گئی وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کا دل بھی علی اپنے ساتھ ہی لے گیا ہو۔ وہ اپنے دل کی بدلتی کیفیت پر حیران

مجھے سمجھتی ہو۔ وہ اس کے یوں دیکھنے پر بولا۔
 ”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا سمجھتی
 ہوں؟“ کرن نے حقیقت میں لوٹتے ہوئے معنی خیز
 جواب دیا۔

”ہاں تو یہ تمہارا ہی قصور ہے میں نے تو نہیں کہا تھا کہ
 مجھ سے چار کرو۔“ ذوالنون نے کہا۔ ”بہت سے لوگ تیس
 گے تمہیں ابھی زندگی میں اتنی جلدی دل کو پابند مت کرو۔
 میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں تمہارے جذبات کی قدر
 کرتا ہوں مگر تمہیں اپنا پابند نہیں بنانا چاہتا میں نہیں چاہتا
 کہ تم میں اتنی کڑی جذبائی فیصلے میں اپنی عمر گنواؤ تمہارے
 سامنے تو اچھے لڑکوں کی رشتوں کی قطاریں لگ جائیں گی
 تم اتنی حسین ہو کہ کوئی بھی لڑکا تمہاری خواہش کر سکتا ہے۔
 مگر ابھی صحیح وقت نہیں ہے۔ مناسب عمر نہیں ہے۔“
 ذوالنون نے ایک بار پھر اسے رمان سے سمجھایا وہ سبز
 گھاس کے پتے توڑتے ہوئے بولی۔

”ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو مگر محبت کی کوئی عمر نہیں
 ہوتی۔“ کرن نے ہنس کر کہا تو وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔ اسے
 کرن کی دیوانگی سے خوف آ رہا تھا۔ ذوالنون بلاشبہ خوش
 شکل نوجوان تھا۔ پانچ فٹ آٹھ انچ قد اور بھرا بھرا جسم فوجی
 کٹ بالوں میں ایک دہیر و لگتا تھا۔ کالج کی لڑکیاں اسے
 سراہے بنا نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ ذہین تھا ناپ کرنے والا
 بہترین اسٹوڈنٹ تھا اساتذہ کا بھی منظور نظر تھا۔ کرن
 لاکھنا چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف کبھی چلی آئی تھی۔
 کرن کو اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔



تین دنوں کے بعد سے کمرے میں بند ہو کر رہ گئی
 تھی۔ اسے وہ کہ اپنی کم عقلی اور نادانی پر غصا آ رہا تھا۔ اپنی
 اس حد تک جانے والی حرکت پر ندامت کا احساس اسے
 مارے جا رہا تھا۔ ایک فلرٹ اور لالچی ہوس کے بیماریا شخص
 کے لیے اپنے جذبے لانے اور اپنے گھر والوں کی عزت
 داؤ پر لگانے کا احساس اسے اندر ہی اندر کچھ کے لگا رہا تھا۔
 جاوید کی اہمیت اس نے اخبارات میں پڑھ لی تھی۔ اسے

اپنی مگیت کے قتل کے الزام پر چھائی کا امکان تھا اور انٹیکا شکر
 ہوا کہ ذریعہ کے والد آئی جی جمشید نے جاوید کے موہاں
 فون سے تین کا سیل نمبر اور ایس ایم ایس ڈیلیٹ کر دیے
 تھے اور راتیل کے کہنے پر ہی انہوں نے تین کے نمبر پر سٹیج
 کیا تھا تا کہ راتیل بھی گھر والوں کے سامنے تین کو اس غلط
 اقدام سے مدد نہ کر سکے۔ اس نے وہاب احمد کو سب کچھ بتا دیا
 دکھا اور سنا دیا تھا۔ جسے سب کچھ حسب توقع ہوتا چلا گیا۔ مگر
 اب تین نظریں نہیں ملا پار ہی تھی وہ تو خود اپنی ہی نظروں
 میں گر گئی تھی۔ دور دورہ اس نے اپنی حالت خراب کر لی تھی۔
 راتیل کچھ سوچ کر مت کر کے اس کے کمرے میں آ گئی۔
 تین بیڈ پر گھنٹوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ راتیل اس کے
 سامنے ہی بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ تین نے سر اٹھا کر
 اسے دیکھا تو وہ ہنس گئی۔

”آئی ایم سوری ما“

”تم کیوں معافی مانگ رہی ہو؟ معافی تو مجھے مانگنی
 چاہیے تم سب سے میں نے سب کا مان توڑا ہے شرم سے
 پیر جھکایا ہے خاص کر ڈیڈی کو بہت دکھ دیا ہے میں نے۔“
 تین نے بھگتے لہجے میں ندامت سے کہا۔

”آپ کو احساس ہو گیا ہے نا کہ آپ نے سب غلط کیا
 تو پھر تو سب ٹھیک ہو گیا۔ احساس ندامت ہو اور آنکھوں
 سے آنسو بھی بہہ نکلیں تو انسان اندر باہر سے پاک صاف
 ہو جاتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں تو یہ
 کر لیں گا سندنہ آپ کبھی کچھ غلط نہیں کریں گی اللہ آپ
 کو فوراً معاف کر دیں گے۔ ڈیڈی بہت دکھی ہیں آپ کے
 لیے آپ ان سے معافی مانگ لیں وہ آپ کو معاف
 کر دیں گے۔“ راتیل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
 لے کر نرمی سے کہا۔

”میں ان سے نظریں نہیں ملا پاؤں گی میں تو اپنے
 آپ سے نظریں نہیں ملا پار ہی راتیل۔“ وہ رونے لگی تھی
 راتیل دکھی ہو گئی۔

”گئی آئی! خود کو سنبھالیں، غلطی انسان سے ہی ہوتی
 ہے اچھا انسان وہ ہے جسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور

”عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے
میرے بھائی۔“
”ہاں لیکن وسیلہ تو آپ ہی نہیں ناں اگر آپ مام کے
روپیے کی وجہ سے میرے اور گلی آبی کے روپیے کی وجہ
سے سب کچھ ہونے دیتیں تو کون روک سکتا تھا اور آپ
نے بنا کسی صلے کے بنا کسی ایوارڈ کے اتنا کچھ کیا ہمارے
لیے کیوں؟“
”بات یہ ہے میرے بھائی کہ میں لکسی ہی ہوں۔“



رات کو نوشین کے کچھ مہمان گھر پر مدعو تھے۔ مرد
خواتین دونوں ہی تھے عجیب ہنگامہ بنا تھا گھر پر دو باب
احمد ایک دن کے لیے کراچی گئے تھے۔ رات کو کسی
وقت ان کی واپسی متوقع تھی اور نوشین کو اندازہ تھا کہ اکثر
رات کو فلاحیت لیٹ ہو جاتی ہے یا دو باب احمد رات کے سفر
کو ملتوی کرتے ہوئے اگلی صبح تک اپنی واپسی ملتوی
کر دیتے ہیں اسی لیے ان کی غیر موجودگی سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے نوشین نے اپنے سرکل کے لوگوں کو مدعو کر لیا
تھا۔ اصل میں ان کے یہ دوست ان کی لندن پلٹ بھانجی
سے ملنے کی غرض سے آئے تھے اسے دیکھنا چاہتے تھے کہ
نوشین جو بڑی بڑی باتیں بتاتی ہے اس کی بھانجی کبسی ہے؟
رائیل سے مل کر کبھی متاثر ہوئے خاص کر مرد حضرات تو
اسے گہری اور سلی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کی
آنکھوں میں جو چمک تھی وہ رائیل کو بہت ناگوار محسوس
ہو رہی تھی جب وہ سب کھانے میں مصروف ہوئے تو وہ
نکل کر اپنے کمرے میں چلا آئی۔
”ہیلو پرٹی گرل تم یہاں کیوں آ گئیں ہمارے
ساتھ ڈنر انجوائے کرو نا۔“ اولیس جو سبز مہر اتسار کا بگڑا ہوا
بیٹا تھا۔ رائیل پر کب سے نظر رکھے ہوئے تھا اس کے
جاتے ہی خود بھی پیچھے چلا آیا۔ رائیل اسے یوں اپنے
کمرے میں دیکھ کر ٹھہرا گئی۔ اسے نوشین کے رویے اور
سوچ سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔
”آپ پلیز جانیئے مجھے ذرا نہیں کرنا میرے سر میں

”سوئی اس دن کے لیے۔“ وہ نچل سا ہو کر بولا ڈنر
دلی رات جو کچھ اس کے دوستوں نے کہا اس پر معذرت
کر رہا تھا وہ۔
”کوئی بات نہیں تم سمجھ گئے یہی میرا مقصد تھا۔“
”بھئی گس! آپ بہت اچھی ہیں اور بہت ذہین بھی
ہم اتنے سمجھدار نہیں ہیں آپ اتنی کم عمری میں اتنی سمجھداری
کی باتیں کیسے کر سکتی ہیں؟“ نوفل نے اس کے مدٹن چمکتے
چہرے کو دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔
”میں نے اب تک کی زندگی سے یہی کچھ سیکھا ہے
کتابوں سے لوگوں کے رویوں سے اپنے پیرئس سے
ٹیچرز سے انسان اگر چاہے تو ہر مل زندگی سے ہر انسان
سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھتا ہے تم بھی دل لگا کر پڑھو سمجھیں
اپنے ڈیڑی کا بازو بننا ہے ان کا نام روشن کرنا ہے۔ ان کا
قابل فخر بیٹا بننا ہے۔“ رائیل نے بڑی بوزھیوں کی طرح
اسے سمجھایا۔

”ان شام اللہ۔“ نوفل نے پر جوش لہجے میں کہا۔
”میں نے تم سے ایک کام کہا تھا وہ ہو گیا کیا؟“
”جی ہو گیا میں نے گلی آبی کی سم بلاک کرادی تھی اور
ان کو نئی سم بھی لادی گی۔“
”پرانی سم کس کے نام رجسٹرڈ تھی؟“ رائیل
نے پوچھا۔

”گلی آبی کی پرانی سم ان رجسٹرڈ تھی۔“
”چلو یہ تو اچھا ہی ہوا کہ ان رجسٹرڈ ہے ورنہ پولیس
انویسٹی گیشن میں اگر جاوید کے موبائل کاڈر کی ڈی ٹیلو
نکلوانی گئی تو گلی کاسیل نمبر بھی ٹریس ہو جاتا اور پراہلم کری
ایٹ ہو سکتی تھی۔“ رائیل نے مطمئن ہو کر کہا۔
”آپ بہت چینیس ہیں پولیس والوں کی طرح بات کو
گہرائی تک جا کر سوچتی ہیں۔“ نوفل نے سر لہا تو وہ ہنس دی۔
”آپ کو ہمارے گھر میں صرف دکھ ملے اور آپ نے
اتنے خلوص اور پیار سے سب نظر انداز کیا بلکہ گلی آبی کے
سناٹے میں اتنے خلوص اور سچائی کے ساتھ سب حل کیا
اس گھر کی اور ہم سب کی عزت بچالی۔“

درد ہوتا ہے۔" رائیل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"آپ کہیں تو میں سردبادوں۔" اویس مزید آگے بڑھا۔

"آپ جانیے یہاں سے لڑائی نوبل۔" وہ تیزی سے جواب دیتی انہیں پکار رہی تھی۔

"او کے نو کے میں جاتا ہوں۔" اویس نے اس کے آواز دینے پر شپٹا کر کہا تو اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور عمیر اندر چلا آیا۔

"کیوں بھئی کیا ہوتا ہے؟ ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں۔" عمیر نے بہت عامیانہ لہجے میں کہا اس کی ہوس زدہ نظریں رائیل پر جمی تھیں۔

"ایکسکو زمی آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" نگین اس طرف آنکلی تھی اور صورت حال دیکھتے ہی بھانپ گئی تھی کہ وہ دونوں رائیل کو پریشان کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اس نے نوشین کو بھی آواز دی۔

"موم پلیز انہیں یہاں سے بلائیں رائیل کے بیڈروم میں آئی کی کیا تکنتی ہے؟"

"تو آپ کے بیڈروم میں آجائیں پھر تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا۔" عمیر نے نگین کو مکروہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ غصے سے تپ کر لال ہو گئی۔

"شٹ اپ۔" وہ غصے سے بولی نوشین سب دیکھ رہی تھی وہ جان بوجھ کر دیر سے آئی تھی۔

"موم ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں لے جائیں پلیز۔"

"او کے ناراض کیوں ہوتی ہو ڈیز جا رہے ہیں ہم۔" اویس نے نگین کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیے سزدہاں آپ کی بھانجی بہت حسین ہے۔" عمیر نے جاتے جاتے رائیل پر نگاہ ڈالی تھی۔ رائیل سلگ گئی۔

"موم ان لوگوں کو کیوں بلایا ہے آپ نے مگر پر جنہیں تیر نہیں ہے لڑکی سے بات کرنے کی کیسے بے حیائی سے

رائیل کے کمرے میں گھسے چلے آئے۔" نگین نے ان کے جاتے ہی کہا۔

"خود ہی تو نہیں آئے تھے پہلے یہ آئی تھی انہیں دعوت! نظارہ دے کر۔" نوشین نے بے نیازی سے کہا۔

"او پلیز مام بس کر دیں بیڈروم میں رائیل کو اپنے کمرے میں لے جا رہی ہوں یہ وہاں سو جائے گی۔" نگین نے تیز اور سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ فوراً کہنے لگیں۔

"تم ایسا کرو رائیل کہ گیٹ روم میں جا کے سو جاؤ علی تو ویسے بھی اسلام آباد گیا ہوا ہے وہاں کوئی نہیں جائے گا لورنہ ہی ان لوگوں کا شور تمہیں ڈسٹرب کرے گا۔"

"جی بہتر۔" رائیل نے آہستہ سے کہا۔

نگین اس کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ روم میں چلی آئی اور جب نگین کو نیندا نے لگی تو وہ اپنے کمرے میں آ کر سو گئی۔ نوشین کے مہمان بھی تب تک جا چکے تھے۔

علی کو ضروری کام تھا اس لیے اچانک ہی واپس آنا پڑا قاعدت کے گیارہ بج رہے تھے جب وہ وہاں لاج پہنچا۔

سب سو رہے تھے وہ سیدھا گیٹ روم میں چلا آیا۔ لائٹ آن کر کے اپنا سوٹ کس سا میڈ پر رکھا بیڈ کے کنارے بیٹھ کر اپنے جوتے اتارے اور لٹاری سے اپنا شلوار قمیص نکال کر وہاں روم میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ فریش ہو کر آیا تو صوفے پر سوئی ہوئی رائیل کو دیکھ کر ٹھنک گیا۔

"یہ یہاں کیوں سو رہی ہے؟" علی نے حیرت سے خود سے سوال کیا اور ہوا صوفے کے قریب گیا۔

"کیا پھر اس کے ساتھ اس گھر میں کوئی کیم کھیلی گئی ہے؟ کیا پھر کچھ غلط ہوا ہے رائیل کے ساتھ؟ کیا ممائی نے اسے پھر سے ہرٹ کیا ہے؟ آخر ایسا کیا ہوا ہے جو اسے یہاں گیٹ روم میں پتلا لیٹا پڑی؟ اور یہ بیڈ پر

سونے کی بجائے یہاں صوفے پر کیوں سو رہی ہے؟" ایسے بہت سے سوال علی کے دل درماغ میں سر اٹھا رہے تھے اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر بکھرے بدیشی بالوں کو نرمی سے چھوئے کیا تو اس کا چہرہ ایسے سا نمتا گیا جیسے بدلی سے چاند نکل آیا ہو۔ علی نے غیر

کے اس پہر منہ کالا کرنے آئی تھی اپنا میرے بھانجے کو بدنام کرنا چاہتی ہے۔ "نوشین کی زبان جھنکی تیزی سے چل رہی تھی ہاتھ اتنی ہی تیزی سے رائیل کے بال نوج رہے تھے۔ غی اس افتاد پر شپٹا کے رہ گیا۔ اس نے نوشین کے ہاتھ پکڑے۔

"ممائی! کیا کر رہی ہیں آپ چھوڑیں اسے۔" میں اسے اپنے گھر میں نہیں رہنے دوں گی یہ میری بدنامی کا باعث بنے گی! نکل نکل کر یہاں سے ابھی اور اسی وقت نکل جائیں تو میں کسی مایلی یا چپڑا سی سے تیرا نکاح پر عہدوں گی۔" نوشین نے رائیل کا بازو پکڑ کر اسے دروازے کی جانب دھکیلا۔

"یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم نے؟" وہاب احمد نے گرتی ہوئی رائیل کو اپنے بازوؤں میں تھاما تھا۔ نوشین انہیں یوں اچانک دیکھ کر بوکھلا گئیں۔ رائیل کی حالت کا تو بدن میں لہو نہیں ہو رہی تھی۔ علی نے دیکھا رائیل کی رنگت سفید پڑ گئی تھی امد سے سے وہ گنگ ہو گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے جسم میں جان ہی نہ ہو بہت بے گلی ہی محسوس کر رہا تھا دل میں یہ سب بہت برا لگ رہا تھا۔

"آئیے آئیے آپ بھی دیکھیے اپنی لاڈلی کے کارنامے تماشا تو یہ بنا رہی ہے ہمارا اسے علی نے بھی لفٹ نہیں کروائی تو یہ یہاں علی کے کمرے میں پہنچ گئی اسے رجھانے کے لیے اسے بدنام کرنے کے لیے۔" نوشین نے بڑی بے رحمی سے رائیل کے پاکیزہ کردار پر تہمت لگائی تھی۔

"یہ سب بکواس ہے میری رائیل ایسا نہیں کر سکتی۔" وہاب احمد نے رائیل کی سرد پزنی حالت کو تشویش سے دیکھتے ہوئے پر یقین سے کہہ دیا تو علی نے فوراً کہا۔ "ناموں جان! اب کچھ نہیں ہوا ممائی کو غلط لگی ہوئی ہے آپ جانتے ہیں مجھے بھی اور رائیل کو بھی ہم ایسی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتے۔"

"مجھے یقین ہے بیٹا۔" وہاب احمد نے دل سے کہا۔ "تین نونفل اور بواجی بھی آوازیں سن کر وہاں آ گئے

ارادی طور پر اس کی پیشانی کو چھوا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ تو بختر میں جل رہی ہے۔ اس نے اس کی بغض چیک کی وہ واقعی تیز بختر میں مبتلا تھی۔

اوکاڑا! اسے تو بہت تیز بختر ہے مگر یہ یہاں کیوں ہے؟ ممائی کو پتا چلا تو خواجواہ کا اسکینڈل بن جائے گا۔" علی نے مدغم لہجے میں خود کلامی کی عین اسی وقت کمرے کا دروازہ بہت بری طرح بجتا شروع ہو گیا۔ دستک اتنی تیز تھی کہ رائیل بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اس نے علی کو دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ علی نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے نوشین کھڑی تھیں۔ علی کو دیکھتے ہی پریشان لہجے میں پوچھنے لگیں۔

"علی بیٹا! تم نے رائیل کو کیسے دیکھا ہے میں نے سارا گھر دیکھ لیا کہیں نہیں ملی رائیل ہائے میں کیا جواب دوں گی اپنی بہن کو کہاں چلی گئی وہ؟"

"ممائی آپ اپنا بی بی ہائی مت کریں پریشان مت ہوں رائیل یہاں ہے وہ دیکھیں۔" علی نے سنجیدگی سے بتاتے ہوئے سائیز پر ہو کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا تو وہ بجلی کی تیزی سے اندر داخل ہوئیں۔ رائیل نیند اور بختر سے پوچھل آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"ہائے میرے اللہ! یہ یہاں کیا کر رہی ہے یہ حرافہ تمہارے بیدروم میں کیسے آئی غی؟" نوشین نے رائیل کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے علی سے پوچھا تو علی کو جیسے کرنٹ سا لگا تھا اسے اب احساس ہو رہا تھا کہ اس نے نوشین کو رائیل کی یہاں موجودگی کا پتا کر گئی بڑی غلطی اور بے وقوفی کی ہے۔ علی نے پریشانی سے کہا۔

"ممائی آئی ڈونٹ نو میں تو خود کچھ دیر پہلے آیا ہوں اور یہ یہاں پہلے سے موجود تھی۔"

"میں جانتی ہوں اسے یہ کن چکروں میں ہے تم نے اسے ویسے منہ نہیں لگایا تو یہ ان او جھے جھکنڈوں پر اتر آئی ہے کیوں رہی بے شرم تجھے ذرا حیانتا آئی ایک غیر مرد کے کمرے میں گھتے ہوئے۔ شرم نہ آئی تجھے رات

دارتھپوشین کے کمال پر پڑا تھا ان کا صبر و ضبط جواب دے گیا تھا۔

”اومائی گاؤموم شی ازمانی سسز۔“ نوزل نے تڑپ کر کہا۔ راتیل تو ساکت سی بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی۔ جمیل رہی تھی اس کے دل پر کتنے دھم گئے تھے ذرا حیرت میں کتنے بے خبر پیوست ہو رہے تھے یہ وہی جانتی تھی یا اس کا خدا جانتا تھا۔

”سب سدھر گئے نوشین بیگم مگر تم نہ سدھرنا۔“ وہاب احمد نے تکی اور تاسف بھرے لہجے میں کہا اعلیٰ لب کا شہرہ تھا یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

”میں سب کو بتاؤں گی اس کے کارنامے دیکھنا صبح تک اگر تم نے اس کا نکاح نہ کیا تو میں راتیل کے ساتھ جو کروں گی وہ تم سب دیکھو گے۔“ نوشین نے سب کے سامنے ٹھنڈے پھنڈے پڑنے پر غصے سے مزید آگ بگولہ ہوتے ہوئے انتقامی لہجے میں کہا۔

”تم اپنے گھر کی اپنے شوہر کی اپنے خاندان کی عزت چورا ہے پر لاؤ گی جو کام تمہاری بیٹی کرنے سے رہ گئی تھی راتیل کی بدولت وہ کام تم کرنا چاہتی ہو بڑے افسوس کی بات ہے۔“

”افسوس کرنے کا موقع تو آپ کو ضرور ملے گا بس صبح ہونے دو ذرا۔“ نوشین نے غصے سے کہا۔

”راتیل کا نکاح آج ہوگا اور ابھی ہوگا بواجی آپ جا کے میاں جی کوفون کریں اور نوزل تم ہماری انکل کوفون کرو کہ یہاں فوراً پہنچیں۔“ وہاب احمد نے اچانک سے کچھ سوچ کر کہا۔

”اوکے ڈیڈ۔“ نوزل نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا بواجی بھی اس کے پیچھے گئی تھیں۔

”گلی بیٹی بہن کو پانی پلاؤ سنبھالو اسے۔“ وہاب احمد نے نگین سے کہا تو وہ فوراً راتیل کی طرف لپکی۔

”خبردار جو تم اس کے قریب بھی پہنچیں وہ رہو اس سے۔“ نوشین نے غصے سے کہا۔

”موم پلیز بس کرو بس اب راتیل کو گیسٹ روم میں آپ نے ہی بھیجا تھا کہ غل یہاں نہیں ہیں تو راتیل یہاں

تھے اور صورت حال جاننے کے بعد نگین اور بواجی تو صدمے سے دنگ رہ گئیں کہ نوشین نے کتنی گھٹیا چال چلی تھی راتیل کو برا ثابت کرنے کے لیے۔

”راتیل کو اب میں اس گھر میں ایسے تو نہیں رکھوں گی اسے نکیل ڈالنا ہی ہوگی بہت بے لگام ہے یہ اسے لگام ڈالنا ضروری ہو گیا ہے آپ ابھی اور اسی وقت اس کا نکاح کرادیں یا اسے لندن کی ٹکٹ کنوویں میں اسے یوں شتر بے مہار کی طرح مزید نہیں پھرنے دوں گی۔“ نوشین نے چلاتے ہوئے کہا تو راتیل صوفے پر بدمس سی ہو کر ڈسے گئی۔ غل نے بے قراری سے اسے دیکھا۔

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یہ کیا بکے جا رہی ہو؟“

”ٹھیک کہہ رہی ہوں اسے یہاں رکھنا ہے تو ابھی اس کا نکاح پڑھو میں۔“

”ابھی تم پھیلی پر مسروں جمانے چلی ہو نکاح کوئی مذاق ہے کیا؟ اس وقت کون ملے گا جس سے میں راتیل کا نکاح کروں؟“

”مالی ہے جو کیدار کا بیٹا ہے۔“ نوشین نے ہنسنا نمانداز میں کہا۔

”واٹ.....!“ وہاب احمد اور نگین کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

”ہاں تو آپ کا کیا خیال ہے علی شادی کرے گا اس بے حیا لڑکی سے۔“

”شٹ اپ۔“ وہاب احمد نے غصے سے کہا۔

”تمہارا اپنا خون ہے یہ تمہاری سگی بہن کی اولاد ہے اگر خدا نخواستہ ایسی ویسی کوئی بات ہوتی بھی تو تمہاری سمجھ داری اور رشتے داری کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم اس معاملے کو خاموشی سے پنڈل کر لیتیں نہ کہ شور مچاتیں۔“

”ہاں تو اتنا تو کر رہی ہوں کہ اسے یہاں رکھا ہوا ہے اب تک اب اگر ذوالنون یہاں ہوتا تو میں اسی سے اس کا نکاح کرادیتی تاکہ یہ لاکھ لاکھ منہ مارنے سے باز آجائی اس نے تو نوزل سے بھی ہاتھ ملا لیا اور شاید دل بھی۔“

نوشین کا یہ جملہ مکمل ہوا تھا ساتھ ہی وہاب احمد کا زور

میرے بچوں کی ماں ہو۔“ وہاب احمد نے سخت اور حکمیہ لہجے میں کہا۔

”ہونہ میں بھی دیکھتی ہوں یہ نکاح کتنے دن چلتا ہے؟“ نوشین نے طنز و تشفیر بھرے لہجے میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

”علی بیٹے تم نے جواب نہیں دیا بیٹا اس وقت اس مسئلے کا یہی حل ہے تم نے دیکھا یہ عورت کس طرح اس بچی کو برباد کرنے پر تلی ہے اور کیسے میری عزت تار تار کرنا چاہتی ہے میری مجبوری سمجھو بیٹا اس وقت اس سے زیادہ بہتر حل کوئی نہیں ہے اس مسئلے کا گھر کی بات گھر میں ہی رہ جائے گی اور تم پر زبردستی نہیں ہوگی کہ تم بعد میں یہ نکاح ختم کر سکتے ہو جہاں تمہارا دل چاہے بعد میں وہاں شادی کر لینا مگر اس وقت میری بات رکھ لو۔“

”ٹھیک ہے ماسوں جان! میں راتیل سے نکاح کے لیے تیار ہوں۔“ علی نے سنجیدگی سے کہا تو راتیل کے اندر ایک اور خراج اتر گیا تھا۔ علی جیسے وہ دل سے پیار کرنے لگی تھی اس کا پیار اسے مل رہا تھا مگر بھیک میں مجبوری کے کاہتے میں رکھ کر حالات کی سنگین کو کم کرنے کے خیال سے اس گھر کی عزت کو بچانے کے عوض اسے اس کا پیار مجبوراً اپنا رہا تھا وہ ایک ان چاہی ہستی کی حیثیت سے علی کی زندگی میں داخل ہو رہی تھی وہ بھی کچھ دنوں کے لیے اور پھر صیغہ کی۔

”علی صبح کی کا خیال وہ بھی نکاح کے بعد“ راتیل کی سانس ٹھہرنے لگی تھی اسے پتا ہی نہیں چلا کب اس نے نکاح نامے پر دستخط کیے۔

نوشین راتیل کو اس کے کمرے میں لگائی اسے ورد اور بخار کی دو گولیاں کھلائیں اور بیڈ پر لٹا دیا۔ اس کے موبائل کی سپ بچی تو اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ سعودی عرب سے تیموراوشین کا فون تھا اس کا دکھ لاکھوں میل دور بیٹھے اس کے ماں باپ کے دل تک بھی پہنچ گیا تھا شاید جیسی انہوں نے بے چین ہو کر اسے فون کیا تھا۔

”السلام علیکم!“ راتیل نے سل آن کیا۔
”وعلیکم السلام جانی میری گزیا کیسی ہو؟“ دوسری

سو جائے گی اور اب آپ اس معصوم پر تہمت لگا رہی ہیں۔“
نوشین نے سپاٹ لہجے میں کہا تو انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں نے تو دوپہر ممانی کوفون کر کے بتا دیا تھا کہ میں مات کو گھر پہنچ جاؤں گا۔ اس کا مطلب ہے ممانی نے یہ ڈرامہ جان بوجھ کر چایا ہے راتیل کو بدنام کرنے کے لیے اور مائی گاڈ اتنی بڑی سازش اس معصوم لڑکی کے خلاف اف.....“ علی نے دل میں سوچا۔

”علی بیٹا تم دیکھ رہے ہو نا یہاں کیا ہوتا ہے اب میری عزت تمہارے ہاتھ میں ہے یوں سمجھو کہ ایک مجبور باپ تم سے اپنی عزت کی بھیک مانگ رہا ہے۔“

”ماسوں جان! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“ علی نے وہاب احمد کی بات سن کر ان کے لہجے کی بے بسی پر ان کے ہاتھ تھام کر بے گلی سے کہا تو وہ دم مہم اور بکھرے ہوئے لہجے میں بولے۔

”علی بیٹے تم میری راتیل سے شادی کر لو۔“
”جی.....“ علی نے راتیل کی طرف دیکھا وہ گم صم سی بت بنی بیٹھی تھی اس نے بھی وہاب احمد کی بات سن کر پل بھر کو علی کو دیکھا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ علی کیوں کرے گا راتیل سے شادی یہ سب جانتا ہے اس کے بارے میں اور اس کے ماں باپ کی مرضی اور موجودگی کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے اس کی شادی؟“ نوشین نے فٹ سے منہ کھولا تھا وہاب احمد نے اطمینان سے کہا۔

”ویسے ہی جیسے راتیل کی شادی ہو سکتی ہے۔“
”راتیل کے ماں باپ اس شادی کو نہیں مانیں گے میں تو قوی طور پر اسے یہاں رکھنے کے لیے اس کا نکاح کرانے کا کہہ رہی تھی۔ بھلا تیموراوشین ہماری کرائی شادی کو تسلیم کریں گے۔“ نوشین نے تیزی سے کہا۔

”اسی لیے ابھی نکاح ہوگا جیسا کہ تم چاہتی ہو اور اگر اس کے بعد تم نے راتیل کو کسی بھی طرح پریشان کرنے کی کوشش کی تو پھر میں یہ بھول جاؤں گا کہ تم میری بیوی اور

جانب افشین بول رہی تھیں ان کی آواز میں ممتا اور محبت دونوں ہی چمک رہی تھیں۔

”سنا، ماما جلدی سے واپس آ جائیں میں آپ کو اور پاپا کو بہت مس کر رہی ہوں۔“ وہ بمشکل اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

”میری گڑیا! ہم بھی چہیں بہت زیادہ مس کر رہے ہیں پہلی بار تم ہم سے اتنی دور گئی ہو۔ ہم تمہارے لیے یہاں بہت ساری دعائیں مانیں گے اللہ تمہیں بہت ساری خوشیاں دے، محبتیں دیں کوئی دکھ نہ دیں اللہ جی میری راتیل کو۔“ افشین نے محبت سے کہا اور پھر تیمور نے ریسیور لے لیا۔

”جی پاپا کی جان! کیسی ہے میری گڑیا؟“

”آئی مس ہو پاپا جانی۔“ وہ ہلکتی ہوئی آواز میں بولی۔

”آئی نو بیٹا وہاں بھی تو آپ کے اپنے ہیں

ناں سب۔“

”میرا دل نہیں لگ رہا یہاں بس آپ جلدی سے آ جائیں پھر ہم واپس لندن چلیں گے اپنے گھر میں رہیں گے۔“

”ان شاہ اللہ! بیٹا ایسا ہی ہوگا مگر آپ روکیوں رہی ہو

کیا ہوا ہے..... کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟“

”نہیں تو بس آپ کی یاد آ رہی تھی۔“

”او میرا بیٹا میری جان! بس ہم حج کے بعد پاکستان ہی آئیں گے ذرا دوری چند اپنا خیال رکھنا۔“ تیمور نے بہت محبت سے لہجے میں کہا تو اس نے بمشکل اللہ حافظہ کہا اور سلیف کر دیا۔

راتیل بلک بلک کر رہی تھی حیران تھی کہ اس کا کردار کیسا تباہ مولا ہو گیا۔

”علی بیٹا کھانا کھا لو۔“ بواجی اس کے لیے کھانا لے کر آئی تھیں۔

”میری تو بھوک ہی مر گئی ہے۔“ علی نے بے کلی سے ہاتھوں کو پیچتے ہوئے کہا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

”بیٹا تم دل برا نہ کرو راتیل بہت اچھی اور نیک

اوصاف کی مالک ہے اسے نوشین بیگم کی آنکھ سے مت دیکھنا بیٹا یہ اس بچی کے ساتھ دوہری زیادتی ہوگی۔“ بواجی نے اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو پریشانی سے پوچھنے لگا۔

”آ خر ممانی کو راتیل سے کیا مسئلہ ہے جس دن سے وہ اس گھر میں آئی ہے میں نے نہیں دیکھا کہ وہ لڑکی سکون سے یہاں رہتی ہو یا کسی نے اسے خوش کرنے کے لیے کچھ کیا ہو بلکہ ہر کسی نے اسے دکھ ہی دیا ہے اور ممانی نے تو صدی کر دی ہے آ خر کیا دشمنی ہے ان کی راتیل کے ساتھ وہ کیوں اس کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک روا رکھے ہوئے ہیں حالانکہ وہ تو ان کی سگی بھانجی ہے؟“

”جیٹا بات یہ ہے کہ نوشین تیمور میاں کو پسند کرتی تھی جبکہ تیمور حسن کو افشین پسند تھی اور وہ اب احمد نے بھی پہلے افشین کے لیے رشتہ مانگا تھا مگر چونکہ تیمور حسن کے ماں باپ نے ان سے پہلے تیمور اور افشین کے رشتے کی بات کر لی تھی اس لیے انہوں نے وہ اب احمد کے لیے نوشین کو مانگ لیا۔ بس نوشین کو اسی بات کا غصہ تھا کہ تیمور نے اس کی جگہ افشین کو کیوں پسند کیا.....“ بواجی نے آہستہ آہستہ اسے ساری بات بتا دی لیکن نبجانے کب آئی تھی اس نے بھی ساری بات سن لی تھی اور اس کی سمجھ میں بھی نوشین کا رویا گیا تھا اور وہ اب احمد کے ساتھ اس کی بیزاری اور سرد مہری کی وجہ بھی خود بخود کلیئر ہو گئی تھی۔ اسے خسوں ہو رہا تھا اپنی ماں پر کہ انہوں نے اتنے اچھے شریک حیات کی قدر نہیں کی خود بھی حسد کی آگ میں جلتی رہیں اور اپنے شوہر کو بھی اپنی محبت سے محروم رکھا اور راتیل کو اپنے بدلے کی آگ میں جلانے لگیں۔

”بیٹا..... تم کھانا کھا لیتا میں چلتی ہوں۔“ بواجی یہ کہہ کر جانے لگیں تو نکمین کو دیکھ کر بوکھلا گئیں۔

”بواجی آپ جا کر آرام کریں مجھے علی بھائی سے بات کرنی ہے۔“

”اچھا بیٹا۔“ بواجی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کمرے سے باہر چلی گئیں علی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

معلوم ہوگا تو ایک اور ٹینشن کری ایٹ ہو جائے گی۔“ علی نے سنجیدگی سے کہا اس کے چہرے اور لہجے سے پریشانی صاف چھلک رہی تھی۔

”آپ پھوڑ پھوڑا جی کی قمر نہ کریں انہیں ڈیڈی منالیں گے بس آپ جو بھی فیصلہ کریں سوچ سمجھ کر کریں اور راتیل کے کردار کی پاکیزگی پر شک کبھی مت کیجیے وہ بہت پیاری لڑکی ہے اس نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ میں ساری زندگی بھول نہیں سکتی اور نہ اس کا بدلہ دے سکتی ہوں۔ اس نے سب کے ساتھ اچھا کیا باوجود اس کے ہم نے اس کے ساتھ برا کیا۔ اور کچھ دیر پہلے جو کچھ بھی ہوا وہ بھی موم کی گتھی انہوں نے خود راتیل کو گیسٹ روم میں سونے کے لیے بھیجا تھا۔“

”وہ کیوں؟“ علی نے پوچھا تو اس نے ساری بات بتا دی۔

”کوئی عورت اپنی سگی بھانجی کے ساتھ ایسا کر سکتی ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کر راتیل کو یہاں بھیجا۔۔۔ اوہ میرے خدا! اتنی بے حسی اف گئی تم راتیل کا خیال رکھنا اس کی طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی تھی اور اس صورت حال میں میں مرد ہو کر اتنا اب سیٹ نہیں اور پریشان ہوں تو اس معصوم پہ کیا گزر رہی ہوگی؟“

”تم بھی جا کر آ رام کرو رات بہت ہو گئی ہے صبح راتیل کو ڈاکٹر کے پاس لے چلیں گے چیک اپ کے لیے۔“

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا اوکے گڈ نائٹ۔“ نگین نے بھی اٹھتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلی آئی۔

”میں نے کہہ دیا ہے وہ اب یہ نکاح چند دنوں کا ہے ایشین اور تیمور کتاتے ہی علی راتیل کو طلاق دے دے گا اور میں راتیل کی شادی ذوالنون سے کرواؤں گی پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ تو شین نے وہاب احمد سے مسلسل الجھتے ہوئے کہا۔

”تم کچھ ٹھیک کرنے کی اہلیت اور نیت رکھتی ہو تم تو یہ سب کبھی غلط نہ ہونا نکاح کوئی کھیل نہیں ہے اور ذوالنون سے تم کیوں بیاہنا چاہتی ہو راتیل کو تم تو اس سے شدید

”اب تم اس وقت یہاں کیوں آ گئیں رات کے اس پہر ممانی نے تمہیں میرے کمرے میں دیکھ لیا تو پھر ایک ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔“ علی نے اسے دیکھتے ہوئے بیزاری اور بے چینی سے کہا۔

”آپ فکر نہ کریں اب کوئی ہنگامہ نہیں ہوگا۔ ویسے بھی موم اس وقت ڈیڈ سے لڑنے میں مصروف ہیں۔“ نگین نے جواب دیا تو علی نے گہرا سانس لیا۔

”کہو کیا بات ہے؟“ علی نے اسے ہاتھ سے بٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی اور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو بھی راتیل کی نیت پر شک ہے کیا؟“

”نہیں مجھے یقین ہے کہ وہ معصوم ہے وہ ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتی اس پر عمل تو بہت دور کی بات ہے۔“

علی نے ایمان داری سے جواب دیا تو نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے دردہ میں تو سمجھی تھی کہ آپ بھی راتیل کو غلط نہ سمجھ رہے ہوں۔“

”نگین میں بھی آنکھیں اور کان رکھتا ہوں عقل اور سمجھ مجھ میں بھی ہے خاموش اس لیے رہا کہ میری عادت نہیں ہے کسی کے مسئلے میں یا معاملے میں مداخلت کرنے کی ہاں مگر اب جبکہ راتیل کو میرے ساتھ تھسی کیا گیا ہے مجھے بھی اس گیم میں کھیٹنا گیا ہے تو اب راتیل کے ساتھ میں کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا اس کے پیرش کتاتے تک وہ میری منکوحہ ہے پھر جیسے اس کے ماں باپ اور ماموں جان مناسب سمجھیں گے ویسا ہی ہوگا۔“ علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”تو آپ صبح صبح راتیل سے یہ نکاح ختم کر لیں گے؟“

”ایسا کچھ بھی کہنا اس وقت نامناسب اور قبل از وقت ہوگا ابھی تو میرا داغ اس الجھن سے ہی باہر نہیں نکل پارہا کہ یہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے؟ میں تو بہت محتاط رہا ہر معاملے میں اور اس طرح سے میرا نکاح ہو گیا مجبوراً اور مصلحتاً بہت اب سیٹ ہوں میں اس وقت میرے پیرش کو

نفرت کرتی ہونا پھر یہ سب کس لیے؟ اسے اپنی بہو بنانے کا خیال کیوں آیا تمہارے سازشی دماغ میں اتنی نفرت کے باوجود؟

”آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں راتیل کو محبت سے رکھوں گی اسے تو میں ایسے رکھوں گی کہ اس کے ماں باپ دن رات تڑپیں گے اس کے لیے وہ ہر روز مرے گے ہر روز جنس کے بڑا ناز ہے نا انہیں اپنی اولاد پر تربیت پر زندگی پر محبت پر بابا بابا..... دیکھنا میں کیسے ان کا ناز توڑتی ہوں کیسے؟ ان کا غرور خاک میں ملائی ہوں ہونہ۔“

”غرور انہیں نہیں ہے تمہیں ہے نوشین بیگم ہاتم بہت ہی مہمندی عورت ہو اور ذوالنون کی عمر شادی کی نہیں ہے وہ اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتا ہے ورنہ لڑکیاں تو وہاں بھی بہت ہیں اس کے لیے اور میں راتیل پر مزید ظلم نہیں ہونے دوں گا سمجھیں تم۔“

”تم بھی سن لو وہاب احمد۔“ نوشین نے ان کا گریبان پکڑ کر کہا۔ ”علی راتیل کو طلاق دے گا پھر میں تمہیں کی شادی علی سے کرادوں گی میری بیٹی عیش کرے گی اس کے ساتھ دیکھنا تم گلی ہی علی کی کہن بنے گی۔“

”گلی کی گھر سے بھاگنے والی پلاننگ علی کے علم میں ہے وہ کیوں شادی کرنے لگا تمہاری بیٹی سے۔“ وہاب احمد نے غصے سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹائے اور حقیقت پسندانہ انداز میں کہا تو وہ نیند سے بوجھل لہجے میں بولی۔

”ہاہا تمہاری سوچ ہے وہاب احمد تم نے مجھے جانا ہی نہیں ہے تم نوشین بیگم کو جانتے ہی نہیں ہو ابھی۔“

”مجھ سے زیادہ تمہیں اور کون جانے گا نوشین بیگم؟“ نکمین جو اپنے کمرے میں جاتے جاتے ان کی آواز سن کر درک گئی مگر ساری باتیں سننے کے بعد اشک بہانی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی اسی وقت دور سے مؤذن کی آواز سنائی دی۔

”اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ بہت عرصہ ہوا تھا اللہ سے ہمکلام ہوئے اس کے دربار میں

حاضری دیئے برسوں گزر گئے تھے نکمین کے قدم خود بخود وضو کے لیے اٹھ گئے۔ اس نے نماز ادا کی اور رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگی راتیل کی خوشیوں اور نونل اور ذوالنون کی صحت و سلامتی کے لیے خصوصی دعا کی۔

اس رات کی صبح بہت خاموشی تھی۔ وہاب لانج کے دروازے پر تھکا دم سادھے ادا اس نظروں سے ایک دوڑے کو تک رہے تھے۔ گھر کے مکین ایسے خاموش تھے جیسے کوئی سانحہ ہو گیا ہو۔ سانحہ تو گزرا تھا مگر ایک ہستی پر راتیل پر جس کا اعتبار تار تار ہوا تھا جس کے کردار کو داغدار قرار دیا گیا تھا اور جس کی پاداش میں اسے ایک مجبوری کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا۔ علی سے تو وہ محبت کرنے لگی تھی مگر اپنے نام کے ساتھ علی کا نام جس طرح منسوب ہوا تھا اس کی رتی برابر بھی خوشی نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بوجھ سا اس کے دل پر آڑا تھا کہ وہ ایک ان چاہی ہستی بن کر محبت کے سر پہ مسلط کر دی گئی ہے اس کی عزت نفس مجروح ہوئی تھی اسے بہت دکھ ہوا تھا اپنی ہی نظروں میں بے وقعت سی ہو گئی تھی وہ اس کی آن اور انا پر گہری چوٹ پڑی تھی اور یہ سب وہ بڑے حوصلے سے سہہ رہی تھی۔ وہ خود بھی حیران تھی کہ اس نے یہ سب کیسے سہہ لیا تھا؟ شاید اس کے ماں باپ کی دعائیں اس کے ساتھ تھیں جو اسے اتنا مضبوط صبر اور حوصلہ بخشنے ہوئے تھیں۔

راتیل لان میں گم صم سی پیشی تھی جیسی علی وہاں چلا آیا۔ راتیل کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ کے رہ گیا اگرچہ وہ سلیقے سے تیار ہوئی تھی مگر آنکھوں کی سوچن اور سرخی اس کے دکھ اور درد کی کہانی بیان کر رہی تھی۔ علی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا درد کیسے بانٹنے؟ اسے کیسے خوش کرے؟

”کیسی ہو راتیل؟“ علی نے ہمت کر کے پوچھا۔

”اللہ اللہ بہت اچھی ہوں۔ میری وجہ سے آپ زبردستی کے بندھن میں بندھ گئے ہیں جانتی ہوں کہ کسی کی زندگی میں زبردستی مسلط ہونا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن آپ آہے زاد ہیں ماما پاپا کے آئے پر آپ مجھے بھی اس رشتے سے آزاد کر دیجیے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ

تکلیف برداشت کریں ہر انسان کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق ہوتا ہے۔

"اور اگر میں اپنی زندگی تمہاری مرضی سے گزارنا چاہوں تو۔" علی نے اس کی بات کے جواب میں نرمی سے کہا تو رائیل نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا جہاں خلوص تھا مسکراہٹ تھی مگر رائیل کے دل میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی اسے یہی لگا کہ وہ اسے دکھ کی کیفیت سے باہر نکالنے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے۔

"زندگی بھر کے فیصلے جلد بازی میں نہیں کیے جاتے مسٹر علی! اور آپ کی زندگی سے آپ کے والدین بھی بڑے ہوئے ہیں ان کی رائے اور خواہش بھی یقیناً آپ کی مرضی اور خواہش پر اثر انداز ہوگی۔ اور نوٹسین آئی کو تو آپ جانتے ہی ہیں جیسے انہوں نے یہ رشتہ کر دیا ہے ویسے ہی وہ اسے ختم بھی کر دویں گی۔" رائیل نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے اپنے ماما پاپا کو یہ سب بتایا؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟" وہ حیرتوں میں گھرا پوچھنے لگا۔

"انہوں نے تمہیں اتنی تکلیف دی ہرٹ کیا یہ سب کر کے بھی وہ مزے میں ہیں تم کیوں برداشت کر رہی ہو ممانی کا یہودیہ؟"

"کیوں کہ یہ میرے اپنے ہیں میری ماں کے رشتے ہیں اگر یہ مجھے تکلیف دے کر خوش ہیں تو یہ میرے لیے پریشانی کی بات نہیں ہے پریشانی کی بات تب ہوتی اگر میں ان کے لیے تکلیف کا باعث بن جاتی۔ نوٹسین خالہ کسی گلٹ یا کسی محرومی کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں کوئی احساس محرومی ہے شاید۔ یا کوئی غصہ کوئی انتقام..... مجھے ان پر غصہ نہیں آتا بلکہ رحم آتا ہے ان پر اور میں اپنے ماما پاپا کو یہ سب بتا کر بھی اور پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ مناسب وقت آنے پر انہیں خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور میں وہاں اٹکل جنہیں میں ہمیشہ سے ڈیڑی کہتی ہوں انہیں شرمندہ بھی نہیں دیکھ سکتی میں۔ مجھ ان سب سے پیار ہے

اور رشتوں کو مضبوط بنانے کے لیے بہت کچھ نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔" رائیل نے سنجیدگی سے دھیرے دھیرے اپنی بات مکمل کی تو علی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کی سوچ اور ہمت پر اسے دھمکا رہا تھا۔

"اور رات بھی تم خاموش رہیں ممانی! جھوٹ بولتی رہیں اور تم نے سچ بھی نہیں بولا۔"

"آپ کو میری بے گناہی پر یقین تھا؟"

"ہاں سو فیصد۔"

"بس اسی لیے خاموش تھی جب میرا دل صاف تھا تو میں کیوں وضاحت دیتی میں اپنی صفائی کیوں پیش کرتی؟" وہ اس کی بات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ رائیل ایسی لڑکی تو نہیں تھی کہ اسے اتنی آسانی سے نظر انداز کیا جاسکے وہ اپنی ہر بات میں اپنے ہر عمل میں اپنے ہر انداز میں اپنے وجود کے تمام حسن میں ایسی کشش تو رکھتی تھی کہ علی جیسا ان رو مینٹک اور محبت کے چکر سے دور رہنے والا مرد بھی اس کے سامنے زیر ہو گیا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا کہ اس کا دل رائیل کی محبت میں ڈوب چکا ہے اس کا روم روم رائیل کی ہر اسی کا طلب گار ہے۔ وہ اس کو اپنی زندگی سے الگ کرنے کا اقدام کبھی نہیں اٹھا سکے گا۔ یکا یک ہی علی کے دل کی دنیا بدل گئی تھی۔ اس حسن و محبت کی دیوی کے سامنے سر تسنیم خم کر لیا تھا۔ اس اپسرا کو اپنے سارے سچے جذباتوں کا مالک اور حق وار مان لیا تھا۔ اسے اب تمام دکھوں سے بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے آنسوؤں کے جذب ہونے کے لیے اپنا دامن کشادہ کر لیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں اپنا آپ رائیل کو سونپ دیا تھا اور بہت ہلکا ہلکا ہو کر اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" رائیل کو گہری سوچ میں گم دیکھ کر علی نے پوچھا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ وہاں لندن چلی جاؤں ڈیڑی سے کہتی ہوں وہ میری ٹکٹ کر دویں یا پھر..... ۱۹۹۹ء کے گھر بھیج دیں مجھے۔" رائیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟ اب کون تمہیں بھگ کرے گا تمہارا تو نکاح

بھی ہو چکا ہے؟

لاج میں اس کے قدم پڑتے تھے۔ اس کو کھانے پینے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ ان دنوں اور اس کا بنگلہ بھی تیار ہو گیا تھا جسے وہ ڈیکوریشن کر رہا تھا آج کل۔ نوشین کی شدید خواہش تھی کہ اس کے نئے بنگلے میں اس کی بیٹی ٹینا دہن بن کر جائے اور راج کرنے راتیل نام کا کاٹا انیس علی کی زندگی سے نکالنا تھا اور یہ سب وہ تیمور اور افشین کے آنے تک کر دینا چاہتی تھیں۔

”اسی لیے جانا چاہتی ہوں نوشین مانی پھر سے کچھ الٹا سیدھا کریں گی اور میں مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہتی میرے کردار کو بے اعتبار کرنے کی کوشش کی انہوں نے اس کے بعد پچھتاہی کیا ہے؟“ وہ اپنے آنسو پیتے ہوئے دکھ سے بولی۔

”ہارمان رہی ہوا ان سے؟“

دباپ احمد کی سختی کی وجہ سے راتیل کو زیادہ تو کچھ نہیں کہہ رہی تھیں مگر اپنے رویے سے اسے مسلسل یہ باور کرانے کی کوشش ضرور کرتی رہتی تھیں کہ اس کا علی سے نکاح عارضی ہے نہ برہنہ کا رشتہ جوڑا ہے علی سے مجبوراً علی کو یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا ہے نہ وہ اس جیسی بدکردار لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق رکھنے کا بھی روادار نہیں ہے۔

”نہیں بلکہ میں نہیں چاہتی کہ وہ اپنی ہلکت سے دل برداشتہ ہو کر مزید اپنا وقار کھودیں۔ میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔“ علی نے اس کی باتیں سن کر اسے محبت و رشک دیکھ کر سہا سہا دیکھا۔

”لیکن تم کہیں نہیں جاؤ گی کیونکہ ممانی تمہارے ماما ابو کے گھر بھی کچھ غلط باتیں کر سکتی ہیں تمہارے متعلق اس طرح بات پورے خاندان میں پھیل جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر مزید کوئی کچھڑا پھولا جائے تم ڈیڈی کے ساتھ نکلی اور نولس کے ساتھ ماما ابو کے گھر ان سب سے طے ضرور جانا مگر وہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے اور کوئی پریشانی ہو تو فوراً مجھے بتانا اوکے۔“ علی نے سنجیدہ مگر دوستانہ لہجے میں کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔



علی اسلام آباد اپنے ماں باپ کے ساتھ عید منانے جا رہا تھا یہ سن کر راتیل کا دل اداں ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ عید کے دن تو وہ گھر پر ہو گا اس سے باتیں کرنے اور اسے دیکھنے کا موقع میسر آئے گا مگر وہ تو جا رہا تھا کل رات کی فلائٹ تھی اس کی اور نوشین نے علی کی والدہ اپنی منداہینہ عزیز کو فون کر کے راتیل کے بارے میں بہت غلط انداز میں بتایا اور علی سے نکاح کا قصہ بھی نمک مرچ لگا کر سنارایا۔

گھر میں عید کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ راتیل بھی نگین اور نولس کے ساتھ شاپنگ کرنے گئی تھی۔ ان دنوں سے اس کی اب گہری دوستی ہو گئی تھی اور ذوالنون سے بھی فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ راتیل ایک دو ہارنگین کے ساتھ یونیورسٹی بھی گئی تھی اور اس نے اس کی سہیلیوں کے ساتھ خوب انجوائے کیا تھا نگین اور نولس راتیل کے ساتھ بہت بے تکلف ہو گئے تھے۔ بہن بھائی والا رشتہ صحیح معنوں میں قائم ہو گیا تھا ان کے بیچ جس سے وہاب احمد تو بہت خوش تھے مگر نوشین اتنی ہی خائف اور ڈالاں تھیں۔

”آپا! اس میں علی بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے وہ تو وہاب نے اسے منع کر دیا تھا کیونکہ طلاق تو علی نے دے ہی دی ہے راتیل کو اس لیے وہاب نے سوچا کہ گھر کی بات گھر ہی میں رہے تو اچھا ہے خواہ آپ بھی پریشان ہوں گی..... میں تو مجبوراً آپ کو بتا رہی ہوں کیونکہ اس لڑکی کے تیمور مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا آپ علی کو اچھی طرح سمجھا دیجیے گا کہ وہ راتیل کو تین حرف لکھ کر فارغ کر دے بھلا وہ لڑکی ہمارے علی کے لائق تھوڑی ہے۔“

ہوئے کہا۔ "میک کہتی ہو محمد ہاب کو میرا بیٹا ہی ملا تھا۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں پھپھو سے بھی مل لوں گی۔"

"ہرگز نہیں۔" علی نے سوٹ کیس بند کیا۔

"کیوں.....؟ کیا انہیں بھی میرے آنے کی خوشی نہیں ہوگی؟"

"رائیل پلیز میرے پاس تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں ہے یوں سمجھ لو کہ وہاں بھی تمہارے خلاف ایک محاذ کھل چکا ہے اور ویسے بھی میں ایسے کیسے تمہیں وہاں لے جاسکتا ہوں! بس وہاں عید منانے جا رہا ہوں کوئی ہنی مون نہیں کہ تمہارا میرے ساتھ جانا ضروری ہو۔" علی کو ایندھن کے ٹون نے ان کے غصے اور ناراضگی نے ڈمٹرب کر دیا تھا اسی لیے وہ سارا غصہ رائیل پر نکال بیٹھا تھا۔ رائیل اس کے لہجے کی ہیزاوری اور درشتی سے بہت دل گیر ہوتی تھی۔

"تو میں نے کب کہا ہے کہ آپ ہنی مون منانے جا رہے ہیں۔ جو میرا جانا ضروری تھا اور ویسے بھی ہمارا نکاح مجبوری کا زبردستی اور چند دنوں کا ہے اس میں ایسا کچھ میں سوچ بھی نہیں سکتی... آئی ایم سوری! میں نے بہت ہی بچکانہ اور احتقانہ فرمائش کر دی آپ سے۔ اطمینان سے جائیں اور آپ کو ایڈوائس میں عید مبارک۔" رائیل نے شجیہ مگر مدہم لہجے میں کہا اور اپنی بات مکمل کرتے ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔ علی کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر رائیل نے اسے مہلت ہی نہ دی۔ علی کو اپنے رویے اور لہجے کی سختی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا اس پر ناحق اپنا غصہ نکال دیا وہ کتنی ہرٹ ہوئی تھی اس کے رویے سے یہ خیال ہی علی کو بے چین کرنے لگا۔ اس نے سوچا کہ جانے سے پہلے رائیل سے معذرت کر لے مگر رائیل اس کے سامنے ہی نہیں آئی شاید اس سے خفا تھی؟ وہ اسی بے چینی میں اسلام آباد روانہ ہو گیا۔



ذوالنون گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے ٹکین اور نونل کے ساتھ ساتھ رائیل کے لیے بھی کنفٹس خریدے تھے۔ وہ کنفٹس رکھ رہا تھا کہ کرن آگئی۔

"آیا! اسنے ہی انہوں کے کام آتے ہیں ناں اور پھر کون سا یہ مستقل بندھن ہے۔ ہم نے کسی کو نہیں بتایا مگر کی بات گھر میں ہی رہے تو بہتر ہے لوگ سنیں گے تو جانے کسی کیسی باتیں بنائیں گے؟"

"ہاں کہتی تو تم ٹھیک ہوا چھاپی آئے گا تو بات کروں گی اس سے تمہارا ڈنگلی کیسی ہے؟ امتحان کب ہو رہے ہیں اس کے؟" ایندھن نے شجیہ مگر سے کہا اور ٹکین کا پوچھنے کی دیر تھی تو شین نے اس کی تعریفوں کے ٹپ باندھنا شروع کر دیئے اتنا تو اس نے ایندھن کو سمجھا ہی دیا تھا کہ انہیں ٹکین سے اچھی بہو نہیں مل سکتی۔

"علی تم نے ایک کال کر ل کر اپنا نام دے دیا شرم نہیں آئی تمہیں! رائیل جیسی بے حیا لڑکی سے نکاح کرتے ہوئے کیا ہو گیا ہے تمہاری سوچ کو۔" ایندھن سے تو صبر ہی نہ ہوا۔ علی کو فون کر کے شخص اور جو منہ میں آیا بولتی چلی گئیں۔ علی پریشان تھا کہ ان کو رائیل اور ان کے نکاح کا کس نے بتایا؟

"ای پلیز! آپ کو کسی نے بہت غلط بتایا ہے رائیل ہرگز ایسی نہیں ہے میں گھر آ کر آپ کو ساری بات بتاؤں گا تب تک آپ اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیں۔" علی نے بہت محنت سے جواب دیا تو انہوں نے فون بند کر دیا۔

"آ خر ممانی کو کیا ملے گا یوں سب کا سکون برباد کر کے؟" وہ خود دکھای کرتے ہوئے اپنا سامن پیک کر رہا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی اس کے اجازت دینے پر دروازہ کھلا اور رائیل اندر چلی آئی۔

"اسلام علیکم! رائیل نے اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام خیریت تم یہاں؟"

"جی خیریت ہے آپ اسلام آباد جا رہے ہیں۔"

"ہاں عید کے لیے جا رہا ہوں گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

ایک ذیہ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ
بھگتی آواز میں بولی۔

”کچھ نہیں لائے تم میرے لیے یہ تمہاری راتیل کا
گفٹ ہوگا جواب مجھے بہلانے کے لیے دے رہے ہو۔“
”راتیل کا گفٹ میں کسی کو نہیں دے سکتا سمجھیں اور
اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی تم میری دوست ہو اور تمہارے
لپے میں نے یہ بینگلز خریدے ہیں یہ دیکھو ڈے پر تمہارا
نام بھی لکھا ہے کرن۔“ ذوالنون نے اسے ڈبے پر لکھے اس
کے نام پر انگلی رکھ کر دکھاتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے
ہوئے ذیہ لے لیا۔



”وہاب لاج“ میں بہت عرصے بعد اتنی پر رونق اور
خوش گوار عید منائی جا رہی تھی جہاں سبھی ایک دوسرے کے
ساتھ ہنسی خوشی موجود تھے۔ قربانی کے بعد عین اور راتیل
نے شنوار یواچی کے ساتھ مل کر رکن میں پکوان پکائے
ذوالنون نے بھی ان کی مدد کی رات کو لان میں پارٹی کیو کا
انتظام کیا سبھی بہت انجوائے کر رہے تھے۔ راتیل کو ماما
پاپا نیل اور علی کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ماما پاپا
اور نیل کا فون آ گیا تھا۔ راتیل نے انہیں عید کی اور ماما پاپا کو
حج کی سعادت حاصل کرنے پر مبارک باد دی۔ ایک علی
سے بات نہیں ہوئی تھی اس کا فون تو آیا تھا مگر علی نے سبھی
سے بات کی بھی سوائے راتیل کے کچھ اور نہ سہی کرن
ہونے کے ناطے ہی عید مبارک کہہ دیتا۔ نوشین کو ضرور خوشی
ہوئی تھی کہ علی نے راتیل سے بات نہیں کی اور راتیل کا
دل بچھ کر رہ گیا تھا۔ رات کو سونے کے لیے یعنی تو علی کی
وجیہ شخصیت اس کی آنکھوں میں آسمانی تھی اور ساتھ ہی
آنسو بھی بہہ نکلے تھے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی
کہ میں تو علی سے بہت پیار کرنے لگی ہوں اور علی کیا
انہیں بھی مجھ سے محبت ہے؟

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



”مگر چار ہے ہو؟“ کرن نے اسے دیکھتے
ہوئے پوچھا۔

”ہاں اور بہت ایکساٹینڈ ہوں مئی ڈیڈی زوفل نگلی اور
نانی سوٹ کرن راتیل سب سے ملاقات ہوگی ان شاء
اللہ اینڈ آئی شیور اس بار ہم عید پر بہت انجوائے کریں گے
میں نے سب کے لیے گفٹس بھی خریدے ہیں۔“
ذوالنون نے خوشی سے بھر پور لہجے میں بتایا۔
”راتیل کے لیے بھی۔“ کرن نے شاکی نظروں سے
اسے دیکھا تو وہ اس کی کیفیت اور اس کے لہجے کی چھین کو
محسوس کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں راتیل کے لیے ایک ڈریس ایک جیولری
سیٹ اور ہینڈ بیگ خریدا ہے اسے یقیناً پسند آئیں گی
یہ سب چیزیں۔“
”تمہیں لیڈیز شاپنگ کا بہت تجربہ ہے۔“

”ہاں جب میں لندن میں تھا تو خالہ اور راتیل
کے ساتھ اور بھی نیل بھائی کے ساتھ شاپنگ کرتا تھا۔
راتیل کی پسند ناپسند کا بھی مجھے پتا ہے۔“ اس نے
تفصیل سے بتایا۔
”سب کے لیے گفٹس خریدے ہیں میرے لیے
تو کچھ نہیں خریدا ہوگا نا۔“ کرن نے بچوں کی طرح
منہ پھلا کر کہا۔

”نہیں خریدنے لگا تھا پھر یہ سوچ کر نہیں خریدا کہ اگر
ایک بار گفٹ دے دیا تو تم ہر عید پر مجھ سے گفٹ کی آس نکا
کے چہرہ جاوگی۔“ ذوالنون نے شرارت سے کہا۔
”دفعہ ہو جاؤ تم تمہیں تو کسی کا دل رکھنا بھی نہیں آتا۔“
”تتا برا سوچتے ہو تم میرے لیے میں اتنی گئی گزری ہوں
تمہاری نظر میں تم۔“ کرن نے اسے دذوں ہاتھوں
سے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔
ذوالنون کھبرا گیا۔

”او کم آن کرن میں تو مذاق کر رہا تھا یا تم تو بچوں کی
طرح رونے لگیں دیکھو میں تمہارے لیے بھی کچھ لایا
ہوں۔“ اس نے جلدی سے اپنے سفری بیگ میں سے



www.paksociety.com



پانی کی ضرورت ہے محبت کے شجر کو
 پتھر پر کبھی پیڑ اگائے نہیں جاتے
 احساس اگر ہو تو وفا پھولے پھلے گی
 دستور محبت سکھائے نہیں جاتے

”اوہوما! میں بھی کتنا بھلکدو ہو گیا ہوں! ابھی یاد آیا سونو
 کے سر میں صبح سے درد تھا تو میں نے ہی اسے فون پر یہ
 مشورہ دیا کہ دروازے پر ڈونٹ ڈمٹرب کا بورڈ لکھ کر لگاؤ
 اور مزے سے سو جاؤ تاکہ کوئی ٹھک نہ کرے غلطی میری
 ہے کہ آپ لوگوں کو بتانا بھول گیا۔“ شاہ مراد نے ماں کا موڈ
 ٹھیک کرنے کے لیے بات مٹائی۔

”ہا..... ہا بیٹا جی! ابھی سے یہ حال ہے تو شادی کے
 بعد جانے تمہارا کیا سببے گا؟“ ان کی نگاہوں کی کات نے
 شاہ مراد کو پانی پانی کر دیا مگر کیا کرتا اس کے لیے سونیا کا
 وجود لازم و ملزوم تھا اس کے بغیر جینا..... مشکل..... بہت
 ہی مشکل..... شاہ نے جھرمجھری سی لی۔ رخصتی کو اس لمحے
 بنی کی ہٹ دھری پر شدید غصہ آیا مگر تند کے سامنے منہ
 تھم لے کر مطلب بات کو مزید طول دینا تھا۔

”اچھا ماما! اب ہم چلتے ہیں، سونو کی طبیعت ٹھیک
 ہو جائے تو اسے یاد دلائیے گا کہ اسے امی کے ساتھ
 شاپنگ پر جانا ہے آپ اس کے ساتھ پروگرام سپٹ کر کے
 امی کو فون پر بتا دیجیے گا۔“ شاہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا
 اور اپنے گھسنے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے اٹھ
 کھڑا ہوا۔

”سونیا کو پہلے سے بتا دینا تاکہ میں جس دن اسے
 شاپنگ کے لیے لینے آؤں وہ پہلے سے تیار ہے، یہ نہ ہو
 کہ جب میں آؤں تو دروازے پر کبھی سختی دوبارہ لگی ہوگی
 اندر نہیں آؤں گی، اسے باہر سے ہی پک کر لوں گی، ہم
 لوگوں کا وقت ضائع نہ ہو۔“ تمیرا نے بڑے مرے دل

”ارے ماما! یہ سونو کا کون سا تیا ڈرامہ ہے؟“ شاہ مراد
 کا قبضہ بڑا فطری اور زوردار تھا، ہمیشہ کی طرح رخصتی اس کی
 خوش مزاجی کا ساتھ دینے کے بجائے اپنی جگہ جھرمجھری بن
 گئیں۔ اس پر تمیرا کے ماتھے پر پڑنے والے ان گنت بل
 شرمندگی نے بری طرح سے آٹھیرا یہ اولاد بھی کبھی کبھی
 انسان کے لیے کیسا امتحان ثابت ہوتی ہے۔

”بس بیٹا! میں کیا کہوں تمہیں تو اس ضدی لڑکی کا پتا
 ہے۔“ انہوں نے قریب بیٹھے شاہ مراد کو دھیرے سے
 صفائی دیتے ہوئے اتھاکی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”بس رہنے دو رخصتی کیا ہم سمجھتے نہیں جب سے سونیا
 سے شاہ مراد کے رشتے کی بات اوپن ہوئی ہے، محترمہ کے
 مزاج ہی نہیں مل رہے وہ تو اہاجی کی خواہش تھی اور نہ وہ کیا
 سمجھتی ہے کہ میرے بیٹے کو رشتوں کی کوئی کمی ہے۔“ تمیرا
 کیوں کسی سے دتی وہ رخصتی کی نند ہونے کے ساتھ ساتھ
 سمرن بننے جا رہی تھی۔ سونو سے محبت اپنی جگہ پر
 دروازے پر لٹکتے سفید کارڈ کو دیکھ کر جل بھن گئی فوراً ہی
 بھابی کے لئے لے ڈالے۔

”تمہیں تمیرا ایسی تو کوئی بات نہیں واصل سونو کی
 طبیعت آج صبح سے خراب بنا ہی لیے شاید.....“ جموں
 بولتے ہوئے زبان لڑکھرائی تو انہوں نے لداو طلب
 نگاہوں سے شاہ مراد کو دیکھا وہ مسکرا کر پیاری ماما کی مدد کو
 میدان میں کود پڑا پھر بات سونو کی تھی جس کی چاہ میں وہ
 کسی اونچے پہاڑ سے بھی کود سکتا تھا برساتھ میں وہ بھی تو
 کودے شہزادی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوگئی۔

سے بیٹے کی یاد دہانی پردہ ہات کی جس کی وجہ سے وہ یہاں آئی تھی تاکہ مل بیٹھ کر پروگرام سیٹ کیا جائے، پر سونیا کے یوں کمرہ بند کر کے بیٹھنے پر ان کا مؤذخت آف ہو گیا تھا۔ رخصتی نے اثبات میں سر ہلایا، منہ کا غصہ جائز ہی لگا، سولو نے کام ہی ایسا کیا تھا۔

”اچھا ماما! پریشان مت ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ شاہ مراد کو بچپن سے ہی کم گو اور معاملہ فہم چھوٹی ماما سے کچھ خاص انسیت محسوس ہوتی آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

”سونیا سے بات کرنی ہی پڑے گی۔“ رخصتی نے خیالوں میں کھوئے کھوئے منہ کو دوا دازے تک چھوڑا۔

”ایک بات کہوں رخصتی بیٹی کو اتنا سرنہ چڑھاؤ کہ پرانے گھر جا کر اس کا گزارا مشکل ہو جائے۔“ حمیرا کے الفاظ تیر کی مانند رخصتی کے دل میں پوست ہوئے ملب پہنچ کر رہ گئیں۔

”مئی! پلیز اس میں ماما کا کیا قصور؟“ شاہ مراد کی آنکھوں میں احتجاج کے ساتھ لہجہ سوالیہ ہو گیا۔

”چلو۔“ انہوں نے نگاہ اٹھا کر اپنے خور ہو بیٹے کو گھورا، گورا چٹا، براؤن آنکھوں اور براؤن بالوں والا شاہ مراد جس کے چہرے پر رہنے والی نرمی اس کی وجاہت میں اضافہ کرتی، غصہ ایک دم پیار میں بدل گیا، تنی ہوئی بھنویں، معمول پر آئیں۔

”اس لڑکی میں بچپنا بھی تو بہت ہے، ہوگئی ہوگی شاہ مراد سے کسی بات پر کھٹ پٹ ورنہ ہمارا خون اتنا بد لحاظ تو نہیں۔“ حمیرا کی ایک عادت اچھی تھی، وہ ناریل جھسی تھیں، اوپر سے کڑک اندر سے نرم، اسی لیے دل نوراصاف کر لیتی تھی۔

.....☆☆☆.....

”ماما! آپ یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہیں؟“ سونیا، نہا کر لان میں جائے کا گگ تھا سے داخل ہوئی تو ماں کو لان چیمیز پر سوچ میں گم بیٹھا پایا۔ رخصتی نے سراٹھا کر دیکھا سروقت، چیمیزی رنگت والی سونیا کی منہری آنکھوں کو کاجل کی ڈوری

نے سحر انگیزی بخشی، کمر سے نیچے جاتے ہوئے لمبے گھنے بالوں سے موتی کی طرح ٹپکتا پانی، جو گلیے ہونے کی وجہ سے باندھے نہیں گئے تھے رخصتی نے نظریں ہٹائیں۔

”سولو! چلو دو پٹا سر پر لو۔“ انہوں نے چاروں قبل پڑھ کر اس پر پھونکتے ہوئے نصیحت کی۔

”ماما! مجھے پتا ہے۔ آپ مجھ سے زیادہ دیر ناراض رہ ہی نہیں سکتی۔“ سونیا ماں کی محبت پر کھل ہی آئی، ماں کے گلے لگ کر کھن کی پوری ٹمکے صرف کی رخصتی کی ناراضگی پھر عود آئی۔

”تنتنی دفعہ کہا ہے کہ جب تمہاری حمیرا پھوپھو اور شاہ مراد آیا کریں تو کمرے سے نکل کر ان سے میز کے ساتھ ملا کر، پر تم پر تو کوئی اثر ہی نہیں ہوتا جس کہتی ہوں وہ تمہاری ہونے والی ساس ہیں کچھ تو خیال کرو۔“ بیان کی اچھائی ہے کہ وہ رشتے داری کی وجہ سے یہ نخرے برداشت بھی کر دیتی ہیں، کہیں فیروں میں رشتہ ہوا ہوتا تو دوسرے دن ہی نوٹ چکا ہوتا جانتی ہو تمہارے یوں کمرہ بند کر کے بیٹھنے پر وہ کتنا ناراض ہو کر گئی ہیں۔“ رخصتی جو بہت دیر سے بھری بیٹھی تھی بیٹی کے پوچھنے پر الٹ پڑیں، سونیا نے ماں کی حقیقت پسندی کو سلام پیش کیا اور کھسیا کر فیس دی۔

”انہو! ماما اگر میں وہ کارڈ نہیں لگاتی تو آپ کا لاڈلا شاہ کا بچہ دال کچا میرے کمرے میں کھس کر دماغ چاٹنے لگتا، پھوپھو کی تو آپ رہنے ہی دیں ان کی عادت ہے چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر میرے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔“ سونیا نے بے پردہ لائی سے اپنے بالوں کو سمیٹا اور پچر لگایا، ہوا سے تھیں منہ پر آ رہی تھیں۔

”سولو! میں دیکھتی ہوں کہ میری نرمی کا تم بے جا فائدہ اٹھا رہی ہو، اگر تمہارے پاپا کے کانوں میں بھٹک بھی پڑ گئی کہ تم نے حمیرا کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، تو تمہارا دماغ ٹھکانے لگاؤں گے ساتھ میں مجھے بھی خوب سنا میں گئے پتا ہے نا اپنی اکلوتی بہن کے معاملے میں وہ کتنا پیٹی ہیں۔۔۔۔۔ ویسے بھی حمیرا نے کبھی تمہیں غلط نہیں ڈانٹا جو بھی کہا تمہارے بھلے کے لیے ہی کہا۔“ رخصتی کو اچھی طرح

اندازہ تھا کہ بیٹی کی جان باپ کے خوف سے نکلتی ہے اسی لیے ظفر اقبال کا نام لے کر ڈرنا دیا۔ ویسے بھی وہ ان ماؤں میں سے نہیں تھی، جو بچوں کے دلوں میں سسرال والوں کے خلاف کدورتیں پالتی ہیں۔

”لوہ! ممانی وہ کیا کہتے ہیں..... کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے تو بس اس شاہ کی وجہ سے مجھے پھوپھو کو لگھی اگور کرنا پڑا۔“ سونیا نے مسکرا کر ماں کو گلے لگا کر منانے کی ایک اور کوشش کی۔

”بیٹا! آخر ایسا کب تک چلے گا تم لوگوں کی باجائے منگنی ہونے والی ہے مگر تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے، کیا کی ہے شاہ مراد میں، اگر ابھی حیر اس کے لیے ایک لڑکی ڈھونڈنے نکلے تو کھڑے دم ہزاروں مل جائیں گی، مراد بھائی کا اپنا اتنا بڑا بزنس ہے پڑھا لکھا پنڈت سم اور اکلوتا لڑکا اس دور میں ایسے لڑکوں کی تو بہت ڈیمانڈ ہے۔ دور کیوں جائیں تمہارے چھوٹے چاچا اظہر نے خود اپنے منہ سے حیر کو آفر دی کہ کہ اگر اقبال بھائی یہ رشتہ نہ کرنا چاہیں تو میں شاہ کو اپنا داماد بنا لوں گا۔“ رخشی نے اسے سمجھ کی بجائی تھمائی چاہی تاکہ وہ اپنی عقل کا تالا کھولے پرسونیا تو سونیا ہے وہ ہی ڈھاک کے مٹن پات۔

”اچھا..... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے پھوپھو کو چاہیے فوراً ہی اس موٹی کے لیے ہاں کر دیں ویسے بھی بیٹی ہی شاہ سے میرے سارے بدلے لے لے لگا اتنا ہونگ کرے گی کہ اس کا بینک اکاؤنٹ زبرد ہو جائے گا۔“ سونیا نے ہنستے ہوئے اپنے تئیں مسخری کی پرماں کا غصہ دیکھ کر منہ بسور کر بیٹھ گئی۔

”اظہر کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا کیوں کہ شاہ مراد ایسا نہیں چاہتا اور حیر کو لگھی مرحوم باپ کی خواہش کا پاس ہے ورنہ تمہاری ترکیں لکھی ہیں کہ یہ رشتہ ختم ہونے میں دو منٹ نہ لگیں۔“ رخشی نے پیار سے بیٹی کے بالوں کو سنوارتے ہوئے نرمی سے سمجھانا چاہا، سونیا نے گلابی ہونٹوں کو بے دردی سے کاٹتے ہوئے سر ہلایا۔

”ممانی پلیز یہاں بھی آپ سب نے اس وال وال

کہنے کی بات کو ہی اہمیت دی تاکہ وہ نہیں چاہتا اس لیے یہ رشتہ قائم ہے۔ کبھی کسی نے میری چاہ کا سوچا میں شاہ کے ساتھ شادی کے لیے مری نہیں جا رہی۔“ سونیا کا لہجہ ایک دم گھوگیر ہو گیا۔

”اسکی بات نہیں ہے بیٹا! پر ہم سب نے مل کر جو فیصلہ کیا وہ تم دونوں کی بھلائی میں کیا اسی میں ہمارے خاندان کی بقاء بھی ہے۔“ رخشی نے بیٹی کی نم آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ممانی یہ ہی بات تو مجھے کانتی ہے خاندان کی بقاء یہ خشکیرے کی مانگ، پچھن کی منگ ونگ نرمی جہالت اتنا ترتی یافتہ ہونے کے باوجود آپ لوگ ابھی تک ان فضول رسم و رواج کو لیے بیٹھے ہیں میں کوئی بھیڑ بکری تھوڑی ہوں کہ آپ کے خاندان کو جوڑے رکھنے کے چکر میں بھیٹ چڑھا دی جاؤں۔ میں آج کی پڑھی لکھی ہاشور لڑکی ہوں جس کی اپنی بھی کوئی پسند ناپسند ہے۔“ وہ غصے میں کھڑی ہو گئی۔

”کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ ایسا ہے بھی تو اس بات کو ہمیشہ کے لیے ہمیں دفن کر دو ورنہ بہت سے طوفان اس گھر کا راستہ دیکھ لیں گے۔“ رخشی نے بے مروتی سے بیٹی کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

”ممانی ایک فضول ہی بات کے لیے آپ کا اپنی بیٹی پر سے اعتبار اٹھ گیا، آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میں نے جو اس بات کے خلاف آواز اٹھائی ہے تو وہ کسی اور کی محبت میں..... نہیں ممانی ایسا بالکل نہیں بس میرا نقطہ نظر اتنا سا ہے کہ جب ہمارے مذہب نے بھی شادی کے لیے لڑکے اور لڑکی کو پسندیدگی کا حق دیا ہے تو پھر آپ لوگ یہ رشتے پالنے میں کیوں غلے کر دیتے ہیں؟“ سونیا کی جذباتی تقریر نے رخشی پر کوئی اثر نہیں کیا اسے سونو کی بھلائی مقصود تھی سونیا کی اتنی عمر بھی نہ تھی جتنے وسیع تجربے سے وہ گزر چکی تھی۔ اس نے شاہ کی صاف شفاف آنکھوں میں سونیا کے لیے گہری، سچی، پانی جھسی مسخری محبت ہلکورے لگی دیکھی تھی۔ پرسونو کا بس چلتا تو

سے کھل جائے، شاہ کی پسند آتی ہلکی ہو ہی نہیں سکتی ہے، اس کے کردار کی مضبوطی نے ہی تو اس کے حسن کے گرد کشش کا ہالہ کھینچا تھا۔ اس کی محبت اور زندگی نے ہمیشہ اپنی ذات کے تقدس کا خیال رکھا اور نہ شاہ مراد جب سے ایم بی اے کمنٹ کر کے باپ کی فیکٹری میں جی ایم بنا جہاں جاتا وہاں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا، سو نیا میں بس ایک ہی برائی تھی۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی سادہ لوحی وہ ڈرتا تھا کہ کسی دن دنیا کے ہاتھوں اسکی چوٹ نہ کھا بیٹھے کہ ازالہ مشکل ہو جائے۔ وہ سو نیا کے معاملے میں غیر معمولی حد تک جا کر حساسیت کا شکار ہونے لگتا۔ محبت میں حساسیت نہ ہو تو وہ محبت نہ ہوئی..... محبت تو اس بہار کا نام ہے جو خزاں رسیدہ چوں کو بھی ہرا بھرا کر دیتی ہے۔

"سونو پیڑ! جو بھی فیصلہ کرنا یہ سوچ لینا کہ تمہارے منہ سے نکلنے والی ایک نہ میرے جسم سے جاں نکل دے گی۔" وہ گھر کے سامنے اترنے لگی تو شاہ نے اپنے بھاری مردانہ ہاتھوں سے اس کے سفید نرم دماغ ہاتھوں کو تھام کر التجائی۔ سونو کا دل اس کی طرف لپکا مگر اس نے ناگواری کا خول چڑھا کر شاہ کو گھورا مگر وہ اتنے دل کش انداز میں اسے دیکھنے میں مصروف تھا کہ سو نیا کی دل کی دھڑکن بے قابو سی ہوئی پتلیں لرزنے لگیں دل فریاد کر اٹھا پر اس نے کان نہ دھرنے کا فیصلہ کیا۔ غصے سے گاڑی کا دروازہ بند کیا اس کی طرف دیکھے بغیر بھاگ کھڑی ہوئی اندر کی کیفیت سے باہر نکلنے کے لیے جلدی سے دروازے پر لگی پتل پر انگلی رکھ دی۔

شاہ نے اس کے چہرے پر قوس قزح کے بکھرے رنگوں کو اپنی نگاہوں میں جذب کیا اور مسکراتا ہوا زن سے گاڑی بھنگا لے گیا۔ دل بہت خوش تھا محبت ہر شے میں جلوہ گر دکھائی دی دنیا محبت کے گرد گھومتی نظر آئی اسے محبت کا احساس کیا ہوا لگا کہ زندگی جگمگاتی ہو، محبت ختی نہیں دل میں ہستی سے بروہ دوسرا رخ بھول بیٹھا، محبت کے لیے سازشیں بھی کی گئیں دشمنیاں بھی پالی گئیں تخت دتاج بھی چھینے گئے۔

سے شادی کرنے کی بات کی تو وہ خوب نہیں اور میرا ایک کان پکڑ کر بولیں۔ جیٹا جی وہ تو بچپن سے ہی تمہارے نام پر بک ہے اب تو ذلیوری گھرا لے کا وقت قریب ہے۔ میں تو امی کی یہ بات سن کر اسی وقت بھنگڑا ڈالنے لگا پھر وہ بولیں کہ ہم سب سو نیا کے امتحان ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ دھوم دھام سے رسم ادا کر کے تم دونوں کی منگنی باقاعدہ طور پر اناؤنس کر دی جائے۔ یہ تھی ساری بات اب بھی تمہیں کوئی شک ہے؟" شاہ مراد نے اپنی خوشی شہر کرتے ہوئے سوال کیا۔

"ہونہہ....." کیا یہ سچ بول رہا ہے؟ اتنی سنجیدگی سے ایسا مذاق کر نہیں سکتا سو نیا اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔

"اب جتاؤ مجھ سے شادی کرو گی؟" شاہ نے ایک ہاتھ سے گاڑی سنبھالی اور دوسرے ہاتھ سے ایک گلاب پیش کرتے ہوئے اسے پر پوز کیا گھمبیر لہجہ، پیار بھری مدہوش آنکھیں، چہرے پر چھائی سچی خوشی کی چمک اور شاہ کی خصوصیات خوشبو اس پر پر پوز کرنے کا پورا انداز ایک لمحہ کو تو سونو کا دل بھی اس کی سنگت کے لیے تھل اٹھا پر وہ ہی ازلی ضدی پن انا اور لفظ 'بک' نے تو جیسے تن بدن میں چنگاریاں سی بھردیں۔ میں کیا کوئی بے جان چیز ہوں؟ جس کی برسوں پہلے بگنگ کر دی گئی ہو۔ منشی سوچوں کی بوچھاڑ نازک سا دل..... فوراً سر جھٹک کر اس کی شخصیت کے زخموں سے باہر نکل آئی۔

"بک . آپ کا . . . بک ہونے سے کیا مطلب ہے؟ میں کوئی چیز ہوں کہ میری بگنگ کر دی گئی، جی نہیں..... صاحب میں اس دور کی ایک باشعور لڑکی ہوں، میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے۔ زبردستی کا تو سوال ہی نہیں ہوتا، ویسے بھی میں جب تک مما سے نہ پوچھ لوں، آپ کی بات پر یقین نہیں کروں گی۔" اس کے شکھے انداز اور گلابی ہونٹوں سے مسلسل ہونے والی گولہ باری پر شاہ کی ہنسی چھوٹ گئی، سونو کی ان ہی اداؤں نے اسے یوانہ بنایا ہوا تھا وہ کوئی عام سٹلٹی سی لڑکی نہیں تھی جو ان جذبوں کی حدت

کے خلاف ہوئی تو بھوک ہڑتال سے بھی گریز نہیں کرے گی اکلوتے بچے کبھی کبھی والدین کی بے جا محبت کا ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں۔

"شاہ مراد! تم سے تو میں صحیح معنوں میں نمٹوں گی! ایسی بھی کیا بے صبری؟ یہ لڑکا اپنا معاملہ خود بگاڑے گا پھر مایا مایا کر کے میرے پیچھے حوسے گا۔" انہوں نے دانت کچکچا کر دل ہی دل میں شاہ مراد کو مخاطب کیا وہ سونیا کی فطرت سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے طریقے سے سمجھاتیں پر شاہ نے جذباتیت دکھا کر کلباڑی خود ہی بیروں پر مار لی تھی۔

"نومما! تو پہلے مجھے پوری بات بتائیے اس کے بعد ہی میں کچھ کھانے پینے کا سوچوں گی۔" اس نے قطعیت سے کہتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم ہاں کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھالیا۔

"بیٹا! بات یہ ہے کہ شاہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا تم واقعی اس کی ٹھیکری سے کی ماٹنگ ہو۔" رخش نے دھیمے سے اسے بتایا۔

"مما! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں.....؟ میں آپ لوگوں پر اتنی بھاری ہوئی تھی کہ میرے بڑے ہونے کا انتظار بھی نہ کیا، پالنے سے ہی مجھے فضول رسم و رواج کے بھیٹ چڑھا دیا۔" سونیا ایک دم جذباتی ہو گئی دل میں درو کی اسکی لہر اُچی کہ: کچھ سے آنسو بہہ نکلے یہ سوچ کر و مانغ بھٹنے لگا کہ شاہ کے سامنے تو بڑی شیخیاں مار آئی پر اس کا احتقاق بھرا انداز بڑا وجہ تھا نہ اپنا آپ بے مایہ ہلاکار حقیر لگا۔

"سوؤ میری جان! جیسا تم سوچ رہی ہو ایسی بات بالکل نہیں اصل میں تمہاری پیدائش پر اباجی نے ہی تم دونوں کی مکنتی کا اعلان کر دیا تھا، شاہ اس وقت پانچ سال کا تھا۔ اباجی کینسر میں مبتلا تھے ڈاکٹر نے جواب دے دیا تھا ہم سب ان کو اسپتال سے گھر لے آئے تو انہوں نے تمہارے پاپا اور حمیرا سے یہ بات کی اس وقت حالات ہی ایسے ہو گئے کہ ان کی آخری خواہش سمجھتے ہوئے کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ عام حالات ہوتے تو تمہارے پاپا

"مما! یہ شاہ کا بچہ والی والی کچا کیا فضول قسم کی باتیں کر رہا ہے؟" سونیا نے بیگ سائیز ٹیبل پر رکھا، کالا کالا کون اتار کر کرسی کے ہتھے پر رکھا اور ماں کے پاس کچن میں پہنچے ہوئے بری طرح سے ہانپ اٹھی۔ بعض دفعہ باہر والوں سے لڑنے کے مقابلے میں خود سے جنگ کرنا زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔

"ارے..... یہ کالج سے گھر کے راستے کے بیچ میرا شاہ کہاں سے آ گیا؟" رخش نے پیار سے بیٹی کو پانی کا گلاس پکڑ لیا متضاد جذبوں کی لہکی پورش چھائی کہ پسینہ پسینہ ہو گئی چہرہ الگ غصے کے مارے سرخ نما ز بن گیا، رخش نے پیار سے بیٹی کو دیکھا جو ڈانٹنگ ٹیبل کی کرسی پر دم سے بیٹھ گئی۔

"وہ مجھے پک کرنے کا کالج آیا تھا بڑی شوہار رہا تھا کہ میں اس کی منگ ہوں بچپن سے اس کے نام پر 'بک' ہوں وغیرہ..... وغیرہ مجھے تو اس کی باتوں پر یقین ہی نہیں آیا جھوٹا کہیں کام میں نے بھی جتا دیا کہ میری زندگی کا اتنا اہم فیصلہ میرے من پاپا مجھ سے پوچھے بغیر کر ہی نہیں سکتے ٹھیک کہا نا؟" اس کی اتنی طویل سبالتہ آرائی پر مبنی بات کے ختم ہو جانے کے باوجود رخش کی خاموشی پر اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"بتائیے! ممما! میں نے غلط تو نہیں کہا نا؟" سونیا نے جلدی جلدی پانی کا گلاس خالی کیا اور سوچ میں کھوئی ہوئی ماں کا چہرہ اپنی طرف موڑ کر سوال کیا، رخش نے بیٹی سے نظریں چرائی اور مڑ کر ساں گرم کرنے لگی۔

"مما! آپ چپ کیوں ہیں کیا وہ ٹھیک کہہ رہا تھا؟" سونیا نے پھر پوچھے۔

"چلو ایسا کرو پہلے تم کھانا کھا لو پھر ہم دونوں آرام سے بیٹھ کر اس بارے میں بات کریں گے میں نے تمہارا پسندیدہ لوکی گوشت اور منر بلاڈ پکایا ہے۔" رخش بیٹی کی ضدی طبیعت سے واقف تھی اسی لیے فی الحال اسے دوسری طرف تھماتا چاہا۔ جانتی تھی کہ اگر بات اس کی مرضی

بات کا فسانہ بن گیا وہ کیا کہتے ہیں..... نکلی بر باد گناہ لازم۔" رخصتی نے جلدی جلدی بات سنبھالی چاہی تاکہ شاہ کے خلاف سونو کے دل پر چھایا غبار صاف ہو سکے۔

"مما! آپ شاہ کی محبت میں چاہے کوئی بھی صفائی پیش کریں، میں یہ بات بھول نہیں سکتی کہ سب نے زندگی کے اس اہم معاملے میں اسے فوقیت دی اور مجھ سے یوار سے لگا دیا اور ہاں پھوپھو کو ابھی منگنی کا دن مقرر کرنے سے منع کر دیں، ابھی میں ذہنی طور پر اس بات کے لیے تیار نہیں۔" سونو نے بچوں کی طرح منہ بنا کر ماں کو فیصلہ سنایا اور اٹھ کھڑی ہوئی، بیٹی کے تیرد نے رخصتی کے ہاتھ پاؤں پھلادے تھے۔

"سونو جانو! ساری عمر میں نے سسرال والوں کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے نبھا کیا اب تم یوں واویلہ بچا کر کیوں سر پر خاک ڈلوادو گی، شاہ بہت اچھا لڑکا ہے وہ تمہیں خوش رکھے گا بیٹی غصہ تمہوک دو میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اس کے ساتھ ایک بھر پور زندگی گزارو گی اور ماں کا دل بھی جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔" انہوں نے بیٹی کا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا۔ اسے پیار سے منانے کی کوشش کی..... ان کی آنکھیں بھر آئیں۔

"آپ مجھتی کیوں نہیں اس نے بچپن سے اب تک مجھے بہت ستایا ہے، آگے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔" سونو نے ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو دھیرے سے کہا رخصتی بیٹی کے خود ساختہ اندیشوں سے ہلبللا اٹھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے اب میں کچھ نہیں کہوں گی تمہارے پاپا ہی اس معاملے میں تم سے نہیں گے،" دینے کو تو انہوں نے یہ دمکی دے دی مگر جانتی تھی کہ ظفر اقبال کے سامنے ان کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی پودے گھر کو بھونچال کی زد پر لے آئے گا۔ ظفر اقبال لاکھڑم طبیعت کے کئی پر اپنی زبان اور اصولوں کے معاملے میں خاصے بد لحاظ اور بے لچک ہو جاتے۔

"ابھی تو غصے میں ہے، چند دنوں میں خود ٹھیک ہو جائے گی۔" سونو کا چہرہ اتر گیا وہ خاموشی سے اپنے

کبھی نہیں مانتے جانتی ہونا وہ تمہارے معاملے میں کتنے روشن خیال ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کوئی بیٹا! ایسے وقت میں اپنے باپ کو کیسے مایوس کرنا، حیرانے بھی باپ کی بات پر سر جھکا دیا، ہم سب ایسی پوزیشن میں بھلا کیا بولتے ان کی خوشی کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ تمہارے پاپا نے سب کو تاکید کر دی کہ گھر کی بات گھر تک ہی محدود رکھی جائے۔ یہ بالکل نہیں چاہتے تھے کہ اس بات کی بھٹک تم لوگوں کے جوان ہونے اور شاہ مراد کے کسی قابل بننے سے قبل پہنچیں اور تم دونوں پر دعائی لکھائی میں دل لگانے کی جگہ فضول قسم کے خرافات میں پڑ جاؤ۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر بیٹی کو اصل بات بتائی، سونو خاموشی سے ماں کو تنکے لگی پھر اس کے دماغ نے ایک اور صلاح دی۔

"ماما دادا جی کے فیصلے کے آگے سب مجبور ہو گئے پر شاہ مراد کو پہلے یہ بات کیوں بتائی گئی، مجھ سے صاف چھپایا گیا ہاں، بھئی وہ مرد ہے، تا اسے بولیت دی گئی میں لڑکی ہوں اس لیے مجھ کو کسی قابل ہی نہیں سمجھا حالانکہ یہ صرف اس کا ہی نہیں میری زندگی کا بھی بہت اہم معاملہ تھا پر اس کو پہلے اعتماد میں لیا گیا اس نے مجھے پسند کر لیا، تو سب منگنی کی تیاری میں لگ گئے اور فرض کریں اگر وہ انکار کر دیتا تو اس وقت آپ لوگ کیا کرتے؟" سونو نے طیش میں بلا سوچے سمجھے اپنے حساب سے معنی اور مطلب ڈھونڈ نکالے۔ وہ شاہ کو نا پسند نہیں کرتی تھی اگر ویسے ہی اس سے پوچھا جاتا تو شاید وہ انکار نہ کرتی مگر ان حالت کے تحت جس طرح اسے مجبور کیا جا رہا تھا وہ ناقابل برداشت لگ رہا تھا منگی سوچوں نے سارے راستے مسدود کر دیے تھے۔

"ہیں..... ہیں لڑکی کیا بکے جا رہی ہو ہوش میں تو ہو جیسا الناسید ہا تم سوچ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ارے حیرا نے تو مجھ سے کافی دن پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں بھی مادوں مگر میں نے ہی تمہارے امتحانات ختم ہونے کے انتظار میں اپنا منہ بند رکھا، قابل ایگزام کی تیاری کے دوران تمہارا دھیان دوسری باتوں میں لگانا کیا صحیح ہوتا؟ بس اتنی سی

کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ انہوں نے اپنی ناز و دنیا پادری بیٹی کو جاتے دیکھا اور سوچا مگر اس نے تو جیسے پودے گھر سے کنارہ کشی اختیار کر لی، ماں سے بات چیت گم کر دی صرف باپ کے سامنے اپنے آپ کو نائل ظاہر کرتی ورنہ ڈونٹ ڈسٹرب کی سختی اپنے دروازے پر لگا کر اندر پڑی رہتی۔ شاہ بھی اسے کئی بار منانے آیا، پھول لایا، چاکلیٹ لایا مگر اس نے ساری چیزیں ڈسٹ بن میں پھینک دیں وہ دستک دے دے کر ہار گیا مگر وہ پتھر بنی رہی اٹھ کر دروازہ نہیں کھولا۔

شاہ کو رخصتی نے بھی اس کی جلد بازی پر خوب جھاڑ پلائی وہ خود سونو کے مزاج کے حساب سے بات کرتی تو بات یوں نہ بگڑتی۔ شاہ مر جھکا کر ہنستا رہا غلطی بھی تو اس کی ہی تھی مزاج بھی سب سے زیادہ وہ ہی پارہ تھا ایک طرف محبت تو دوسری طرف ماں کے منہ کے بڑتے ہوئے زانو یہ۔ جائے تو جائے کہاں..... آج کل وہ دنیا کا سب سے مظلوم شخص شیو بڑھائے کپڑوں سے بے پروا سونو کو منانے کے طریقے سوچنے میں جتا ہوا تھا۔ یاد بات ہے کہ ایسے بے پروا انداز اس پر بہت ہی بے رحم تھے۔

رخصتی بیٹی کی حرکتوں پر سر ہلکا کر بیٹھ جاتی مگر آج تو سونو نے حد کر دی۔ شاہ کی گاڑی دیکھتے ہی خود کو کمرے میں بند کر لیا اور حیران آند کا بھی ٹوکس نہیں لیا۔

.....☆☆☆.....

”یہ سب کیا لاوے چلے آ رہے ہو؟“ شاہ مراد نے بہت سارے ٹیکس لاکر رخصتی کے سامنے ڈھیر کر دیے تو انہوں نے ٹی وی کا ری سیورٹ سائیڈ پر رکھا اور مسکرا کر شاہ سے پوچھنے لگیں جس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

”کیا مایا ایک ہفتہ ہو گیا ہے آپ کی لاڈلی کو دیکھنے ہوئے نہ ہی فون اٹھاتی ہے اور نہ ہی خود سے بات کرتی ہے اب منانے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ اس کے چہرے پر اتنی مصوم سی بے چارگی تھی کہ رخصتی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چوم لیا۔

”اچھا رکھو میں اسے بلاتی ہوں۔“ رخصتی نے سونیا کے

کمرے میں جا کے شاہ مراد کے آنے کی اطلاع دی۔

”نما! پلیز پتا ہے نہ امتحان سر پر ہیں تیاری کرنے دیں۔“ اس نے ماں سے نظریں جمائیں اور جلدی سے کتاب کھول کر منہ کھا گئے کر لی۔

”مجھے کچھ نہیں پتا تم دو منٹ میں باہر آ جاؤ بھلے سلام و دعا کر کے واپس پڑھنے بیٹھ جانا۔“ رخصتی نے سختی سے کہا۔

”اُف..... ماما بھی نہ..... بیٹی کے سوا پوری دنیا کی فکر میں جتا رہتی ہیں۔“ اس نے چڑ کر کتاب بند کی اور ماں کے پیچھے آ گئی۔

”السلام علیکم! اس نے زونٹھے پن سے سلام دیا اور واپس مڑنے لگی۔

”سونو..... پلیز سونو یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں؟“ شاہ مراد اس کے پیچھے لپکا۔

”کیا ہے؟“ وہ مروت میں واپس ہلٹی ٹیبل پر نقرتی کاغذ میں لپٹا ایک بڑا سا پیکٹ تھا دل میں اشتیاق جگا اور جلدی سے کھولا۔

”میرے لیے یہ لائے ہو؟“ شاہ مراد کے قریب آ کر چینی رخصتی اور شاہ مراد کی ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ سونیا کی بچپن کی تصویر تھی جس میں وہ روتی ہوئی باربی ڈول لگ رہی تھی۔ جسے شاہ مراد نے اطلاع کروا کر بہت نفیس فریم میں لگوا دیا تھا۔

”اتنی روتی دھوتی تصویر کوئی اور اچھی تصویر نہیں ملی۔“ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی مگر ظاہر نہ کیا ورنہ شاہ مراد ہنسیں جاتا۔

شاہ مراد نے مسکرا کر سونیا کو دیکھا۔

.....☆☆☆.....

”رخصتی ارے خاتون کہاں ہوں؟“ ظفر اقبال بڑے خوش گوار موڈ میں پودے گھر میں گھوم گھوم کر بیوی کو پکار رہے تھے۔

”جی یہاں ہوں، پیچھے رشیدہ ماسی سے دھلائی کروا رہی ہوں۔“ صفائی کا جنون انہیں ہر وقت مصروف رکھتا میاں جی کی آواز پر مسکرا کر جواب دیا۔

اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر 221 اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر

انچل اپریل ۲۰۱۵ء 221 اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر

چہرہ ساڑھے پارہ بجا رہا ہے۔“ ان کی شوخیاں جاری و ساری تھیں۔

اچھا..... آپ آرہی ہیں؟“ رخصتی نے ان کے ٹوکے پر اپنے آپ کو سنبھالا۔

”لو ہم تو سمجھے آپ خوشی سے جموم اٹھیں گی مگر لگتا ہے خاتون کا موڈ راگ درباری چھیڑنے والا ہو رہا ہے۔“ ظفر اقبال کا لہجہ کچھ کچھ معنی خیز ہو چلا ان کو ہمیشہ حیرت ہوتی کہ رخصتی بھی اپنی بہن سے ملنے کے لیے اتنا ڈلی نہیں ہوتیں اور دروانہ کا بھی حال بہن سے جدا نہیں ورنہ لاہور کون سا دور تھا۔ دونوں طرف دسی گرم جوشی دکھائی نہیں دیتی جو عموماً والدین کے انتقال کے بعد ایک دوسرے کے قریب لے آتی ہے سالوں میں کسی شادی بیاہ کے موقع پر ہی ملاقات ہو جائے تو ہو جائے..... ورنہ فون پر ہی کبھی کبھار ایک دوسرے کی خیر خیریت دریافت کر لی جاتی۔

”کیا اس وقت ان لوگوں کا آنا مناسب ہوگا؟ ابھی حمیرا شاہ اور سونو کی منگنی پر زور دے رہی ہے۔“ رخصتی نے شوہر کی طرف دیکھا وہ کچھ ہراساں ہی نظر آئیں۔

”ارے بیٹم صاحب! آپ بھی کمال کرتی ہیں یہی تو مناسب وقت ہے، ہماری آدمی گھر والی بھی ایسی خوشیوں بھری گھڑی میں یہاں موجود ہوں گی، ورنہ شادی کے اتنے سالوں بعد بھی، ان سے وہ بے تکلفی پیدا نہ ہو سکی، جو کہ اس رشتے کا خاصہ ہے۔“ بھی لوگ سرال والوں کی آمد سے گھبرا جاتے ہیں ہم تو ترستے ہیں کہ ہمارے سرال سے بھی کوئی آئے؟“ ظفر اقبال کچھ کھوسے گئے۔

”چلیں میں ان لوگوں کے لیے لو پر والا پورشن ٹھیک کروا دیتی ہوں۔“ رخصتی نے شوہر کی رضا کو جانا تو تھوڑی گرم جوشی دکھائی ورنہ حقیقتاً اس وقت اپنی بہن کا آنا سے بہت کھلا۔ سونو نے بھی بچپن کی منگنی والی بات کو لے کر گھر میں ایک ہنگامہ مچایا ہوا تھا اس پر روری آپا کا مزاج۔

”نیک بات پوچھوں خاتون! ناراض تو نہیں ہوں گی؟“ وہ خاصے شہیدہ نظر آ رہے تھے۔

”جی پوچھیے؟“ وہ متوحش سی شوہر کا چہرہ دیکھنے

”خاتون! چھوڑیں کام وام آرام سے بیٹھ کر میری بات سنیں ایک خوش خبری سنائی ہے آپ کو۔“ ظفر اقبال نے چار بھری نظروں سے بیوی کو دیکھا جس کی بدولت گھر جنت بنا ہوا تھا، وہ ہائے ہائے کرتی رہ گئیں پر انہوں نے دائیہ بیوی کے ہاتھ سے چھین کر ماسی کو دیا اور ان کے گیلے ہاتھ تھامے زیر دستی کمرے میں لے آئے۔ ماسی نے صاحب کی شرارت کو مسکرا کر دیکھا اور پانی ڈال کر واہر چلانے لگی۔

”افوہ..... آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ رشیدہ کا تو خیال کر لیتے، بڑھاپے میں اس کے سامنے ہی چو نچلے دکھانے لگے۔“ رخصتی نے جھینپ کر تویہ سے ہاتھ پونچھے اور ناز سے بولیں۔

ظفر اقبال مسکراتے ہوئے بستر پر دراز ہو کر بیوی کا قصداً انجوائے کرنے لگے۔ دلی پکلی گھڑی چٹی سی ان کی من موہنی شریک حیات میں اب بھی اتنا دم تھا کہ وہ ان کا دل بھل بھل کر کے دکھ دیتیں۔ کہیں سے جو جوان بیٹی کی ماں لگتی ہی نہیں تھیں۔

”خاتون! اب انسان چو نچلے اپنی بیوی کو ہی دکھا سکتا ہے، بزدل کو دکھاؤں گا تو جوتے ہی کھاؤں گا اور یہ تم نے بوڑھا کسے کہا؟ دل ہوتا چاہیے، عمر میں کیا رکھا ہے۔“ ظفر اقبال نے رخصتی کے چوٹی کو چھینچ کر انہیں اپنے نزدیک کیا تو وہ پیر بہونی بن گئی، چہرے پر اترتی لالی ظفر اقبال کو کامہ کی پاتیں بھلانے لگی۔ ان دونوں کی ازدواجی زندگی کی کامیابی کے پیچھے، ظفر اقبال کی ہلکی پھلکی طبیعت کا بھی خاصا دخل تھا۔ وہ زندگی کو بوجھل کرنے کی جگہ ہنستے مسکراتے گزارتے آئے۔

”خیز سینے آج بڑی سالی صاحبہ کا فون آیا تھا وہ زوہیب، مصیب اور بہو کے ساتھ اگلے ہفتے کراچی پہنچ رہی ہیں۔“ انہوں نے اپنے تئیں بیوی کو خوش خبری سنائی مگر وہ چپ چاپ کسی سوچ میں گم ہو گئیں۔

”کیا ہوا بھئی؟ ہم تو امید کر رہے تھے کہ اس خوشی میں آپ کہیں گی۔“ جانو! کچھ بیٹھا ہو جائے مگر یہاں تو

نئے افق کے معتبر باذوق قارئین کے لیے بطور خاص

مسیحی کا شمارہ

اپنی عمر

ہوگا

نئے اور پرانے لکھاریوں
کا لگد ستہ، آپ کے
عسین ذوق مطالعہ
کے مطابق

ہنسی رلائی تحسیریں جو
برسوں آپ کے ذہن و
دل سے موہ نہیں
ہوں گی۔

دس برس کی ایسی مکی
کہانیاں جنہیں
پڑھ کر آپ کو شاید
اپنی زندگی کے فیصلے تہیل
کرنا پڑ جائیں۔

نئے اور پرانے لکھاریوں کا لگد ستہ
آپ کے عسین ذوق مطالعہ کے مطابق

ہنسی رلائی تحسیریں جو برسوں آپ
کے ذہن و دل سے موہ نہیں ہوں گی۔

رحمت ہے بچنے کے آج ہی اپنے ہا کر کو کہہ کر اپنی کاپی تک کرالیں۔

لے افق گروپ آف پبلی کیشنز

7 فرید چیمبرز عبدالمقصد ہارون روڈ کراچی۔

پے آر
مطبوعات

WWW.PAKSOCIETY.COM

لگیں، کہیں سونو کے انکار کی بھک ان کے کانوں میں
تو نہیں پڑ گئی۔

”کیا آپ دونوں بہنوں کے بچے کسی بات پر کوئی
اختلاف ہے؟“ انہوں نے رخشی کا چہرہ جانچا۔

”ارے نہیں..... پر آپ نے ایسا کیوں سوچا؟“ وہ
اپنے لیے ہالوں کو کھول کر دوبارہ چوٹی کی شکل دیتے
ہوئے چوٹیں۔

”بس دونوں میں وہ گرم جوشی کبھی دکھائی نہیں دی جو
ہم سب بھائی بہنوں کے بچے میں ہے، دردی آپا اگر ہم
سے کہیں ملتی بھی ہیں تو خاصی لیے دیے سے رہتی ہیں
اس لیے مجھے نکا کہ شاید وہ مجھے پسند نہیں کرتیں آج ان کا
فون آیا تو میں خود حیرت زدہ رہ گیا کہ زندگی میں پہلی بار
انہوں نے مجھ سے اتنے پیار سے بات کی۔“ ظفر اقبال
الجھے الجھے سے لگے۔

”ارے نہیں بس آپا کی عادت ہی کچھ ایسی ہے ویسے
بھی آپ اپنے بہن بھائیوں کا موازنہ کسی دوسرے سے
کیسے کر سکتے ہیں پانچوں انگلیاں برابر تھوڑی ہوتی ہیں۔“
رخشی نے نرمی سے بات بیانی تو ظفر نے سر ہلادیا۔ ان کی
ایک اچھی عادت یہ بھی تھی کہ وہ چیزوں کے پیچھے نہیں
پڑتے نہ ہی انہیں کسی بات کی بہت زیادہ کرید ہوتی جو
بتا دیا بس وہ ہی کچھ لیا۔

”اچھا خیر جو بھی ہو ہم مہمان نواز لوگ ہیں۔ ان سب کو
کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونی چاہیے کچھ لانا ہو تو ڈرائیور
کے ساتھ جا کر لے آئیے گا۔“ انہوں نے بیوی کے گالوں
کو پیار سے تھپتھپایا اور لپٹا ہٹھا کرئی وی لاؤنج کی
طرف بڑھ گئے۔ رخشدہ نے ٹھنڈی سانس بھری شوہر کو تو
سمجھالیا مگر اسے آج تک اپنی آپا کو ماننا نہ آیا۔

.....☆☆☆.....

دردانہ رخشدہ کے والد کریم الدین کی پہلی اہلیہ سے
تھی، زمر دہلی بی کے انتقال کے بعد کریم الدین نے گھر
کے حالات سے مجبور ہو کر مہناز سے دوسری شادی کی جو
رشتے کے انتظار میں گھر کی دلہیز تھا، عمر کی تیسویں سیرمی

چڑھ چکی تھیں انہیں بن ماں کی اس پنچ پر بہت پیارا آیا جو
منہ دکھائی میں تھے کے طور پر ملی تھی انہوں نے اس پر اپنا
پیار لٹانا چاہا لیکن جانے دردانہ کے مزاج میں کہاں سے
اتنی سختی بھری تھی کہ وہ ہمیشہ ان کے خلوص کو چالیسویں بھتی۔
ان کے اور اپنے بچے فاصلے کی دلہانہ پہلے دن سے قائم کی تو
گزر تے وقت کے ساتھ بدگلی کی پانی سے مضبوط کرتی
چلی گئی۔ مہناز ایک نیک خاتون تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو
نظر انداز کیے بن ماں کی پنچ کا نہ صرف لحاظ کرتی بلکہ بہت
ذلیل رکھتیں۔ بچپن سے ہی اسے اپنی چلانے کی عادت
ہوئی۔ اگر کبھی کسی بات پر نہ کر دی جاتی، تو وہ رونا دھونا مچا
دیتی۔ مجبوراً کریم الدین اس کی خواہش پورا کر دیتے شاید
یہی وجہ تھی کے دن بہ دن اس کی خود سری بڑھنے لگی اور وہ
اپنے آپ کو کوئی بڑی شے سمجھنے لگی۔

دماغ میں شاطرانہ سوچ اسے نت نئے ڈراموں پر
آمادہ رکھتی وہ جہاں کریم الدین اور مہناز کو پاس پاس بیٹھے
دیکھتی۔ کبھی اس کے کان میں دردالٹا تو کبھی پیٹ میں
سروٹ۔ دونوں میاں بیوی اپنے آپ کو بھول کر اس کی
خدمت میں لگ جاتے۔ رخشی کی پیدائش کے بعد تو جیسے
دردانہ کا غصہ سمانیزے پر پہنچ گیا۔ باپ کی محبت میں
شرارت و شرارت کا کلیہ اسے بالکل نہیں بھانا، ہر وقت
جلتی کر دھتی راہی، کہتے ہیں چہرے سوچوں کے عکاس
ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ اس کی ساری خوب صورتی کو
مخفی سوچوں نے کھانا شروع کر دیا۔

رخشی اسکول جانے لگی تو اچانک کریم الدین کا ٹرانسفر
لاہور ہو گیا۔ نیا محلہ نئے لوگ یہاں آ کر مہناز نے سب کو
یہی بتایا کہ دونوں ان کی سگی بیٹیاں ہیں۔ مہناز نے شروع
سے بچت کر کر کے کینیاں ڈالیں اور جب مناسب پیسے
جمع ہو گئے تو ایک درمیانے علاقے میں مناسب گھر خرید
لیا۔ کریم الدین بیوی کے اتنے مشکور ہوئے کہ گھر مہناز
کے نام پر ہی کر دیا۔

وقت کا دھارا بہتے ہوئے بہت آگے نکل گیا مگر نہیں
بدلا تو دردانہ کا مزاج بلکہ دن بہ دن اس کی زبان کی دھار

میں تیزی آتی گئی۔ رخصتی کو تو دیکھتے ہی اس کے دل میں کانٹا سا چبھ جاتا اس کی خوب صورتی، نشی آنکھیں، متوالی چال ان سب پر بھاری پیارا اخلاق دردانہ کو ہمیشہ احساس کتری میں مبتلا رکھتا۔ لوگوں کی تعریفیں اسے ناگوار گزرتیں۔ اب تو کریم الدین بھی بڑی بیٹی کی روش سے پریشان رہنے لگے۔ درمی نے گریجویٹیشن کر لیا اور رخصتی انٹرن میں آگئی تو انہوں نے جلد از جلد بڑی بیٹی کی شادی کی ٹھانی۔ مہناز نے دردانہ کو رشتے کے سلسلے میں اس پاس کے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا۔ آخر ان کی مراد برآئی۔ کچھ ملی گلی میں رہنے والی قاطرہ خالہ نے اپنے بھانجے سرفراز کے لیے مہناز سے بات کی۔ ان کی بہن جو کے ایک پیسے والے گھرانے میں بیاہی گئی تھی، ان لوگوں کا اپنا چاولوں کا بڑا کاروبار تھا لہذا کبھی پڑھا لکھا اور خوب روٹھا۔ ان لوگوں کو جس شام آتا تھا رخصتی نے خوشی خوشی ماں کے ساتھ مل کر گھر کو چمکایا۔ بہن سے ڈرتے ڈرتے چھینڑ چھماڑ بھی کی جواب میں درمی کے چہرے پر آنے والی دلکش مسکراہٹ نے اس کا دل شاد کر دیا۔ پھر نہا کر خود گلابی سوٹ پہنا۔ آبا کو ہنر لباس پہنا کر ہلکا سا میک اپ بھی کر دیا۔ نماز پڑھ کر بہن کی خوشیوں کے لیے دل سے سڈھیروں دعائیں مانگی۔ پردہ ہو گیا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

لڑکے والے ان سب سے مل کر بڑے خوش ہوئے۔ سرفراز میاں خود بھی ساتھ آئے تھے۔ کریم الدین نے لڑکے والوں کی خواہش پر درمی کے معاملے میں روشن خیالی کا ثبوت دیا، بیٹی کو ایک نظر دکھانے کی اجازت دے دی۔ رخصتی ان سب کے سچ تلخی بنی پھر رہی تھی۔ سرفراز سے دلہا بھائی کے روپ میں اتنا بھایا کہ بھائی جان..... بھائی جان! کہتے اس کا منہ نہیں سوکھا۔ سارا کام خوش اسلوبی سے ہو گیا ان لوگوں نے گھر جا کر جواب دینے کا عندیہ دیا۔ رخصتی کا دل سے آکر سوئی ہوئی تھی کہ برتن نونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ بھانگی بھانگی محن میں پکٹی تو نیا تماشا کھڑا تھا۔ ہکا بکائی کھڑی رہ گئی۔

"آپ تو یہ ہی چاہتی تھی کہ ہر جگہ آپ کی بیٹی کی دلدادہ

ہو۔ جب ہی تو سجا بنا کر گلابی جوڑا پہنا کر اس منحوس سرفراز کے آگے پیش کر دیا، میں دیکھ نہیں رہی تھی کہ یہ کیسی کچھلی جارہی تھی۔" رخصتی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔

مہناز الگ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی اپنے اور اپنی بیٹی پر لگنے والے فرد جرم کی صفائی دینا چاہ رہی تھیں، دردانہ کا جلال عروج پر تھا۔ وہ ششے کے سارے وہ برتن توڑنے پر تل گئی جس میں کل ان لوگوں کو ناشتہ پیش کیا گیا تھا۔

"آپا! ہوا کیا ہے خیر تو ہے؟" اس نے گھبرا کر دونوں سے پوچھا۔

"اوہو آگئی خیر کا پوچھنے والی ارے جہاں تیرے جیسی چندال ہو وہاں خیر کہاں؟ شرعی ہوگا۔" دردانہ کی جلتی نگاہوں نے اس کا طواف کیا۔ بہن کے انداز پر وہ گھبرا اٹھی۔

"کیا بول رہی ہو آبا اپنی چھوٹی بہن کے لیے ایسی بات کرتے تمہیں ذرا شرم نہیں آتی؟" رخصتی کو اس کے انداز تحاطب پر ایک دم غصہ آ گیا۔

"ادھر آ بہن کی بیٹی میں تجھے بتاتی ہوں نہیں ہوں تیری بہن میں تو سوتیلی ہے اور سوتیلی ہی رہے گی جب ہی تو تو نے اور تیری ماں نے اپنا اصلی چہرہ دکھا دیا۔" دردانہ رخصتی کے پوچھنے پر دوڑ کر اس کے پاس گئی اور بالوں کو اپنے ہاتھوں سے مروڑا۔ نفرت سے زمین پر تمسک دیا۔ اتنی تکلیف اسے ہال کھینچنے پر نہیں ہوئی، جتنی لفظ سوتیلی پر ہوئی مہناز اور کریم الدین نے آج تک یہ بات چھوٹی بیٹی سے چھپائے رکھی اور دردانہ کو بھی جتنی سے منع کیا تھا کہ کبھی بھی اس کے منہ سے لفظ سوتیلانہ نکلے مگر آج غصے کی شدت میں وہ سب کچھ بھول بیٹھی۔ رخصتی نے بے یقین نگاہوں سے ماں کو دیکھا جو ان دونوں کو الگ کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

"دری بیٹا! یہ تم کیا کہہ رہی ہو کچھ سوچ سمجھ کر بولو۔" مہناز کو لگا آج ان کی ہمیشہ کی زبان بندی ساری عمر کی

قریبانیاں رایگاں ہو جائیں گی۔

”ہاں تو آپ کے کہنے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی، سوتیلے کو سوتیلہ ہی کہا جائے گا۔ ایک ہات اور آئندہ میرے لیے رشتے دشتے کا ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں اگر آپ کی بیٹی کی جو بیٹی نہیں سمجھ رہی تو بیباہ دسے سرفراز کے ساتھ باپ کہئے.....“ ابھی دردانہ کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا وہ پاس پڑے پلنگ پر جا گری۔ کریم الدین جو ابھی گھر میں داخل ہوئے تھے بڑی بیٹی کی اتنی گندی بات ان سے برداشت نہ ہوئی انہوں نے کانپتی ہوئی رشتی کو اپنے بازوؤں میں چھپا لیا۔

”بس کرو رری بہت ہو گیا تماشہ چلو اپنے کمرے میں۔“ وہ طیش میں چیخے اور دردانہ نے کہا جانے دلی نظروں سے دونوں ماں بیٹی کو گھورا اور دوزئی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی اور زور سے دروازہ بند کر لیا۔

”کاش کریم الدین آپ یہ سختی پہلے دن سے دکھاتے تو آج ہمیں یہ سب تماشہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔“ مہناز کی شکوہ کناں نکلا ہیں ان کی نظروں سے ٹکرائیں شرمندگی اور پچھتاؤوں نے انہیں اپنی لپیت میں لے لیا۔ وہ بھی کیا کرتے شریف آدمی ٹھہرے۔ سن ماں کی بیٹی سمجھ کر دردانہ کی غلطیوں کو ہمیشہ صرف نظر کیا امید نہ مگی کے نتیجہ یہ نکلے گا۔

سرفراز کے گھر فوراً انکار کہلوا دیا گیا جس نے دردانہ کی جگہ رخشندہ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ خاطرہ خالہ نے بہت سمجھایا۔ بڑی کی نہ سچ چھوٹی کی ہی کرو، اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نہ جانے وہ سرفراز بہت ہاتھ پاؤں جوڑ رہا ہے کے شادی کرے گا تو صرف رخشندہ سے مگر مہناز اس معاملے میں پتھر ہو گئیں۔

کریم الدین نے ایک مہینے کے اندر اندر ساوگی سے دردانہ کی شادی اپنے دوست کے بیٹے ریحان سے کر دی، خوش شکل کم تعلیم یافتہ ریحان ایک دفتر میں معمولی عہدے پر فائز تھا۔ شاید دردانہ کو اس سے بھی اچھا رشتہ مل جاتا۔ مگر اس نے جس طرح گھر میں جنگ کا محاذ کھول رکھا تھا۔ رو

رو کر واپلا چلائی۔ کریم الدین اپنی عزت سے ڈر گئے تھے۔ یہاں معاملہ صرف ایک بیٹی کا نہ تھا۔ دردانہ کی زبان سے رخشندہ کی بدنامی کا بھی خدشہ انہیں ڈرا رہا تھا۔ اسی لیے اسے عزت سے بیباہ دینا ناگزیر ہو گیا اور دانہ ایسی رو مگی پھینکی شادی سے خوش نہ تھی۔ ایسی جلی نگی کے رخصتی کے بعد پلٹ کر میکنہ آئی۔ کریم الدین کے زور دینے پر مہناز ایک دو دفعہ اس کے گھر بھی گئیں، پر دردانہ نے انہیں دردانہ سے ہی لوٹا دیا۔ پاس پڑوس سے خیریت پتا کی تو برابر میں رہنے والی ایک عورت نے مہناز کو بتایا کہ ان کے داماد ریحان کی نوکری ختم ہو گئی ہے اور گھر میں کھانے کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں، اسی بات پر مہناز بیوی میں اکثر تو ٹکڑا ہوتی ہے کہ سارا حملہ تماشہ دیکھتا ہے۔ لاڈلی بیٹی کی حالت کا سن کر کریم الدین دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔ جلدی میں کیے کیے فیصلے کا انجام اچھا نہ نکلا۔ خود کو موروا التزام ٹھہرانے لگے۔

دردانہ کی جذباتیت اور غصے نے اسے دکھوں کی بھینڑ میں اکیلا چھوڑ دیا مگر وہ ہی میں کا جھگڑا۔ اس سے نکلتی تو سکون پاتی۔ کریم الدین سے برداشت نہ ہوا۔ گاڑی بھر کر کھانے پینے کا سامان لیا اور لاڈلی بیٹی کے گھر جا پہنچے۔ دردانہ باپ کی آواز سن کر منہ موز کر کھڑی ہو گئی یہ بھی غنیمت رہا کہ اس نے راشن لینے پر اعتراض نہیں کیا، شاید پیٹ کی آگ نے اس کی اما کے شعلوں کو وقتی طور پر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد کریم الدین نے معمول بنالیا کہ وہ ہر وہ ایک معقول رقم کا ڈرافٹ داہد کے نام بھیج دیتے۔ مہناز کی نیکی کے صنے میں رخشندہ کی شادی بہت اچھے خاندان میں طے پانچی، ظفر اقبال کا تعلق شہر کے ایک مشہور معمول گھرانے سے تھا۔ ان کی اماں کو نرکی کی خوب صورتی اور کم عمری بھاگتی۔ وہ بیباہ کر کر اپنی چلی گئی جہاں اس کے شوہر کی کارمنش کی تیسری تھی۔ اس کے فرض کی ادائیگی کے بعد بہت جلد ہی آگے چھے مہناز اور کریم الدین چل بسے۔ رختی روتی ہوئی لاہور پہنچی۔ پہلی بار دونوں بہنیں گلے ل کر روئیں۔

”مامی! ڈارلنگ کیا ہو رہا ہے؟ بڑی مزیدار خوشبو آ رہی ہے۔“ شاہ نے مگن میں گھستے ہی مامی رخصتی کی طرف منہ کر کے جب کہ ڈارلنگ سونو کی طرف جھک کر کہا، اسے چڑانے کا مزہ ہی الگ ہوتا اور وہ ہی ہوا سونیا کا منہ چھوٹی بچی کی طرح بن گیا۔

”بس جینا! بریانی دو دو دے ہی ہوں آگئے ہوتو اب لٹج کر کے جانا۔“ وہ بریانی کی طرف متوجہ تھیں، دیکھے بغیر بولیں۔ سونیا جو راضی بیٹری تھی کام چھوڑ کر جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی مگر شاہ جس کی ساری حسیں اس کی مائٹریگ برقائز رہتیں۔ جلدی سے بڑھ کر نرم و ملائم کلائی تمام کرا سے کرسی پر بٹھا دیا۔ سونیا نے ماں کا لحاظ کیا اور اسے غصے سے گھورنے پر ہی اکتفا کیا شاہ مراد نے کاندھے اچکا کر اسے دیکھا اس کا استحقاق بھرا انداز سونو کو آگ لگانا تھا مگر ماں کے سمجھانے کا پتھاڑ تھا سونیا بان بندر تھی۔

”واہ..... واہ آپ نے تو میرے پیٹ کی بات چھین لی، اب اتنا اصرار کر رہی ہیں۔ تو آپ کا دل توڑنے کی جسارت کم از کم میں تو نہیں کر سکتا۔“ شاہ نے شرارت سے پیٹ پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا۔

”اللہ جی! اب یہ شام تک مسلط رہے گا، اترا بھی تو کتنا رہا ہے؟“ سونیا نے اسے بخورد دیکھتے ہوئے سوچا۔ برادان جینو اور اسکن کلر کی ٹی شرٹ میں ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو میں بڑا ہی چنڈم لگ رہا تھا۔

”کیا نظر لگاؤ گی؟ مامی مجھ پر کچھ مریچیں دار کر جلا دیں۔ بڑا ہلکا خون ہے بہت جلدی نظر لگ جاتی ہے۔ خاص طور پر بری نظر والوں کی۔“ شاہ نے کالر کھڑے کرتے ہوئے خصوصی طور پر سونیا کو اپنی مدد بھری نگاہوں کی زد پر دکھا ساتھ ساتھ سونیا کی برلاشت پر حیران ہوا۔

”ہاں بھئی میرا بیٹا ہے ہی شہزادہ اللہ نظر بد سے بچائے۔“ رخصتی نے مصروف انداز میں اسے جواب دیا وہ کہاں تلنے کے لیے چین میں جلدی سے آئل اتنے لگیں۔

بہن کی مخموش حالت دیکھ کر اس نے ہاپ کی وراثت میں سے حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

کہتے ہیں ماں سے میکا جب وہ ہی نہیں رہی تو مگر رخصتی بار بار لاہور جا کر کیا کرتی۔ بہن تو ماں جانی بھی نہ تھی۔ دل کو رخصتوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ مکان کے کپے کاغذات بنوا کر اس سے فوراً دستخط لیے کہ کہیں بعد میں رخصتی کوئی دعوانہ کر بیٹھے مہناز کا اراٹوں سے ہٹایا گیا مکان دروازے کی دسترس میں چلا گیا، جسے بچ کر اس نے کچھ میسوں سے ریحان احمد کو ایک پرچون کی دکان کروائی اور باقی پیسے اپنی فضول خرچیوں اور لٹے تللوں پر لگا کر اڑا دیے۔ رخصتی نے باب سے کیا وعدہ نبھایا۔ ہمیشہ بڑی بہن کا خیال رکھنے کی کوشش کی، چھوٹی ہوتے ہوئے بھی وہ بڑی بنی۔ ہر عید تہوار پر بہن بہنوں کو تحائف کا بڑا سا پیکٹ بھیجتی، اپنے دونوں بھانجوں کو عیدی کے نام پر معقول رقم بھجواتی۔

ریحان بھی پیسے دالی سالی کی وجہ سے اب بیوی سے دبے لگا تو دروازہ کو بھی احساس ہوا کہ عورت میکے سے بھاری ہوتی ہے، اسی لیے اپنے اختلافات کی ہوا شوہر یا بچوں کو لگنے نہ دی۔ گزرتے وقت کے ساتھ دروازہ کے مزاج کی سختی کم ہوئی تو انہوں نے چھوٹی بہن سے نونے روابط بحال کر ہی لیے۔ فون پر حال احوال پتا کرتی تھی۔ ریحان کے بعد حالات سے لڑتے لڑتے تھک گئیں۔ زندگی کی کٹھانوں میں رخصتی جس طرح تازہ ہوا کا روزن ثابت ہوئی پھر کیا وہ پاگل تھی، جو اس کو اپنے ہاتھوں سے بند کرنی۔ دونوں بہنوں کے درمیان ایک خاموش سمجھوتہ پا گیا اسی لیے کبھی یہ ذکر و بارہ نہیں لگتا کہ وہ ایک دوسرے کی سوتیلی بہنیں ہیں، سب نہیں سگی ہی سمجھتے تھے اب کئی سالوں بعد دروازہ نے خود سے رخصتی کے گھر آنے کا عندیہ دیا تو ہنسی کے سارے منظر اس کی نگاہوں میں پھر گئے، ماں کی مشقت بھری زندگی کیا یاد آئی، آنکھیں بھرا آئیں۔ آج بھی آسانسوں کی بہتات میں دروازہ کی وجہ سے والدین کو نسنے والی تکلیفوں کو یاد کر کے لگتا جیسے ہر سو کا نسنے ساگ آئے ہوں۔

"مائی! وہ کیا ہے تاکہ زیادہ فرائی کریں مجھے بہت پسند ہیں۔" شاہ نے رخشی سے فرمائش کی۔
 "میں نے پہلی بار اتنی محنت سے چکر، کباب خالہ کی فیملی کے لیے بنائے اور یہ شاہ کا بچہ۔" سونیا نے برداشت کی حد میں آ کر ختم ہو گئی۔

"مما! پلیز اسٹے سالوں بعد بڑی خالہ اور میرے کزنز آر ہے ہیں اور آپ مٹا توڑنے والوں کو جمع کرنے میں لگ گئیں ان کا کیا ہے یہ تو روزانہ ہی یہاں پائے جاتے ہیں۔" سونو نے کزنز پر زور دیتے ہوئے غصے میں شاہ کو گھورا۔

"بولی..... بولی..... شکر ہے کچھ تو بولی اب مزہ آیا نا ورنہ زندگی ویران ہو گئی تھی۔" شاہ کی ہنسی چھوٹ پڑی۔
 کتنے دنوں بعد تو اس کا دیدار ہوا تھا آنکھوں کی پیاس بھلے سمجھ گئی ہو مگر من کی پیاس کا کیا کرتا؟ وہ سبز لباس میں ویسے بھی غضب ڈھا رہی تھی، آنکھوں پر لائنز، گلابی لپ، مہکتے کھلے بال۔ شاید مہمانوں کی آمد کی وجہ سے اس طرح خود کو سجانے کا اہتمام کیا تھا اور ناول جلول حلیہ بنائے رکھتی۔

"ارے سونو! یہ میری مائی جان کا گھر ہے، جب تمہارے سسرال آؤں نا تو مجھے بھوکا ہی بھگا دیتا۔" وہ 'جان' کہہ کر تھوڑا اس کے نزدیک ہوا اور شرارتی انداز میں ایک آنکھ دبائی۔ سونو نے سلگ کر اس کے آہنی بازو پر ایک مکا مارا۔

"آہ....." چوت تگنے پر خود ہی اپنا نازک سا ہاتھ دبا کر بیٹھ گئی۔ شاہ اس کی حالت کو انجوائے کرنے لگا۔
 "غصے میں اور دلہا ہلتی ہے۔" شاہ نے سو جا اور دلکش ہی مسکراہٹ اس کے گھرے گھرے ہونٹوں پر ٹھہرائی۔

"سونو! تمہارا دامغ تو ٹھیک ہے جو من میں آتا ہے بغیر سوچے سمجھے بول دیتی ہو۔ شاہ کو یہاں آنے کے لیے تمہاری پرمیشن کی ضرورت نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس لڑکی کا سنا بنے گا؟" رخشی نے کوئنگ ریج کی آنچ دھیمی کی اور ہاتھ پونچھتی ہوئی مڑی۔ سونو کی کلاس لینے لگیں جو سر جھکائے منہ پھلائے کھڑی اپنے وہ بچے کا کوٹا مرد زری

تھی۔ دو دل ہی دل میں بچوں کی باتوں کو انجوائے کر رہی تھی۔ مگر ابھی سونیا کو دبا کر رکھنا ضروری تھا ورنہ ورنہ آنا کھانے کے سامنے جانے کون سے گل کھلا جینے۔

"ارے مائی کیوں بریشان ہو رہی ہیں سسرال جا کر اچھے اچھوں کے کس بل نکل جاتے ہیں۔ آپ کی سونو بھی سدھر ہی جائے گی۔" شاہ نے شہزادت سے اسے دیکھتے ہوئے مزید جلانے کی سعی کی تو وہ پیر پختی ہوئی باہر نکل گئی رخشی نے بیٹی کو جاتے دیکھا اور شاہ کو تنہی لگا ہوں سے دیکھا۔ دوسرے جھکا کر ہاتھ جوڑنے لگا۔

شاہ مراد کو ذرا بھی اندازہ ہوتا کس کے بے ضرر مذاق کو سونیا اس انداز میں لیے گی تو وہ بھول کر بھی ایسی باتیں نہ کرتا۔

.....☆☆☆.....

"خالہ جی! مٹر غلاؤ اور آلو قیمہ تو پکا رہی ہوں، خالو جی کے لیے بکرے کے گوشت کا اسٹو بھی بھلایا ہے، ان کو بہت مرغوب ہے۔" سفینہ جوان لوگوں سے چھلے ہوئے مٹر لینے آئی تھی بتاتی ہوئی پیالہ لے کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ دروازہ کی سواری باد بھاری اپنے بڑے بیٹے زویب، اس کی بیوی سفینہ پونی اور چھوٹے بیٹے صہیب کے ساتھ کراچی میں اترتی تھی۔

"آیا! آپ کی بہو سفینہ مجھے بہت پسند آئی۔ ماشا اللہ سے خاصی سمجھدار اور سلیقہ شعور ہے، جب سے آئی ہے پورا کچن اکیلے ہی سنبھالا ہوا ہے، مجھے تو کام کرنے ہی نہیں دیتی۔ میں تو کہتی ہوں کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو سسرال میں کافی لیے دیئے سے رہتی ہیں چہ جائیکہ خالہ ساس کا گھر مگر وہ تو لگتا ہے اس خاندان میں جانے کب سے رچی بسی ہے، بس میں تو چاہتی ہوں میری سونو بھی ایسے ہی کن اپنالے۔" رخشی کی نظریں سفینہ کا پچھا کر رہی تھیں ہنستی مسکراتی سفینہ انہیں بہت بھائی تو انہوں نے کھلے دل سے بہن کے سامنے اعتراف کر ڈالا۔

"ارے رخشی یہ تم اپنی سونو کا موازنہ ہر ایک کے ساتھ

دیے تو اسے لڑکیوں کی کمی نہیں پر میں نے سوچا کہ میری بھانجی ہوگی تو میرا خیال بھی زیادہ رکھے گی میں بھی اسے چکوں پر بٹھا کر رکھوں گی۔ ویسے بھی صہیب نے تو جب سے سونو کو دیکھا ہے ضد لگا رکھی ہے کہ چھوٹی خالہ سے رشتے کی بات کریں۔ انہوں نے خوش دلی سے قہقہہ لگایا پر رخصتی پھنی پھنی لگا ہوں سے بہن کو دیکھنے لگیں۔

”آہ..... یا اللہ..... رحم لگتا ہے کہ میرا کوئی نیا امتحان شروع ہونے والا ہے؟“ ان کی نگاہیں آسمان کی طرف مدد کے لیے اٹھیں۔

”ارے اس دفعہ تو میں کراچی آئی ہی بہت خاص مقصد سے ہوں۔ اپنے صہیب کے لیے تمہاری سونو کا ہاتھ مانگنا چاہتی ہوں۔“ دردانہ کی محبت کا پردہ جلد ہی چاک ہو گیا سونو جو ماں اور خالہ جانی کو چائے دینے آرہی تھی حیران ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔

”آپا! برا مت ماننے کا صہیب اچھا لڑکا ہے پر میں شاید آپ کو تانا بھول گئی سونیا کی بات تو میری نند کے بیٹے شاہ مراد سے بچپن سے ہی ملے ہے ہم لوگ تو جلد ان دونوں کی باقاعدہ ملتی کرنے کا سوچ رہے ہیں۔“ اس نے سنبھل سنبھل کر بات بتائی۔

”اے واہ بہن! کر دیا نا پر اپنا سونو کا رشتہ بھی ملے کر دیا مجھے ہوا بھی نہ لگتے دی۔ ویسے بھی ابھی رسم ہوئی تو نہیں نا انہیں منع کر دو کوئی آفت نہیں آئے گی اب نونے رشتے جوڑنے کا موقع تمہارے ہاتھ میں ہے سوچ لو اب یا تو نیا تعلق جزے گا یا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔“ انہوں نے سفاکی سے کہا اور جذباتی بلنک میلنگ شروع کر دی۔

”آپا! جو تعلق اتنی جگہ بنیادوں پر جما ہو..... ان کا قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے اب میں اپنے سسرال سے دستبردار نہیں ہوں سونو کی رخصتی کی بات میں خود اس کا رشتہ کسی اچھی لڑکی سے کر دوں گی۔“ رخصتی نے بہن کا ہاتھ تھام کر لجاجت سے کہا جسے دردانہ نے ناراضی سے چھڑا لیا شاید دردانہ کے ذہن میں وہ ہی برسوں پرانی رخصت ہو گی۔ جوان کے ذرا سے غصہ پر دبا جاتی تھی مگر وہ بھول گئیں تھیں کہ

مت کرنے میں نہ جایا کرو ہاں نہیں تو میری بھانجی کی تو بات ہی الگ ہے اور یہ سفینہ بس بہن..... دور کے ذمہ سہانے..... بڑی گھٹی ہے اس کو تو عادت ہے دوسروں کی چاکری کر کے نمبر بڑھانے کی دردانہ مجھ سے پوچھو یہ میرا ہی دم ہے جو اس چالوس کے ساتھ گزارا کر رہی ہوں۔ بس بہن سیدھی ہوں نا ای لیے سب اپنی مرضی چلا دیتے ہیں۔“ دردانہ کو بہو کی تعریف بالکل نہیں بھائی بہن کو مکھن لگانے کے ساتھ ساتھ سفینہ کے بارے میں بھی مدح سرائی کی رخصتی کو ان کے منہ سے ایسی باتیں سن کر دکھ ہوا۔ اگر وہ بڑی بہن کی مزاج آشنا نہ ہوتی تو شاید ان کی بات پر یقین بھی کرتی تھیں مگر وہ تو خود ان کی رخصتی تھیں۔

”آپا! پھر بھی مجھے تو وہ اچھی لگی اب دیکھیے نا آپ کی بڑی بہو گھر کو سنبھالنے والی ہے تو جب صہیب کی رہن آئے گی تو وہ بھی اس کے نقش قدم پر چلے گی کیوں کہ جس گھر کی بڑی بہو ٹھیک ہو وہاں عموماً بعد میں آنے والی بہوؤں کو بھی گھر کے نظام میں اتنی مداخلت کا موقع نہیں ملتا۔“ رخصتی نے نرمی سے ان پر سفینہ کی خوبیاں عیاں کرنے کی کوشش کی تو دردانہ نے منہ بنا کر سر جھنکا۔

انہیں کراچی آئے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ دونوں بہنیں دھوپ میں تخت پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔

”ارے رخصتی تم دیکھنا میری چھوٹی بہو تو بڑی پر بھی بھاری ہوئی۔“ دردانہ کا لہجہ مستی خیز تھا۔

”اچھا تو کیا صہیب کے لیے بھی لڑکی ڈھونڈ رکھی ہے؟“ رخصتی نے نئے آنوؤں کو چھری سے کھرچتے ہوئے ساوٹی سے پوچھا۔

”نہیں بہن ایک سفینہ کو غیروں سے لا کر بھر پائی اب چھوٹی تو اپنے میکے سے ہی لاؤں گی۔“ دردانہ کی بات نے رخصتی کے اندر خطرے کی گھنٹیاں بجادیں۔

”کیا مطلب میں بھی نہیں؟“ چھری رخصتی کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

”اے او اتنی نا سمجھ تو تم کبھی نہیں تھی جوان بنی کی ماں ہو میں صہیب کے لیے سونیا کا ہاتھ مانگ رہی ہوں“

وقت ایک سانس نہیں رہتا اب تو پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔

”بس، بس رہنے دو دیکھ لی تمہاری محبت تم ہمیشہ ان لوگوں سے دب کر رہنا رہی صہیب کے لیے لڑکی ذمہ داری کی بات تو میں سالوں سے یہی کام کر رہی ہوں لاہور میں میرا بہت بڑا میراج بیورو ہے سفینہ کو بھی تو میں نے ہی پسند کیا تھا جس کی تعریف کرتے تمہاری زبان نہیں ٹھہر رہی میرے صہیب کو بھی کی نہیں ہوگی۔ خیر میں جب تک کراچی میں ہوں سوچ لو ویسے بھی ابھی رسم ہوئی تو نہیں اگر تم میں ہمت نہیں تو میں اس معاملے میں خود ظفر میاں سے بات کرنے کو تیار ہوں۔“ وہ جوش میں ہوش کھو بیٹھیں زور و شور سے۔ بس پر برس پڑیں۔

”آپ ان سے کوئی بات مت کیجیے گا مجھے ہی کچھ سوچنے دیں۔“ رخشی کا چہرہ اتر گیا دردانہ آج بھی پہلے جیسی تھیں۔ مفاد کی ماری رخشی نے لی الحال اسے نالانے کے لیے ایسا بول دیا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ بات شوہر کے کانوں تک پہنچے۔ وہ جو بڑی آپا بڑی آپا کر کے انہیں اتنی عزت دے رہے ہیں وہ ان سے بھی جائیں۔ دردانہ بس کو سوچوں میں گم دیکھ کر وہاں سے حیرت سے اٹھ گئیں۔ سونو نے تھامے حیران و پریشان کھڑی نظر آئی تو دردانہ نے جندی سے مگر مجھ کے آنسو بہاتے ہوئے اسے بچھین لیا۔ سونیا بھی بڑی خالہ سے چمت گئی۔ ننھیالی رشتوں کے لیے ترسی ہوئی سونیا کو ماں کا انداز بہت برا لگا تھا وہ خالہ کی محبت سے بڑی متاثر نظر آئی۔

”بڑی خالہ کتنی اچھی ہیں مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں۔ صہیب بھائی بھی کتنے سنجیدہ مزاج اور سمارٹ ہیں کم از کم شاہ جیسے بد تمیز تو نہیں کیا مضا نقد ہے جو میں خالہ جانی کے گھر پیا کر چھی جاؤں وہ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں پھوپھی کی طرح نہیں کہ ہر وقت کی لکھتیں۔ سفینہ بھائی بھی کتنی اچھی ہیں۔“ شاہ سے تازہ تازہ مندماری ہوئی گی اسی لیے سوچیں گندہ ہونے لگیں۔ چائے کے کپ میں جھانکتے ہوئے اس نے اپنے اندر بھی جھانک لیا اور بھولین سے مسکرا دی کم

عمری نے اسے دنیا کو بچانے کی صلاحیت ہی کہاں بخشی تھی۔ اس پر دردانہ کا ہر وقت کا مجھتیں پنچا اور کرنا اس کی روح کو جیسے اندر تک سیراب کر گیا۔

.....☆☆☆.....

سونیا بی بی کن کاموں میں لگی رہتی ہیں دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جائیں۔ صہیب نے مسکرا کر ٹیبل کا شیشہ چمکانی سونیا کو آواز لگائی اتنا پیسہ ہونے کے باوجود بھی رخشندہ کا دماغ خراب نہیں ہوا تھا، گھر کے اکثر کام وہ خود کرتیں اور یہی عادت انہوں نے بیٹی کو بھی سیکھا نہیں تھیں۔ زو صہیب جو بھائی کے پاس ہی بیٹھا چائے پی رہا تھا مسکرا اٹھا۔

”جی بولے کوئی کام تھا؟“ سونیا خوش دلی سے بولی اسے اپنا یہ کم گو لپے دیے سے رہنے والا کرن برا نہیں لگتا تھا جو کتابوں میں کھویا رہتا۔ شاہ کی طرح نہیں جانے کیا بات تھی اتنا چڑنے کے باوجود اس کی ہر بات کی تان شاہ پر ہی آ کر ٹوٹی تھیں یہ محبت تو نہیں، اس نے خود کو ٹولا پھر سر جھٹک کر صہیب کے پاس جا بیٹھی۔

”جناب ایہ بتائیے شاعری وغیرہ سے بھی کوئی دلچسپی ہے؟“ صہیب نے خوش گواری ماحولی کا لطف اٹھاتے ہوئے تازہ سانس اپنے اندر کھینچی اور مسکرا کر بولا۔ خالہ جان کا گھر کتنے اچھے علاقے میں ہے بڑے سے لان میں لہلاتے پھولوں کے پودے آنکھوں کو تراوٹ بخشتے ایک ان کا گھر گلی میں گھستے ہی گھڑکی بد بو سے دماغ سڑنے لگتا۔

”خیر شادی کے بعد تو میں اوپر والی منزل میں شفٹ ہو جاؤں گا انسان کی اپنی پرائیویسی بھی کوئی چیز ہے۔“ صہیب کا دماغ تیزی سے منصوبہ بندی کرنے لگا اور اس نے فخر سے سر اٹھا کر شہری پارڈر والی سنگ مرمر کی سیزھیوں کو دیکھا جو اوپر والی منزل پر جا کر گم ہو گئیں تھیں۔

”جی بس اچھے شعر کو سننے کی حد تک بہت گہرائی میں نہیں جانی۔“ اس نے بے پروائی سے کہا صہیب اپنی سوچوں سے باہر آیا تو دل سونیا کے معصوم حسن پر فدا ہونے لگا دہوش ہو کر اسے یک تک دیکھنے لگا۔

”صہیب! دیکھو سونیا کچھ کہہ رہی ہے۔“ زویب کی نگاہیں ان دونوں پر ہی لگی تھیں بھائی کو عین وقت پر پکارا تو وہ ہوش ادھواس کی دنیا میں لوٹ آیا۔

”کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ ہنسنے لگا۔
 ”ہماری گڑیا کو شعر و شاعری سے کچھ خاص لگاؤ نہیں۔“ زویب نے دانت چیر کر بھائی کو دیکھا اور کھک فرماہم کی۔

”چھاپلو کوئی بات نہیں اچھی لگنے لگے گی۔“ صہیب نے بالوں میں خاص ادا سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
 ”بالکل اب تم شعر و شاعری میں دلچسپی لینا شروع کر دو ورنہ بعد میں مشکل ہو جائے گی ہمارا صہیب کا اس معاملے میں ذوق بہت اعلیٰ ہے۔“ زویب نے فوراً ہی ایک جھوٹ گھڑا اور بھائی کو آنکھ مارنا ہوا بیٹی کو گود میں اٹھا کر نئی وی لاؤنج کی طرف بڑھ گیا تاکہ دونوں تنہائی میں بے تکلف ہو سکیں وہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی جو ٹھہرا۔

”یہ زویب بھائی کو کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے تا ان کی؟“ سونیا نے منہ بگاڑا بڑی خاندان کی بات اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی مگر وہ انجان بن گئی۔

”ارے کچھ نہیں ان کی تو عادت ہے مذاق کی۔“ اس کے تکیے تیروں سے صہیب گھبرا اٹھا وہ جتنی بات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

”خیر، میں کراچی آئے ہوئے کافی دن ہو گئے مگر آپ کیسی میزبان ہیں کہ گھمایا پھر لیا بھی نہیں۔“ صہیب مطلب کی بات کی طرف آیا اسے ویسے بھی گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا پھر خالو کی بڑی سی گاڑی میں بیٹھنے کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

”ہونہہ یہ تو ہے چلیں، پھر بتاتے ہیں ایک پروگرام آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کس نئی کزن سے پالا پڑا ہے۔“ وہ ہنس دی۔ صہیب کو لگا کہ اس پاس جلتنگ سے بیج اٹھے ہوں وہ اس کی ہنسی میں کھونے لگا۔

”اے... سونو! ذرا ناشتے میں میری مدد کروانا۔“ سفینہ کسی کام سے باہر آئی تو صہیب کو یوں سونیا کے قریب

بیٹھا دیکھ کر اس کا دل دھڑکا ذہن میں نور اشکرے اور چڑیا کا خیال آیا یہاں سے اسے بلا لیا۔ وہ صہیب کو اچھی طرح سے جانتی تھی جسے گلی کی ہر دوسری لڑکی سے عشق ہو جاتا تھا جھوٹا، سٹچی، خود غرض انسان جو ایک خوب صورت جسم کو ہی پیار کا محور سمجھتا تھا۔

جب سے سفینہ کراچی آئی اسے سونیا اور خشی نے اتنی عزت اور مان دیا وہ بھولی بھالی سی نیک رو میں کیا جانیں کے پل بھر میں کسی کسی سازشیں مردان چڑھ جاتی ہیں۔
 ”اف میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے پھول کھلانے کے لیے سونیا جی آپ کا خیال بھی کافی ہے۔“ صہیب نے اسے بھائی کی پکار پر جاتے دیکھا تو سر شاری سے اگڑائی لی۔

”اس منحوس کا کیا کروں جو سونو تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے؟“ ایک دم شاہ مراد کا مسکراتا چہرہ نگاہوں میں گھوما تو ہاتھ فضاء میں ہی ٹھہر گئے۔ صہیب نے مسکراتے لبوں کو تختی سے پھینچا اچھائی کا خول چننے لگا تنہائی میں اپنے اوپر نقاب چڑھانے کی ضرورت ہی کیا تھی دل ہی دل میں عادت کے مطابق شاہ مراد کو بری بری گالیوں سے نوازنے لگا۔

..... ❦ ❦ ❦

”کیا حال ہے بھابی، بہن کیا آئیں آپ نے تو ہم لوگوں کو بھلا ہی دیا۔“ حمیرا خشی اور سونیا کو دیکھ کر کھل اٹھی۔
 شگفتگی سے مذاق کیا جو سونیا کو طنز لگا اور دانہ کے زیر سایہ رہ کر اپنوں کے لیے اس کی سوچوں میں بھی آلودگی ہی ٹھننے لگی تھی۔

”واہ! تم اور شاہ کو کیسے بھلا سکتی ہوں۔ بس وہ مہمانوں کی وجہ سے مصروفیت بڑھ گئی۔ آج آپا سب کو لے کر اپنی کسی مننے والوں کی طرف نکلی تو میں جلدی سے تیار ہو کر یہاں آ گئی۔“ خشی نے محبت سے خند کو گلے لگا کر جواب دیا۔

”سونو بیٹا! کیا سوچ رہی ہو؟“ حمیرا نے سونیا کو سوچوں میں مہ پاپا تو بولی۔

”بیٹا! پہلے ایسا کروڈرا نیور سے سامن نکلوا کر کچن میں

رکھو اور پھر بوا سے اچھی سی چائے بنا کر ساری چیزیں پیٹوں میں رکھ کر لے آؤ۔" رخشی نے اسے ست ست سا بیٹھے دیکھا تو فوراً ہی اٹھنٹن کپڑا پہنا۔ وہ یہاں آنے کو بالکل تیار نہیں تھی رخشی زبردستی لے کر آئیں تھیں۔

"سونو بوا تو پھنسی پر ہیں تم لوگ بیٹھو میں چائے بنا لاتی ہوں۔" انہوں نے اندر کی طرف بڑھتی سونیا کو دیکھا تو پیار سے پکارا۔

"ارے نہیں بھلا سونیا کے ہوتے ہوئے تم کیوں چائے بناؤں گی بیٹھ جاؤ۔" رخشی نے تند کا ہاتھ تھام کر دوبارہ مٹوں پر ٹھانیا۔

"بھالی! خیریت تو ہے۔ کیا کیا بنا لائیں؟" حیرانے مسکرا کر پوچھا انہوں کو دیکھ کر موڈ ایک دم خوش گوار ہو گیا تھا۔

"کچھ خاص نہیں میں نے آج اسپیکنی اور اسپرنگ رول بنائے تھے جانتی ہوں کہ شاہ کو بہت پسند ہیں بس اسی لیے سب اٹھا کر گاڑی میں رکھوایا اور آگئی۔" رخشی کا انداز اور خلوص بناوٹ سے اتنا پاک ہوتا کہ حیرا بھی کبھی کبھی بھائی کی قسمت پر رشک کرتی۔

"وہ آئیں گھر میں ہمارے..... کبھی ہم ان کو کبھی اپنے غریب خانے کو دیکھتے ہیں۔" شاہ مراد بوا کو چائے کا گھبنے چکن میں داخل ہوا تو سرخ کرتے اور بلیک ٹراؤڈ زر میں سونیا کو چائے کا پانی رکھتے دیکھا۔ اس کی تو دل کی کلی گھل اٹھی۔

"ویسے اس کو غریب خانہ کہتے ہیں تو کل کیا ہوں گے؟" سونیا نے ادھر ادھر نظر دوڑا کر اس شاندار چمکتے چکن کو دیکھا جس کے کیبنٹ کی دوؤ کی چمک اپنی قیمت خود بتا رہی تھی مراد احمد نے اپنے گھر کو ہر مہنگی سے مہنگی اور قیمتی اشیاء سے سجایا تھا وہ سر کھجانے لگا۔

ہا..... ہا..... اب کل ہے یا جمو پنزا تمہارا اسی ہے۔ اس کی اصل قیمت تو اس وقت ہٹا چلے گی جب میری سونو کے قدم یہاں پڑیں گے۔" شاہ نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے پیار سے کہا اتنے دنوں بعد

دیکھا تو لگا آنکھوں کی روشنی ٹوٹ آئی ورنہ دنیا اندھیری سی لگنے لگی تھی۔

"بس... بس... اپنا منہ دھو ہی رکھو میری جوتی کو بھی یہاں آنے کا کوئی شوق نہیں۔" سونیا نے اس سے نگاہیں ملائے بغیر پانی میں چائے کی پتی ڈالتے ہوئے سختی سے جواب دیا یہ چائے بغیر کے اس کی بات نے شاہ مراد کے دل کو کیسا زخمی کر دیا۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آیا اور دونوں ہاتھوں کو کاؤنٹر پر اس طرح رکھا کہ وہ اس کے گھیرے میں پھنس کر رہ گئی۔

"بس سونیا ظفر آگے تو آپ کو اسی گھر میں ہے اگر مجھ سے جدا ہونے کا کوئی خیال آپ کے دماغ کے آس پاس بھی بھٹک رہا ہو تو اسے فوراً جھٹک دیں میرا تعلق ایک غیرت مند خاندان سے ہے ہم اپنی عورتوں کے معاملے میں بہت حساس واقع ہوئے ہیں آپ کو چھوڑ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" شاہ مراد کی آنکھیں سرخ انکارہ ہو گئیں۔ سونیا گھبرا کر کسمانے لگی مگر اپنی جگہ چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکی۔

"شاہ مراد! تم خود کو سمجھتے کیا ہو؟ میں تمہاری زر خرید لوٹتی ہوں جو تمہارے انا سٹاروں پر چلوان گی۔" سونو نے چہچہا کر کہا۔

"آ..... آ..... ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی تم مجھے اس وقت سے پیاری ہو جب مجھے پیار کا مطلب بھی پتا نہیں تھا۔ مگہ تیرا دلانی بات تو مجھے ابھی پتا چلی ہے اب تو پیار اور غیرت دونوں ہی جذبے تمہاری آزادی کے بیچ میں حائل ہیں۔ میرے سوا کسی اور کی بناوی جاؤ یہ میں کبھی ہونے نہیں دوں گا۔ یقین نہ ہو تو آزما لو اس نائی چیلنج۔" شاہ مراد کا چہرہ غصے سے تھمتھا اٹھا انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی۔

"تمہاری بات میں سے شروع ہو کر میں پر ہی کیوں ختم ہو جاتی ہے اگر یہ ہم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے تو صرف تمہاری مرضی کیوں؟ میں کچھ نہیں شاہ مراد صاحب ٹھیک ہے کر لیجئے زبردستی پھر یہ جسم تو

نکت کرائی اور لاہور آجانی مگر شاید تمہیں غریب خالد سے ملنے میں شرم محسوس ہوئی ہوگی۔ اپنی ماں کی طرح۔ ”دردانہ نے فوراً اس کے جذباتی پن کا فائدہ اٹھا کر بے پرکا کو ہٹایا۔ موقع جو مل گیا پھر کیوں نہ فیض یاب ہوئیں۔ ویسے بھی رخصتی ظفر اقبال کے ساتھ کسی کام سے باہر گئیں ہوئی تھی میدان صاف دیکھ کر وہ کوڈ پڑیں۔

”خانیہ خالد جانی! آپ غلط سوچ رہی ہیں۔ ہمارے گھر میں کوئی ایسا نہیں سوچتا نہ ہی ماما۔“ سونو نے فوراً ہی مڑ کر خالد کو دیکھا اور ماں کی حمایت کی۔

”اے میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ وہ ایسا سوچتی ہے۔ وہ بیچاری تو بہت اچھی ہے پر اسے سسرال میں گزارنا بھی تو کتنا ہے۔“ سونیا کے بے ضرر سے اعتراض پر دردانہ نے فوراً ہنسنے لگا۔

”بڑی خالد! میں سمجھی نہیں آپ کیا کہتا چاہتی ہیں؟“ اس نے مڑ کر فوراً دردانہ کو دیکھا۔

”بیچے! برامت ماننا تمہاری پھوپھی حمیرا بہت تیز ہے اور شاہ مراد اس سے بھی چار ہاتھ آگے۔ رخصتی نے تو تمہیں کبھی بتایا نہیں ہوگا اور نہ ہی تم اس سے پوچھنا پر حمیرا نے ساری عمر میری بہن کو غریب میکے کا طعنہ دیا اسے اپنے بھائی کی دولت کا شروع سے بہت زخم تھا میری بہن بیچاری

کیا کرتی، اپنا گھر بچانے کے لیے مجھ سے ملنے سے معذرت کرنی اور سے تمہارے دوھیال والوں نے اس کے دل پر بہت گھناؤنا لے کر وہ وفا شعار بندی منہ سے اف نہ نکالنا سر جھکا کر گزارا کیا وہ تو ان لوگوں کے دباؤ میں اس قدر رہتی ہے کہ اگر میں ابھی بھی ان لوگوں کے خلاف کچھ منہ سے نکالوں تو انہی مجھ سے ہی نرہیتے گی۔“ دردانہ نے

بھانجی کے بھولے پن کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی سوجوں کا رخ متنی سمت پر موڑ دیا۔ سونیا کئی تیزی نہیں تکتے تھی کبھی گستاخ حمیرا پھوپھی نہیں کبھی سوچتی بڑی خالد کہہ تو سچ رہی ہیں۔ جب ہی تو شاہ کے رشتے والے معاملے پر اس کی ماں جینی کی جگہ ان لوگوں کا ساتھ دیتی ہے۔ دردانہ نے بیچ بول دیا اس کا کام ختم سونیا کو سوجوں میں

اس گھر میں آئے گا پر میری روح بہت پیچھے رہ جائے گی۔“ سونیا کو اس کی محبت بھی دھونس اور دھمکی ملی وہ اس کی محبت کو سمجھ ہی نہیں پائی تھی۔

”اتنی بے زار ہو مجھ سے؟“ شاہ مراد کی آنکھوں میں اچانک نمی اتر آئی وہ جھٹکے سے وہاں سے ہٹا اور تیز قدموں سے باہر نکل گیا سونیا وہیں کاؤنٹر پر سر ٹکا کر بری طرح رو دی۔ انسانی فطرت بھی عجب تغیرات کا مجموعہ ہے۔ حاصل محبت کو نظر انداز کر کے نا حاصل چیزوں کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے، شاید مغالطے میں رہتا اسے پسند ہوتا ہے تب ہی تو سونیا بھی لفظوں کے ہیر پھیر میں اچھی رہی دل کی آنکھ سے دیکھتی تو شاہ کی محبت کی چٹائی پر ایمان لے آتی۔

.....☆☆☆.....

”کیا بات ہے، ہماری سونیا گزرا کیوں اور اس گند رہی ہے۔“ دردانہ نے سونیا کے برابر بیٹھ کر پیار سے پوچھا، جو کتا میں اپنے سامنے پھیلانے کی گہری سوچ میں گم تھی۔ شاہ مراد نے اسے بہت ہرٹ کیا تھا۔ اس دن کی لڑائی کے بعد سے دونوں میں بات چیت بھی بند تھی۔

”کچھ نہیں خالد جانی! بس پڑھتے پڑھتے سر میں درد ہونے لگا تو یہاں آ گئی۔“

”اچھا یہاں آؤ میں بالوں میں تیل لگاؤں۔ ایسا مساج کروں گی کہ سنا درد بھاگ جائے گا، بچپن میں تمہاری ماں کے کرتی تو وہ فریش ہو جاتی تھی۔ یہ تو بس رخصتی کے سسرال والوں کی وجہ سے بیچ میں دوریاں سن کر ہو گئیں۔“ انہوں نے تیل کی بوتل اٹھائی اور اس کے سر پر مساج کرتے ہوئے جھوٹ گھڑا۔ اس بات پر تو پورے گھر کو کمال حاصل تھا۔

”وہ ہی تو بڑی خالد میری ساری سہیلیاں اپنے تمہیال والوں کے قصے سناتی ہیں تو میرے پاس بتانے کو کچھ ہوتا ہی نہیں۔ بس حسرت سے ان سب کا منہ نکا کرتی۔“ اس کی آواز گھوگر ہوئی دردانہ کا شاطر دماغ فوراً کام میں لگ گیا۔

”میری بچی! ایسا ظلم..... پر تم ظفر میاں سے کہہ کر

گم پا کر مسکراویں۔

کپڑے پیڑ پر رکھ کر سفینہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ بتائی۔

خالہ! آپ اور سونیا مجھے بہت اچھی لگیں اوروں سے بالکل مختلف بے غرض..... بدایا۔ ”رکشی کو اس کا لہجہ دیکھ کر سالگاہہ کچھ کچھ سمجھ گئی۔

”ہونہہ..... آیا شروع سے ہی کچھ الگ مزاج کی ہیں ابھی شروع شروع کی بات ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمہارے ساتھ سیٹ ہو جائیں گی ویسے بھی میری ایک بات پلو سے باندھے رکھنا یہ شرقی عورت ہی ہے جسے دکھ چھیلنے کا سلیقہ ہوتا ہے ان درد ختوں کی طرح جو صوب کی سختی جمیل کر بھی اپنے نیچے بیٹھنے والوں کو سایہ فراہم کرتے ہیں بالکل اسی طرح ہماری عورتوں کی قربانیوں کی وجہ سے ہی گھرنے جڑے رہتے ہیں۔ ”رکشی نے بظاہر اس کی دل جوئی کے لیے لکھتیں کی ورنہ وہ جانتی تھی کہ آپا کے ساتھ گزارا کرنا ایسا آہل نہیں۔

”چھوڑیں خالہ! میری قسمت میں جو برائی لکھی تھی وہ مجھے مل گئی مگر سونو.....“ ابھی اس نے یہ ہی بولا تھا کہ دردانہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی اور سفینہ کا رنگ فق ہو گیا۔

آئیے نا آپا! بیٹھے میں نے سفینہ کو بلایا تھا مشورہ کر سکوں کہ پنک پر کون سے کپڑے پہنوں؟ ”رکشی نے دردانہ کا لال بھوکا چہرہ اور سفینہ کو گھبراتا دیکھ کر جلدی سے بات بتائی۔

”ہاں کیوں نہیں بھلا مجھے کیا اعتراض ہوگا پر مجھے بھی ابھی سفینہ سے بہت ضروری کام ہے۔“ انہوں نے دونوں کو گھور کر دیکھا۔

”چلو کوئی نہیں میں یہ باوای کرتا شلوار پہن لوں گی تم جاؤ دیکھو انہیں کیا کام ہے؟“ رکشی نے نرمی سے کہا اور سفینہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔

”بہو! ذرا میرے کمرے تک چننا۔“ انہوں نے کچا چبا جانے والی ٹکاہوں سے دیکھا بتاؤنی لگاوت دکھائی۔

”جی چلیے۔“ سفینہ کے منہ سے مری مری آواز نکلی وہ فوراً ان کے پیچھے سر جھکا کر چل دی رکشی کو شہید سا تھا جیسے

”نہیں بڑی خالہ! شاہ مراد اور پھو پھو ایسے نہیں ہیں۔“

وہ کچھ بھی سوچتی پر دل کا ایک کونا ابھی بھی ان لوگوں کی حمایت کر رہا تھا۔ اس سے قبل کے دردانہ اور فساد پھیلائی دردانہ کھلا وہ وبک کر مستعدی سے مساج کرنے لگیں۔

”ارے واہ بھی خالہ اور بھانجی میں بڑے لاڈ ہو رہے ہیں؟“ ظفر اقبال سامان سے لدے پھندے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے تو دردانہ کو سونیا کے سر کا مساج کرتا دیکھ کر چبکے۔

”ہاں بھیا! ہم تو محبت والے لوگ ہیں پیسہ کوڑی تو ہے نہیں پیار محبت ہی پانٹنے آگئے تمہیں بہت زحمت دے رہے ہیں اب واپسی کا سوچ رہی ہوں۔“ دردانہ نے مسکرا کر بہنوئی سے لہجہ سے کہا رکشی جو ان کے پیچھے اندر داخل ہوئی تھی، ان کے جانے کا سن کر دل ہی دل میں خوش ہوئی کہ کوئی طوفان لانے سے پہلے آپا نے واپسی کا تو سوچا ورنہ تو اس کی جان سولی پر لگی ہوتی تھی۔

”یہ کیا آپا ہمیں غیر سمجھتی ہیں اتنے سالوں بعد تو آئی ہیں ابھی تو میں آپ کو بالکل جانے نہیں دلوں گا خیر یہ لیجیے میں نے اپنی آپا کے لیے یہ تین سوٹ خریدے ہیں امید ہے کہ پسند آئیں گے؟“ ظفر اقبال نے رکشی کے کچھ کہنے سے قبل ہی ان کے جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا خوش دلی سے مسکراتے ہوئے سفینہ کے قیمتی سوٹ ان کی گود میں رکھے رکشی کے چہرے پر پھیلی مایوسی دردانہ کو مزہ دے گئی۔ وہ کون سا بیج جا رہی تھی۔ ابھی تو ان کا پلان ادھورا تھا سوٹ دیکھ کر ان کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی ظفر اقبال کو دعائیں دینے۔

.....☆☆☆☆.....

”رکشی خالہ! آجاؤں اندر؟“ سفینہ مسکراتی ہوئی رخسندہ کے کمرے میں داخل ہوئی جو اپنی الماری ٹھیک کر رہی تھی۔

”ہاں..... ہاں..... سفینہ آؤ نا انہوں کو اجازت کی کیا ضرورت؟“ وہ خوش دلی سے مزی اور صوفی پر سے

دردانہ کو اس کا اور سفینہ کا تمہائی میں بات کرنا پسند نہیں۔ پہلے بھی وہ ان دونوں کو بات کرنا دیکھ کر چوکنا ہو جاتیں۔ اکیلا نہ چھوڑتی۔ اکثر بیچ میں کود پڑتیں آج ان کے اندازوں کی تصدیق ہوگئی مگر کیوں؟ خوشی حیران ہوئیں۔

.....☆☆☆.....

کیا بات ہے ای کن سوچوں میں گم ہیں؟“ شاہ نے ڈائٹنگ ٹیبل پر رکھی فردوس باسکٹ میں سے ایک سیب اٹھا کر کھاتے ہوئے ماں سے سوال کیا۔
”ہاں نہیں مجھے تو خوشی اور سونیا کی سمجھ نہیں آ رہی؟“
اسے حیران بہت چڑھی ہوئی لگیں شہدنی سانس بھر کے اوپر کی طرف دیکھا۔

”کیوں اب کیا ہو گیا؟“ شاہ نے ماں کے پیچھے کھڑے ہو کر کاندھ سے ہاتھ مارنا شروع کر دیا۔

”ارے ہوتا کیا ہے، آج مجھے سونیا کو ساتھ لے کر شاپنگ پر جانا تھا تیاریاں پوری ہو تو رسم کی تاریخ رکھی جائے مگر سب ہی تمہاری مامی کا فون آ گیا کہ سونیا اپنی خالہ کی فیملی کے ساتھ پکنگ پر جا رہی ہے اس لیے شاپنگ پر نہیں جائے گی تو آج کا پروگرام کینسل کر دیں۔“ انہوں نے تفصیل بتائی تو شاہ کے دل پر کاٹا سا چھینا کھلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کے ماموں کے گھر کوئی پروگرام بنا پر اسے خبر نہیں۔

”او..... ہاں پتا ہے سونو کی کال تو آئی تھی جانتی ہیں نا کتنا اہلکنو ہو گیا ہوں۔“ شاہ نے ماں سے نظریں چراتے ہوئے بات بتائی ورنہ آج اس نے آفس سے چھٹی ہی اس لیے کی تھی کہ وہ ان دونوں کو شاپنگ پر لے کر جائے گا۔
حیران میں بیٹے کی بدلتی رنگت مجھ افسردہ ہوگئی تھی پر جی بھر کر غصہ آیا۔

”شاہ! ادھر آ کر نیمو میری بات غور سے سنو۔“ انہوں نے بیٹے کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر والی کرسی پر بٹھایا پیار سے ماتھے پر گرے سلگی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

”جی امی! بولے۔“ وہ ماں کی محبت پر زبردستی مسکرایا۔
”بیٹا! مجھے سونو بہت پیاری ہے مگر تم سے زیادہ نہیں

بھلا اس طرح سے زندگی کی گاڑی کیسے چلے گی؟ ہمیشہ شادی اس سے کرنی چاہیے جو تمہیں چاہے زندگی مسرتوں سے بھر جاتی ہے ورنہ وہ ہی حال ہوتا ہے جو تمہارا ہورہا ہے۔ اس بارے میں اچھی طرح سے سوچ لو ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔“ انہوں نے بڑی سنجیدگی سے بیٹے کو دبے لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کی۔

”دیر تو ہو چکی ہے امی الب تو یہ مرض ناقابل علاج ہے۔“ اس نے سینہ مسلتے ہوئے بے قراری سے کہا حیران نے بیٹے کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ سفیدنی شرٹ اور بلیو جینز میں اونچا لمبا اس کی وجاہت نظر انداز کی جانے والی تو نہیں لیکن شاید سونو کو شاہ کی محبت بن مانگے مل گئی جب ہی اس نے قدر نہ جانی۔

”تم اس کی خاطر کتنا بھی جھوٹ بولو مجھے سب خبر رہتی ہے اس دن بھی جب وہ لوگ یہاں آئے اس لڑکی نے جانے ایسا کیا کہا کہ تم تیزی سے گاڑی بھگاتے جانے کہاں نکل پڑے وہ بھی خوشی کو لے کر فرار واپس چلی گئی۔ میں کوئی بچی نہیں ہوں جو ان ہاتوں کو نہ سمجھوں بالشت بھر کی لڑکی نے نچایا ہوا ہاپنے معاملات سدھار لو ورنہ..... جس دن میرا دم مارغ خراب ہوا میں ظفر بھائی سے بات کرنے پہنچ جاؤں گی۔“ جوان بیٹے کی بے چارگی پر ان کا مزاج اٹھتے پانی جیسا ہو گیا۔ شاہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے ہات ماموں تک جانے کا مطلب کچھ بھی ہو سکتا تھا وہ سونیا کے معاملے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا تھا۔

”پلیز امی! مجھے ایک بار سونو سے بات کر لینے دیں اس کے بعد بھلے آپ ماموں سے بات کر لیجیے گا۔“ اس نے ماں کے کندھ سے ہاتھ ہاتھتے ہوئے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”ٹھیک ہے مگر یہ بات یاد رکھنا زبردستی قائم کیے جانے والے رشتے نا پائیدار ہوتے ہیں ویسے بھی میرے بیٹے میں کوئی کمی نہیں جو ہر وقت اپنی تذلیل کروانا پھرے یا تو سونو سدھر جائے ورنہ میں جا کر خود ہی یہ رشتہ ختم کر دوں گی۔“ انہوں نے اٹھی اٹھا کر وارننگ دی۔ لہجے کی سختی نے شہرہ راؤ کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا اس نے ہمیشہ یہی محسوس

کیا جیسے اس کی روح کے مار سونو کی محبت سے جڑے ہوئے ہیں اس کے بغیر جینے کا تصور بہت پھیکا اور اتنا بے رنگ لگتا۔ شاہ نے ایک جبر جبری لی اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔

..... ☆ ☆ ☆

”بات سنو بی بی جو ماں سے زیادہ پیار جٹائے، پچھا پچھا کتنی کہلائے اگر میری بہن اور بھانجی کے لیے تمہارا کبچہ پھڑک رہا ہے یا ان کی ہمدردی میں پاگل ہوئی جا رہی ہو تو مجھے علاج کرنا آتا ہے اسی طرح سے جانتی ہونا؟“ دردانہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سفینہ کو بستر پر دھکیلا اور اس پر چھٹی ٹوہیہ جو بستر پر لیٹی فیڈر لی رہی تھی سہمتی۔

”اماں! وہ میں تو بس خالہ کی نہ دکر رہی تھی۔“ سفینہ کے منہ سے بے ربط جملے نکلے۔

”بس..... بس سب جانتی ہوں زیادہ دوسروں کی بھلائی میں ہلکان ہوئی تو خود پر ترس کھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گی۔“ دردانہ نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔ سفینہ چپ ہو گئی، جگ جتی تو انسان بھول سکتا ہے من جتی بھولنا بہت مشکل ہوتا ہے اس نے تو پانچ سال جیسے کانٹوں پر گزارے تھے۔

”اماں! خوشی خالہ اتنی اچھی ہیں اور سونیا تو ابھی بہت ہی کم عمر اور معصوم ہے میں کہہ رہی ہوں کہ صہیب کو تو کئی اور لڑکیاں مل جائیں گی۔“ اس کی شادی شاہ سے ہونے دیں۔“ اس نے دردانہ کو خاموش دیکھا تو کھسن لگاتے ہوئے سمجھانا چاہا مگر دردانہ نے دانت چکچکی کر اس کا ہاتھ مروڑ دیا۔

”آہ..... اماں... پلیز میرا ہاتھ تو چھوڑیں۔ بہت درد ہو رہا ہے۔“ اس کے منہ سے سسکاری نکلی مگر دردانہ کی گرفت اس کی نازک کلائی پر اور سخت ہو گئی۔

”لڑکی اپنے جامے میں رہو مجھے زوہیب نے سب بتا دیا ہے تو صہیب اور سونو کی شادی کی بڑی مخالفت کر رہی ہے اگر خوشی سے کچھ کہا تو چوٹی سے پکڑ کر گھر سے نکالنے میں دیر نہیں کروں گی ویسے بھی تم جیسوں کا کوئی دوسرا ٹھکانا

کہاں ہوتا ہے؟“ دردانہ نے دھیمی آواز میں دھمکی دی۔

”میری بات مان لیجیے میں تو غیر سہمی سونو تو آپ کی بھانجی سے پلیز اس کا پچھا چھوڑ دیں۔“ اس نے لجاجت سے منت کی۔

”دنیا کے بازار میں اپنے لیے خود سے بر تلاش کرنے والی لڑکیوں کے منہ سے نصیحتیں مرہ نہیں دیتیں اس لیے میرے اور سونیا کے معاملے سے دور رہی رہو یہ ہی تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ جتنی ستی ساواری بن کر خوشی کے سامنے پیش ہوتی ہونا سارا کچھا چھٹا کھول کر رکھ دوں گی۔ منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی۔“ دردانہ جب بد لحاظ ہوتی تو انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔

”اماں! سوچ سمجھ کر بولے بات کھلی تو سارے چہرے ہی بے نقاب ہو جائیں گے پھر کیا میں اور کیا آپ؟ سب ایک ہی قطار میں کھڑے نظر آئیں گے میرا تماشہ بنانا ہو تو خود تماشہ بننے کے لیے بھی تیار رہتا۔“ سفینہ بھی اذیت کی انتہاؤں پر پہنچ کر بولی۔

”جو اس بند کرو بڑی چلی ہے مجھے سکھانے ارے مجھے جانتی ہونا؟ ٹوہیہ کو تھیم خانے میں پھانگو ادوں گی پچی کی صورت کو ترسا دوں گی ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی۔“

دردانہ نے اپنے ہاتھوں کی گرفت اس پر سخت کی اور دکھتی رنگ پر پاؤں دھرا۔

”آپ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی ہیں۔“ سفینہ نے تنفر سے دردانہ کو دیکھا۔

”ہاں تم جانتی ہونا کہ میں بہت کچھ کر سکتی ہوں پر تم کچھ نہیں کر سکتی کس زعم میں ہو بی بی تمہارے سیکے والے بھی منہ نہیں لگاتے ورنہ کیا تھا امیر ماموں سے کہہ کر زوہیب کو نوکری نہ دلوادیتی اب ایک راستہ کھل رہا ہے تو چلیں دیوار بننے بھلائی اسی میں ہے کہ اپنا منہ بند رکھو۔“

دردانہ کے مزاج کا سورج سوانیزے تک جا پہنچا تھا معاملہ صرف بیٹے کی شادی کا نہیں ان سب کی بقاء کا بھی تھا۔ جتنا قرضہ چڑھا ہوا تھا اس کی جلد واپسی کی تدبیر نہ کی تو گھر واپسی کی بھی امید نہ تھی۔

گیا اس سے دل میں اٹھتا اور دوشیزا کرنے کی معصومی خواہش نے سر اٹھایا اور سونو اسے نظر انداز کر کے اپنے کام میں دوبارہ مصروف ہوئی۔ وہ بری طرح سے جل بھن کر کباب ہو گیا۔

”شاہ بیٹا! تم کب آئے؟“ رخصتی بچن میں آئی تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اس سے زیادہ اس کی خاموشی نے پریشان کیا اور نہ جہاں وہ موجود ہو وہاں ہنگامے آکھ چھوٹی ٹھیلے نظر آتے۔

”بس مائی! غیروں سے کیا شکوہ اسنے بھی اپنے نہیں رہے۔“ اس نے سرخ آنکھوں سے سونیا کو گھورا اور افسردگی سے بولا۔

”ہائے ایسے کیوں بول رہے ہو؟“ رخصتی نے پیار سے اس کی کمر روھپ لگائی۔

”آپ لوگوں نے پنک کا پر وگرام بنا لیا مجھے بتایا بھی نہیں کم از کم مجھے آپ سے تو یہ امید تھی۔“ شاہ کی آنکھوں سے ہار آگئی جھکنے لگی حقیقت یہ تھی کہ ہزار لڑائی سہی پر سونیا نے اس سے پوچھا تھا کہ شاہ کو بھی بلا لیں پر انہوں نے منع کر دیا وہ خود ماں کی اس بات پر حیران رہ گئی۔

”وہ بیٹا! ان لوگوں نے اچانک ہی بیٹھے بیٹھے پنک رکھ لی میں نے سوچا تم اس میں ہو گے اس لیے بتایا نہیں۔“ رخصتی کو جلدی میں یہ ہی بہانہ موجد اور نہ حقیقت یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دروازہ آپا اور شاہ مراد کا آگس میں زیادہ ٹاکرا ہو اور وہ اس کے سامنے الٹا سیدھا بول دیں۔ پر انسان ہزار تدبیریں کر لے جو برائی اور غمیش ہوتی ہے وہ ہو کے ہی رہتی ہے۔

”چھینیں کوئی بات نہیں میں بھی پوری تیاری سے آیا ہوں۔“ اس نے سائیز میں رکھے بیگ کی طرف اشارہ کیا، جس میں بیٹ، ہال، گم، چپس کے پیکٹ، منرل واٹر کی بوتل اور جوس کے ڈبے رکھے نظر آئے۔ مائی کو پشیمان سنا دیکھ کر اس نے اپنے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ اپنی جون میں واپس آتا ہے ٹکلفی سے ہاتھیں کرتا شاہ مراد رخصتی کو بہت بھنایا۔

”اچھا اماں! میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی بس میری گڑیا کو میرے پاس رہنے دو۔“ سفینہ نے اس کی سخت گرفت سے نکلنا چاہا تو دروازہ نے زور کا جھکاؤ دے کر اسے پرسیدھکیل دیا اور وہ بستر پر جا گری۔

”ہاں یہ بی بی بہتر ہے۔ سفینہ ذرا سوچو تمہارا میاں کھاتا ہی کتنا ہے یہ میرا ہی حوصلہ ہے کہ تم سب کا خرچہ اٹھا رہی ہوں کل کو میں نہ رہی تو تم سب کا کیا ہوگا ایک صہیب ہے اسے بڑیاں گھلا گلا کر بڑھایا لکھیا مگر وہ چھوٹی موٹی نوکری کرنے کو تیار نہیں میں کس کے پاس جا کے فریاد کروں یاد رکھنا میرے بعد تم سب کی زندگی جہنم بن کر رہ جائے گی۔“ دروازہ نے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے اور بڑبڑائی ہوئی باہر نکل گئی۔

”ویسے کون سی ہماری زندگیاں جنت کا نمونہ ہیں ساری عمر آپ نے دوسروں کے ساتھ برا کیا پھر بھلا اچھائی کی امید کیسے لگائے بیٹھی ہیں آپ کچھ بھی کہیں اگر مجھے موقع ملا تو میں ان لوگوں کو اس دھوکے سے بچا کر رہوں گی یہ کون سا فلسفہ ہے کہ اپنے دکھوں کو کم کرنے کے لیے دوسروں کو دھوکا دیا جائے میں نے تو عمر بھر دھوپ میں جھنا ہے کوئی شجر کوئی سایہ دور دور تک دکھائی نہیں دیتا پر میں سوچو ایسی حالت تک پہنچنے نہیں دوں گی۔“ سفینہ نے اپنی بیٹی خوبیہ کو تھپکتے ہوئے سوچا ویسے بھی ایک بیٹی کن ماں بننے کے بعد سے اس کا دل سارے جہ کی بیٹیوں کے لیے گداز ہو گیا تھا۔

.....☆☆☆☆.....

”کیا بات ہے؟ لوگ آج کل بہت مصروف ہیں لفٹ ہی نہیں کراتے۔“ سونو جلدی جلدی میکر سے سینہ دوج نکال رہی تھی، اس کے یوں قریب آ کر زور سے پوچھنے پر وہ ڈر کر اچھل پڑی۔ اس کی بچکانہ حرکت پر ناواری سے منہ بتایا۔

”سونو! کبھی تو مسکرا دیا کر دو۔“ شاہ مراد نے دکھ بھری نظروں سے اسے دیکھا ماں سے بات کرنے کے بعد اس کا دل اتنا ہولا کہ وہ صبح صبح ہی ناموں کے گھر پہنچ

سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر 237 اپریل ۲۰۱۵

سب ہوا کیا ضرورت تھی جھگڑا بڑھانے کی پر سونیا کے رد عمل نے انہیں شاداں و فرحاں کر دیا۔

گھر کا ماحول ایک دم بدل گیا سفینہ نے دکھ بھری نگاہوں سے ساس اور خالہ ساس کو دیکھا دل ہی دل میں اپنا عہد دہرایا۔

.....☆☆☆.....

”سونو جانی! چلو اصرار کر بیٹھو میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے اچاڑا، پر اٹھے کا ناشتہ کراؤں میری تو کوئی بیٹی نہیں سارے ارمان تم پر ہی پورے کروں گی۔“ دردانہ نے چھوٹا سا فقرہ بنا کر سونیا کے منہ میں ڈالا۔ اس نے نوالہ چباتے ہوئے سرشاری سے آنکھیں بند کر لیں صہیب جو سامنے تخت پر پڑا بیٹھ رہا تھا جلدی سے سونو کے برابر آ کر چپک کر بیٹھ گیا وہ فوراً کھسک کر دور ہوئی۔

”اماں! یہ کیا سونیا سے ملتے ہی مجھے بھول گئی میں بھی کھاؤں گا۔“ صہیب نے سونیا کے منہ میں جاتا ہوا نوالہ لپک لیا تو سونیا جھجک کر پیچھے ہو گئی اسے برا تو لگا پر خالہ کی محبت میں برداشت کر گئی دردانہ نے پیار بھری نگاہوں سے دونوں کو ساتھ ساتھ بیٹھا دیکھا۔ رخصتی جو دھوپ میں کرسی ڈالنے لگی تھی اندر تک کھول نہی۔

”داوی! مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے مجھے بھی کھلا دیں نا۔“ پوتی نے ان کی ٹانگیں پکڑ کر ہلایا تو انہوں نے ناگواری سے گھورا۔

”او بے بی! تم یہاں آ کر میرے پاس بیٹھو داوی تمہیں بھی کھلا میں گی۔“ سونیا نے پیار سے ٹوہیہ کوا اپنے اور صہیب کے درمیان جگہ بنا کر بیٹھا یا معصوم سی بیٹی سونیا کو بہت پیاری لگتی تھی وہ عام بچوں سے الگ نہ کوئی ضد نہ ہی بلا وجہ کا رونا دھونا چپ چاپ اپنے کھلونے سے کھیلتی رہتی۔ وہ کالج سے واپسی پر اس کے لیے روزانہ بہت سی چاکلیٹس لاتی تو ٹوہیہ کی آنکھوں میں روشنیاں ہی بھر جاتیں۔

گھر کے ماحول میں پچھلے چند دنوں سے تناؤ سا تھا رخصتی اور سونو میں بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی پر دونوں

نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ظفر اقبال کو ان دنوں کے اختلافات کی ہوا بھی نہ لگنے پائے باپ سے کیا گیا وعدہ رخصتی کے پھروں کی زنجیر میں گیا ورنہ آپا کو کھڑے دم چلنا پڑتی۔ دردانہ اسی نرم مزاجی کا توفیق تھا اٹھا رہی تھی۔ رخصتی پر اس کا دباؤ مسلسل بڑھ رہا تھا اس نے مطالبہ کیا کہ صہیب اور سونو کے رشتہ کی بات ظفر اقبال کے کان میں ڈالے۔ رخصتی مختلف بہانے بنا ہٹا کر تھک گئی پر دل کی بات کی بہن کو خبر نہ ہونے دی اسے پتا تھا کہ آپا کو جانا تو پڑے گا ہی وہ کب تک اپنا گھربار چھوڑ کر یہاں پڑی رہیں گی وہ صبر سے اس گھڑی کا ہی انتظار کر رہی تھی کہ جیسے ہی وہ رخت سفر باندھیں اور لاہور روانہ ہوں وہ دوسرے دن ہی نندکی طرف دوڑ لگائے سونیا نے اسے جتنا ستلایا۔ اس کے بعد تو اس نے تہیہ کر لیا اب تو رسم کی بات نہیں ہوگی بلکہ ڈائریکٹ شادی کی بات طے کی جائے گی۔

آپا کے ارادے اس پر سفینہ کے ساتھ ان کا رویہ اس کا گھبرایا ہوا انداز رخصتی کو اشاروں کنایوں میں بہت کچھ سمجھانے کی کوشش ان سب باتوں نے مل کر رخصتی کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجادی تھیں ایک اور بات جو اسے سخت بری لگتی وہ صہیب کا بہانے بہانے سے سونو گرد منڈلا نا دونوں میاں بیوی نے اپنے گھر کا ماحول اور بیٹی کی تربیت جتنے سیدھے سادے انداز میں کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سونو کو کھرے کھونے کی پہچان نہ ہو پاتی۔ سب کو اپنی طرح صاف دل کا سمجھ کر ملتی رخصتی کا دل اس دن سے ذرتا تھا کہ ننھیال کی محبت کے جھولے جھولتی سونیا جس طرح ان لوگوں کے ساتھ قہقہے بڑھانے میں مصروف ہے ایک دفعہ اعتماد کی یہ رسی ٹوٹی تو وہ دھڑام سے منہ کے تل جا گرے گی۔ وہ بس اپنی بیٹی کو ایسی ہی تکلیف سے پہچانا چاہتی تھی مگر دردانہ آپا موقع ہی نہیں دیتیں۔

.....☆☆☆.....

دل اداس ہوا تو نضام میں عجیب جس طاری ہو گیا سونیا بیزار سی لان میں نکل آئی۔

”شاہ کا بچہ، دال دال کچا، لگتا ہے اس بار پکا پکا ناراض

ہو گیا ہے۔ کتنے دنوں سے آیا ہی نہیں۔ شاید اس دن مجھ سے کچھ زیادتی ہوگی خیر وہ بھی تو کم نہیں چلو اچھا ہے، جس کم جہاں پاک سونیا نے سورج کی شعاعوں کو گھورتے ہوئے سوچا جنہوں نے لان کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ شاہ مراد کی یاد نے اسے بے چین کیے ہوئے تھی، وہ دنوں ہمیشہ ایسے ہی لڑتے پھر مان بھی جاتے، مگر اس بار تو اتنا کھیل درمیان آ گیا تھا اب کس کی جیت کس کی ہار ہوتی یہ تو آنے والے وقت کو ہی خبر تھی۔

”اف! کتنا خشک اور بورنگ موسم ہے کیا کروں؟“
سونیا نے آسمان کی طرف دیکھا جس کا رنگ بدلنے لگا وہ تھک کر سبز سیوں پر ہی بیٹھ گئی کہ اچانک دور سے بادلوں کے گرجنے کی آواز آئی اور تیز ہوا میں چلنے لگیں وہ موسم کی تبدیلی پر خوش ہو کر کھڑی ہو گئی تھوڑی ہی دیر میں بارش کے قطرے نے ہس کے حسین رخساروں کو چھو لیا، مست ہواؤں کے ساتھ ہونے والی تیز پھوار نے لان کے پتے پتے کو میراب کر دیا مگر جانے کیوں اس کی پیاس بڑھ گئی موسم کا لطف اٹھانے لان کے پتوں سے نکلتے جا کر کھڑی ہوئی۔ ہوا کے ساتھ جھومتے ہوئے شفاف پانی کے قطرے اسے بھو گئے نگ۔ اس نے جھوم کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا موسم کی خوش گو اور تبدیلی نے جیسے جادو بھری چٹنی بجا کر سارا منظر ہی بدل دیا تھا۔ محل کر صاف ہو جانے والے ہرے بھرے جھومتے ورخت، چٹتی ٹہنیاں بہتے پھول جن پر سے نکلتے شفاف پانی، سونیا نے بڑھ کر اسے اپنی اوک میں بھر کر فضا میں اچھال دیا۔

”کچھ بھینسے سال ہونے والی بارشوں میں شاہ مراد نے کتنی شرارتیں کی، مگر اس سال وہ سزا ہوا منہ بنا کر گھر ہی پڑا ہوگا۔“ سونیا کو ایک دم اس پر غصہ آیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جب کوئی ہم پر غار ہوتا رہتا ہے تو ہمیں اس کے جذبوں کی قدر نہیں ہوتی، جب وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ جاتا ہے تو ہمیں اس کی یاد ستانے لگتی ہے۔ سونو بھی شاہ مراد کے بحر میں لاشعوری طور پر اتنا جکڑ چکی تھی کہ ہر خاص موقع پر اس کے سنگ گزارے پل کی حسین یادوں کی یاد دہارا سے

اپنے نشانے پر رکھ لیتی پر وہ جب اس بات کا اقرار کرنے لگتی تو انداد یواریں کر راہ میں کھڑی ہو جاتی۔ پر اس وقت چہرے پر پڑنے والی پانی کی بندوں نے یہ احساس دلا ہی دیا کہ شاہ مراد کی کمی بہت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔
”شاہ مراد! میری زندگی میں تمہاری کچھ نہ کچھ تو اہمیت ہے، ورنہ اس طرح سے تمہاری یاد نہ ستانی۔“ سونیا نے پتلیکھیں بند کر کے بارش سے لطف اٹھا کر کھلی بار پنے دل میں اعتراف کیا۔ ایک پیاری ہی مسکراہٹ نے اس کے گرد محبت کا ہالہ بنا کر اسے انمول بنا دیا۔

صہیب جو اس کے ساتھ اس پیارے موسم کو انجوائے کرنے، اسے ذمہ داریاں باہر آیا تو سونو کے بھینسے حسن کی حشر سامانوں نے اسے جیسے بے خود کر دیا، کھینسی زلفیں، بند آنکھوں پر سایہ کیے ہوئے بسی پلکوں پر نہرے پانی کے قطرے۔ وہ اس وقت قدرت کی صنائی کا ایک شاہکار نظر آ رہی تھی۔ صہیب جیسے آوارہ مزاج کا دل مستی میں ڈولا، بے خودی میں وہ اس کی طرف بڑھا کہ شاہ کی کڑکتی آواز نے اس کا نشہ ہرن کر دیا۔

”سونو! چلو جلدی اندر جاؤ۔ کیا صہیب بنایا ہوا ہے۔ فوراً کپڑے بدل کر آؤ۔“ شاہ نے قہر آلود نگاہوں سے صہیب کو گھورتے ہوئے اپنا اپرا تار کر سونیا کو اس میں لپیٹا اور سختی سے گھسینتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ آنکھیں کھولے حیران و پریشان اس کے ساتھ گھسیتی چلی گئی۔ شاہ کا جلال دیکھ کر صہیب ذر کر وہیں دبک گیا۔ وہ دونوں بارش میں اتنے متن تھے کہ کھلے دروازے سے اندر آتے شاہ مراد پر نظری نہ پڑی۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔ شاہ پلیز! میرا ہاتھ تو چھوڑو۔“ سونیا جس نے اس کے چیخنے پر آنکھیں کھولیں تمام باتوں سے لاعلم اس کے ہاتھوں کی سخت گرفت سے نکلنے کو بے تاب ہوئی۔ سفید کلائی پر شاہ کی انگلیوں کے نشان مثبت ہو چکے تھے اس کے جارحانہ انداز پر کچھ ویرنبل اٹھنے والی محبت کا جذبہ ایک دم ہوا ہو گیا۔

”مجھے مزید کوئی بات نہیں کرنی، پہلے تم اندر جاؤ اور

کپڑے تبدیل کر ڈیال خشک کرو اور انسانوں کے حلیے میں
واپس آؤ۔" شاہ نے اس کے بھگے بدن سے نظریں چرائی
اور گرجا، سونیا جو ساری باتوں سے لاعلم تھی اس کے اس
طرح سے رعب جمانے پر اس کا دماغ بھی گرم ہو گیا
سارے سنہرے جذبے غصے کے ریلے میں بہ گئے اور وہ
پہنچ کر ہاتھ روم میں ٹھس گئی۔

"اس کی بری نگاہوں سے اپنی سچی موتی سی سونیا کو
چھپا کر رکھنا پڑے گا۔" شاہ وہیں کھڑا تھیاں۔ پھینچتا سامنے
کھڑے صہیب کو گھورنے لگا۔

.....☆☆☆.....

"سونیا! میں تمہیں پہلی اور آخری بار وارننگ دے رہا
ہوں کہ اگر آئندہ تم مجھ سے اس گھٹیا کزن کے آس پاس
بھی نظر آئی تو تمہاری خیر نہیں۔" سونیا نے جیسے ہی موبائل
پر شاہ کی کال آئینڈ کی وہ بولا۔ سونیا کا دل عجیب سا ہو گیا وہ
ٹی وی کے سامنے بیٹھی اپنا من پسند سوپ دیکھ رہی تھی کہ
اس کا فون آ گیا وہ خواہ مخواہ اٹھنے لگا۔

"شاہ مراد! اب آپ اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ
میں کس سے بات کروں اور کس سے نہیں؟" سونیا نے بھی
غصے سے پوچھا۔ دردانہ کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ بھی
وہی بیٹھی کیوں رہا ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"ہاں بالکل جو میں کہوں گا تمہیں وہ سب ماننا پڑے
گا۔ تم جانتی ہونا کہ میں تمہارے لیے کتنا پیٹتی ہوں یہ بات
قطعی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی ایرا غیر امنا اٹھا کر تمہیں
گھورتا رہے۔" شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فون میں
سے نکل پڑے اپنی پیاری مائی کی وجہ سے اس نے غلط کیا
ورنہ اسی وقت یہ قصہ بے باقی نہ رہتا۔ فون پر اسے پیار سے
سمجھانے کے لیے کال کی تھی مگر اس کے بے فکرے انداز
گفتگو پر وہ جوش سے سائل پڑا تھا۔

"اے سسٹر! تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ پلیز جاؤ اور
جا کر اپنے گھر والوں پر حکم چلاؤ مجھ پر نہیں میں کوئی
تمہاری عظمت نہیں ہوں، ویسے میرے سیدھے
سادھے کزن نے تمہارا بگاڑا کیا ہے؟ جو تم ہاتھ دھو کر ان

کے پیچھے پڑ گئے ہو، مگر تم لوگوں کو تو زبردستی کرنے کی
عادت ہے نا۔" کوئی سونیا کو باتیں سنائے بھلا اسے
کہاں برداشت۔ بغیر سوچے سمجھے فون پر ہی چلانے
لگی۔ دردانہ نے صہیب کا ہاتھ دبا دیا۔ دونوں ہی کیونٹ کھانا
چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں کون ہوں؟ اس کا ہاتھ نہیں جلد ہی لٹک جائے
گا۔ رسم گئی بھانڈ میں۔ سونیا ظفر! تم تیار رہنا اب تو
ڈائریکٹ شادی ہی ہوگی۔ نا ڈویٹ اینڈ وایج۔" شاہ کی
آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔ یہ بے وقوف لڑکی سمجھتی
ہی نہیں۔ اپنے ساتھ ساتھ میرا نقصان بھی کرائے گی مگر
ابھی شاہ مراد زندہ ہے اس کے پیار کو کوئی میلی نظر سے
دیکھنے کی ہمت بھی کرے گا تو وہ آنکھیں نکالنے کی
جرات رکھتا تھا۔

"اوہیلو یہ دھونس کسی اور پر جمانا تم جیسے خشکی انسان
سے شادی..... معاف کر دو پلیز آئندہ یہاں فون
کرنے کی زحمت مت کرنا۔ کم از کم میں تم سے کوئی
رابطہ نہیں رکھنا چاہتی۔" سونیا نے غصہ میں اس کو
جواب دیا اور اپنا سیل فون زمین پر دے مارا۔ رخصتی شور
کی آواز سن کر اس طرف نکل آئیں۔ سینے پر ہاتھ
رکھے جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئیں۔

"اچھا کیا بیٹا! تم کیا کسی سے کم ہو؟ جو بوبو یہ تو میری
بہن کا دماغ ہی خراب ہے جو ایسے خشکی اور بد مزاج لڑکے
سے رشتہ جوڑنے چلی۔" دردانہ نے موقع سے فائدہ
اٹھاتے ہوئے روتی ہوئی سونیا کو گلے سے لگا لیا۔

"آپا پلیز! یہ پہلے ہی بے جا تہمتیں اور زبان دراز ہو گئی
ہے، اس کی بے جا حمایت کر کے مزید سر پر نہ
چڑھائیں۔" رخصتی نے غصے سے سونیا کو تھسیت کر دردانہ
سے الگ کیا۔ وہ بیٹی سے اتنی بے وقوفی کی امید نہیں رکھتی
تھی۔ ان سب کے سامنے اس نے جو تماشہ لگایا۔ اس کے
بعد تو دردانہ کو کھل کر بولنے کا موقع مل گیا۔

"ہاں آپ کے لیے تو میں ہی دنیا میں سب بری ہوں
وہ آپ کا لاؤلا کچھ بھی کہے، میرے ساتھ بھلے جانوروں

جیسا سلوک کرے، آپ کو نظر نہیں آتا۔“ سونیا روتے ہوئے بولی۔

”جی خال! سونیا ٹھیک تو کہہ رہی ہے۔ ہم اس دن بھی بارش میں کھڑے لان کا نظارہ ہی تو کر رہے تھے کہ شاہ مراد آیا اور اسے جانوروں کی طرح گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا بھلا یہ کوئی شرافت ہے۔ نرمی غنڈہ گردی ہے۔ میرا تو اس پر ہاتھ اٹھ جاتا پر خالو کا لحاظ کر گیا۔“ مصیب نے بھی غلط بیانی کرتے ہوئے ہیرو بننے کی کوشش کی۔ رخصتی نے اسے کڑی نظروں سے گھورا اور سونیا کو لے کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

”جانے دے بیٹا! شاہ مراد کا حصہ ہی ہماری راہیں ہموار کرے گا۔“ دردانہ نے فلسفہ بھاڑا۔ مصیب کی باغیچیں چمکیں، دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ایک سی فطرت، ایک سا مزاج۔ سوچتے بھی ایک جیسا ہی تھے۔

”مجھے بھی یہی لگتا ہے۔ ویسے اماں میری اداکاری سے خالہ بھی متاثر لگی نا۔“ مصیب ہمیشہ کی طرح خوش فہمیوں کے پہاڑ پر چڑھنا شروع ہو گیا مگر یہ اس کی خواب خیالی تھی۔

رخصتی نے پانی سر سے اونچا ہوتا دیکھا تو مجبوراً کچھ باتیں ظفر اقبال کے گوش گزار کر دیں، جس پر انہوں نے سونیا کی وہ کلاس لگائی کہ اس کے ہوش ٹھکانے آگئے، دو دن تک کمرے میں ہی بند رہی پر رخصتی نے اس بار اسے منایا بھی نہیں۔ ہاں ودانہ اور مصیب جا کر جی حضوری میں لگے رہتے۔

اپنے گھر کا ماحول بگڑتا دیکھ کر آخر رخصتی نے خود ہی دردانہ سے وہاں سے جانے کی درخواست کر دی جس پر پہلے تو وہ خوب لڑیں پھر اگلے ہفتے واپسی کا عندیہ دیا مشکلوں سے لڑتے لڑتے رخصتی کا بی بی شوٹ کر گیا سفینہ نے خالہ ساس کے گھر کا شیرازہ یوں بکھرتے دیکھا تو رنجیدہ ہو گئی، اس نے زویب کو بھی اس معاملے میں شرمندہ کرنا چاہا، پر وہ کچا گڑھا ثابت ہوا، ویسے بھی اس کی

کوئی اپنی سوچ تو تھی نہیں۔ ان ہی لوگوں کا محتاج۔ یہی اور بچی کا خرچہ بھی ودانہ جیسے تیسے پورا کرتی، پھر وہ کیسے ان کے آگے کچھ بول پاتا، بھائی نے انگ آسرا دیا کہ سونیا سے شادی کے بعد خالو سسر کی فیکٹری میں سب سے پہلے بھائی کو منیجر کی نوکری دلانے گا، جب مفاد پرستی کا دور دورہ ہو تو کوئی پاگل ہی ہوگا جو ج بول کر کانٹوں بھری راہوں پر قدم رکھے گا۔

”سونیا بی بی! دنیا پیسے کی ہے تم مجھے اپنے قاتل نہیں سمجھتی ہوا اسی لیے نظر انداز کرتی ہوں۔“ مصیب نے صبح کالج جاتے ہوئے لان میں سونیا کو پکڑ لیا۔ جو کترا کر نکل رہی تھی۔

”ارے نہیں مصیب، بھائی! اس پر حالتی میں مصروف رہتی ہوں۔“ مصیب کے اس طرح اور اس شکل بنانے سے وہ تھوڑی شرمندگی سے بولی۔

”یہ شاہ کا بچہ بھی کتنی لڑائیاں کروا دے۔ فضول میں ما کا دامغ بھی خراب کر دیا۔“ اس کی تان آ کر ای پر ٹوٹی۔ اس وقت بھی اسی کی فطرتی دکھائی دی۔

شاہ مراد سے لڑائی کے بعد سے سونیا مصیب سے کھنچ سی گئی، ماں کی طبیعت خرابی کا ذمہ دار بھی خود کو جانا تو پاؤں پکڑ کر معافی مانگی رخصتی نے بھی موقع دیکھ کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ شاہ مراد کی بات مانے گی اور مصیب سے بات چیت نہیں رکھے گی۔ مگر مصیب مسلسل اس کے آگے منہ لٹکائے شریف بنا پھرتا۔ وہ نرم دل لڑکی پریشان ہو گئی تھی کہ کس کی سنے اور کس کی نہیں۔ ویسے بھی اسے شروع سے اب تک ہر معاملے میں شاہ ہی قصور وار دکھائی دیتا ورنہ مصیب تو اس کے سامنے بڑی شرافت سے رہتا۔ وہ اسے غلط سمجھتی بھی تو کیسے؟

.....☆☆☆.....

”بھائی! آپ کے پاس ٹائم ہو تو مجھے آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے۔“ سونیا نے اپنی لال ہوتی تاک کو نشوونما سے رگڑتے ہوئے سفینہ سے پوچھا جو کچن میں ڈال کو بکھا رہی تھی۔

”ہاں جانو پوچھو۔“ اس نے چلہا بند کر کے تویہ سے ہاتھ پونچھا اور مسکرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”کیسے کہوں؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اصل میں بڑی خالہ کا آج کل مجھ پر بہت دباؤ ڈال رہی ہیں کہ میں صہیب سے شادی کے لیے رضامند ہو جاؤں، باقی معاملات وہ سنبھال گی۔ ماما کی طبیعت یہ بات سنتے ہی خراب ہونے لگتی ہے پر خالہ نے ہاتھوں میں یہ بھی جنمایا کہ اگر میں نے انکار کیا تو شاید وہ ہمیشہ کے لیے ہم سے سارے رشتے ناتے توڑ دیں گی ان حالات میں میرے پاگل ہونے میں تھوڑی کسر ہی رہ گئی ہے۔ ذہنی طور پر بہت منشر ہو گئی ہوں تو آپ کے پاس چلی آئی، ایک طرف شاہ مراد اور پھوپھو ہیں تو دوسری طرف میری وہ خالہ جنہوں نے مجھے تنصیال کی محبت کا مزہ چکھ لیا۔ میں پھنس گئی ہوں۔“ سونیا نے سر پکڑا تو سفینہ کو اس پر بہت ترس آیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ساس کی جذباتی بلیک میلنگ کے آگے اس بچی کا ٹھہرنا مشکل ہوگا۔ وہ اس کا ہاتھ تمام کر کرے میں لے آئی۔

”سونیا! تم پہلے میرے ایک سوال کا جواب دو؟“ سفینہ نے محبت سے اس کا چہرہ اوپر کیا اور بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

”جی بھائی! پوچھیں؟“ سونو نے سفینہ کو اپنی گلابی آنکھیں سے دیکھا۔

”شاہ اتنا اچھا ہے پھر تم کیوں مسلسل شادی سے انکار کر رہی ہو؟“ سفینہ نے بے دھڑک ہو کر پوچھا کیونکہ آج اس کی ساس اپنے بیٹوں کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھیں۔ وہ تو سفینہ کو بھی یہاں اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں تھی، زبردستی ساتھ لے جانا چاہتی تھی، مگر خوشی کی طبیعت خرابی اور کھانا کھانے کا عذر کر کے دھڑک گئی۔ جلدی جلدی کالی مسور کی دال گوشت اور بھارے جاؤں بنا کر وہ سونیا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ایسا موقع دوبارہ ملنا مشکل تھا۔

”سہندیں بھائی۔ وہ کتنا اچھا ہے مجھے سے بہتر کون جانتا ہوگا۔ ہر وقت کی دھول، دھمکی اپنے مرد ہونے کا

احساس دلاتا رہتا ہے۔ ایسے بھی میں شروع سے ان بچپن کی متکفینوں و تکلیفوں سے الرجک تھی، اپنی دوستوں کا خوب مذاق اڑاتی تھی اب وہ ہی فضول رسم میرے ساتھ باغی ہوئی۔“ سونیا ایک دم پھٹ پڑی۔

”ہا..... ہا..... اب میں کیا کہوں لڑکی کبھی انسان کو ہیرے کی قدر نہیں ہوتی وہ کوئلے کو ہی قیمتی جان کر اٹھا لیتا ہے۔ ہاتھ منہ کا لے ہو جائے۔ تو پتا چلتا ہے کہ اپنے ساتھ کیسا ظلم ڈھایا۔“ سفینہ نے درد بھری آہ بھری اور تکیہ سے کمر نکالی۔

”میں کبھی نہیں؟“ اس کی موٹی عقل سے امید بھی یہی ہی کی جا سکتی تھی۔

”میری ایک بات مانو گی میں جو بات تم سے کرنے جا رہی ہوں اس کا ذکر کبھی کسی سے نہیں کرو گی ورنہ میرے ساتھ بہت برا ہوگا میری گڑبیا مجھ سے چھن جائے گی۔ میری زندگی میں خوشی کی واحد کرن میری بچی سے ورنہ تو میری روح تک کرچی کرچی ہو چکی ہے۔ وعدہ کرو۔“ سفینہ کی پرسوج نگاہوں نے اس کے گھر دیکھ کر اٹک گیا۔ سونو کے بھول پن نے اسے ڈرایا اس کے باوجود وہ رسک لینے کو تیار ہو گئی۔ اپنا ہاتھ آگے کیا جسے سونیا نے گرم جوش سے تمام لیا۔

”جی بھائی! آپ بولے میں آپ کو کبھی کسی مشکل میں نہیں ڈالوں گی اور یہ گڑبیا کو کون آپ سے چھینے گا؟“ سفینہ کے انداز نے اس کے اندر کھد بدم چا دی تھی، وہ سرک کر اس کے نزدیک ہو گئی۔

”تمہاری بڑی خالہ انہوں نے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے تمہیں سچ بتایا تو وہ میری بیٹی کو کسی شیم خانے بھجوا دیں گی۔“ سفینہ وہاں ہی ہو گئی۔

”اچھا ایک بات بتاؤ کیا تم چاہتی ہو کہ جب تم صہیب کی دلہن بن کر اپنے سر رال میں قدم رکھو تو کہیں سے کوئی لڑکی جیل کی طرح آئے اور تمہیں کوچ ڈالے، تمہارے نئے نئے بلیے دلہا کی جوتیوں سے تو امسح کرے؟“ سفینہ کا لہجہ جذباتی ہو گیا۔

کے پھیر میں ہی نہیں پڑتے مگر جب وقت پڑنے پر ان کی قیمت لگوائی جاتی ہے تو وہ ایک پیسے کے بھی نہیں نکلتے پس یہ ہی فرق شاہ مراد اور صہیب میں ہے۔ وہ ہیرا ہے تو صہیب اس کے آگے ایک نعلی پتھر۔ "سفینہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ سونیا جو سفینہ کے پاس پہنچنے آئی تھی اور الجھ گئی پریشانی سے سر کو تھام کر بیٹھ گئی۔

"بھابی! آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں؟" اس نے تھوڑی دیر بعد خیالوں میں کھوئی سفینہ کو گھنٹھوڑا۔

"سونیا! میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہارا دل خراب کروں۔ اشاروں میں سمجھانا چاہا کہ تم ایسے ہی سمجھ جاؤ پر لگتا ہے تمہیں ساری بات بتائی ہی پڑے گی اس کے لیے بھلے مجھے اپنے زخموں سے وہ کھرٹا اتارنے پڑیں جو پانچ سال سے میرے جسم پر ہی نہیں روح پر بھی لگائے گئے۔" سفینہ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

"ہنیز بھابی! ساری بات بتائیں ورنہ میرا دل بند ہو جائے گا۔" سونیا نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی تو سفینہ نے حالی بھری۔

سفینہ حال کو فراموش کیے بہت پیچھے چلی گئی۔ جب وہ اماں کی محسوس ہی سنی تھی مگر زوہیب سے عشق کر کے برباد ہو گئی۔

محبت بھی کیا چیز ہے؟ ایک ایسا طلسمی دروازہ ہے جس سے ایک بار داخل ہونے کے بعد واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ محبت کرنے والے اس کی فوسوں گری میں یوں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ وادی عشق میں چلتے چلے جانے کا جنون کم ہی نہیں ہوتا بڑھتا ہی رہتا ہے۔ محبت سا سحر دنیا میں دوسرا کوئی نہیں، محبت کے متوالوں کی آنکھوں پر خود فراموشی کی پٹی ہی بندھ جاتی ہے پھر وہ ہی نظر آتا ہے جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں عقل کے ہیری بن جاتے ہیں، محبت کے سوز و گداز میں کھوئے اس کے اسرار و رموز کی کھوج میں مدہوش ہو جاتے ہیں۔

اس پرستم عشق کی داستاں میں رقم کرنے والوں کا انداز میاں کے محسوس دلوں کو یوں مسخر کر لیتا ہے کہ ہر کوئی اس

"ارے بھابی! کیسی بات کر رہی ہیں؟ بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے، وہ بھی نئی دہن کے ساتھ لڑکی کو سب سے زیادہ اس دن مان سمان دیا جاتا ہے۔ مجھے تو ایسی کوئی دہن نظر نہیں آئی ویسے بھی صہیب بھائی سے شادی مشکل ہے۔" سونو نے حیرانی سے کہا، اسے شک ہوا کہ شاید سفینہ بھابی مذاق کر رہی ہیں۔

"دنیا میں ایک ایسی دہن موجود ہے۔" سفینہ روتے ہوئے بولی، سونیا گھبرا اٹھی۔

"کون... کون ہے وہ بھابی؟ جس پر اس سہانی گھڑی یہ افتاد آ پڑی۔" سونیا نے جس سے پوچھا۔

"یہ جو تمہارے سامنے بیٹھی ہے... تمہاری سفینہ بھابی... جس نے اس لڑکی کے ہاتھوں مار کھائی، جس کو اس کے دلہانے شادی کا جھانسنے دے کر خوب تحائف اور پیسے بنورے اور بعد میں شادی سے انکار کر دیا۔" سفینہ نے اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا، جیسے دنیا سے بھی چھپاتا چاہتی ہو پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سونو کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بات پر اسے کیسے تسلی دے، جلدی سے دوڑ کر پانی میں گلو کوڑ ملا کر لائی اور اسے پلایا تو سفینہ کو تھوڑا تر آرایا۔

"تم خوشی خانہ کی بات مان لو اور کوشش کرو جب تک ہم میاں سے چلے نہیں جاتے میری ساس یعنی اپنی خالہ اور صہیب میاں سے دور ہی رہو یہ ہی تمہارے حق میں بہتر رہے گا۔" سفینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر دنیاؤں کی طرح کہا، فرزانوں کی صف سے وہ اسی دن نکل گئی جب زوہیب کو دل دے بیٹھی۔

"بھابی! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ خالہ کی فیملی ایسی بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ کیوں مجھے اس بات کا یقین نہیں ہو رہا؟" اس کی آنکھوں میں تشکیک کے رنگ لہرا اٹھے، سفینہ سسکرائی۔

"ہاں تم بھی ٹھیک ہو کیوں کہ جو میں جانتی ہوں، وہ تم نہیں جانتی۔ بعض اوقات چمکتے پتھر کو بھی سمجھ لیا جاتا ہے، اس کی چمک دمک ہمیں یوں مسحور کر دیتی ہے کہ اصل نعلی

کو چہ عشق میں ایک بار تو قدم رکھنا چاہے علی چاہے..... یہ
تو وہ آگ ہے جسے ایک بار چھو جائے وہ اس میں جتنا ہی
رہتا ہے۔ ایسا خوش ذائقہ پھل جو ایک بار چکھ لے اس کی
مناس مرتے دم تک زبان سے نہیں جاتی بس محبت ہی
ہونی چاہیے ورنہ ایسا زہر بن جاتی ہے جس کا کوئی تریاق
نہیں۔ سفینہ بھی اس عشق کے حیل میں اپنا آپ بازیگی۔
.....☆☆☆☆.....

سفینہ کی والدہ سروری بانو کی اپنے سرسراہل دانوں سے
کبھی نہیں بنی۔ زبان درازی وہ مینے سے جہیز میں ساتھ
لائی تھی۔ شادی کے بعد انہوں نے سمجھوتے کی چادر
سے اپنا سر ڈھانپنے کی کوشش ہی نہ کی۔ شوہر سے ہمیشہ
شکایتیں رہیں، سفینہ کی پیدائش کا بھی کچھ خاص اثر نہ
ہوا۔ اب تو اشرف علی ان کی باتوں سے گھبرا کر دوستوں
میں وقت گزارنے لگے، بیچہ روز کی کل بڑھ گئی آخر ان
کے لڑائیاں ایک دن اس سچ پر پہنچ گئیں کہ اشرف کے منہ
سے طلاق کے تین لفظ نکل گئے، پشیمانی سی پشیمانی.....
شریف آدمی اپنے جذباتی قدم پر اپنے افسردہ ہوئے کے
سفینہ کا حق بھی سروری بانو کو دے دیا جو روتی ہوئی بھائی
کے ساتھ جا رہی تھیں۔ انہیں شوہر سے اس حد تک جانے
کی امید نہ تھی۔ گھر چھوٹا سا ہی مگر وہ اس کی ملکہ تھیں۔
اس طرح مینے واپسی کا تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔ اب
تو انہیں ناہانپنا بوڑھا رہنا نہ سفینہ کا دل کچھ کے لگا۔ کہ ان کی
زبان درازی ان کی بربادی کی ذمہ دار بنی وہ زبان جو
سرسراہل میں کترنی کی طرح چستی تھی، یہاں آ کر کہیں رکھ
کر بھول گئیں۔ بھائی سلمی خدا ترس تھیں۔ نندہ لٹوٹنے
والی اقدار افسردہ ہو کر ان کی دل جوئی میں لگ گئیں گل کی
تیز و طرار سروری بانو کی نفسیات آج نئے گل کھلانے لگی۔
آتی زور درخ ہوئی کے خود کو دنیا کی سب سے بد نصیب
عورت تصور کر رہی تھیں، ایسے میں ان کی توجہ اکلوتی بیٹی پر
سے بھی ہٹ گئی۔ اشرف علی کا دل یہاں سے اتنے بے نیاز
ہوا کے دوست کہ بلا دے پر ہمیشہ کے لیے سعوان عرب
سہارا گئے ایسے وقت میں سفینہ کو ماں کی محبت کی بہت

ضرورت تھی وہ باپ کو یاد کر کے چھپ چھپ کر روتی پر
یہاں آ کر سروری نے اپنی دنیا بسائی۔ وہ ہوئی اور اس کا
کو نہ سفینہ ماں کو تھی رہتی۔ ماں کسی لمبی نمازوں کی ادا تکلی
میں مصروف رہتی یا قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول
ہو جاتی، جب دنیا دار مگی تو ایک وقت کی نماز نہ پڑھتی۔
آج مذہبی ہوئی تو دنیا سے کنارہ کش ہو گئی۔ ایک نظر اٹھا
کر بھی تابوٹی کو پیار سے دیکھتی اور خوش ہوتی، ماں قیمتی لباس
میں ملبوس بیٹی گزیابی لگتی۔

سفینہ ماموں کی بچکیوں جیسے کپڑے پہنتی ان کے
ساتھ علی گاڑی میں ماں کے اسکول جاتی۔ اس کو بھی اتنا ہی
جیب خرچ ملتا جو دوسروں کے لیے مقرر تھا۔ گھر میں مجال
ہے جو اس کے ساتھ ذرا فرق روا رکھا گیا ہو۔ ماں سلمی بھی
ایسی ٹینک روح سفینہ پر شوہر کی اتنی عنایات دیکھ کر بھی منہ
نہ بتاتی۔ سروری اسی بات پر خوش جھولی بھر بھر کر انہیں
دعا میں رہتیں۔

کاش وہ اس وقت صرف بیٹی کی آنکھ میں جھانک
تھیں جو پیاسی تھی یہ پیاس اس وقت اور بڑھ جاتی جب
ماموں بیٹے کے پاس ہونے پر اسے گلے لگاتے یا بیٹی کو گود
میں اٹھا کر اس کا منہ چوم لیتے۔ سفینہ کا دل ایسے وقت میں
چل چل اٹھتا۔ وہ اس پوری رات نہیں سوئی جب اس کے
کرنا اپنے اسی اور ابو سے پورے اتحدت کے ساتھ ماں
خبرے اٹھواتے وہ ماں کا چو تھا مگر بیٹھ جاتی جو تہجد کی نماز
پڑھنے میں مصروف ہوتیں۔

"بونہہ کیا بات ہے؟ بیٹی نماز پڑھ رہی ہوں ایسے
کروٹی تو گناہ ہوگا۔ سو جاؤ۔" سروری بیٹی کے ہاتھ سے
اپنا پلو چھڑا کر دوبارہ نیت باندھتی اور سفینہ ماں کو دیکھتی
رہ جاتی جس کی طویل نمازیں ختم ہونے کا دم ہی نہیں
تھی۔ بچے دین اسلام کے احکامات پر عمل کیا جاتا پر
دین اور دنیا کے درمیان توازن قائم رکھنا بھی اہم بات
ہے اور زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ یہ ہی نقطہ سروری سمجھ
نے پا میں۔ دنیا میں موموں کو دین کا بوڑھا نہیں۔ دین
کی طرف لوٹو تو دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر رہی تھی حالانکہ

سفینہ کا بھی ان پر حق تھا۔

وقت اچھا ہوا برا گزر رہی جاتا ہے۔ سروری کے بالوں میں چاندنی ٹھہر گئی اور سفینا اپنی کمزوریوں کے ساتھ جوان ہو گئی اس کی خوب صورتی میں کوئی کلام نہ تھا۔ خاموش طبع سی پیاسی آنکھوں والی سفینہ کے چمن سنبھالنے سے سسکی کو بہت آسانی ہو گئی۔ سنی نے بھی اپنی زندگی سے سمجھوتا کر ہی لیا۔ اچانک شہرے پانی میں زوہیب نے اپنی پر جوش محبت کا پتھر پھینک کر اپنی ہی عادی۔ اس کی کزن وجیہہ اس دن بخار کی وجہ سے کالج نہیں گئی، وہ اکیلی ڈائری کے انتظار میں کالج کے گیٹ پر کھڑی تھی کہ زوہیب نے اس کے قریب آ کر اسے ایک لفافہ پکڑا لیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اتفاق سے اسی وقت گاڑی بھی آگئی ماں نے دھڑکتے دل کے ساتھ وہ لفافہ پیک میں ٹھوسا اور زوہیب کی مدد برساتی نگاہوں سے بچتی پھلتی گاڑی میں جا بیٹھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ابھی تک لرز رہے تھے۔ دوپہر میں جب سب سو گئے تو اس نے وہ گلابی لفافہ چاک کیا، گلاب کی بہت ساری پتیوں اس کے دامن پر گر گئیں، تازہ پھول کی خوش بو نے سمجھ کر دیا۔ اس نے وہ مختصر نوٹ کئی بار پڑھا جو صرف ایک لائن اور موبائل نمبر پر مشتمل تھا۔ زوہیب نے اپنا سیل فون نمبر لکھنے کے ساتھ نوٹ میں اس سے صرف ایک بار بات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بقول زوہیب کہ اگر اس نے فون نہیں کیا تو وہ ساری رات اس کے گھر کے باہر آکھڑا رہے گا۔

”میں اتنی پاگل..... اپنی اہمیت پر ہی خوش ہو گئی، یہ جانے بنا کہ اس نے ایسے دس لفافے بنائے ہوئے تھے، جو وہ آئے دن لڑکیوں میں بانٹتا رہتا سفینہ نے جینی کے بلانے پر اپنی داستان حیات یہیں روک دی۔ ٹوہیہ رشتی کے پاس ہی لٹی تھی۔ وہ جلدی سے اس کا سا گودا نہ رشتی کو دے کر لوٹی تو سو گئی اپنی جگہ جسم کی طرح بیٹھا پایا۔“

”اس کے بعد کیا ہوا بھابی؟“ اس نے جلدی سے پوچھا۔

”بس میں وہ بےوقوف لڑکی جس کی قسمت خراب

تھی۔ یہ سوچ کر اسے فون کر چکی کہ پہلی اور آخری دفعہ بات کروں گی یہ پہلی اور آخری بار کی غلطی ہی تو زندگی کی سب سے بڑی غلطی بن جاتی ہے اس کی باتوں کے سنہرے چال میں ایسا کٹی کے لگانا مشکل ہو گیا۔

مجھے نہیں پتا تھا کہ زوہیب کو گاڑی اور بڑے سے گھر نے متاثر کیا۔ اسے غلط نہیں ہوئی، میں نے بھی کبھی اسے یہ بتانے کی کوشش نہ کی میں جو ہمیشہ محبتوں کو ترسی ہوئی تھی ڈرتی تھی کہ یہ خوشیاں مجھ سے چمن نہ جائیں، اسی جھوٹ کی سزا تو یہی ہوں اب تک خیر میں اس کی محبت کی عادی ہو گئی۔ زندگی میں رنگ سے بھر گئے۔ زوہیب کی باتوں نے مجھے جیسے ساتویں آسمان پر پہنچا دیا۔ قدم زمین پر نکلتے ہی نہیں فضاؤں پر چلتی خوشیوں کے رنگ میرے آس پاس منڈلانے لگے، اسی کے سپنوں میں کھوئی رہتی، جہاں وہ میرا راج کمار اور میں اس کی رانی بنی اس کے دل پر حکومت کرتی، زوہیب نے آہستہ آہستہ مجھ پر یہ بات واضح کر دی کہ اس کا تعلق سفید پوش گھرانے سے ہے۔ مجھے اس بات سے بھلا کیا فرق پڑتا۔ وہ مجھ پر شادی کے لیے زور دینے لگا، پر میرے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات منہ سے کیسے نکالوں..... ابھی تو میری کزن جو مجھ سے عمر میں بڑی تھی، وہ بھی بڑھائی نکھالی میں مصروف تھی، میں نے اسے انتظار کا کہا مگر اس کا منصوبہ تو کچھ اور ہی تھا۔“

سفینہ کی آنکھوں میں یادوں کے دیے جل اٹھے۔ سونو اس کی پریم کتا حیرانی سے سننے لگی۔

”خیر ایک دن زوہیب نے مجھے بتایا کہ اماں اس کا رشتہ کراچی میں رہنے والی اپنی بہن کی بیٹی سے طے کر رہی ہیں، جو نہ صرف بہت خوب صورت بلکہ امیر کبیر بھی ہے۔“

سفینہ نے آنکھوں کو پونچھتے ہوئے سونو کو بغور دیکھا۔

”کس سے مجھ سے ان کا ومانغ تو ٹھیک تھا؟“ سونو یہ سفید جھوٹ سن کر اچھل پڑی۔

”میں یہ بات سن کر چل اٹھی، اس کی محبت کا نشہ ایسا چڑھا کہ اترا مشکل تھا میں نے اس سے دو دن کا وقت مانگا اور پہلی بار اپنی ای سے میری گرما گری ہوئی۔ میں کرا بند

کر کے بیٹھ گئی۔ زوہیب سے شادی کے لیے ہاں کے علاوہ میں کوئی دوسری بات سننے کو تیار ہی نہ تھی۔ سلمیٰ ماما نے مجھے بہت سمجھایا مگر عمل ہوئی تو یہ دن تھوڑی دیر تھی۔ راشد ماموں نے اپنے ذرائع سے زوہیب کے بارے میں پتا کر دیا تو بہت مایوس ہوئے۔ ”سفینا منہ کر بیٹھنے لگی۔“ ”اب بھی ان لمحوں کے بارے میں سوچتی ہوں تو گھبراہٹ ہوتی ہے اور شرمندگی الگ تمہارے کزن نے مجھ پر ایسا کیا جاوے کیا کہ میں اپنی سداہ بدھ کھو بیٹھی، ان ماموں کو ہی خود سری دکھانے لگی جن کے احسانات گنتے کھڑی ہو جاؤں تو شاید ساری گنتی ختم ہو جائے، پر ان کی نیکیاں ختم نہ ہوں۔ خیر انہوں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے مجھے سمجھا کر سب سمجھایا۔ زوہیب کے بارے میں وہ سب بتایا جو اس نے مجھ سے چھپایا۔ وہ گندے سے علاقے کے ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا ہے۔ کئی لڑکیوں سے فلرٹ کر چکا ہے، کام و حرام کچھ نہیں کرتا۔ اس کی ماں کا چھوٹا سا میرج بیورو ہے، ان سب کی کمائی کا یہ ہی زریعہ ہے۔ تمہاری خالہ اپنی زبان کی وجہ سے پورے محلے میں بدنام ہیں، اکثر کھائٹ کو بے وقوف بتانے کے لیے اپنے ہی ہینڈس مینوں کو لڑکا بنا کر پیش کر دیتی ہیں۔ کچھ شادیاں بھی کرائی ہیں۔ زوہیب نے انٹر سے آگے پڑھا نہیں ایک بھائی لار ہے، صہیب جو ماسٹرز کرنے کے باوجود روزگار ہے۔“ یہ سب بتاتے ہوئے سفینہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ سو فیضان پر پریشان اپنی خالہ اور ان کے بیٹوں کے کارنامے سن رہی تھی۔

”آپ نے کیا اپنے ماموں کی باتوں پر یقین کیا؟“ سو فیضان نے اس کے ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں کو تھام کر پوچھا۔ ”نہیں..... راشد ماموں کے یہ سب بتانے سے قبل ہی میرے پاس زوہیب کی کال آگئی تھی۔ اس نے بڑی ڈھٹائی سے کئی جھوٹ بول کر مجھے درد غلا دیا۔“ سفینہ کا لہجہ ایک بار پھر کھوپا سا گیا۔ یاو مامی اس کے لیے تو واقعی عذاب بنی ہوئی تھی۔

”زوہیب بھائی نے کیا کہا؟“ سو فیضان کو بے

چینی ہوئی۔

”انہوں نے ماموں کے گھر پہنچنے سے قبل ہی مجھے فون کیا اور کہنے لگے کہ میرے راشد ماموں نے اسے آخر کی ہے کہ اگر وہ مجھے چھوڑ دے تو وہ اسے منہ مانتے چہیے دیں گے مگر اس نے منع کر دیا کیوں کہ وہ صرف مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ سفینہ بے پردگی سے ہنسی۔

”کیا بھائی! انہوں نے تھوڑا کلاس لگی ڈائلاگ بولا اور آپ نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا؟“ سو فیضان نے حیرت سے سفینہ کو گھورا۔

”بس جب آنکھوں پر محبت کی پنی بندھی ہو تو محبوب کی غلط بات بھی صحیح لگنے لگتی ہے پھر تمہاری خالہ کے گھرانے کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کچھ اور کرنا جانتے ہو یا نہ جانتے ہو سامنے والے کو کون نہیں کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ خیر میں ان لوگوں کی چکنی چیز کی باتوں میں آکر ماموں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

یہیں تمہاری خالہ سے چوک ہو گئی۔ وہ سمجھی کہ میں اپنے ساتھ خوب دشمن دولت لے کر ان کے گھرانوں کی۔

ماموں نے اچانک کھڑی ہو جانے والی اس شادی میں بہت کچھ دیا۔ مناسب زیور اور سامان کے ساتھ مجھے ہمیشہ کے لیے دواغ کر دیا۔ اسی نے بھی ایسے موقع پر خاموشی اختیار کر لی۔ شاید میں نے ان کو بھی بہت مایوس کیا تھا۔ میں سمجھتی تھی کہ انہیں میری پروا نہیں۔ پر اسی نے میری رخصتی سے ایک دن قبل مجھے بتایا کہ میری بھلائی کے لیے انہوں نے ساری عمر ماموں اور ماما کے گھر سر جھکا کر گزارا

کیا۔ اپنے آپ کو ایک کمرے تک محدود رکھا کہ کہیں بھائی نہ سمجھیں کہ طلاق یا فتنہ زندان کی زندگی میں داخل دینے آگئی ہے۔ ان کے صبر کا یہ صلہ ملا کہ راشد ماموں نے اپنے بڑے بیٹے سے میری شادی طے کر دی۔ فراز کے ڈاکٹر بننے کے بعد نہ صرف اس رشتے کا اعلان کیا جا تا تھا بلکہ ہماری رخصتی بھی ہو جاتی پر میں نے زوہیب کو بیچ میں لا کر اپنے ہاتھوں سے اسے نصیب چھوڑ ڈالے..... ہائے سو فیضان نے اپنی ذات پر کیسا قسم ڈھالیا۔“ سفینہ کی ہچکیاں

بند نہیں ہو رہی تھی اس کی بری حالت دیکھ کر سونیا بھی رونے لگی۔
 ”رخصتی کے بعد کیا ہوا؟“ سونیا نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

پوری فیملی ہمیشہ کے لیے امریکا شفٹ ہو گئی۔ جانے سے پہلے وہ مجھ سے رکی طور پر چیزوں سے لدے پھندے ملنے آئے۔ پر زویب اور اماں نے ان سے ایسی بے رخی برتی کہ وہ دس منٹ سے زیادہ نہ بیٹھے۔“
 سفینہ نے زخمی مسکان ایوں پر سجالا۔

”تمہاری خالہ کا خاندان اگر صرف غریب ہوتا تو میں پھر بھی خاموشی سے گزارا کرتی پر یہ لوگ تو غلیظ نکلے میں جب رخصت ہو کر ان کے گھر اتری تو سب کے منہ پھولے ہوئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میرے ماموں مجھے چیزیں گاڑی۔ ہنگاموں کے بے تحاشا دیا جانے والا زیور کپڑا بھی ان کی نگاہوں میں نہ سما یا خیرا بھی میں دروازے پر ہی پہنچی تھی کہ ایک خوب صورت لڑکی چیل کی طرح آ کر مجھ پر چھٹی اور دیوانوں کی طرح مجھے نوچنے لگی، اس کے بھائی نے شیر دانی پینے زویب کی جوتیوں سے تواضع شروع کر دی۔ وہ تو صہیب اور مجھے والوں نے بچاؤ کروایا۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ تمہاری خالہ جو میرج بیورو چھاتی ہیں۔ وہیں انہوں نے مولیٰ فیس لے کر اس لڑکی کا رشتہ زویب سے طے کروا تھا۔ ان کا تو کام ہی یہی ہے۔ فیس وصول کرنے کے بعد وہ لڑکی میں ہی کوئی عیب نکال کر لڑکے والوں کی جانب سے انکار کہلواوتی۔ لڑکی والے اپنی عزت کے خاطر چپ ہو جاتے تو کوئی ان کے دفتر میں آ کر شور مچا کر لڑکی کو نہیں سے زویب کی شادی کی خبر ملی تو وہ گھر کا پتا ڈھونڈتی ہوئی یہاں پہنچ گئی پھر شادی کے پہلے دن سے میرا جو تماشا بنا تو آج تک میں سرس کا مسخرہ بنی ہوئی ہوں۔“ سفینہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے آنسو پونچھے۔

”آپ ایسے حالات میں کیسے گزارا کر رہی ہیں۔ طلاق لے لیتی۔“ سونیا کو زویب بھائی سے نفرت محسوس ہوئی۔

”میں نہیں چاہتی تھی کہ زندگی کا ایسا بھیا تک چہرہ دیکھنے کے لیے ایک اور سفینہ تیار ہو جائے۔ میں نے تو یہی کی خاطر اپنے آپ کو قریبان کر دیا۔ ساری خوشیاں اپنی ہنگی سے وابستہ کرنی۔ اپنے اوپر بھوتے کی ایک چادر تان لی۔ جس کے ایک ایک تار میں آنسو پرو دیے۔ پرائیوٹ گریجویٹیشن کیا۔ اب ماسٹرز کی تیاری کر رہی ہوں۔ امتحان دینے کے بعد کہیں جاب کے لیے اپلائی کروں گی۔ اسی لیے مجھے پڑھنے سے نہیں روکا گیا۔ میں تو کراچی آنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ امتحان نزدیک تھے۔ پر مجبوراً آنا پڑا۔“ اتنی لمبی تمہید کے بعد سفینہ اب اس بات کی طرف آئی تھی۔ جس کی وجہ سے سونیا کی زندگی بھی عذاب بن سکتی تھی۔ کافی دیر گزر چکی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں دروازہ واپس آگئی تو باتیں ادا ہو رہی نہ ہو جائیں۔ دروازے سے جھانکا۔ ٹوبہ بھی رختی کے پاس کھائی کر سونگئی تھی۔

”اچانک کیا ہوا؟“ سونیا حیران ہوئی کے اب بھی کوئی بات باقی رہ گئی ہے۔

”تمہاری خالہ پر ہاتھ لوگوں کا قرضہ چڑھا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے گھر آ کر خوب ہنگامہ مچایا۔ اماں نے ہاتھ پیر جوڑ کر چھ مہینے کا وقت مانگا اور گھر بند کر کے کراچی دوزخ چلی آئیں۔“ سفینہ نے جلدی جلدی بتایا۔

”قرضہ...! کیسا قرضہ؟“ سونیا ایک کے بعد ایک ہونے والے کشمکشات سے تھرا گئی۔

”صہیب صاحب کو باہر جانے کا شوق چھایا تو کسی ایجنٹ کے ذریعے کام کروایا تھا۔ ان دنوں اوہراہر سے کر کر

”آپ نے اپنے ماموں سے مدد کیوں نہیں لی؟“
 سونیا نے ان کا دکھانے اندر تراتا محسوس کیا۔
 ”بس سبیں ان لوگوں کی نہ چلی بہت کوشش کی کہ میں ماموں کے در پر ہاتھ پھینکانے جاؤں پر میں نہ گئی۔ یہاں میں نے اپنے آپ سے بھی ضد باندھ لی۔ اس وجہ سے زویب نے مجھ پر ہاتھ بھی اٹھایا۔ پر اپنے کیسے کی مرزا خود کو کوئی پھر ماں کے انتقال کے بعد۔ ماموں کی

کر اور بیٹے کے سعودی عرب جانے کے بعد منافع کے ساتھ پیسے کی واپسی کا لالچ دے کر چار لاکھ کا قرضہ لیا۔ باقی زور سب نے مجھ سے زبردستی زور کا ایک سیٹ لے کر بیچا۔ سارے پیسے جمع کر کے ایجنٹ کے دفتر میں دے آئے۔ وہ کہتے ہیں نا جو زیادہ سیانا بنتا ہے وہ ہی بڑی چوٹ کھاتا ہے بس ان لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا..... چور کو پڑ گئے موز ایجنٹ ان کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں کے پیسے لے کر بھاگ گیا۔" سفینہ نے سونیا کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔

"اوہ! مائی گاڈ! پھر کیا ہوا؟" سونیا کے دماغ کی چولیس بل گئیں، بعض لوگ اپنے چہروں پر کئی تہیں چڑھائے ہوئے ہوتے ہیں ایک تہہ اترتی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اصلی ہے جب کہ اس کے نیچے کئی تہیں چھپی رہ جاتی ہیں۔ اصل تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ شاید چھل اور فریب میں جتلا انسان اپنی صورت خود بھی بھول جاتا ہے۔

"جب ان لوگوں کو پتا چلا کہ صہیب کا جانا کینسل ہو گیا تو انہوں نے اپنے چہروں کا تقاضا کرنا شروع کر دیا کبھی ایک آکر باتیں سنا تا تو کبھی دوسرا ان مشکل حالات میں بھی صہیب کے دماغ نے کام دکھایا۔ اس نے ان کو یہ پنی پڑھائی کہ امیر خالہ سے تعلقات استوار کریں تو وہ اپنی مروانہ جاہت کے ٹل پر ان کی بھولی بھالی بیٹی کو پھنسا کر اسے اتنا مجبور کر دے گا کہ وہ خود اپنے گھر والوں سے صہیب کے ساتھ شادی کی ضد کرے گی۔" سفینہ نے ان ماں بیٹوں کا منصوبہ لفظ بہ لفظ سنا دیا۔ سونیا دل پر ہاتھ رکھ کر رہ جہا کی تھارہ گئی۔

"ان کو مجھ سے شادی کر کے کیا فائدہ ہوتا۔"

"او بھئی گڑیا! امیر واندین کی اکلوتی اولاد تمہاری دولت سے یہ لوگ ہی تو فیض اٹھاتے۔ میرے معانے میں دھوکا کھانے کے بعد اس بار پکا کام کرنا چاہتے تھے۔" سفینہ اذیت سے مسکرائی۔

"ویٹھو گڑیا! بعد کے رونے سے پہلے کا رونا بہتر ہے میرا مقصد تمہارا دل دکھانا نہیں بلکہ تمہاری آنکھوں پر جگی

عبت کی اس برف کو پھلانا تھا جس کی وجہ سے تم شاہراہ کی اچھائیوں کو دیکھ نہیں پا رہی تھی اوہ عقل مند ہے صہیب کی اصلیت پہچان گیا اسی لیے تمہیں اس سے بچانا چاہتا تھا اور تم اس کی اچھائیوں کو بھلائے لانے مرنے پر تیار رہتی اب بھی وقت ہے مجھ سے ہی کچھ سبق سیکھو ایک دن کی اذیت زندگی بھر کے بھلنے سے بہتر ہے۔" سفینہ نے اس کا ہاتھ تھام کر حوصلہ دیا، اس کے آنسو پونچھے جو شاید پچھتاوے کے تھے۔

"شکر یہ بھالی! اگر آپ میری آنکھیں نہ کھولتیں تو میں ماما اور شاہ کو غلط اور بڑی خالہ کو سچ سمجھتی رہتی سونا اس آف یو۔" سونیا کو لگا کہ آج بہت سی گرہیں کھل گئیں اور اب اسے بہت سی چیزیں سمجھ میں آنے لگیں تھیں۔

"بس جانو ایک بات کا خیال رکھنا کہ تم وہ غلطی نہ دہرانا جو میں نے کی کیوں کہ کافی وقتہ ایسا ہوتا ہے کہ جب ہم چیزوں کو بگاڑ دیتے ہیں تو دوش قسمت کو دینے لگتے ہیں میں نے بھی جذبات میں آکر غلط فیصلہ کیا اور نہ ایک خوش گوار زندگی میری منتظر تھی۔ میں نے خود وہ کھڑکی اپنے ہاتھوں سے بند کر دی جہاں سے تازہ ہوا کا جھونکا میری روح کو سرشار کر سکتا تھا اب تو بس دم ہی گھٹتا رہتا ہے۔" سفینہ کی آنکھوں میں پچھتاوے کے مولیٰ چمکیم اور سونیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

.....

ظفر میاں مہرانی ہوگی ایک کام کیجیے گا ہم سب کی پرسوں کی واپسی کی بگنگ کر دلوں۔" وردانہ نے کچھ سوچ کر ظفر اقبال کو چائے پیش کی اور افسروگی سے کہا۔

"ارے آپا! خیریت تو ہے؟" وہ جو کچھ لکھنے میں مصروف تھان کی فرمائش پر چونک اٹھے۔

بس بھیا! لگتا ہے کہ اب یہاں سے اپنا دانہ پانی اٹھ گیا۔ سلیٹے تو بہن کو ہی ہمارا یہاں رہنا پسند نہ تھا اب بھانجی بھی گھنٹی گھنٹی رہنے لگی ہے۔" ساری عمر انہوں نے زبان کی ہی رونی کھائی تھی اور اب بھی مینھے لہجے میں زہرا لگا۔

لڑا اس پر اب بھی اپنی بہن کا رعب تھا۔ پر ایک جانور بھی اپنی اولاد کے لیے طاقت ور سے بھڑ جاتا ہے۔ وہ تو پھر اشرف المخلوقات میں سے تھی۔ کیسے سونیا کو اپنی بہن کی لالچ کے سینٹ چڑھنے دیتی۔

جب سونیا نے روتے ہوئے اس سے معافی مانگی اور سفینہ نے آپا کی عیاری کا پردہ چاک کیا تو وہ مل کر رہ گئی۔ یقین نہ کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہ اور اس کی ماں۔ اس سوراخ سے ایک بار نہیں کئی بار ڈسے جا چکے تھے۔

”آپا! اب اور نہیں۔“ رخشی نے آنسو بونچھے اور طبیعت کی خرابی کی پروا کیے بغیر اسی وقت شاہ مراد کو بلا کر صہیب کے حوالے سے کچھ باتیں بتائی۔ ہر بات بتانا مناسب نہ نہرا۔ داماد بننے جا رہا تھا۔ وہ راستے کھلے رکھنا چاہتی تھیں۔ اسی لیے بہن کا پردہ رکھا۔ اس کے حای بھرنے کے بعد میاں جی کو لے کر خاموشی سے حمیرا کے یہاں پہنچ گئی۔ گلے شکوے سے دور ہوئے تو دونوں کی ڈائریکٹ شادی کی بات طے پا گئی۔ دردانہ کو کرید تو بہت ہوئی مگر اس نے ہنس کر نال دیا۔ سفینہ کو بھی صہیب اور سونیا کی پہرہ داری پر لگا دیا کہ معاملات مزید خرابی کی طرف نہ جائیں۔

سفینہ اور زوہیب کے سمجھانے پر دردانہ بڑی مشکلوں سے شادی میں شرکت پر راضی ہوئی اور صہیب نے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر ہار مان لی۔

دردانہ بڑی خیل و حجت کے بعد ماں ہی گئیں تو رخشی اور سونیا نے چین کا سانس لیا۔ رشتے تو زنا کچھ مشکل نہیں مگر ساری مشکلات تو انہیں جوڑے دیکھنے میں ہی پیش آتی ہیں۔ رخشی نے بھی ہمیشہ اپنی آپا کو ان کی برائیوں سمیت اپنایا تھا اور آج کیسے چھوڑ دیتی۔

.....☆☆☆.....

”بھابی..... او میری بھابی! تم جیو ہزاروں سال۔“ شاہ مراد نے ماموں کا گیت کراں کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے سفینہ کو کھن پالش کی، جونیل کی آواز پر گیت کھولنے آئی تھی۔

”نہیں بھئی ابھی تو آپ ہانکل نہیں جاسکتی سونیا کے کون سے آنھ دس بھائی ہیں ایک زوہیب اور صہیب ہی تو ہیں اتنی بڑی تقریب سر پر کھڑی ہے ان دونوں کو ہی تو میرے سارے معاملات دیکھنے ہیں۔“ انہوں چمکتا ہوا کارڈ دردانہ کی طرف بڑھا کر ماں سے کہا اور کمرے میں موجود باقی نفوس بھی ان دونوں کی گنگو سننے لگے۔

”میں کچھ بھی نہیں کیا کہہ رہے ہیں! کون سی تقریب؟“ ان کو اچنبھا ہوا شک تو انہیں ہو ہی رہا تھا کہ اندرون خانہ کچھ چل رہا ہے۔ حمیرا بھی دو ایک بار آئی تھی۔ رخشی اور سونیا بھی ڈرائیور کے ساتھ کہیں گئی مگر سب نے ان کا جیسے بائیکاٹ کیا ہوا تھا۔ کوئی من گن ہی نہیں مل پار ہی تھی تو انہوں نے یہ چال چلی مگر یہاں بھی مات کھانی پڑی۔

”گلتا ہے رخشی نے بتایا نہیں کہہ ہی تھی کہ کارڈ چھپ جائیں تو سر پر اتزدے گی آپا سے زیادہ سونیا کی شادی پر کون خوش ہوگا؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولے اور کارڈ صہیب کے ہاتھ سے گر گیا جو اس نے ماں سے پڑھنے کے لیے لیا تھا۔

”نہیں بھائی! کا ہے کی آپا ہم کو غیر سمجھا گیا کارڈ چھپوانے کے بعد بتایا گیا۔“ دردانہ کا تو غصے سے برا حال ہو گیا رخشی کو گھورتے ہوئے چبا چبا کر بولیں۔ وہ تو بہنوئی سے تھوڑا ڈرتی تھی ورنہ ایک ہنگامہ بچاؤ آتی۔

”چلیں چھوڑیں نا آپا! اول میلانہ کریں کچھ غلط نہیں ہوگی شاید ورنہ رخشی نے تو خود مجھے کہا تھا کہ وہ آپ کو سر پر اتزدیتا چاہ رہی ہے۔“ ظفر اقبال کا موہاں بیج اٹھا تو وہ دردانہ کے کانٹے پر چار سے دلاس دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ویسے بھی ان کو ان کے کاروباری مسائل اتنا مصروف رکھتے وہ خواتین کے مسائل میں کم ہی الجھتے۔

”چلو انھو سب سامان باغیچہ یہاں رہ کر کیا شادی کے ڈھول بجاؤ گے؟“ ظفر اقبال کے باہر نکلنے ہی وہ اپنی جون میں واپس آئی، ان کی پات دانا دانا پورے ہال میں گونج اٹھی۔ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی رخشی کا دل

ہاتھیں یاد رکھنے کی

راتوں کو اکثر اٹھ کر بیٹھ جانا اور سوچتے رہنا ایسا کیوں ہوا ہے، وہیں پر اپنی خامیاں تلاش کریں۔ کہیں کوئی آپ کی اپنی غلطی تو نہیں ہے۔

پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی ضرور ہوتے ہیں جو ہاتھوں کو زخمی کر دیتے ہیں، سارے پھول اچھے ضرور ہوتے ہیں مگر ساروں کے ساتھ کانٹے نہیں ہوتے۔

انسان کو اتنا بے حس نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی آپ کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہو تو اسے جھٹک دو ایسا نہ ہو جب آپ اس کی طرف ہاتھ بڑھاؤ تو اس وقت بہت دیر ہو جائے۔

انسان جب بالوں ہو جاتا ہے ہر طرف سے تو اسے آخر میں رت یاد آ جاتا ہے، پہلے رت کو بھولا ہوا ہوتا ہے آخر ہم انسان اپنے حقیقی مالک کو کیوں بھول جاتے ہیں۔ یاد اس وقت گرتے ہیں جب ہمارے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچتا سوائے خدا کے حضور جھکنے سے۔

ضروری نہیں ہوتا کہ جس انسان سے محبت ہو وہ مل جائے محبت قربانی مانگتی ہے۔

رات کو سونے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں موت آ جائے کیونکہ موت کسی کا انتظار نہیں کرتی (معافی مانگنے کا)

ایمان زہرا شہزادی..... چکوال

تو وہ ہی پیاری سی مہک گئی اور چونک کر مزی۔

”شاہ! تم یہاں کیسے؟“ حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئیں، سبز اور زرد چٹائی کے شرارے اور زرد و پے میں نیند سے بھری گلابی آنکھیں چہرے پر ایشن کا سنہرا پن..... شاہ مراو کی محبت لٹائی نگاہوں سے اس کا نگاہیں ملانا دشوار ہو گیا۔

”آہ! کیا دیکھوں..... اور کیا نہ دیکھوں؟ سولو تم پہلے سے اتنی خوب صورت تھی یا میرے نام کی مہندی اپنے ہاتھوں پر لگانے کے بعد ہو گئی ہو؟“ شاہ نے دل پر ہاتھ رکھ

”اے نوٹھے میاں آج آپ کا یہاں کیا کام؟ سب گھر والے مہندی کی رسم ادا کرنے آپ کے گھر گئے ہوئے ہیں یہ نہ ہو کہ دلہا کی گمشدگی پر مسجد میں اعلان ہو جائے۔“ سفینہ نے جلدی سے دونوں ہاتھ پھیلا کر شرارت سے اس کا راستہ روکا۔

”اتنی مچی گولیاں ہم نے بھی نہیں کھیلیں۔ ایک دوست کو اسٹینڈ ہائے کیا ہوا ہے۔ جیسے ہی رسم شروع کرنے کی تیاری ہو وہ فوراً کال کر دے گا اور ہم دوڑتے بھاگتے پہنچ جائیں گے۔ فی الحال تو آپ وہاں بننے کی جگہ مہربان ہو جائیں۔ صرف اس کا ایک دیدار کرادیں۔ قسم سے شادی کون تک کے لیے افاقہ ہو جائے گا۔ پھر ایسا موقع کب ملے گا؟“ شاہ نے سفینہ کے ہاتھ پاؤں جوڑنا شروع کر دیے۔

”لڑکے! کیوں مجھے سب سے جوڑتے پڑاؤ گے چلو جلدی سے رو چکر ہو جاؤ۔“ سفینہ کو شاہ مراو کو ستانے میں مزہ آ رہا تھا دو تارے کی طرف اشارہ کیا۔

”لڑکی! محبت کرنے والوں کی بد عاؤں سے ڈرو دعائیں سمیٹ لو زندگی سنور جائے گی۔“ شاہ مراو نے آنکھ بند کر کے سفینہ کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”اچھا شاہ بابا! صرف پانچ منٹ اس سے زیادہ دیر ہوئی تو میں سونیا کے کمرے میں آ کر تمہیں باہر نکال دوں گی۔“ سفینہ نے راستہ چھوڑا اور انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی تو وہ مسکراتا ہوا سونیا کے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

”بھائی! کون آیا ہے دروازے پر؟“ قسم سے اس مہندی نے تو مجھے محتاج کر دیا ہے۔ پلیز ڈرا بالوں میں کچر تو لگاؤں۔“ شاہ مراو اندر داخل ہوا تو اس کی طرف سونیا کی پینہ گئی۔

اس نے سفینہ سمجھ کر بے تکلفی سے فرمائش کی وہ ہاتھوں پر لگی مہندی کو نکلے کے آگے پھیلائے سکھانے کی کوششوں میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ شاہ مراو نے مسکراتے ہوئے اس کے خوش بودار بالوں کو سمیٹا اور اٹنے سیدھے طریقے سے کچر لگانے لگا۔ سونیا کو کچھ عجیب احساس ہوا۔ مہک نہ

بھیجتی ہوں۔“ ان لوگوں کی داپسی سے قبل رخصتی نے اشارے سے سفینہ کو کمرے میں بلا کر ایک لغافہ اس کی منہی میں دبا دیا۔

”نہیں..... نہیں..... خالہ میں یہ کیسے لے سکتی ہوں؟“ اس نے ٹھہرا کر لغافہ واپس کر دیا۔

”بس رکھ لو میں نہیں چاہتی کہ تم مزید لوگوں کی باتیں سنو۔“ رخصتی نے آنسو پونچھے کچھ بھی تھا دردناک اس کی بہن تھی سوتیلی ہی سہی پر ان کا باپ تو ایک ہی تھا ایسا آدمی جس کی شرافت کی نسیمیں زمانہ کھاتا تھا آج دردناک کی ضد اور تم نہیں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا۔

”میں..... اماں سے کیا کہوں گی؟“ وہ متذبذب ہوئی۔

”کچھ بھی کہہ دینا۔ کہنا تم نے اپنے امریکا والے باموں سے قرضہ چکانے کے لیے منگوائے ہیں ویسے بھی جب پیسے ان کے ہاتھ میں آئیں گے تو وہ ان لوگوں سے اپنی جان بھرنے کی فکر میں بنگان ہو جائیں گی تاکہ سوال و جواب میں اچھیں گی۔“ رخصتی بھی ان لوگوں کی نفسیات اچھی طرح سے سمجھتیں تھی مسکرا کر بولی تو سفینہ نے وہ لفظ منہی میں دبا لیا۔

”جب محبت کا دیا انسان کے اندر جلتا ہے تو اس کا عکس نورین کر چہروں پر چھایا ہوتا ہے، رخصتی خالہ جیسے پر خلوص لوگوں کی وجہ سے ہی اس دنیا کا کاروبار چل رہا ہے ورنہ برے لوگوں نے تو اسے کب کا تباہ کر دیا ہوتا۔“ رخصتی کو چپ چاپ کمرے سے جاتا دیکھ کر سفینہ سوچنے لگی اور اس مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوٹی۔



کر بے ہوشی کی ایکٹنگ کی تو سونیا شرما کر رہ گئی۔
”افوہ! یہ بتاؤ یہاں کیوں آئے ہو جندی سے نکلو یہاں سے کسی نے دیکھ لیا تو بدنامی ہوگی۔“ سونیا نے زبردستی لہجے میں سختی پیدا کی۔

”ہات سنو..... مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے مزید رکنے کا بس وہ چیز مجھے دے دو جس کی وجہ سے مجھے اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں آنا پڑا۔“ شاہ مراد نے مسخری کی انتہا کر دی۔ ایک آنکھ با کر بول تو سونیا ہل گئی۔

”کون سی چیز؟ میرے پاس تمہاری کوئی چیز نہیں۔“ حسب عادت وہ حقے کر بولی۔

”یار! وہ ڈونٹ ڈسٹرب! واٹ کارڈ لینے آیا ہوں۔“ شاہ مراد نے سنجیدگی سے کہا۔

”وہ کارڈ میری الماری میں پڑا ہوگا پر اس وقت تمہیں اس سے کیا کام ہے؟“ سونیا نے منہ بنا کر پوچھا۔

”سو نو جان! اسے پہلی فرصت میں جلاؤں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شادی کے بعد کسی بات پر آپ کا موڈ آف ہو جائے اور ہمارے کمرے کے دروازے پر وہ خالم آویزاں کر دیا جائے قسم سے میں تو مر ہی جاؤں گا.... تم نے پہلے ہی اتنا تر پایا ہے اب مزید دوری کی ہمت نہیں۔“

شاہ مراد کا لہجہ محبت سے چور چور ہونے لگا، آنکھوں سے پیار کی روشنی نکل کر سونیا کے روم روم میں سمانے لگی۔ اس کا دل محبت کی تال پر تاج اٹھا، ٹیکس لرنز نے ٹیکس ہاتھ کھپکے اٹھے اس سے پہلے کے شاہ مراد ان ہاتھوں کو تھام لیتا اور گیلی مہندی کا زین آئن خراب ہو جاتا سفینہ نے وٹن والی انٹری دی اور شاہ کے ہائے ہائے کرنے کے باوجود اسے کانوں سے پکڑ کر باہر کا راستہ دکھایا۔ پیچھے سے سونیا کی چوڑیوں کی کھینکتی ہنسی سے اس کا دل جھوم اٹھا۔



”سفینہ! یہ لو اس لغافے میں دو لاکھ روپے ہیں، میرے اکاؤنٹ میں ابھی اتنے ہی تھے۔ امید ہے کہ تم لوگوں کی جان کچھ دنوں کے لیے، قرضہ مانگنے والوں سے چھوٹ جائے گی، باقی کا انتظام بعد میں کر کے

محفل آراء، تھے مگر پھر بھی تم نما ہوتے گئے
دیکھتے ہی دیکھتے کیا سے کیا ہوتے گئے
ناشنا سی دہر کی تنہا ہمیں کرتی گئی
ہوتے ہوتے ہم زمانہ سے جدا ہوتے گئے

ہو جائے تم سے۔" عارفہ اس کی آنکھوں میں اپنی گہری
براؤں آنکھیں ڈال کر اپنے مخصوص جتاتے ہوئے
انداز میں بولی۔

"میں ابھی سب کچھ سیٹ کر دیتی ہوں۔" وہ پھرتی
سید یوار گیر چوٹی الماری کی طرف مڑی۔

ہنگ شدہ ریشمی اور سوئی کپڑے الگ الگ خانوں
میں لٹکائے پائی کاٹھ کہاڑ باہر نکالیں۔ ٹانگوں کی چھٹی بنا
کر پیروں کو ہلاتے ہوئے عارفہ مطالعہ کے دوران اسے
ہدایات دیتی رہی۔

"یہ لینن کا سوٹ باہر نکال دو۔ پانچ مرتبہ ہاکن چگی
ہوں یہ آف و بائٹ کرتے کی کڑھائی ڈب ڈراول کو
نہیں بھاری۔"

"مگر کیوں باجی! آپ نے تو بڑے شوق سے اس
کرتے پر کڑھائی کروائی تھی؟" کرتا ہاتھ میں تھامے اس
نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں سب میرا پسینے کوڑن نہیں کرتا۔ نئی جیلہ کی جینی
تکسین ہو، ہوا کی کڑھائی والی شرت پہنے ہوئے تھی۔ میرا تو

"جی باجی آپ نے بلایا تھا؟" وہ کیلے ہاتھ دوپٹے
کے پلو سے پوچھتی اندر داخل ہوئی۔

"جی میں نے ہی ملکہ عالیہ مردہ امیر کو بلانے کی
جسارت کی ہے۔" عارفہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے
طنز سے بولی۔

"شکر ہے خیال تو آیا میرے کمرے میں جھانکنے
کا۔" غصے سے کہتے ہوئے عارفہ نے ہینڈ کے کراؤن سے
ٹیل لگائی اور پاس ہی اونگھا پڑا ڈائجسٹ اٹھا لیا جو مردہ کو
آتے دیکھ کر غصے سے پاس ہی ہینڈ پیٹن دیا تھا۔

"سائن کا کراٹا گوندھ رہی تھی۔ ساتھ میں بریانی کا
مصداق بھی تیار کر لیا، ہی وجہ سے دیر ہو گئی۔" وہ شرمندگی
سے وضاحت دینے لگی۔

"آپ بتائیں آپ کو مجھ سے کیا کام تھا؟" رسانیت
سے پوچھنا۔

"میری الماری کی صفائی کرتی ہے سب کچھ الٹ
پٹ پڑا ہے۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتی تو ہو مگر پھر بھی
جب تک تمہیں کہنا نہ جائے، مجال ہے جو کوئی کام

دل ہی ادب گیا اس کرتے سے۔ عارف نے ناگواری سے کہا تو اس نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلادیا۔

”یہ دو چار جوڑے اب تم رکھ لو۔ میرے کسی کام کے نہیں۔“ ساتھ ہی شاہانہ انداز سے اسے اپنے پرانے جوڑے مرحمت کیے گئے تو اس کے چہرے پہ بے ساختہ سرشاری کے رنگ اٹھائے تھے۔ جوڑوں کو بازوؤں میں بھر کر لمحے بھر کے لیے بھیج ڈالا۔ عارف کے مخصوص پرلوم کی خوشبو نے اس کے دل و دماغ پہ کیف آگئیں سا تاثر ڈالا۔

”ارے مردہ! کہاں رہ گئی ہو کچھ ہانڈی کی بھی خبر ہے یا نہیں۔“ اسی دم مای میسما سے پکارتی ادھر آ نکلیں۔

”جی مای! بس آ رہی تھی۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”ای! مردہ میرے کمرے کی صفائی کر رہی ہے۔ نی الحال ایک دو گھنٹے تک یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔“ عارف نے دھونس بھرے انداز میں ماں سے کہا۔

”ارے تو کچن کون دیکھے گا۔ دن دیکھو ڈھل چکا ہے تمہارے ابو تو آتے ہی کھانے کا شور مچادیں گے اسے جانے دو باقی کی صفائی کل کر دے گی۔“ شمیم عارف کے پاس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے محبت سے بولیں جیسے صاحب زادی سے درخواست کی جا رہی ہو۔

”میری فرینڈ ریجہ کی آمد کسی دن متوقع ہے۔ میں چاہتی ہوں میرا دم بالکل صاف ستھرا ہو۔ دن کو یہ محترمہ کالج چلی جاتی ہیں اور باقی کا وقت آپا سائے کاموں میں کھیلا رہتی ہیں۔“ انتہائی آف موڈ میں بولتے ہوئے عارف اٹھ بیٹھی۔

مردہ ہاتھوں میں کپڑے دوپچے ان کے حکم کی منتظر کھڑی تھی۔

اکثر ہی ایسا ہوتا تھا عارف باجی اسے سائے کی طرح اپنے ساتھ ساتھ رکھنے کی خواہش مند ہوتی تو ادھر مای کا بھی کوئی کام اس کے بنا ہوتا تقریباً ناممکن ہوتا۔ وہ اس گھر کے اہل خانہ کے لیے ایسی ہی ضروری تھی۔ تھوڑی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد عارف نے اسے کچن میں جانے کی

اجازت دے دی۔ اس نے جلدی سے بھگوائے گئے چاول اٹھانے کے لیے چولہے پر چڑھائے ساتھ ہی تیزی سے ہاتھ چلا کر سلاخ بنانے لگی۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی شعاعیں سیدھی کھڑکی سے کوکنگ دینا پہ پڑ رہی تھیں۔ وہ تیزی سے گرم گرم پھلکے اٹار کر خوان میں لپیٹے کرے میں آئی تو شمیم حشمت اللہ سے مخاطب تھیں۔

”یہ لڑکی مردہ انتہائی ست اور کام چور ہے بھوک سے پیٹ میں بل پڑ رہے ہیں مگر یہ اپنے موڈ سے ہی کام نمنائے گی۔“ بل بھر کو اس کے قدم دلپز پر جم گئے تھے مگر اگلے ہی لمحے وہ مرجھان کر اندر داخل ہو گئی۔

کھانا کھانے کے بعد حسب معمول دسترخوان لپیٹ کر چائے چولہے پر چڑھائی اسی دوران جلدی سے برتن بھی کھنگال لیے۔ عارف کو چائے اس کے کمرے میں دینے کے بعد شمیم اور حشمت اللہ کو سرو کی پھراپنے کمرے کی طرف چل دی۔

”یہ تم کہاں جا رہی ہو؟“ شمیم نے حیرانی سے پوچھا۔

”جی اپنے کمرے میں۔“ سادگی سے جواب ملا۔

”تو چائے کے برتن کون دھو کر رکھے گا۔“ شمیم نے کڑے تیروں سے پوچھا۔

”اب کیا جھونے برتن صبح تک یونہی پڑے رہیں گے؟“ اندازہ ہنوز ڈونڈاؤبک کر تقریبی صوفے پہ بیٹھ گئی۔

حشمت اللہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بیوی کو دیکھا تھا۔ پھر روز کی طرح شمیم کو آج کی کاروباری مصروفیت سے آگاہ کرنے لگے۔ دونوں کافی دیر تک چسکیاں لیتے باتیں کرتے رہے اس دوران مردہ جمائیوں کی سچری ٹھیل کر چکی تھی۔ خدا خدا کر کے چائے ختم ہوئی تو اس نے برتن دھو کر اپنے کمرے میں آنے میں ایک سیکنڈ کا وقت نہیں لیا۔

کتب کھول کر دیکھی تو نیند کے غلبے کی وجہ سے لفظ گڈڈ سے نظر آنے لگے تھے۔ آنکھیں مسل کر دیکھا تو کچھ واضح دکھائی دیے۔ ایف اے میں پلس اے گریڈ

لینے پر ماموں نے اسے کالج میں ایڈمیشن دلوادیا تھا۔
 اگرچہ مائی شیم اس کی مزید پڑھائی کے حق میں نہیں
 تھیں کہ لڑکیوں بالخصوص یتیم لڑکی کو پڑھائی کے بجائے
 گھر بیٹوں کاموں میں زیادہ دلچسپی دینی چاہیے کیونکہ اگلے
 گھر میں یہی چیزیں کام آتی ہیں۔

”تو کیا عارفہ باجی کو گھر داری نہیں سیکھنی چاہیے ایم
 اسے کی ڈگری ہی ان کے اگلے گھر میں کام آئے گی۔“ وہ یہ
 بات صرف دل میں سوچتی تھی زبان پلانے کی اہمیت نہیں
 کی کیونکہ ماموں اس کا ایڈمیشن کالج میں کرا چکے تھے۔
 شہر کے بہت بڑے عمارت تھے اتنا تو یتیم بھانجی کے لیے
 کر ہی سکتے تھے۔

وہ صبح پہلی ہی اذان پر اٹھتی تھی۔ ماموں اور مائی کا ناشتہ
 اکٹھے نہ کر رہی بنا لیتی تھی کیونکہ ماموں کو سویرے کام پہ
 نکلنا ہوتا تھا مگر مسئلہ عارفہ کا تھا جو دن چڑھے اٹھ کر ناشتہ
 کرنے کی عادی تھی۔ ناشتہ بھی فرمائشی آج ہاف بوائے
 انڈا ہے تو لازمی نہیں اگلی صبح بھی وہ ہاف بوائے انڈا ہی لے
 اس کا پورج لینے کا بھی دل کر سکتا ہے۔ مردہ کو اس سے
 پوچھ کر ناشتہ بنانا پڑتا تھا۔ دن کی ہانڈی وہ ناشتے سے
 فراغت پاتے ہی چڑھاتی تھی۔ اسی مصروفیت میں اس
 کے پہلے دو پیریزڈس ہو جاتے، سبز ہانڈی نے تو سختی سے
 کہہ دیا تھا کہ وہ ان کے سبیکٹ میں مسلسل غیر حاضر
 جا رہی ہے تو ایسے میں اس کی رول نمبر سلپ جاری نہیں کی
 جائے گی۔ وہ فری پیریزڈ میں اپنی دوست مریم سے نوٹس
 لے کر ان کی اسائنمنٹ تیار کر لیا کرتی۔ وہ بہت زیادہ ذہین
 تو نہیں البتہ مہنتی ضرور تھی۔ حصول تعلیم اس کا اولین شوق
 تھا۔ بسے پورا کرتے ہوئے اسے صحیح معنوں میں دانستوں
 تلے پینا جاتا۔

کالج سے واپسی پر سارے گھر کی صفائی کرنا ماموں
 جزوقتی تو کیا کل وقتی ملازمہ بھی انورڈ کر سکتے تھے مگر کیا کیا
 جائے کہ مائی کو ہر کام ہی مردہ کے ہاتھ کا پسند آتا تھا مردہ
 کے ہاتھ کے پکے کھانے مردہ کے ہاتھ کے دھلے برتن
 خوب جی ہوئی استری..... پسند تو عارفہ کو بھی اس کا ہر کام

تھا۔ اپنی گمرانی میں ہی اپنی ڈریسنگ ٹیبل ٹھیک کر داتی بیڈ
 کی چادر جھڑواتی اور اگر کوئی کام نہ بھی ہوتا تب بھی اسے
 اپنے پاس ہی روکے رکھتی تھی۔

”دیکھو مردہ! اس لائنگ شرٹ اور پاجامے میں میں
 کرینہ کپور لگتی ہوں ناں؟“ عارفہ کوئی نیا خریدتا ہوا جوڑ
 ازب تن کر کے اس سے دریافت کرتی۔

”جی باجی! آپ بالکل کرینہ کپور لگ رہی ہیں بہت
 اسمارٹ اور خوب صورت۔“ وہ جھٹ سر ہلا کر سراہتی۔

”اور یہ ایئر کنڈیشننگ دیکھو بالکل دیسے ہیں جیسے عمیمہ ملک
 نے ایک فیشن شو میں پہنے ہوئے تھے۔“ عارفہ بڑے
 بڑے غلغلوں سے دیکھتے بالے کانوں سے لگا کر پوچھتی تو
 ان بالوں سے پھوٹی شعاعیں عارفہ کے خوب صورت
 چہرے کو مردہ دیکھتی رہ جاتی۔

مردہ کا یوں بے خود ہو کر دیکھتے پا کر عارفہ کے رگ
 وپے میں ایک تقاضا بھری سرشاری دوڑ جاتی تھی۔ اس کی
 سراہتی نظریں تو مٹی الفاظ عارفہ کا بس نہ چلتا کہ ایک
 لمحے کے لیے بھی اسے اپنے کمرے سے نہ جانے دے
 مگر کیا کرے کہ شیم کا بھی تو مردہ کے بغیر گزارا نہیں تھا۔

بوائے مارچ کی سنڈی میٹھی دھوپ سارے میں پھیلی
 ہوئی تھی لان میں کھلے پھول بنوع پھولوں۔ خوب رنگ و بو
 کا جو بن آیا ہوا تھا۔ عارفہ نہا کے آئی تو تازہ غسل کی ٹنڈک
 لیے جسم کو دھوپ کی حدت نے ایک دم سے پرسکون کر دیا
 تھا۔ وہ کرسی کھینچ کر پھولوں کے کنارے قریب ہی بیٹھ گئی۔

بمادے میں پونچھا لگاتے ہوئے مردہ کی نظر اوپر اٹھی
 تو وہ ٹھنک کر رک گئی۔ ہاتھ فرش پہ جسے جسے رو گئے۔
 عتابی لیوں گلابی رخساروں اور گہری براؤن آنکھوں کے
 ساتھ عارفہ پھولوں کے ساتھ بیٹھی ایک پھول ہی تو لگ
 رہی تھی۔ ایک خوش نما گل جسے قدرت نے ناز کی دکھت
 سے خوب نوازا تھا۔ لمبے گھنے سیاہ بالوں کے سروں سے
 پانی کی بوندیں چمک کر پشت کو بھگور رہی تھیں۔

”میرے پاؤں کالی رف اور میلے میلے سے
 اور ہے ہیں؟“ عارفہ نے اپنے پیروں کا ناقدانہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

جاڑہ لیتے ہوئے کہا۔

نوں؟" مردو نرمی سے جبکہ شمیم سنگھین ستاج کی دھمکیاں دے کر ہی ہانک رہی تھی۔

"ہے ہاں مردو!" ساتھ ہی اس سے تائید چاہی وہ کب سے مردو کا خود کو یوں ایک ٹک دیگنا محسوس کر رہی تھی ایسے میں اس کے پیروں پہ اس کا رائے زنی نہ کرتا خوب کھلاتھا۔

"اب اگر دوبارہ گیند آئی یا نکل بھی کسی نے دروازہ پھینکا تو تمہاری خیر نہیں میں سونے جارہی ہوں مجھے چہل گھیننے کی آواز بھی نہ آئے۔" وہ انگلی اٹھا کر حکمانانہ انداز میں اسے تاکید کرتے ہوئے اپنے کمرے میں سوینے چل دیں۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں؟" ناراضی سے بولتے ہوئے عسائی ہونٹ باہم سکر گئے تھے۔

عارفہ ربیعہ کے ہاں گئی ہوئی تھی وہ فراغت کو غیبت جانتے ہوئے کتاب اٹھا کر بیا مدے کی سیزھیوں پتا گئی۔

"جی ہا جی! میں بس آ رہی ہوں یہ کام ذرا نمشا لوں۔" مردو جلدی سے بولی جھٹ پت پوچھے کا کام کھل گیا۔ ٹپ میں نیم گرم پانی ڈالی کر ڈرا سا سیپو اور کیموں کے چند قطرے نکالنے میں اسے چند منٹ ہی لگے تھے۔ سفید نفیس سی چول سے پاؤں نکال کر نزاکت سے نپ میں رکھ دیئے۔

چند منٹ ہی یکسوئی کے نصیب ہوئے کہ گیند ٹھک سے اس کے سر سے آکر اٹی گئی۔ سر میں ایک دم سے شدید درد اٹھا تھا آنکھوں میں پانی اترنے لگا۔ اس نے جھرا کر شمیم کے کمرے کی سمت دیکھا، نکل پھر بیچ رہی تھی اندر سے اٹھتی طیش کی لہر سے مغلوب ہو کر اس نے کتاب سامنے پھینکی اور تن فرین کرتی گینت تک پہنچی۔ بخلی دروازہ کھینچ کے حوالا۔ وہ ٹھنک کر رک گئی سامنے ایک نوجوان کھڑا تھا۔ خوش شکل دراز قد اور سرسرا چھی۔

"عارفہ ہانکی کو فوجو اور وہ ہم سے ورنہ تو کسی کا چہرہ بھی اتنا بے دماغ اور گورا نہیں ہوتا جتنے ان کے پاؤں ہیں۔" وہ نرمی و ملامت سے عارفہ کے گلابی وگداز پاؤں اپنے ہاتھوں سے مسلتے ہوئے سوچنے لگی۔

"محترمہ! ان بچوں کی گیند آپ کے گھر آ گئی ہے۔" شائستہ انداز میں مطلع کیا گیا۔

عارفہ نے ڈرا سا نیم دراز ہوتے ہوئے اپنے گورے پاؤں کو مردو کے سانولے ہاتھ میں دیکھا پھر بھرپور اطمینان سے سو ہاتھ پر ربیعہ سے چیٹنگ کرنے لگی تھی۔



"جی ہاں! کوئی ایک بار نہیں بلکہ ہزار بار آ چکی ہے اور میں واپس کر چکی ہوں! لیکن اس بار ہرگز نہیں کروں گی۔" غصے سے بولتے ہوئے اس نے شعلہ بارنگاہوں سے بچوں کو گھورا۔

چھٹی والے دن بچوں کا واحد مشغلہ کرکٹ کھینا گیند برد و منت بعد زور دار نھاہ کی آواز سے آہنی گیٹ سے آنکرائی تو ساز و سامان سے بھرے گھر میں آواز کو نے کو نے تک پہنچ جاتی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر قبیلے کی تیاری پکڑتی شمیم تو ان شوہ سے سر سے پاؤں تک جھنجھٹا تھیں۔ گینت کھول کر متعدد بار بچوں کو ڈرایا، ہمکا یا مگر اھر چنداں اثر نہ ہوا۔ ہر پانچ منٹ بعد گیند گیٹ سے نکلنے اور دیوار کراس کر کے کھن میں گرتی رہی۔ مسلسل نکل بچانے اور گینت پھر جھانے کے بعد کوئی نہ کوئی بچہ مسکسی ہی شکل بنا کر عرض کرتا۔

"دیکھیں ان ناٹم واپس کر دیں! ٹیکسٹ باٹم ایسا کریں تو آپ پانکل واپس مت کریں۔" اس نے نرمی سے مصلحتی راہ بھائی تو سارے بچے اثبات میں سر بندے گئے۔

"آپ ایسا کریں اس میں سے جو آپ کا بچہ ہے اسے لے جا کر شاپ سے کوئی درجن بھر گیندیں خریدیں دین ورنہ میں بتا رہی ہوں! میں گیند تو واپس کروں گی مگر ساتھ میں زور دار پٹائی کر کے۔" وہ سخت لہجے میں دھمکاتے ہوئے بولی تو مقابل کے لبوں پہ بے ساختہ

"آئی جی ہماری ہاں آپ کے گھر آئی ہے لے

خوب اچھی طرح پہنا ہوا تھا۔ سانولے لمبے چہرے پہ بھی سیاہ آنکھوں میں صرف اس کے لیے بنا اعتباری ہی تھی۔
 ”یہ حشمت اللہ صاحب کا گھر ہے نا؟“
 ”جی وہ میرے ماموں ہیں۔“ قدرے فخریہ انداز میں تصدیق کی۔

”تو انہی کی صاحب زادی سے تو فاران بھائی کی نسبت ملے پانی تھی ہے پچھلے ہفتے شاید آپ کو یاد ہو؟“
 آخر میں بوجہ قدرے طنزیہ ہو چلا گیا تھا۔
 ”اوہ.....!“ وہ ایک دم ڈھسلی پڑ گئی۔

”لو کے ایک منٹ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ فاران بھائی کے کزن ہیں۔“ چہرے سے شکوک زائل ہوئے مگر لہجہ پاک نہ ہو سکا۔

”دیکھیں محترمہ میں اپنا آئی ڈی کارڈ دکھا سکتا ہوں مگر اس پہ صرف میرے مرحوم والد کا نام درج ہے کسی خاندان رشتہ داری کا حوالہ نہیں ہے مجھے انہوں نے بھیجا اور میں چلا آیا۔ ویس ات لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں مجھے شناختی پوسٹ سے گزرنا پڑے گا۔“ وہ سخت جھولانے ہوئے انداز میں بولا حد ہو گئی بنا اعتباری کی محترمہ بجانے کون سی یقین دہانی چاہ رہی ہیں۔

”آپ اندر آ جائیں میں ماما جی کو اٹھاتی ہوں۔“ وہ دروازے سے ایک طرف ہو گئی۔

ہمسیم کی طرف سے سخت تاکید تھی کہ کسی اجنبی کو اندر گھر میں گھسانے کی غلطی نہیں کرنی۔ ورنہ نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوگی۔ ایک ”تیم“ بچا سرا اور بے یار و مددگار نو عمر لڑکی کے لیے محسنوں کی ایک ایک بات چاہے وہ سرسری انداز میں کہی گئی ہو حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ سچی تو چاہے سبز گرز ہوتی یا بھیک مانگنے والیاں وہ انہیں دروازے سے ہی لوٹا دیتی۔ ایک روٹی کا سوال یا گھسے پرانے جوتے کی درخواست ترمو ہمدرد دل راہ دکھاتا۔

انواع اقسام کے کھانوں سے کچن بھرا ہے کیا ہے جو ذرا سا کسی بھوکے کی بھوک مٹا دے۔ روی میں بکنے والے پرانے جوتوں میں سے کوئی ایک جوڑا مگر کچھ اور مدد بر

سکر اہٹ پھیل گئی تھی۔

محسن سے گیند اٹھا کر خاصے زوردار طریقے سے گلی میں بچ کر واپس کی اور دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

”اس.....؟“ اس نے بے حد حیرانی سے ایک دم بند ہو جانے والے دروازے کو گھورا۔

کافی مشکل سے مطلوبہ مقام تک پہنچا تو گلی میں کھیلتے بچوں نے بنا اختیار گھیر لیا۔

”انکل! اس گھر میں ہماری بال چلی گئی ہے یہ تکہ نئی بہت اچھی ہیں وہ ہماری بال واپس کر دیتی ہیں مگر جو اولڈ وومن ہے ناں وہ بہت روڈ اور ڈراؤنے طریقے سے بات کرتی ہیں ان سے بال واپس لے دیں پلیز۔“ پیچی و معصومانہ انداز تھا بچوں کا وہ انکار نہ کر سکا۔

”او کے بیٹا! مانگ کے دیکھتے ہیں۔“ فطری نرم خوئی سے مجبور ہو کر اس نے ناک کر دی مگر سامنے کھڑی ہستی سے بات چیت کے بعد اس کا دل چاہا کہ وہ بچوں کی اصلاح کر دے کہ روڈ بڑی آنتی نہیں بلکہ چھوٹی آنتی ہوں گی انہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ وہ چونکہ ادھر ذاتی غرض سے نہیں آیا تھا سو دو بارہ نیل بجانے میں ذرا بھر کا تامل نہ کیا۔

دروازہ بے حد تپے ہوئے انداز میں کھولا گیا مگر سامنے پھر اسی نوجوان گود دیکھ کر چہرے کے ہر نقش پہ حیرانی جم گئی۔

”ابھی تو فقیر نے منٹایا ہے پھر دستک دینے کا مقصد؟“
 ”دیکھیں محترمہ میرا ان بچوں سے محض راہ گیری کی حد تک ہی تعلق ہے میں کوئی بطور خاص ان کے لیے آپ کے دروازے تک نہیں آیا تھا۔ وہ یقیناً اس کی اجھنک پا گیا تھا سچی وضاحت دیتے ہوئے بولا۔“ میں فاران بھائی کا کزن ہوں مجھے انہوں نے آپ کے گھر بھیجا ہے۔“

”کون فاران بھائی؟“ مشکوک انداز میں پوچھا گیا۔

”نائی گاڈ اتنی بے خبری۔“ اس نے بے حد حیرانی سے سامنے کھڑی لڑکی کا جائزہ لیا جس کے دل بے پتے سراپے پہ عام سا کاشن کا پھول دار موٹھا دوپٹہ سر سے آگے تک

دماغ سرزنش کرتا۔

رنگت۔ ”وہ جی بھر کر حیران ہوتی۔

”اوہو فریڈ کی۔“ عارفہ خوب جھنجھلائی۔

”وہ کوئی آج کی بات کر رہی ہے نہ تو آصف رضا میر کی جوانی کی بات کر رہی ہے ہینڈ سمن ٹال ڈیپنٹ۔“ چائے تیار ہونے تک وہ نرالی لوازمات سے سجا چکی تھی۔ وہ نرالی کے ہمراہ اندر داخل ہوئی تو شمیم مہمان کو حشمت اللہ صاحب کی دولت کے متعلق تفصیلی آگاہ کر رہی تھیں۔ فلاں جگہ فلاں فلاں جگہ دکائیں سب عارفہ کے نام وہ سامنے کارنس پہ سجے شوپس کو دیکھتے ہوئے بغیر متاثر ہوئے یہ سب سنے جا رہا تھا۔

گھنٹوں کے بل بیٹھ کے چائے بنا کر اس نے کپ آگے بڑھایا جسے ذرا آگے ہو کے تمام لیا گیا۔ شمیم کی باتوں کا رخ ایک دم سے مردہ کی ذات کی طرف مڑ گیا تھا۔ ”تیسری ماموں ممانی کی فیاضی اور خدا ترسی تعلیمی اخراجات اس نے جلدی سے لوازمات سرود کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اجود نے بے حد غور سے اس کے چہرے پہ اٹھنے والے خطرناک اثرات کو دیکھا تھا۔

.....●.....

شادی کے بے حد مصروف اور گہما گہمی سے بھرپور دنوں میں اپنی تمام ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے سر انجام دینے کے ساتھ ساتھ مردہ کو بے حد توجہ اور اشتیاق سے دیکھا رہا۔ شادی کی تقریبات میں تو اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ کہاں یہ حد عام گھر بیٹھنے میں بے نیازی سے گھر کے کام نشانی اور اب شہر کے بہترین بوتیک کالہاس زیب تن کیے مناسب میک اپ اور کھلے ریشمی بالوں میں اس کی نگاہوں کو باندھے ہوئے تھی۔

اجود کا دل بے ساختہ چاہا کہ وہ اسے دوک کرتائے کہ وہ آج ویسے کے دن مہندی کے دن سے زیادہ پیاری لگ رہی ہے مگر اس کی سنجیدہ و متین طبیعت کے آگے دل کی ایک نہ چلی۔ وہ بھی تو اس کی طرح بچپن سے شیمی کا دکھ اپنے کانڈھوں پہ اٹھائے پھر رہی تھی۔ اسی کی طرح ماموں کے سایہ شفقت میں پل بڑھ رہی تھی جیسے وہ گزشتہ تیس

یہ پتہ سائش گھر اور اس کے کمین تم یہاں خود خوف خدا میں پل رہی ہو یہ نیکیاں ان کے کھاتے میں ہی درج ہوں تو بہتر ہے۔ مگر ہونے والے اکلوتے داماد کے رشتہ دار کو یوں کافی دیر دروازے پہ روکے رکھنے پر بھی مامی اس کی کھنچائی کر سکتی تھیں۔ بھی تو بروقت اس سوچ کے آنے پر وہ سیدھا سے ڈرائنگ روم میں لائی۔ مامی کو جگا کر سیدھا کچن کی راہ لی۔

عارفہ کو کسی صاحب حیثیت شخص فاران نے ریجیہ کے گھر پارٹی میں دیکھا تھا۔ خوب صورتی، دلکشی اور نزاکت کو فاران نے پہلی بار سیکھا دیکھا تھا اور پر سے سینے اوڑھنے چلنے اور بات کرنے کا انداز قابل وہ گھائل نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ عارفہ کے لئے آئے ہوئے پروپوزل کی لسٹ میں ایک نمایاں نام فاران نذیر بیک وقت گلی کا دوبارہ کا ملک پر توجہ رہن بہن جاؤب نظر شخصیت گھر میں صرف ایک یورپی مفلوج ماں۔ حشمت و شمیم کو غور کرتے ہی تھی۔

کافی لمبی فہرست تھی۔ لاتعداد امیدوار دولت خاندان شرافت سارے ہی ایک سے بڑھ کر ایک فیصلہ مشکل تھا ان کا غور و خوض کئی ہفتے چلتا جو عارفہ نے خود فاران کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے ان کی مشکل حل نہ کر دی ہوئی۔

مردہ گھر میں ورنے والی اس اچانک اپیل اور مصروفیت سے بخوبی آگاہ تھی مگر فاران کے متعلق مکمل معلومات حاصل کرنے سے محروم رہی تھی کیونکہ کالج میں پوچھ فیسئول کے حوالے سے خوب گہما گہمی شروع ہو چکی تھی۔

عارفہ نئے نئے استوار ہونے والے رشتے سے بے حد خوش تھی۔ چہرہ اب اور بھی روشن اور کھلا کھلا رہنے لگا تھا کہ نظر نکلنے ہی نہ پائی تھی۔ خود بخود عارفہ کے عادی لب اب کسی اور کی مدح میں مصروف رہے۔

”ریجیہ تو صاف کہتی ہے فاران بالکل آصف رضا میر دکھائی دیتا ہے۔“ ازلی غریب اعجاز۔

”آصف رضا میر جیسا؟ نکلی ہوئی تو نڈ سانولی

258 اپریل ۲۰۱۵ء سکرہ نمبر سکرہ نمبر سکرہ نمبر

برسوں سے پھوپھو زینب اور فاران بھائی کی چاہتوں اور
عنائتوں سے بلا دروغ لطف اٹھا رہا تھا۔

شادی کے ایک مہینے بعد فاران و عارفہ ولڈ ٹور سے
واپس آئے تو انہماکی کاروباری نوعیت کی گفتگو کے دوران
فاران نے پوچھا۔

”اجود ای جان تمہارے فرض سے بھی سبک دوش ہونا
چاہتی ہیں۔ اپنی لائف پارٹنر کے بارے میں تمہاری کوئی
خاص پسند ہے تو بلا جھجک شیئر کر لو۔“ فاران اپنے مخصوص
بے تکلفانہ و دوستانہ انداز میں اس سے پوچھ رہے تھے۔
بالکل بڑے بھائیوں کے سے انداز میں۔ شفقت و دوستی
ایک ساتھ ان کے لہجے سے چھٹک رہی تھی۔

”میں مردہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بے
دھڑک نام لے دیا۔

”کون مردہ؟“ فاران چونکے پھر بولے۔
”آئی سی! مردہ وہ عارفہ کی کزن تو گویا تم مردہ میں
انٹرنڈ ہو۔“ انہوں نے کھینکی انداز میں سر ہلایا۔

”اس کی سادگی، احتیاط پسندی اور اپنا کام بے حد ایمان
واری سے کرنے کی خوبی نے مجھے بہت اپیل کیا ہے۔“ وہ
صاف گوئی سے بولا۔

”چلو امی جان سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔“

.....

وہ اجود کو آفس رخصت کرنے کے بعد باقی کام آرام
سے نمٹانے لگی۔ معمول کے مطابق عارفہ کی طرف آئی تو
کام ہنوز جاری تھے ایک ملازمہ صفائی کر رہی تھی تو دوسری
کچن میں مصروف عمل تھی۔ بڑے گھر کے ڈھیروں
کام.....! وہ ادھر ادھر توجہ دینے بغیر سیدھا پھوپھو زینب
کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ حسب عادت وہ کسی کتاب
کے مطالعے میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر مسکرائیں
کتاب سائڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ ٹانگوں پر رچی گرم چادر
درست کرتے ہوئے بولیں۔

”پچھلے کئی دنوں سے اجود دکھائی نہیں دے رہا۔
خیر تو ہے؟“

کلم

وہ جس کی

یاد میں میرا

ہر پہلو گزرتا ہے

وہ جو لفظ بن کر

میرے کلم سے

کاغذ پر اترتا ہے

وہ جو میرے

اور رب کے بیچ

ملاقات کا سبب بنتا ہے

ہاں وہ.....

جو میرے چھینے کی وجہ ہے

جو میرے ہونٹوں کی دعا ہے

میں اسے بھول جانے کی

گستاخی کروں گی

تو کیوں.....؟

کہ وہ تو میرا احسن ہے

مجھے مجھ سے چرایا ہے

تو کیا.....

مجھے رب سے ملایا ہے

اس نے.....

میرے کچے کچے سپنوں کو

بے نیند سلایا ہے

اس نے.....

مجھے اپنے سیدھے ہمدستوں پر

چلنے سے بچایا ہے

اس نے.....

میرے محسن کا احسان ہے یہ

بے مول بھی میں پہلے نازی

انمول بنایا ہے

اس نے.....

نمبر ۱۵۲۰۱۵

"جی وہ تین چار روز سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ کوئی بزنس کا معاملہ تھا۔ رات آئے ہیں آج آپ سے ضرور ملنے آئیں گے۔" صوفی نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"کافی محنتی اور ذمہ دار بچہ ہے۔ اس کی لگن اور ایمان واری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فاران بھی کبھی اس کے ساتھ کافی زیادتی کر جاتا ہے۔ کتنے ہی کام اس پر چھوڑ رکھے ہیں۔ جیسے بچہ نہ ہو کوئی ہر کوئیس ہو گیا۔" ان کا لہجہ جیتھے کی محبت سے معمور تھا۔ وہ سکرابوی پھر اٹھ کر ان کی وہیں چیئر کے پیچھے گئی تھی۔ اس کے سفید بالوں کی چٹیا کھول کر دھیرے دھیرے کبھی سے سلجھانے لگی۔ ساتھ ساتھ پھوپھو کی باتوں کی طرف اپنی توجہ اور دلچسپی برقرار رکھی۔ مفلوج دیکھ اور تہائی کی مادی بوزھی کی دلچسپی کے موضوعات شادی، کم عمری میں بیوگی، کام شریک حیات کی بھرپور رفاقت کی یاویں اپنا حسن و جمال وقت کی بے رحمی و ناقدری کا شکوہ ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو اور مردہ ایسی سامع کہ مجال ہے جو ذرا برابر اپنی دلچسپی میں ہی آئے وے۔

اپنے ہم دروڑ نے شب زفاف میں ہی اس پر زینب پھوپھو کی عزت و مقام کو اس پر واضح کر دیا تھا۔

ماسوں کے گھر میں قسمت نے اس کے ساتھ کوئی روایتی تہنوں والی کہانی نہیں دہرائی نہ بات بات پہ کھانے کے طعنے نہ جسمانی و ذہنی اذیت خود اس نے بھی اپنی حیثیت دور بے سے حرف نظر نہ کی۔ ہمیشہ احتیاط سے غلاف میں لپٹی زندگی گزارنے کی کبھی کبھی کھل کر سانس نہ لیا۔ کبھی جی بھر کر نہ کسی بوجھل دل اور اس روح اس کے برعکس اجود کی شخصیت پر اعتماد کا رنگ سراسر پھوپھو زینب کی ماہرانہ نوازشوں کا ہی نتیجہ تھا۔ کبھی فاران اور اس میں فرق نہ کیا۔ فاران نے تعلیم کی تکمیل کے بعد جو ذمہ داری سونپی تو اس نے بھی انہیں ہاتھوں کرنا گوارا نہ کیا۔

مردہ کو اجود کی نسبت سے اس گھرانے سے بہت محبت اور اپنائیت ملی تھی۔

چولی گندھ چکی تھی۔ پھوپھو اس دوران فروسی کے

شاہانے پر سیر حاصل گفتگو کرنے کے بعد اب تفسیر این کثیر کا تذکرہ چھینر چکی تھیں۔ ان کی ضروریات کے لیے قدران نے ایک کل وقتی ملازمہ ہائر کر رکھی تھی۔ مگر اس ناخواندہ اور ادب سے نااہلہ عورت سے وہ کیونکر ایسی گفتگو کر پاتیں۔ مردہ کا وجود ان کے لیے ایسے ہی ناگزیر ہوتا جا رہا تھا جیسے زندہ رہنے کے لیے ہوا پانی اور خوراک۔

عارف ان کی اکلونی بہو بے حد سوشل اور مصروف شیڈول رکھنے والی کبھی ان کے کمرے میں جھانک کر نہ دیکھا نہ احوال پرسی نہ حاجت روائی وہ اپنی بہو میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتی تھیں وہ ساری کی ساری بدرجہا تم مردہ میں موجود تھیں۔ ہمدرد نمکسار مہربان۔

"ارے مردہ تم آئی ہو تو ذرا ملازموں کا کام بھی چیک کر لو۔" وہ کمرے سے نکلی تو اسی دم عارفہ اور روائی منزل سے چلی زینے پر کچ کچ کر قدم رکھتی نیچے آ رہی تھی۔ خوب نئی سنوری بے تحاشا خوشبوؤں میں بسی قیمتی ملبوس و نفیس گہنے تن پہا راستہ کیسے۔

"جب تک ان کے سر پر کفرے ہو کر کام نہ کرواؤ حرام خورڈ غری مار جاتے ہیں۔ روز اس بددماغ بڑھیا کی بے سرو پا باتیں سننا جانی ہونگے ہاتھوں گھر بھی دیکھ لیا کرو۔" عارفہ بولتے بولتے عین وسط میں لگے قیمتی فانوس کے نیچے آئی تو اس کی سیاہ ساڑھی پہ لگے گلینے اور جیولری سے ایک دم سے شعاعیں پھوٹ نکلیں۔

"جی میں دیکھتی ہوں۔" شعاعیں اس کی نظر کو خیرہ کیسے دے رہی تھیں کبھی تو وہ گداز قالین پہ نظر سرجھا کر آہستگی سے بولی۔

"میرا آج سزا انصاری کی طرف لٹخ ہے۔ تم ادھر ہی کھانا کھا لینا۔" فراخ ولی سے آفری۔

"نہیں باجی! میں کھانا پکا کر آئی ہوں گھر میں ہی کھاؤں گی۔" اس نے سادگی سے جواب دیا۔

"لوہ کم آن! یہاں کھاؤ یا وہاں ایک ہی بات ہے۔ اجود قدران کا اہل پلانی ہی ہے ہماری وی ہوئی تنخواہ سے تم دونوں گزر بسر کر رہے ہو سو ایسا تکلف نہ کیا کرو۔" اسے سر

معروف دولت کے ساتھ ساتھ شہرت کے تڑکے نے
شخصیت کوہ چار چاند لگائے کہ ہر ایک اس کے نصیب پر
رشک کیے بنائے ہوتا۔

انہی متاثرین میں مروہ تو سرفہرست تھی۔ آخر متاثر
کیوں نہ ہوتی بے حد چاہنے والے ماں باپ جو محض بیٹی
کی جنبش ابرو پر اس کی خواہش قدموں میں ڈھیر کر دیتے
خوب صورتی، اعتماد چاہنے والے دوست، بہترین تعلیمی
ریکارڈ آگے بھی قسمت کی دیوی مہربان رہی۔ شوہر والہ
شیدا شہر کے امیر ترین افراد میں سے ایک شاید کچھ لوگوں
کے لیے یہ دنیا جنت سے کم نہیں ہوتی اور مروہ کے خیال
میں عارف کا شاد بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

شام کے بعد مہمانوں کی آمد شروع ہوئی عارفہ کی بھی
دوست عارفہ جیسی ہی تھیں بے حد مازن تیز طراز مغربی
انداز و اطوار کی شیدا چست، ناکافی بلبوسات تیز چبھتا میک
آپ مصنوعی بلند قمقمے اس کا دل ان طبقہ شراقی کی خواتین
سے ملتے ہوئے خوب گھبرایا۔

ناپا استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے عارفہ رعنت
بھرے انداز میں بولی اوتا گے بڑھ گئی۔
مروہ کی آنکھوں کے کنارے ایک دم سے گیلے ہونے
لگے تھے۔



اگلے ہفتے علی اس عارفہ کا بلاوا گیا۔

”مروہ اداوت کو ذرا بچ کرنا ہے زبردست سائیری
فریڈز کی چھوٹی سی گید رنگ ہوگی۔ مینو پاکستانی چائیز
کانٹی نینٹل سب چنے گا۔ بس تم اپنی زیرگرانی نگ سے
ڈالتے اور حساب کا خیال رکھو نا۔“ عارفہ نے بالکل مانگوں
والے لہجے سے اسے ہدایات جاری کیں۔

”اور گھر کی صفائی اور سیٹنگ بھی دیکھ لینا۔“ عارفہ تیز
تیز بولتی پارلر چلی گئی۔

شادی کے بعد عارفہ کا حلقہ احباب کافی وسیع ہو چکا
تھا۔ پارٹیز کلب، شاپنگ اس کی زندگی بس انہی چیزوں
تک محدود تھی کئی سماجی تنظیموں کی روح رواں بے حد

اصناف فارمیسی کی سالانہ سال سیر۔ از مودہ
ادویات ایک بار ضرور استعمال کریں

محققی دماغ 180/- قوت کیلئے	بلڈ ریگور 230/- صالح خون کی پیدائش کیلئے	پاور پلس گولڈ 330/- لحات مسرت میں اضافہ کیلئے
مسلز ٹانک 180/- جسم بنانے کیلئے	محققی جسم 280/- جسمانی قوتیں بنانے کیلئے	قوت خاص 330/- جنسی قوت کا خزانہ
محققی جگر 180/- محدود جگر کی قوت کیلئے	محققی بصر 280/- تقویت نظر اور جگ سے بچاؤ کیلئے	سدا بہار 330/- بے پناہ قوت شہوانی کیلئے
محققی قلب 230/- امراض دل سے بچاؤ کیلئے	محققی صحت 280/- حفاظت صحت دقیقاً شباب کیلئے	محققی جسم 390/- بہترین جسمانی نشوونما کیلئے
ہیپا ٹائٹس B اور C 950/- 6 ماہ میں ختم	جائینڈس (پیلایرکان) 550/- 15 دن میں ختم	ہرمہ موٹاپا سے نجات کیلئے 580/-

خواتین و حضرات کیے پوشیدہ امراض کا کامیاب علاج موجود ہے 350/-

سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر۔ آنچل اپریل ۲۰۱۵ء 261 سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر

”اچھا بھائی! میں چلتی ہوں۔“ مغرب بڑھ کر وہ دوپٹہ سر پر اچھی طرح اوڑھے عارفہ کے پاس چلی آئی۔
 ”تو یہ ہے قریب ہی تو تمہارا گھر ہے چلی جانا کھانا تو سرو کر لو اور کم از کم آج تو ڈھنگ کی ڈیرنگ کر لیتیں۔“
 عارفہ ناپسندیدگی سے اس کے سر اڑے کو دیکھتے ہوئے بولی۔
 ”معلوم بھی ہے میری سب فرینڈز آج آ رہی ہیں ٹھیک ہے تم فاران کے کزن کی بیوی ہو لیکن پہلا حوالہ تو میری کزن کا ہے۔ میری پوزیشن کا تو خیال رکھا کرو۔“ وہ سر جھکائے عارفہ کی ان ترانیاں سنے لگی۔

”عارفہ! یہ کیوٹ سی لڑکی کون ہے؟ میڈ تو کہیں سے نہیں لگتی۔“ شیریں ایمان نے سر تاپا اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔
 ”فاران کے شوہم کے کیئر ٹیکر کی وائف ہے۔ سیم لیفٹ میں اس کا گھر ہے آجانی ہے کام کلج دیکھئے۔“
 عارفہ نے سر سرری لہجے میں اس کا اظہار تعارف کروایا۔
 فاران نے شادی کی پہلی سالگرہ یہ اسے ہیروں کا ایک سیٹ گفٹ کیا تھا یورپ کے اس بزنس ٹرپ میں وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ ڈھیروں شاپنگ کی دوستوں کے لیے گفٹس خریدے جنہیں تقسیم کرنے ہیروں کا سیٹ دکھانے اور ٹرپ کا تفصیلی احوال سنانے کے لیے ایک پارٹی تو لازمی تھی۔

خود پسند خود ستائش فطرت کی تسکین کا بہترین علاج۔



اپریل کی حدت بھری دوپہر میں نجانے کہاں سے آنا فانا بادل اکٹھے ہوئے اور برسات شروع ہو گئے۔
 ”یار! موسم کا اہتمام تو بنتا ہے۔“ اجود کی چٹوری طبیعت پھٹی۔

”ہاں! میں ابھی پکڑے اور سوچی کا حلوہ بتاتی ہوں۔“ وہ دھیسے سے مسکراتے ہوئے کچن میں چلی آئی۔
 جھت پت بامدے میں رکھی پلاسٹک ٹیبل پر اس نے کافی سارے لوازمات سجا دیئے سو سے پکڑنے لگائے حلوہ وغیرہ بارش تھی تو سرمئی بدلیوں کی لوٹ سے

سورج نے سر نکال لیا۔ ٹھنکی مٹی بوخندوں کا گھرنہ جاری تھا۔
 ”پتہ ہے مردہ جسب بارش اور دھوپ ایک ساتھ ہوتی کہتے ہیں کہ اس وقت مانگی ہوئی دعا روئیس ہوتی۔“ وہ پلر سے ٹیک لگائے موسم کی نیرنگی سے لطف لے رہی تھی جب اجود اس کے قریب پہنچے آن ٹھہرا۔

”ہاں میں جانتی ہوں۔“ وہ بتا کر نیچے میں بولی۔
 ”پھر کون سی دعا مانگو گی اس وقت؟“ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔
 مردہ کی ساکت نگاہیں سامنے تین منزلہ فاران پینس پہ تھی تھیں۔ سفید ماربل کی یہ شاندار عمارت خوب صورت پھولوں اور سبزے سے ڈھکی تھی۔ بالکونی میں کوئی نہ تھا نہ عارفہ نہ فاران یقیناً عارفہ اپنی دوستوں کے ہمراہ باہر موسم انجوائے کر رہی ہوگی اور فاران بھائی کی بھی یہی مصروفیت ہوگی۔ اس نے دل میں اندازہ لگایا۔

”تم نے بتایا نہیں کیا دعا مانگ رہی ہو؟“ اجود نے نرمی سے اس کے کندھے کو چھو کر پوچھا۔

”میں یہ دعا کر رہی ہوں کہ کاش میرا گھر یہاں سے بہت دور ہو۔ کسی دوسرے ایریے میں جہاں سے مجھے یہ سفید ماربل والا گھر نظر نہ آئے مجھے روز اس گھر میں نہ جانا پڑے۔ بس ابھی کبھار..... شاید سال میں ایک دفعہ۔“ وہ ہنوز نظریں سامنے جمائے ہوئے بولی۔ اجود حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”مردہ! میں سمجھ نہیں پارہا ہوں تم بڑے گھر کی خواہش میں جتلا ہو یا فاران بھائی کے گھر کے مقابلے میں تمہیں اپنا یہ چھوٹا سا گھر برا لگ رہا ہے۔“ اجود کبھن زدہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”آپ سمجھ نہیں رہے نہ مجھے بڑے گھر کی چاہ ہے نہ ہی میں کسی حسد و رشک میں جتلا ہوں مجھے بس اس کم بائیکل اور بے قسمی کے احساس سے نکلنا ہے جو یہاں آ کر بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا۔“ بے بسی سے بولتے ہوئے اس نے شہ حال انداز میں سر وہ پارہ پلر سے نکا دیا۔ آنسو چکوں کی باڑ توڑ کر تیزی سے اس کے رخساروں پہ پھیلتے

بیشی تھی کہیں کزن کی پریشان صورت دیکھ کر بھرتے میں منٹ نہ لگایا۔ وہی سادہ و سادہ فطرت لوگوں کے ذہب۔
 ”آپ نے فاران بھائی سے بات کی؟ شاید انہوں نے کہیں دیکھا ہو۔“ اس نے ساری اشیاء دوبارہ اپنی جگہ پر سلیقے سے رکھتے ہوئے عارفہ سے پوچھا۔

”ہاں وہ تو اس کی گمشدگی کو ذرا بھی سیریس نہیں لے رہے“ کہتے ہیں ایسے کئی ڈائمنڈ سینٹ وہ میری بھولی میں ڈھیر کر سکتے ہیں۔“ انتہائی پریشانی کی حانت میں بھی عارفہ اترانے سے باز نہ آئی۔

مردہ جانتی تھی فاران کا رد عمل ایسا ہی ہلکا پھلکا ہوگا۔ آخر ذی حیثیت شخصیت کے لیے دوبارہ سے ایسا قیمتی سینٹ لینا کون سا دشوار ہے؟ اسے بچانے کیوں محسوس ہوا کہ عارفہ کو کوئی اور پریشانی لگھی لاحق ہے۔ بیروں کے سینٹ کی گمشدگی کے علاوہ۔



تقریباً اپنے جوبن پر تھی۔

دلہاؤں کو تحائف و مبارک باد دینے کے بعد وہ لوگ ایسی نیکل پائیٹینے جہاں ذرا کم رش تھا۔ کھانا سرو ہو چکا تھا۔ باوردی پیر کا دھر سے دھر گھومتے پھر رہے تھے۔

یہ ایک مشہور برنس مین سعد۔ سین کی اکلوتی بیٹی کا ولیہ تھا۔ سعد۔ سین کے اجود کے ساتھ بھی ایسے ہی گہرے کا دبا باری مراسم تھے جیسے فاران کے ساتھ تھے۔ سو چاروں کو شکر کرت کرنا پڑی۔

ڈریس کے انتخاب میں اجود نے اس کی مدد کی۔ پنک و گولڈن پھول دار سلک کی ساڑھی کے ساتھ گھنے بالوں کا اسٹائلش سا جوڑا بنائے وہ خاصے اعتماد کے ساتھ مرد و خواتین کے جم غفیر کو دیکھ رہی تھی۔ عارفہ کی آب و تاب بھی ہمیشہ والی تھی۔

اجود کسی شاسا کو دیکھ کر اٹھ گیا۔ فاران پہلے ہی کسی دوست کو کہنی دینے کی فرض سے وہاں سے ہٹ چکے تھے۔ اتنے میں ایک لڑکی ادھر چلی آئی بے حد اسماٹ و طرح دار جدید فیشن کے مطابق لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔

دھیمی سی مسکراہٹ سرخ لبوں پہ بجائے عین ان کی نیکل کے سامنے والی چیمیز پر نزاکت سے ٹک گئی تھی۔ عارفہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ بلاشبہ سو فیصد وہی ڈائمنڈ سینٹ تھا جو فاران نے اسے گفٹ کیا تھا۔ اسے ہرگز مغالطہ نہیں ہوا تھا ہو بھی کیسے سکتا تھا اس سینٹ سے اسے قلبی لگاؤ تھا۔ فاران کا شادی کی پہلی سالگرہ برودیا جانے والا تھا اس کی بناوٹ اس کے دل و دماغ پر نقش تھی۔ وہ بھلا کیسے دھوکہ کھا سکتی تھی۔ وہ ایک دم جھٹکے سے اٹھی اور سیدھا اس لڑکی کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔

یوں ایک دم جھٹکے سے اٹھنے پر مردہ نے حیرت سے اسے دیکھا پھر عارفہ کے سامنے بیٹھی لڑکی پہ نظر پڑی تو نظر دیں حیرتی گئی تھی۔

”اٹک سکوزی میں پوچھ سکتی ہوں یہ جیوڑی آپ نے کہاں سے لی ہے؟ آئی مین کس کنٹری سے؟ بہت یونیک ڈیزائن لگ رہا ہے؟“ متوحش نظروں سے نیکلس کو گھورتے ہوئے عارفہ نے بیجان زدہ انداز میں پوچھا۔

”یہ نیکلس.....“ لڑکی نے ذرا سا مسکراتے ہوئے گلے کی زینت بنے ہار پہ نزاکت سے انگلیاں پھیریں پھر سامنے اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

”یہ مجھے میرے باپ نے گفٹ کیا ہے۔ میں حال ہی میں ان کی فرم میں نی اے کی سینٹ پاپائٹ ہوئی ہوں۔ بہت فراخ دل اور ٹانس پر سن ہیں۔“ ہاتھوں میں مشروب کا جام لیے بنتے مسکراتے فاران کو پھر انی نظروں سے دیکھتے ہوئے عارفہ ایک دم کنڑے کنڑے لڑکھرائی تو مردہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تمام لیا پھر سنبھال کر قریبی کرسی پہ بٹھایا۔

عارفہ کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے ایک بے سرو سامانی کے احساس نے اسے مرنا پاپائٹ اپنے حصار میں لے لیا تھا اور عارفہ جس کی ذات ہمیشہ اس کے لیے رشک و حسرت کا محور بنی رہی تھی اب ایسے لگ رہی تھی جیسے بالکل تھی دست!!



”مہاسن تم نے کہا تھا کہ تمہارا تھیسس مکمل ہو جائے تو میں امی اور ابو کو شادی کی تاریخ کے لیے بھیج دوں۔ اب تمہارا کیا خیال ہے یا راب اور انتظار نہیں ہوتا۔“ ندیم نے جذب سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”بس ندیم مول والا کیس حل ہو جائے تو آپ مجھ سے ہنسا پوچھیے بارات لائے گا۔“ اس نے شرماتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

”تو جناب! یہ کیس ہماری ملن کی ضمانت ہے پھر تو تم سمجھو میں اپنا تن من و مہن اس پر لگاؤں گا برسوں تیار رہنا ہم آپ کی مول صاحبہ سے ملنے چاہیں گے دیکھیں تو سہی کہ ہماری پیاری سی منگیتر صاحبہ کو کس نے اتنا اسیر کر لیا ہے اور پھر کچھ کھانا کھاتا بھی سائن کروانے ہوں گے۔“

وہ گھڑو نچی اٹھائے پگڈنڈی پر چلتی گاؤں سے باہر جا رہی تھی اس کی دھانی پخری مستی سے لہرائی تو وہ اس کا کونہ تھام کر اسے سرزنش کرتی اور پھر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹ لیتی۔ گندم کی سنہری بالیوں اور دھان کے سبزے کو دیکھتے ہوئے اس کے خیالوں میں ایک ہی عکس جھلکتا تھا ”سالار کا روشن اور سنہری جذلوں سے سجا چہرے کا عکس“ وہ نہر سے گھڑو نچی بھر کر سر پر رکھ ہی رہی تھی ایک پتھر اس کی کمر پتا کر لگا۔

”مول!“ نیکر کے درخت کے چپھے سے ایک ہلکی سی سرگوشی ابھری اس نے پلٹ کر دیکھا سالار سینے پر بازو لپیٹے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”تو بس سالار! تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔“ وہ بھی اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی وہ اس کے ساتھ ساتھ پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

”بس سالار! اب تو جا ادا سائیں نے دیکھ لیا تو بہت ناراض ہوں گے۔“ گاؤں کی حد شروع ہونے سے پہلے مول نے اسے پلٹ جانے کو کہا۔ وہ اپنے ادا سکندر کے غصے سے بخوبی واقف تھی اور اسے اس سے ڈر بھی لگتا تھا ہر وقت اپنے ساتھ بندوق رکھتا تھا ادا سکندر.....!

نے مول پر مکالمہ لکھا۔ جانے اس میں ایسا کیا تھا کہ تھیسس مکمل ہونے کے بعد بھی اس کے قدم اس تک و تار یک کونڈی کی طرف اٹھنے لگے جس میں مول اپنی سزا کاٹ رہی تھی اتنی کم عمری اور اسیری کا عذاب مہاسن کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ کوئی ایسا ہم پڑھے جس سے وہ مول کو اس بحرمانہ ماحول سے نکال کر اس کے گاؤں کی آواز فضاؤں میں لے جاسکے اور اس کے لیے اس نے کوشش بھی شروع کر دی تھی۔

”استلام علیکم!“ مہاسن اپنی وکیٹ ندیم کے کانس میں داخل ہوئی سلیتے سے سجا ہوا آفس ان کے قرینے اور ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

”اگرے تم آج ہم پر یہ کرم فرمائی کس طرح یہ تو وہی بات ہوئی کبھی ہم ان کو بھی اپنے آفس کو دیکھتے ہیں۔“

ندیم نے کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا (وہ مہاسن کا تالیلا زاد بھی تھا اور منگیتر بھی)

”ندیم مجھے آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے میں پہنچے گھر گئی تھی جی نے بتایا کہ آپ ایک خاص کیس کی تیاری میں ابھی تک چیمبر میں ہی ہیں تو اس طرف آگئی۔“

اس نے وضاحت دی۔

”ارے اس کام کے صدمے جس کے سبب آپ نے ہمیں رخ روشن کا دیدار تو کروایا۔“ ندیم ہنستے ہوئے بولا۔

”آپ بھی ناں..... آپ کو تو وکیل نہیں شاعر ہونا چاہیے۔ خالی خولی باتیں کرتے رہے گے یا کچھ خاطر مدارت بھی کریں گے۔“ مہاسن نے ندیم کی بولتی اور جگمگاتی نگاہوں سے بچتے ہوئے کہا۔

”ارے میں تو بھولی ہی گیا خوشی ہی کچھ ایسی تھی۔“

ندیم نے دنتر کم پر کافی اور چیز چمن سینڈویچ کا آرڈر دیا اور پھر مہاسن اس سے مول کا کیس ڈسکس کرنے لگی۔ کافی پینے اور کیس کے بارے میں تسلی ہو جانے کے بعد مہاسن جانے کے لیے اٹھنے لگی تو ندیم نے پکارا۔

”ایک تو تیرے ادا سائیں نے ٹنگ کر رکھا ہے اگلی فصل اترنے دے پھر تجھے بیاہ کر لے جاؤں گا پھر دو کھوں گا تیرے ادا سائیں کیا کر لیں گے“ وہ محبت بھرے سفر کے مختصر ہونے پر غصے سے منہ پھولا کر کہنے لگا اور واپسی کی راہ مڑ گیا اور مول اپنے راستے پر چل دی۔

مول اور سکندر روہی بہن بھائی تھے باپ کے مرنے کے بعد سکندر باپ کی زمینوں پر کاشت کرتا تھا۔ ماں نے اپنے بھائی کی بیٹی سے سکندر کا رشتہ طے کر دیا تھا وہ چونکہ اگلی بھی اس لیے وہ نہیں مل سکتا تھا۔ مول کا رشتہ انہوں نے گاؤں کے مولوی کے بیٹے سالار سے کر دیا تھا۔ خاندان میں اس کا کوئی جوڑ نہیں تھا اور پھر یہ رشتے لہانے اپنی حیاتی میں ہی کر دئے تھے۔

ماروی بھر جانی بیاہ کر گھر آ گئی تھی مگر سالار کے لہانے ابھی سال بھر کی مہلت مانگی تھی سالار گاؤں کے اسکول میں ماسٹر تھا اور بچوں کو بہت دیانت داری اور لگن سے پڑھاتا تھا۔ سکندر اپنی زمینوں پر کاشت کے علاوہ وڈیرے کے چھوٹے موٹے کام بھی کرتا تھا یعنی وہ وڈیرے کے کام کے بندوں میں شامل تھا اور اس کا مزاج بھی غصیلا اور پھڈے نسا دا لاکھا۔

”لو بھر جانی! باہر تو ہر چیز دھوپ کی وجہ سے تپ رہی ہے اب پانی دیکھ بھال کر استعمال کرنا۔ میں آئندہ اتنے کاڑھے میں پانی بھرنے نہیں جاؤں گی۔“ اس نے گھڑوچی ماروی کو تھماتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں تو تیرے ہی بھتیجے کے لیے پانی چاہیے تھا“ ویسے تو اتالا ڈاکرٹی بے احمد میرا بیٹا ہے مجھ میری جان ہے اور ڈراسی گھڑوچی بھر کر لانے میں اتنی باتیں سناؤ ابلی۔“ بھر جانی ماروی ذرا ٹنگ مزاج بھی سو فوراً پلٹ کر جواب دیا حالانکہ مول نے یونہی سرسری کہا تھا۔

آج زمینوں پر پانی کا دارا تھا اس لیے سکندر سرشام ہی زمینوں پر چلا گیا تھا آج ہی اس نے اپنی کلہاڑی کی دھار کو بھی تیز کیا تھا اور شام کے ڈھلتے سورج کی چمکیلی کرنوں کی روشنی میں سکندر کے کندھے پر اس کا پھل

ابھی باتیں
 کسی کو دکھ دینے والے کبھی خود سکھی نہیں
 رہتے۔
 کسی کی بے بسی پر مت ہنسویہ وقت تم پر بھی
 آ سکتا ہے۔
 کسی کی آنکھ تمہاری وجہ سے نم نہ ہو کیونکہ تمہیں
 اس کے ہر آنسو کی ایک ایک بوند کا قرض چکانا ہوگا۔
 مظلوم اور نمازی کی آہ سے ڈرو کیونکہ آہ کسی کی بھی
 ہو عرشِ چیر کے خدا کے پاس جاتی ہے۔
 دوسروں کو اس طرح معاف کرو جس طرح خدا
 تمہیں معاف کرتا ہے۔
 عائشہ و ہالہ سلیم..... اور گلی ٹاؤن کراچی

چمک رہا تھا۔

آدھی رات کا وقت تھا سکندر تھوڑی دیر پہلے ساری بنی پر ایک چکر کاٹ کر آیا تھا اور چار پائی پر لیٹا ہی تھا کہ ہاری بھاگتا ہوا آیا۔

”سکندر وہ کھوسوں کے بندے دوسری طرف سے پانی توڑ رہے ہیں۔“ وہ جلدی سے اٹھا نکلیے کے نیچے رہی بندوق اٹھانے کے بجائے اس نے پاس رکھی کلہاڑی اٹھائی۔ وہ لپٹے آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچا حیات کھوسہ کارروائی کر چکا تھا۔ کنارے سے پانی ٹوٹ چکا تھا یہ دیکھتے ہی سکندر کا خون کھولنے لگا حیات سے اس کی اکثر منہ ماری ہوتی رہتی تھی اس نے کلہاڑی سے اس کے سر کے پیچھے وار کیا۔ کلہاڑی کا پھل اور حیات کھوسہ کی گردن دونوں خون سے تر ہر ہو گئی وہ پودے قد سے نیچے گرا اور سرخ سرخ خون پانی میں ملنے لگا۔ سارے ہاری ڈر کر بھاگ گئے سکندر نے اسے سیدھا کر کے دیکھا اس میں زندگی کے کوئی آثار باقی نہیں تھے وہ گھبرایا ہوا وہاں سے بھاگا اس کا رخ وڈیرے کی حویلی کی طرف تھا۔

مول چانی پر لسی بلور ہی گئی اماں ابھی ابھی فجر کی نماز پڑھنے کے بعد آگ جلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ رات

ہنگی پھوار ہوئی تھی اور محن میں رکھی نکلیاں گیلی ہوئی تھیں اور اب جل کر ہی نہیں دے رہی تھیں۔

”اماں جلدی کر دے مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“ موٹل نے تازہ کھن کا جیڑا نکالتے ہوئے اماں سے کہا۔ آگ جل چکی تھی اور اب روٹی پکانے لگی تھی۔ موٹل اترنے والی پہلی روٹی اماں سے لے کر اور اس پر تھوڑا سا کھن اور چینی ڈال کر مزے لے لے کر کھانے لگی۔ ماری بھر جانی نیند سے اسے احمد کو بھڑا رہی تھی۔

موٹل نے ابھی تیسرا چوتھا نوالہ ہی منہ میں ڈالا تھا کہ ادا سکندر گھیر لیا ہوا گھر میں داخل ہوا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی لگائی اور سیدھا روٹیاں پکاتی اماں کے پاس چلا آیا۔

”اماں غضب ہو گیا پانی کے وارے پر میری حیات کھوسے سے منہ ماری ہوئی اور میرے ہاتھوں وہ ٹل ہو گیا۔“

موٹل کے ہاتھ سے روٹی کا نوالہ گرا بھر جانی نے سینے پر دو ہتھ مارے اور بین کرنے لگی۔

”اماں میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا وہ بس اچانک..... اب پولیس مجھے آ کر لے جائے گی۔ تیرے سکندر کو پھانسی ہو جائے گی اب میں کیا کروں اماں؟“ ادا روہانسا ہو رہا تھا اور اماں کی روٹی تو بے پر پڑی ہی جل رہی تھی مگر آگ تو اس کے مانند لگی تھی۔

”اماں ایک رستہ سے جس سے میں بچ سکتا ہوں اگر موٹل خود کو تھانے میں پیش کر دے تو میں بچ سکتا ہوں۔“

موٹل پولیس میں جا کر بیان دے دے کہ حیات کھوسے سے آتے جاتے ٹنگ کرتا تھا اور صبح صبح وہ کسی کام سے کھیتوں کی طرف لگتی تو اس نے اسے گھیرنے کی کوشش کی اور موٹل نے اپنی جان اور عزت کی حفاظت کی خاطر اسے مار ڈالا۔“ اماں نے روتی ہوئی موٹل کی طرف دیکھا جو حیرت سے منہ کھولے اپنے ادا کی بات سن رہی تھی۔

ماری بھر جانی نے روتا دھوتا بھول کر احمد کو انھایا اور موٹل کے قدموں میں رکھ دیا۔

”موٹل میرا سہاگ اس گھر کا سہارا بن جائے احمد کو حقیقہ

ہونے سے بچالے اب سب تیرے ہاتھ میں ہے تجھے اتھ سا میں کا واسطہ..... ہمیں بچالے۔“

”یہ تو کیا کہہ رہا ہے سکندر! جوان بہن کو اپنے بدلے میں پیش کرے گا۔“ اماں کی کمزوری آواز بھڑکتے لالاؤ کے گرد گونجی۔

”اماں! موٹل لڑکی ہے سب اس سے رعایت کریں گے اور پھر میں باہر ہوں گا ہم اپنی زمین زور سب بیچ دیں گے مقدمہ لڑیں گے اور ثابت کر دیں گے کہ اس نے یہ فعل اپنی جان اور عزت کی سلامتی کی خاطر کیا ہے بس زیادہ سے زیادہ سال دو سال کی سزا کاٹ کر موٹل گھرا جائے گی۔“

”مگر سکندر کیا پھر سالار ایسے قبول کرے گا؟“ موٹل ایک کے بعد ایک بات سن رہی تھی سالار کے نام پر اس کا دل زور سے دھڑکا۔

”ہاں ہاں اماں! ہماری موٹل بے گناہ ہے ہم اسے خود بتائیں گے۔ وہ اچھا لڑکا ہے ہاں جائے گا اور اگر پھر بھی نہ مانا تو ہماری موٹل کو کون سا رشتوں کی کمی ہے۔ میری چاچی آج تک مجھ سے اس کا پوچھتی ہے۔“ بھر جانی نے جلدی سے اماں کو مطمئن کیا۔

”چل موٹل وقت تھوڑا ہے جلدی ہی پوری طرح سویرا ہو جائے گا ابھی تو صرف میرے ہاریوں کو پتا ہے میں نے دذیرے سے بات کر لی ہے وہ انہیں سنبھال لے گا۔“

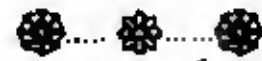
جلدی سے گلہاڑی لے کر تھانے پہنچ جا۔“ موٹل نے اپنے ادا سے اس کی طرف دیکھا پھر روتے ہوئے احمد کی طرف دیکھا اور پھر کچھ راضی کچھ ناراضگی سے اماں کی طرف دیکھا۔ اسے لگا جیسے فیصلہ ہو گیا ہو اور پھر برسوں سے یہ ریت چلی آ رہی تھی کہ جوان اور گھبرو بیٹوں کے لیے معصوم اور مجبور بیٹیوں کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ موٹل نے ایک بڑی سی سیاہ چادر میں خود کو لپیٹا اور گھر کی دینیر پار کر گئی۔

تھانے میں سالار اس سے ملنے آیا تھا اس نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ اپنا بیان بدل دے اسے عمر قید یا پھانسی ہو جائے گی مگر وہ اپنے فیصلے سے لس سے لس نہیں ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا ادا اسے بچالے گا اور پھر سالار کی محبت

اسے غلط سوچتے پر مجبور کر دی تھی اور شاید یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک مہینے بعد اسے گاؤں سے سینٹرنل جیل حیدرآباد شفٹ کر دیا گیا۔ عدالت نے اسے دس سال قید با مشقت کی سزا سنائی تھی۔ سالار نے بڑی بھاگ دوڑ کی مگر وہ مول کا بیان نہ بدل سکا اور آخری پیشی والے دن اس سے ناراض ہو کر بھی نہا نہیں آنے کے لیے چلا گیا۔

جیل میں اواسکندر اس سے ایک دن ملنے آیا تھا وہ منہ سے کچھ نہیں بولی تھی مگر اس کی روٹی بھلتی آنکھوں کے سوالوں کے جواب میں اس نے کہا تھا۔

"مول! اگر میں زمین بیچ کر تیرا کیس لڑتا تو ہم کھاتے کہیں سے۔ تو فکر مت کروں سال زیادہ عرصہ نہیں ہوتا تو دیکھنا وقت یوں بیت جائے گا جب تو باہر آئے گی تو تیرا احمد جوان ہو چکا ہوگا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا تو اپنے بھائی کی مجبوری سمجھ رہی ہے ناں۔" اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ زندگی کے اس موز پر وہ کیا سمجھے اور کیا نہ سمجھے وہ چپ چاپ اپنی بیک کی طرف چل دی تھی۔



ندیم نے مول کے کیس کو ری اوپن کیا اور پھر این تھی اوز اور میڈیا کے تعاون سے کچھ اور مدد ملی اور پھر تیسری پیشی پر ندیم نے ثابت کر دیا کہ اس نے یہ قدم اپنی عزت اور جان کے تحفظ کے لیے اٹھایا تھا اس لیے اسے کم سے کم سزا دی جائے (وہ اب بھی یہ بیان پر دیتے پر جنبی نہیں تھی کہ یہ قتل اس نے نہیں کیا اس طرح اس کا ادا پنس جاتا) وہ جیل میں اپنی زندگی کے قیمتی پانچ سال گزار چکی تھی اور پھر اعلیٰ عدالت نے اسے باعزت بری کر دیا۔ آج اس کی آزادی کا دن تھا اور مہاسن اسے لینے سینٹرنل جیل آئی تھی۔

"اوی مجھے خیر پور لے چلو۔" جیل کے آہنی گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے جو پہلا جملہ اس کے منہ سے نکلا وہ یہی تھا اور پھر میں نے ندیم سے رابطہ کیا اور تھوڑی دیر میں ندیم اور مہاسن دونوں خیر پور کے اس گاؤں کی طرف رواں دواں تھے جہاں مول رہتی تھی۔ وہ سارے راستے مہاسن سے اپنے گاؤں کی باتیں کرتی رہی وہ بار بار اپنی اماں سے

نغمہ

اک بار یاد رکھنا ہے قوم ہندو قائم رہے گا لکھ لومیرا یہ پاکستان تم خود کو جو بھی سمجھو پر یہ خیال رکھنا جیتو گے تم نہ ہم سے اسلام دین ہے اپنا جتنی بھی چل لو چالیس جتنی لگا لو طاقت تم منہ کے بل کرو گے یہ بات یاد رکھنا رب ساتھ ہے ہمارے تم کرو جو بھی چاہے آساں نہیں ہے ہم سے نکرا کے پھر سنبھلنا تاریخ جانتی ہے یہ پہلے بھی ہو چکا ہے اپنا جو امتحان تھا اور وہ بھی یاد رکھنا

جو یہ خان..... گوجر خان

منہ کی خوشی میں رو پڑتی۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے باپ تاپ کر اندازے کرتی کہ احمد اب کتنا بڑا ہو گیا ہوگا۔ اس کی باتوں میں اجانک ایک ادھر اور ساڈا کر سالار کا بھی آتا مگر وہ سختی سے یوں ٹوٹتی تھی۔

پانچ ساڑھوں میں کافی کچھ بدل چکا تھا پلڈنڈی پکی سڑک میں تبدیل ہو چکی تھی گاؤں میں پکی عمارتوں کا اضافہ ہو چکا تھا اس کا اپنا گھر بھی پکا ہو چکا تھا۔ ندیم نے دروازے سے ذرا دور گاڑی روکی اور خود گاڑی میں ہی بیٹھا رہا۔ مہاسن مول کے ساتھ نیچے اتری گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس نے اسے ذرا سادھ کا دیا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے چوہے پر بھر جانی ماروی روٹیاں پکا رہی تھی اس نے ادھر ادھر اماں کو کسی چار پائی پر ڈھونڈا۔ اماں کی چار پائی پر بھولی بندھی ہوئی تھی اور اس میں کوئی بچی سو رہی تھی نما دسے میں ایک سات ساڑھ بچہ کھیل رہا تھا وہ یقیناً احمد ہی تھا وہ لپک کر گئی اور بچے کو گلے سے لگا کر پیار کرنے لگی بچے نے گھبرا کر رونا شروع کر دیا۔ ماروی نے تو سے سے روٹی اتاری اور ادھر کو لپکی۔ ماروی مول کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے حیران رہ گئی اور پھر اس کی پیشانی پر ناگواری کی واضح لکیریں ابھری۔

”بھرجائی اماں کہاں ہیں؟“ وہ مادی کی طرف لپکی اور اس کے بندھے بازو دیکھ کر وہیں رک گئی۔

”وہ تو تیرے جانے کے دو سال بعد ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ تیرا ادا پولیس والوں کے پاس گیا تھا مگر انہوں نے تجھے اطلاع ہی نہیں کرنے دی۔“ اتنی دیر میں احمد اپنے باپ کو لے کر آیا تھا ادا اسکندر بھی اسے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اتنی دیر سے گھڑی میم صاحب اور مول کو چار پائی بچھا کر دی وہ جو ماں کا عم ادا کے گلے لگ کر بہا دینا چاہتی تھی سرخ آنکھوں کے ساتھ چار پائی کے کونے پر تک گئی۔

”احمد کے ابا! مول کے لیے کوئی چائے پانی کا بندوبست کرو شام ڈھل رہی ہے اس نے واپس بھی جانا ہوگا۔“ ادا اس سے مہمان کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور وہ بتا رہی تھی کہ کس طرح ان کی کوششوں سے آج وہ وقت سے پہلے اپنے گاؤں اور اپنے گھر میں موجود ہے کہ بھرجائی کی آواز سنائی دی۔ مادی بھرجائی کی بات سن کر مول نے بے یقینی سے ادا اسکندر کی طرف دیکھا۔

”ادی! میری ایک وہی بھی ہے کل کلاں اس نے جوان بھی ہوتا ہے اور پھر تم جیل کاٹ کر آئی ہو اگر تم یہاں رہو گی تو میری لڑکیاں تو میرے در پر ہی بیٹھی بیٹھی بدھی ہو جائیں گی۔ تم نے اتنا عرصہ باہر گزارا ہے اب تو دنیا کا بھی تم کو پتا چل گیا ہوگا۔ شہر میں کہیں بھی رہ لو گی کچھ بھی کر لو گی اور یہ میم صاحب ہیں ناں تم ان کے پاس کام کر لینا اب میں بڑھاپے میں جوان بیٹی کا بوجھ جیسے اٹھا پاؤں گی۔“

ایک بار پھر ادا کی مجبور یوں نے مول کو یہ دلہیز پار کرنے پر مجبور کر دیا وہ خالی ہاتھ بائبل کے آئینے سے ایک پار پھر رخصت ہو رہی تھی شاید وہ ڈار سے پھڑکی ایسی کونج تھی جس کا مقدر جدائی اور تنہائی کے گئے جنگلوں میں اپنی کی محبت ڈھونڈتے ہوئے مرجانا لکھا تھا۔

مہمان کو اس سب تماشے کا پہلے ہی علم تھا اسے ندیم نے یہاں آنے سے منع بھی کیا تھا مگر وہ مول کے منہ سے

نکل پہلی اور آخری خواہش پوری کرنا چاہتی تھی اور پھر وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ مول کے دل میں ایسی آخری غلط فہمی بھی دور ہو جائے اس لیے وہ اس دور دراز گاؤں میں اس کے ساتھ چلی آئی تھی اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ رکھے گی اور پھر کوئی مناسب شخص دیکھ کر اس کی شادی کر دے گی۔

گازئی تنگ گلیوں سے تھوڑی دور گھڑی تھی انہی گلی میں اسکول کی پہلی عمارت دیکھ کر مول کے قدم ایک لمحے کے لیے رکے مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی کاش وہ پہلے سالار کی بات سمجھ جاتی تو آج یوں ہی دست نہ ہوتی وہ سر جھکائے مہمان کے پیچھے پیچھے چل دی۔

”مول.....“ ایک ہلکی سی سرگوشی نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ اسکول کی پہلی دیوار کے ساتھ سالار سینے پر ہاتھ باندھے مول کو دیکھ رہا تھا اس کی نظروں میں وہی محبت تھی جو یکسر کے درخت کے آس پاس کہیں کھو گئی تھی اس نے آگے بڑھ کر مول کا ہاتھ تھام لیا۔

واپسی کا سفر بہت خوش کن تھا مول مہمان کے ساتھ ہی جا رہی تھی جس دن ندیم نے اس کے گھرمات لائی تھی اسی دن سالار نے بھی مول کو لینے آتا تھا۔ ندیم گفتہ رہا تھا مول کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر آج یہ آنسو خوشی کے تھے اور مہمان سوچ رہی تھی کہ سچی محبت ایک تھلی کی مانند ہوتی ہے اگر اس کے پیچھے بھاگو گے تو وہ شاید اڑ کر تم سے دور چلی جائے لیکن اگر تم خاموشی کے ساتھ ایک ہی جگہ پر کھڑے رہو گے تو وہ تمہارے کندھے پر آ کر بیٹھ جائے گی۔ دنیا میں اگر ادا اسکندر جیسے خود غرض سچے اور سکے رشتوں کی توہین کرنے والے لوگ موجود ہیں تو وہیں ندیم اور سالار جیسے بے لوث محبت کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں۔ آج مہمان بہت مطمئن اور مسرور تھی آج اس نے اپنے مقصد اور محبت دونوں کو پایا تھا۔





اعلان
نست عاصم

تمہیں یاد بھی نہ ہوگا جو کبہ کے دل لیا تھا
میرے بس میں کاش ہوتا جونا ساتھ بھول جانا
نہیں تم سے کوئی شکوہ مگر ایک التجا ہے
جو بنا رہے ہو حالت کبھی آ کے دیکھ جانا

”بے چاری نے مشقت کی، دکھ سکھ جھیلے، سرد گرم دیکھے پھر جان توڑ ویسے والی بیماری کی ایک طویل اذیت، مانوسٹی سنور گئی تھی۔“ ان آوازوں میں کچھ آوازیں ایسی بھی تھیں جن میں تاسف ہی نہیں ملامت بھی تھی۔

پیدہ لوگ تھے جو چوٹ کھائے ہوئے تھے۔
غور اللہ کی چادر ہے اس سے دوری کا سبب!
کائنات کا سب سے پہلا اور عظیم گناہ غرور ہی ہے۔

جس دل میں رتی بھر بھی غرور ہوگا اللہ اس سے دور ہے۔

عورتوں کا شامیانہ الگ تھا اسی مجمع میں نائی کی بیٹی بھی تھی جس کا سارا گھر بڑی آپا کے گھر کی کسی بھی خوشی غمی پر پیش پیش رہتا۔ آج بھی اس کے بھائیوں نے شامیانے گاڑھے تھے۔ دریاں، چاندنیاں بچھائی تھیں مختلف کاموں کے لیے یہاں وہاں دوڑ لگا رہے تھے۔ اماں کلام پاک کا حساب رکھتیں۔ عورتوں کے بیٹھنے کی

علی الصبح محلہ کی مسجد سے فضل کریم پرچون والے کی اماں، بڑی آپا کے نزر جانے کا اعلان ہوا تو محمود و درود تک کھلبلی ہی مچ گئی بس کچھ دیر کی بات تھی کہ انسانوں کا ایک ہجوم ان کے گھر کے باہر لگے شامیانوں میں اکٹھا ہو گیا۔ نوکری محلہ یا علاقہ کے لوگوں سے وہ میل جول کم ہی رکھتی تھیں مگر خیر سے چار بیٹے، چار بیٹیاں بیانی تھیں۔ ان کے سہھیانے دور، دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ خود اپنا میکہ و سسرال بھرا ہوا تھا سب سے بڑھ کر ہر بیٹے کی علاقہ یا مارکیٹ میں چلتی ہوئی دکان تھی۔ ان دکانوں کی معرفت ان کی شناسائی خاصی طویل تھی جو ایک عرصہ پر پھیلی ہوئی تھی دو چار روز کی بات نہ تھی۔ ان کے شوہر عبدالحق جو بعد ازاں حاجی صاحب کہلائے جانے لگے خود بھی پرچون فروش تھے۔ کسی زمانے میں سعودیہ سدھارے تو ان کے کہنے نے بڑی آپا کے میکے میں پڑاؤ ڈالا جہاں وہ بڑی آپا کہلائی جاتی تھیں۔ بچے بھی یہی کہنے لگے پھر وہ گھمت ”بڑی آپا“ بن گئیں۔ اب بھی مجمع میں بڑی آپا کی باتیں تھیں۔

سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر | آنچل اپریل ۲۰۱۵ء | 271 سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر

جگہ پر دانے بکھیر رہی تھیں۔ بعد ازاں ڈیکوریشن کے سارے برتن دھو کر ہی انہیں سدھارنا تھا۔ شاید اسی لیے پہلی آواز انہیں ہی پڑتی تھی اور وہ سارا گھر ”لبیک“ کہتا۔ احسان فراموشی تو اللہ کو بھی ناپسند ہے۔ سو وہ ہر پکار پر حاضر رہتے۔

بھگتے، بھائی دیکوں پر بیٹھے تھے ان کا حق بنتا تھا کبھی بائی کی بیٹی ایسے لفظوں پر بھاؤ کھاتی وہ دنوں وہاں نہ پہنکتی تھی۔ مگر آج پر سکون تھی۔ آج وہ لب خاموش تھے جو بھرے مجمع میں اس کا سر جھکا دیتے تھے۔



سناتا تھا موت سے کچھ عرصہ قبل بڑی آپا کی زبان ہا ہر لٹک گئی تھی۔ فارغ کاپیٹل ایک آدمی دھڑ پر تھا وہ تب بھی بولنے چلنے کے قابل تھیں۔ بڑے اسپتالوں میں علاج چلا پھر اسی ایک پرائیوٹ اور ایک دہ ہالکل ہی بستر سے جا لگیں۔ جیسے زندہ لاش۔ کوما کی حالت، تاک سے غذائی جاتی تمام اولادوں نے جی جان سے خدمت کی دن رات ایک کر دیے۔ بیای بیبیاں صبح وشام فون کھڑکتیں احوال پرسی کے لیے ذرا چوڑی سٹیج سنتیں دوڑی آتیں ایک جی چار قدم پر پہنچتی تھی وہ ہر روز آ کر انہیں حوائج ضروریہ سے فارغ کرائی۔ وہ غزالہ تھی۔

بڑی آپا بھی کسی زمانے میں نائی کی ہی پڑوسن تھیں۔ بچوں کا جم غفیر، میاں کی معمولی پر چون کی دکان، موٹا کھانا، موٹا پینا اس مہنگائی کے دور میں ایک نہ دو، آٹھ بچے پالنا آسان کام ہے بھلا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپا بوریوں کا بچا کچا اتاج چھان پھٹک کر الگ کر تیں تو بچوں کے وال لیے کا آسرا بنتا، پھر جناب عبدالحق کو کسی ویلے سمو یہ کی ہوا لگ گئی۔ ایک ہی چکر میں گھر بھر گیا۔ حج بھی کر لیا اور حاجی صاحب کہلانے لگے۔ مگر ان دو سالوں میں بڑی آپا نے رورور گھڑے بھر دیے تھے۔ وہ دوبارہ جانے کو پر تو لتے رہے مگر جانے کون دیتا۔ ان کا پڑاؤ میکے میں رہا تھا۔ وہاں دغوں میں تھی تھی۔

بڑی آپا کو بھلا کے کفن دیا گیا۔ پاؤ بھر سونا اترتا تھا جو زندگی میں میں ہی بیٹیوں کے نام کر دیا تھا۔ خدمت گزار نیک و پردہ دار بیبیاں تھیں کسی کو چوڑی، کسی کو چاند بانی، کسی کو گلے کی چین، سارا زیور فضل کریم کی بیوی تہمت کے پاس امانت رکھوایا۔ مجمع میں کھس پھس چل رہی تھی ہزار کے لگ بھگ افراد تھے بھرا پراکتبہ لوگوں کا جم غفیر، ایسا ڈوہام کو ایک وقت کی ردنی کھلانا بھی دل گردے کا کام ہے۔ متوسط طبقہ کے لوگ تھے۔ سارے محلہ دار غریب غریب تھے۔ مگر بڑی آپا کا گھرانہ کسی کا احسان لیتا کب تھا ظہر کے نزدیک جنازہ اٹھا پھر دیکوں کی دہلیز اتریں تھے۔ وہ بھی دوڑے آئے لوگوں نے رنج کے بڑھیا خوش بودار چادلوں کی مرغ بریانی کھائی۔ جو فح گئی وہ خوان سے ڈھک کر رات ڈھلنے سے قبل گھر گھر پہنچا دی گئی۔ اسی وقت سوئم کا اعلان ہو گیا۔ آدمی دیگ نائی کے گھرانے کا نصیب بنی تھی۔ بڑی آپا کے بڑے بیٹے فضل کریم نے انہیں بھر کے نوازا تھا۔ نائی کے گھرانے سے سیکڑوں کام

حاجی صاحب نے جمع جتنا ٹھکانے لگایا اور اس بار پارکیٹ کے وسط میں دکان کرائی۔ اب بڑی اور چنڈا دکان تھی جو رب کے فضل و کرم سے خوب ہی چلنے لگے۔ حاجی صاحب نے نزدیکی علاقہ میں بڑا پلاٹ خرید کر انتہائی شاندار گھر تعمیر کیا۔ کونے کا پلاٹ تھا گھر کے احاطے میں سڑک کے رخ پر کھنٹی بڑی سی پر چون کی دکان اب بچے بڑے ہو رہے تھے اس دکان پر بڑے بیٹے فضل الحق کو بٹھا دیا۔ خود بھی دو کمروں کے تنگ گھر سے اٹھ کر اسی دو منزلہ مکان میں چلے آئے۔ مانو اس محلہ میں آ کر جیسے دن پھر گئے تھے۔ دکانوں سے دکانیں بنتی چلی گئیں، ہر لڑکے کی الگ دکان، الگ مکان۔ حاجی صاحب نے اپنی زندگی میں ہر مینے کے نام ایک دکان، ایک مکان بخش کیا۔ خود اپنا پرانا گھر اور اس سے متصل دکان کرائے پر دے دی اور جانے کیا معاملات طے کیے کہ اب کراہیہ دار قبضہ چھوڑنے پر تیار

نہ تھا حاجی صاحب تو گئے سدھار۔ دل کے ایک ہی دورے نے کام تمام کر دیا۔ مگر اولاد کے لیے دنیا میں ہی جنت بنا دی تھی۔ ہر طرح کا عیش سکون و آرام۔ گلی میں سب سے اونچا اور وسیع گھرانہ ہی کا تھا اور سڑک کی سمت کھلتی بڑی ساری دکان شاید اسی لیے ان کا گھرانہ محلہ والوں سے رابطہ واسطہ نہ رکھتا تھا۔ لوگ شناسائی کی آڑ میں اپنا الو سیدھا کرتے ہیں گھوڑا گھاس سے دوستی کرے گا تو کھائے گا کیا۔ لحاظ مروت بر تو تو دکان میں نہیں چلتیں، چاروں بیٹے دکانوں پر آنے والوں کو جھڑک کر بھاگ دیتے۔

”تم نہیں خریدو گے تو کیا ہماری دکان نہیں چلے گی؟“ سچ ہی تھا اتنا تو لوگ مہینہ بھر میں کھاتے ہیں جتنا وہ ایک وقت میں گولک خالی کرتے تھے۔ چاروں لڑکوں کے پاس اپنی اسکوٹریں تھیں پھر ہائی روف بھی خرید لی مگر بنگلہ نما گھر غریبوں کے محلہ میں تھا۔ یوں نہ تھا کہ بڑی آبا آدم بیزار تھیں۔

محلہ میں سے اگر کبھی جو کوئی بھولے بیٹھے آن ہی پہنکتا سہا سارا دسترخوان بچھتا۔ پاسوالی ہی بن جاتیں۔ ”بیٹیوں کے لیے کوئی اچھا رشتہ ہو تو نظر میں رکھنا۔“ پیشیاں ساری نیک خصلت، شریف، با پرورد، صوم و صلوة کی پابند تھیں۔ مگر شکل و صورت میں معمولی، سیاہی کا پیکر اور زمانہ ایسا کہیں ہے ساری ہی جوان تھیں۔ چاروں بھائی ان پر پردے کی سخت پابندی رکھتے۔ سینٹ کی جالیوں تک پر پلستر چڑھوا دیا تھا۔ ہر چیز گھر بیٹے میسر تھی۔ کوئی ان کا پلو تک نہ دیکھ پاتا تھا۔ وہ چوری جیسے گھر کی رینجوں سے یہاں وہاں تاکتی پھرتیں گلی بھر گئی جبر رکھتیں۔ اوپری منزل سے سڑک کی جانب جھانکتیں تو نیچے دکان پر ہر آئے گئے کی خبر رہتی۔ کبھی جو کسی بھائی کی اسکوٹری آواز آ جاتی دھڑا دھڑا اترتی چلی آتیں..... وہ چاروں بھی دکانوں کی ہر اچھی بری بات گھر میں آ کر بتایا کرتے۔

کسی نے قسطوں پر مشین اٹھائی۔ محلہ میں فضل کریم

کی اپنی دکان و مکان تھا۔ مگر اس نے ذمہ داری لینے سے صاف انکار کر دیا کہ ایک بار پہلے چوٹ کھا چکے تھے کسی کراہ داری کی ذمہ داری لے لی وہ راتوں رات چلتا بنا۔ ہر چاند نہیں اپنی جیب سے بھگتیا پڑا۔ مگر یہ تب کی بات تھی جب بڑی آپائالی کی پڑوسن تھیں اب وہ کسی کو خود کے لائق ہی نہ جانتے تھے۔ یہ محلہ منہ لگانے قابل کب تھا اب وہ گھر کو سخت متغفل اور سب کو پابند رکھتے۔ گھر میں پرندہ پر نہ مار سکتا تھا۔ مگر دکانوں پر کیسے قفل پڑتے؟ کئی بار لٹیرے آئے لوٹ کر چلتے بنے۔ کبھی کسی دکان، کبھی کسی بیٹے پر حملہ ہوا ڈبیتی پڑی۔

بڑی آپا پھر بھی شکر مانتیں اولاد کا صدقہ گیا۔ جان بچی سولا کھوں پائے۔ یوں بھی صدقہ و خیرات دن رات چلتے۔ نائی جیسے کئی گھرانے ان کے لغافوں، راشن پر چلتے تھے۔ جسے نائی کا گھرانہ بھولتا، نہ وہ بھولنے دیتیں۔ شاہاش تھی نائی کی بیوی کو، وہ ہر وقت تقریب میں پیش پیش رہتی۔ کچن سنبھالتی دسترخوان اٹھالی اور ذرا جو کچھ کی سانس لینے چار عورتوں میں آ بیٹھیں اور کوئی ان کی بابت پوچھ بیٹھتا بڑی آپا کھل کر بتاتیں۔

”ہمارے پرانے محلے کے پڑوسی ہیں ان کے میاں نائی تھے۔ ان کے گزرنے کے بعد گھر کاراشن، ہماری دکان سے ہی جاتا ہے۔“ یہ وہ احسان تھا جسے بڑی آپا کبھی جتنا نہ بھولتیں ایسے میں اگر جو نائی کی بیٹی موجود ہوتی مانو زمین میں گڑھ کر رہ جاتی۔ اگر چہ ان کے احسانات کی اور بھی فہرست طویل تھی۔ ان کے ابا مرحوم کے کفن و فن کے انتظام سے لے کر بڑی بہن کی شادی کے اخراجات تک مگر یہ وہ کام تھے جو حاجی صاحب مرحوم نے اپنے دست مبارک سے انجام دیے اور دوسرے ہاتھ کو خبر تک نہ ہونے دی۔ مگر وہ گھرانہ احسان فراموش نہ تھا گھر میں اب بھی کوئی جھگڑا مستہ ہوتا حاجی صاحب کے بڑے بیٹے فضل کو صلح صفائی کے لیے بلایا جاتا۔ دوسری بیٹی کا رشتہ برادری سے ہی آیا تھا۔ بات چیت پکی کر کے رشتہ کی ہامی بھرنے کے لیے بھی فضل

کریم کو ہی بلوایا گیا اس نے وہیں جہیز میں سونے کا سیٹ دینے کا اعلان کر دیا۔ خداتری ہو تو ایسی۔ ہائی کا سارا گھرانہ بھی بھول سکتا تھا کہ بیوگی کے بعد ہر سال عید پر بچوں کے جوڑے حاجی صاحب بنواتے رہے ہیں اور اب راشن۔ بڑی آپا بھولنے ہی نہ دیتی تھیں کہ وہ کیسے خداتری تھے۔

وہی ہی ان کی اولاد نیک خداتری دین دار۔

چاروں لڑکے پانچ وقت ٹوپی لگا کر مسجد سدھارتے گھر کا بچہ صوم وصلوٰۃ کا پابند۔ دنیا واہ کرتی۔ آج کے دور میں جب لوگوں کے گھروں میں ٹی وی، ٹیپ، کیبل چلتے ہیں۔ بیٹے دکان پر صبح کلام پاک پڑھتے نظر آتے۔ آج بھی حاجی صاحب کی پرسی پر کئی کئی کلام پاک بخشوائے جاتے۔ دیگوں کی دلیلیں اترتیں۔ اور محلہ کے محرم تر سے لوگوں کے لیے ان کے وسیع مکان کے دروازے کھل جاتے الوداعی روزے کو باپ کے نام روزہ انظار کرایا جاتا کہ لوگ عیش عیش کر اٹھتے اور کہتے۔ "اللہ سب کو ایسی نیک اولاد دے۔" مگر یہ وہ لوگ تھے جن کا واسطہ بھی ان کی سخت کلامی سے نہ پڑا تھا چاروں بیٹوں کی دکانوں پر پرچی چلتی تھی۔ مگر ان کا اصول تھا کہ پھل چکاؤ تو اگلا لو اور یہ پرچی بھی ان کی لگتی جن کے ذرائع آمدنی معقول تھے جہاں واپسی میں "عذر" لاحق ہوتے وہ جھڑک دیتے۔

"ہم نے کوئی اللہ واسطے دکان نہیں کھول رکھی ہے۔" لوگ ذلیل ہوتے تو پھر سوال نہ کرتے مگر کئی ایک منہ پر سنا بھی جاتے۔

"ہزاروں کا سودا تم سے خریدیں اور کبھی جو دو چار سو کا وقت پڑ جائے تو کہیں اور جائیں۔"

اسی طرح بہت سے گاہک کٹ گئے مگر وہاں کی تھوڑی سی نہنگی محلہ کی پروا۔ لوگ برابری کے ہوں تو لین دین بھی سجتا ہے۔ بے چارے غربت کے مارے تر سے لوگ گلی محلہ میں کسی کے کوئی مشینری آتی یا کوئی اپنے مکان میں اینٹ بھی لگاتا انہیں اپنی حرص

نظر آتی کوئی کہتا کہ حرص کے لیے بھی پیسہ درکار ہے۔ محلہ میں جن کی بہن بیٹیاں یا بیویاں لو کر پیسہ تھیں وہ انہیں کم تر جانتے۔

"ہم تو اپنی بہن بیٹیوں کو گھر سے نہیں نکالتے ہماری بہنوں کا کسی نے ناخن تک نہ دیکھا ہوگا۔" ان کے لہجہ میں فخر اٹھاتا۔ تو ان کی "برہ دار بنوں" کا بھرم رکھنے ہی میں عافیت تھی کہ یہ دبدبہ بھی پیسے کی بدولت تھا کون سر اٹھاتا۔ ان کے افعال نیک مگر زبان بد بھی۔

اللہ اللہ کر کے بڑی آپا کی بڑی بیٹی زرینہ کو رشتہ جڑ ہی گیا۔ جانے کب سے جوڑا جانے والا جہیز سجایا گیا تو لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ مانو بیٹی اور سہمیہ کے حلق تک بھر دیا۔ وہ عالی شان شادی کے مدتوں لوگ کئی کھانوں کا چٹخارہ نہ بھولے اور زرینہ کی شادی کے بعد مانو دوسروں کے لیے راستے خود بخود کھل گئے۔ پیسہ چیز ہی ایسی ہے۔ زرینہ کے ساتھ بڑے بیٹے فضل بھی بھٹکتے گئے تھے۔ گھر میں بھائی آگئی۔ رشتہ داری بڑھی اور جس شان و شوکت سے زرینہ کو بیاہا تھا اگلی صفیہ کا رشتہ فضل کریم ہی کے سسرال سے آ گیا۔ سپاہ قائم غزالہ علاقہ کے کونسلر کی بیوی کو بھاگنی اور تو اور موٹی بھدی عذرا کے بھی نصیب جاگ گئے۔ جو دوسروں کے لیے بھی اٹکاؤ بھی غرض ایک کے بعد ایک ساری ٹھکانے لگتی چلی گئیں۔ بڑی آپا درمیان میں بیٹوں کو بھی بھٹکتی گئیں۔ قصداً چھوٹے گھرانوں سے بہوئیں بیاہ کر لائیں اور سونے سے لا دیا۔ بڑھی بڑی عالی شان دلیر کہ دنیا واہ واہ کرتی رہ جائے مگر بہوئیں اف نہ کر پائیں۔ یہی معاملہ بیٹیوں کے ساتھ رکھا۔ معیار کی علت پائیں تو بیٹیاں ہی ٹھائے رکھیں۔ سو آڑے نیز سے جو رشتے ہاتھ لگتے گئے۔ ایک کے بعد ایک نمناکی چلی گئیں۔ بیٹیاں بھی یا تو کل تھیں جو لیا گیا گزارہ کر لینا کھاتے پیتے، گھر سے کچی بستریوں میں بھی بیاہی گئیں توف نہ کی کچھ نہ ہونے سے کچھ ہوتا بہتر ہوتا ہے۔ بڑی آپا بیٹیوں کو خوب بھرتیں۔ داماد سہمیہ لائیں

زگارنگ کمانیوں سے آراستہ دلچسپ جریہ

AANCHALPK.COM

تازہ شمارہ شائع ہو گیا ہے



دنیا کو سحر کرنے والا سائیکو ٹرنی انگلین برنجانے
دلہندے کے قتل کا عدل اجداد کی قتل گاہ پر

دید بان

عالمی سازشوں کے پس منظر میں وطن پرستوں کے
لیے اظہار خاص ارشد علی ارشد کا ایک دلچسپ ناول

جگر بسیر

تاریخ کے صفحات میں محفوظ سیر میں پنجاب کی سبھی
دلگداز داستان جگلا ملک اساتذہ میں شامل ہوتی ہے

AANCHALNOVEL.COM

تاریخ کی دلچسپی کیلئے خوبصورت سلسلے

خوشبو سخن منتخب غزلیں، نظمیں۔ ذوق آگمی اقتباسات
اقوال زریں، احادیث وغیرہ معروف دینی اسکالر حافظ

شیر احمد سے اپنے دنیاوی مسائل کا حل چاہیے

پہلے سے سورت میں زریں (2) (021-35620771)

نیک کو لوازماتیں۔ آنے جانے کے لیے کرائے دیتیں۔
چھٹی جیسے موتوں لا دیتیں اور جو منہ دکھائیاں سلامیاں
نصیب ہوتیں سونا بنا کر بیٹی کے ناک کان میں ڈال
کے بھجیں۔ سائیں پھر سائیں ہوتی ہیں بیٹوں کی ہوں
بیٹیوں کی۔ مات تو کھاتیں چلیا تیں کہ بڑی آپا بھر بھر
کے سہ ہیانوں کے منہ بند کرنی ہیں۔ دے دے کے
دہاتی ہیں۔ وہ بھرتیں نہ تو بھوکی ماتیں۔ کسی داماد کو
کاروبار کرادیا۔ کسی کو مکان دلا دیا مونی بھدی عذرا کو
میاں تھو نصیب ہوا تھا کئی کاروبار ڈیوئے اسے گھر کے
ساتھ دکانیں کھلوادیں عذرا کی دال روٹی چلنے لگی۔ بقیہ
کے لیے میسے سے آسرا تھا رب نے اولاد بھی ربح کے
بخشی تھی۔ وہ ہر دوسرے روز میسے پر سوانی نظر آتی۔ غزالہ
کامیاں بد و ماغ تھا۔ ایک ہی علاقہ میں رہ کر بھی آنے
جانے پر پابندی لگا تا۔ ذرا چوں بھی کرنی تو دو روزے پر
چھوڑ جاتا۔ بڑی آپا چیلے بہانے کر کے لوٹا تیں۔ وہ اور
اکڑ جاتا منہ بھر کے بند کرنا پڑتا۔



بڑی آپا کے گزر جانے کے بعد چاروں بھائیوں
میں پھوٹ پڑ گئی۔ دکانیں تو تھیں ہی الگ اب اپنے
اپنے گھر بھی الگ بسا لیے۔ اپنے اپنے کنویں کو
سمیٹ کر چلنے بنے یہ والی دکان و مکان فضل کریم ہی
کے تصرف میں رہا۔ حاجی صاحب کے پرانے دکان و
مکان کا کیس چل رہا تھا۔ جس پر قابض بنگالی قبض
چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔ مگر ہر خوشی ہم عید تہوار پر سارے
بھائی یہیں جمع ہوتے۔ فضل کریم کی بیوی اب کنبے
کے کنبے بھگتاتی تھیں یہ گھر سب سے بڑھیا اور
والدین کی نشانی سب سے بڑے بھائی کا بھگانہ تھا
ساری بہنوں کا میکہ۔

اس گھر میں ہر طرح کی سہولت تھی۔ فضل کریم آج
بھی محلہ سے کوئی شراکت نہ رکھتا تھا۔ بجلی جاتی تو بیوی
جزئی سارے گھر میں اجالا کر دیتا اب محلا حصہ کرایہ پر
اٹھا دیا تھا۔ مگر سہولیات بس خود تک رکھتا۔ کبھی جو بجلی کے

اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر 275 اپریل ۲۰۱۵ء اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر اسکرہ نمبر

لیے کوئی انسپکشن ٹیم آجاتی وہ بھاری بھرکم ادا شدہ بل
نخوت سے گویا ان کے منہ پر دے مارتا۔

”گھسوان کے گھروں میں جو گھڑے بل نہیں بھر
سکتے تو میٹروں میں فنکاریاں دکھاتے ہیں۔“

اس نے بیٹھے پانی کے لیے بھی یہاں وہاں سے کئی
لائسنس پکڑ رکھی تھیں۔ زرین بوریٹنگ الگ مٹی محلہ والے
ترتے مگر فضل کے گھر کو بھی پانی کی تنگی نہ پڑی۔ کبھی جو
کوئی غرض لے کر دروازے پر آن ہی بھٹکتا فضل
صاف دامن بجالیاتا۔

”میں ایک کوڑوں گا تو سب کو دینا پڑے گا۔ سب
ہی میرے محلہ دار ہیں۔“ اس کے گھر پر تو مجمع ہی لگ
جاتا۔ اب بھی وہ دکان پر آنے والے قرض داروں کو روج
کے سناٹا تاکہ دوسرے اس کی ذلت سے سبق سیکھیں
اور باز رہیں۔



حاجی صاحب کے گھرانے کو کئی بد نظروں کی نظر کھا
گئی۔ زرینہ کے میاں کو آنتوں کا کینسر ہوا وہ دنوں میں
حیث پٹ ہو گیا۔ زرینہ تین بیچے لے کر میسے کی دلہن پر
آپیشی۔ فضل کی دکان پر کھیاں بھٹکنے لگیں۔ علاقہ میں
اور دکانیں کھل گئیں۔ جیسے اور بس کی دکان جو زمی خوش
اخلاقی سے بات کرتا گڑ نہ دیتا تو گڑ جیسی بات کر لیتا۔
منافع کم رکھتا۔ لوگ دور دور سے وہیں آنے لگے۔
اشیائے صرف پر معمولی کمی، ماہانہ راشن پر کئی سو کی بچت
ہتی۔ فضل کریم کی دکان شہب ہونے لگی مگر بروا کسے
تھی۔ ان کے اور بھی ذرائع تھے پیسے کی کمی نہ تھی کرایہ
داروں کو منٹوں میں چلنا کر دیتا۔

”ہم ایسے کرایہ دار نہیں رکھتے ابھی کے ابھی اپنا
حساب کرو اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔“

وہ جیسی پابندیاں گھر کی عورتوں پر رکھتا، ویسا ہی
چیک کرایہ داروں پر رکھتا۔ ان کی چوں بھی گوارا نہ تھی اور
کرایہ دار بھلا کیوں سنتے یا رہتے۔ جلد اگلا انٹیشن
پکڑتے، یہ جا وہ جا بہت کم عرصہ میں لوگ اس کے

مکان کے نام پر کانوں کو ہاتھ لگانے لگے۔ فضل کریم
سے اگلے عزیز نے اپنا دکان و مکان بیچ باج جمع پونجی کسی
ٹریولنگ ایجنٹ کے جھانسنہ میں آ کر ٹھکانے لگا دی۔
نتیجتاً وہ روڈ پر تھا۔ اب کبھی دکان اور کاہے کا مکان۔
غزالہ ایک بار پھر میکہ آ کر بیٹھی۔ اس کے میاں نے مٹی
میں شور مچایا تو فضل نے اسے مارا۔ اس نے گھر جا کر
غزالہ کو طلاق نامہ تیار کر کے بھجوا دیا۔ بیچے چھین لیے۔
یہ سب اس بنگالی کی کارستانی تھی جس نے حاجی
صاحب کی دکان و مکان پر قبضہ رکھنے کے لیے گھر بھر پر
کالا جادو کر لیا تھا کہ لاکھ لاکھ گھر خاک کا ہو گیا۔ یہ گھر بھر کا
یقین تھا فضل اب بھی پیشیاں بھٹکتا پھرتا تھا۔ تیسرے
نمبر کے ساجد کی دکان پر ایک بار پھر ٹیسرے آئے۔
ساجد نے اپنی ازلی بدکلامی کو کام میں لاتے ہوئے روڈ
کدکی۔ نتیجتاً ایک ہی گولی میں ساجد کا کام تمام ہو گیا۔
علاقہ بھر میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بہنوں نے
چھاتی پیٹ پیٹ کر بین کر ڈالے۔

”یا پروردگار یہ کیسا امتحان کسی آزمائش ہے۔ ہم
لٹ گئے برباد ہو گئے اسے پروردگار ہمارے بھرے
پرے گھر کو اجاڑنے والے خود بھی برباد ہو جائیں۔“

صد شکر کہ بڑی آ پا یہ وقت دیکھنے کو نہ تھیں ورنہ
جو ان بیٹے کی موت پر جیتے جی مر جاتیں۔ صدمہ تو
دوسروں کو بھی کم نہ تھا مگر آنسو کیسا ہی قیمتی کیوں نہ ہو
خاک میں مل کر خاک ہی ہو جاتا ہے واقعہ جتنا بھی
دلخراش سہی لوگ بھول بھال ہی جاتے ہیں۔ ساجد کے
لواحقین نے بھی صبر کی سل سینے پر رکھ لی تھی۔

سنا تھا امتحان جتنا سخت ہو، انعام اتنا ہی
بڑھایا جاتا ہے۔

اب خدا ہی جانے یا آزمائش تھی یا سزا.....!!



کبھی پتھر سے کمرائے تو آئے نہ خراش
کبھی اک بات سے انسان کھمکھرتے ہیں
علیہ السلام حسین..... کوئی کراچی
اس کی آنکھوں میں آنسو تھے میری خاطر
بس وہی اک لمحہ مجھے زندگی سے بھی پیارا لگا
کنزئی رحمان..... رخ جنگ

ادھورا سا محسوس کرتی ہوں میں خود کو
نہ جانے کون چھوڑ گیا ہے مجھے تعمیر کرتے کرتے
نورین مسکان سرور..... سیالکوٹ

زندگی کھلاڑی ہے زندگی سے کھیلے ہیں
عارضی کھلونوں کے عارضی سے میلے ہیں
سائنس سے شروع ہو کر سائنس تک چلے ہیں ہم
اور ہجوم میں رہ کر آج تک اکیلے ہیں
نیلتاز..... بیگم موڈ

لو اس کیوں ہو زمانہ کی بدسلوکی سے
ہمیں تو علم ہے یہ فطرت زمانہ ہے
سبح کوثر یعنی گوثر..... نامعلوم

جنگ گئیں اکثر میری آنکھیں یہ سوچ کر
کیا کیا عتابتیں ہیں میرے رب کی مجھ پر
عائشہ حسین..... قلعہ دیدار سنگھ

ہو سے دل دل چہرے اجالنے کے لیے
میں جی رہا ہوں اندھیروں کو نالنے کے لیے
وہ ماہتاب صفت آئینہ جہیں محسن
گلے ملا بھی تو مطلب نکالنے کے لیے

ہا ایوب..... عارف والا

صرف اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں تیرا حسن تیرے حسن بیاں تک دیکھوں
فریدہ فریوسف زئی..... لاہور

زندگی تیرا بھی احسان کوئی کیوں رہ جائے
تو بھی لے جا اس خاک سے حصہ اپنا
حزاق قریشی..... بلال کالونی ملتان

وہ کبکشاں زاودہ کیل کھبت ہمارے ہمراہ چل پڑا تھا
کہاں تھا ورنہ ہمیں گوارا کبھی سمندر کبھی ستارہ
مرے بھٹکنے پر جاہن محسن یہ طفر کیسا ہے اس جہاں میں
ہوئے ہیں بے سمت و سبے کنزائی کبھی سمندر کبھی ستارہ

سورایض اسحاق..... مہمان
میں گی ہم کو اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار ہے کب یہ کمال ہوتا ہے
ہر ایک شخص چلے گا ہماری راہوں پر
محبوبوں میں ہمیں وہ مثال ہوتا ہے
سمیرا مشتاق ملک..... اسلام آباد

احساس کسی یاد کا تھا سے ہوئے آج
اس بھیڑ میں مجھ کو کہیں کھونے نہیں دیتا
دیکھے گا کسی اور کے ہمراہ مجھے کیا
وہ شخص تو مجھ کو میرا ہونے نہیں دیتا
سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ

محو حیرت ہوں تغیر دل پر اے مہربان
جسے بھلا رکھا تھا مدت سے وہ شخص یاد آنے لگا
اس کے خیال سے نکلنے کی سبھی کوششیں رائیگاں گئیں
اس کی سوچ کا بادل میری ذات بے نشان پر چھانے لگا ہے
رضوانہ کرن..... کمالیہ

تسکین دل کے واسطے وعدہ تو کیجیے
ہم جانتے ہیں آپ سے آیا نہ جائے گا
عروسہ شہوار رفیع..... گجرات

میری بیاض شعر پر وہ نام لکھ گیا
اک اور خواب اور حسین شام لکھ گیا
دل اس کو ڈھونڈتا ہے اسی کی تلاش سے
چپکے سے جو اک دعا میرے نام لکھ گیا
سنیم شہزادی..... اسلام آباد کمالیہ

اعمال سے خالی اس دنیا کو آفات کی دیمک کھا گئی
ہم روز نمازیں چھوڑیں گے تو روز قیامت آئے گی



biazdill@aanchal.com.pk

سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر | اپریل ۲۰۱۵ء | 280 سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر سنگرہ نمبر

دش مکالمہ

طلعت انفرادی
برتھ ڈے مکن

اجزاء:-

1 عدد	سالم مرغ
1 کھانے کا چمچ	لہسن اور ک پیسٹ
2 کپ	دہی
حسب ذائقہ	نمک
3 چائے کے چمچ	ریڈ چلی پیسٹ
1/2 کپ	لیمون کارس
2 کھانے کے چمچ	کھن
4 عدد	ہری مرچیں
2 عدد (کو بڑا کراٹیم ہوگی کر لیں)	آلو
1/2 کپ (اگلے ہونے)	مٹر
حسب ضرورت	تیل

ترکیب:-

مرغ کو دھو کر خوب اچھی طرح خشک کر کے اس پر لہسن اور ک پیسٹ دہی نمک ریڈ چلی پیسٹ لیمون کارس اور کھن لگا کر رات بھر میرینٹ ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد ایک بڑے پیلے میں تھوڑا تیل گرم کر کے اس میں مرغ بمعہ میرینٹیشن ڈال کر اتنا پکا لیں کہ گوشت گل جائے۔ اب مرغ کو نکال کر چھلنی میں رکھیں تاکہ پانی خشک ہو جائے اور صیب خراب نہ ہو۔ تڑا ہی میں تیل گرم کر کے اس میں مرغ ڈال کر ٹولڈن ہونے تک تل لیں۔ اس کے بعد نکال لیں چھلنی میں پکی ہوئی میرینٹیشن کو تیز آؤٹ پر پکا کر پانی خشک کر لیں۔ اب اس میں تھوڑا تیل ڈال کر پکا لیں۔ اس میں آٹو گاجز مٹر اور ہری مرچیں ڈال کر تل لیں اور چکن کے ساتھ رکھیں۔ مزے دار برتھ ڈے مکن تیار ہے۔ گرم گرم مرد کریں۔

پروین افضل شاہین..... بہاول نگر

کراچی چیز چکن اسٹیک

اجزاء:-

ایک عدد	چکن اسٹیک
آدھا چائے کا چمچ	لہسن پیسٹ
ایک کھانے کا چمچ	سویا ساس
ایک چمچ	چائیز نمک
حسب ذائقہ	نمک
حسب ذائقہ	سیاہ مرچ پاؤڈر
حسب ضرورت	میدہ
ایک چائے کا چمچ	مسٹرڈ پیسٹ
ایک چائے کا چمچ	سرکہ
5 کھانے کے چمچ	کھن
آدھا چائے کا چمچ	اور کیچو
آدھا چائے کا چمچ	تھام
3 کھانے کے چمچ	کریم چیز
آدھا کپ	بیکر کڈش کر لیں
آدھا چائے کا چمچ	سفید مرچ پاؤڈر
ایک عدد (اسٹیل بھال کر لیں)	آٹو کیو بڑا کٹ لیں
1/4 کپ	گاجر لے کڑے کٹ لیں
حسب ضرورت	مٹر اگلے ہونے
1/2 کپ	تیل
	دودھ

ترکیب:-

چکن اسٹیک کو دھو کر خشک کر کے اس پر لہسن پیسٹ سویا ساس چائیز نمک نمک سیاہ مرچ پاؤڈر مسٹرڈ پیسٹ سرکہ اور کیچو اور تھام لگا کر رات بھر میرینٹ ہونے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس کے بعد نکال کر ایک پلیٹ میں آدھا کپ میدہ ڈال کر اسٹیک کو میدے سے کوٹ کر کے پہلے سے گرم تیل میں بھریانی آؤٹ پر دونوں سائیڈوں سے براؤن ہونے تک فرائی کر لیں۔ ایک سوں چین میں کھن گرم کر کے اس میں 3 کھانے کے چمچ میدہ ڈال کر چمچ چلائیں اور میدے کی رنگت سنہری ہونے پر اس میں دودھ اور کریم چیز ڈال کر گاڑھی سوں تیار

تو بیک چاکلیٹ اسکوائر

اشیا:	کھن
آدھا کپ	کوکو پاؤڈر
دو کھانے کے چمچ	دودھ
ایک کھانے کا چمچ	براؤن شوگر
ایک کپ	انڈے
دودھ	بسکٹ کا چورا
تین کپ	کوکونٹ
آدھا کپ (کدو ش کیا ہوا)	خروٹ (چوب کیا ہوا)
آدھا کپ	تنگ
حسب ذائقہ	آئنگ کے لیے:

ترکیب:

ایک سوں چین میں کھن کوکو پاؤڈر دودھ براؤن شوگر اور انڈوں کو آپس میں مکس کر کے ایک منٹ تک ابالیں۔ اب اس میں بسکٹ کا چورا اور کوکونٹ ڈال کر مکس کر لیں۔ اب اسے ایک چین میں ہلکا سا تیل لگا کر ڈالیں۔ اس آمیزے کو فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیں۔

آئنگ کے لیے:

ایک سوں چین میں کھن اور چاکلیٹ کو مکس کریں۔ ہلکی آٹھ پر چاکلیٹ پگھلائیں۔ اس کو بسکٹ والی تہہ کے اوپر ڈال کر رکھ کر لیں۔ سیٹ ہونے دس اس کے بعد چوکور ککڑے کاٹ لیں تو بیک چاکلیٹ اسکوائر سرو کرنے کے لیے تیار ہیں۔

نزہت جنیں..... کراچی

اسٹرابری آئس کریم

اجزاء	اسٹرابری
	فریش کریم
	چینی
	ڈیڑھ کپ
	250 ملی لیٹر
	ایک کپ

کر لیں۔ تنگ پنیر اور سفید مرچ پاؤڈر شامل کر کے سوں چین کو چوبے سے اتار لیں۔ ایک تنگ ڈش میں چکن اسٹیک رکھ کر اس پر تیار کی ہوئی سوں کی تھوڑی مقدار ڈالیں کر پہلے سے گرم اودن میں اتنی دیر تک بیک کریں کہ سوں براؤن ہونے لگے۔ اب اسٹیک کو اودن سے نکال کر سرد تنگ پلیٹ میں رکھیں اور بقیہ پنکی ہوئی سوں ڈالیں۔ ایک کھانے کا چمچ کھن گرم کر کے اس میں گا جوا لو اور مٹر فرائی کر کے پلیٹ میں رکھیں اور گرم گرم کریمی چیز چکن اسٹیک سرو کریں۔

طلعت نظامی..... کراچی

لذیذ کشرڈ

اشیا:	ونیل کشرڈ
	اسٹرابری کشرڈ
	بنانا کشرڈ
	بینگو کشرڈ
	اسٹرابری جیلی
	بنانا جیلی
	پائن اپل جیلی
	فریش فروٹ

(انگور اسٹرابری آم کیلا سیب)

ترکیب: آم کیلے اور سیب کے چھوٹے چھوٹے ککڑے کاٹ لیں۔ ایک بڑا باؤل (پیالہ) لے کر اس میں وینیل کشرڈ ڈالیں اور پھر پھلوں کے ککڑے اس میں ڈال دیں ساتھ ہی جیلی کے چھوٹے چھوٹے کیوبز ڈال دیں۔ اسی طرح اسٹرابری کشرڈ اور فروٹ ڈالیں اب اس میں بنانا کشرڈ اور بقیہ فروٹ شامل کر دیں اور آخر میں بینگو کشرڈ ڈال کر باقی چیزوں سے گارلش کریں۔ فریج میں ٹھنڈا کر لیں اور دھوت میں اپنے مہمانوں کی خاطر عذارت کریں۔ آپ کے مہمان یقیناً آپ کی مہارت پر داد عطا فرمائیں گے۔

صدف ناز انصاری..... ملتان

6 کپ گندم کا آنا
 246 ثابت مرچیں
 4 کپ ثابت دھنیا
 4 کپ چنے کی دال
 حسب ضرورت گرم مسالا
 حسب ضرورت نمک
 2 کپ بنا ستی گھی

ریڈ کلر
 اسٹرابیری آئس
 روٹل
 دو قطرے

ترکیب!
 اسٹرابیری کو پلینڈر میں ڈال کر پیسٹ بنالیں پھر اس میں چینی ڈال کر پلینڈر کریں۔ کریم ٹھنڈا کر کے پیسٹ کر گاڑھا کر لیں۔ کریم میں اسٹرابیری کا کچھ ڈال کر مکس کر لیں۔ اچھی طرح مکس ہو جائے تو اس میں سرخ رنگ کھانے کا ڈال کر مکس کر لیں۔ اسٹرابیری کے کنٹینر میں کچھ ڈال کر آٹھ یا چھ گھنٹہ فریج میں جمالیں۔ دو یا تین گھنٹے بعد فریج سے نکال کر پیسٹ لیں اور پھر جمالیں۔
 نہایت لذیذ آئس کریم تیار ہوگی۔

ہالہ سلیم..... اورنگی ٹاؤن کراچی
 کھویا اسکوائر

ترکیب:
 آٹا گوندھ لیں چنے کی دال میں تمام مسالے ڈال کر ابال لیں۔ جب دال ابل جائے یعنی گل جائے تو سل پر باریک ہیں لیں۔ آٹے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بنا کر تیل لیں۔ ذرا باریک بنالیں۔ اب ایک تیلی ہوئی روٹی پر دال کا مسالا پھیلا دیں پھر اس پر دوسری روٹی رکھ کر کناروں سے دبا دیں اور تھوڑا سا تیل لیں۔ گھی لگا کر سیدھے توڑے پر روٹی پکالیں۔ مزیدار بیڑی روٹی تیار ہے۔ دیکھی گھی آم ہاڑا رائیخہ وغیرہ کے ساتھ سرد کریں اور مجھے دعا میں دیں۔

عائشہ سلیم..... کراچی
 کسٹرز آف کریم

اشیانا
 کھویا
 چینی
 گھی
 انڈے
 بادام پست
 دودھ
 الاٹچی
 ایک پاؤ
 ایک کپ
 ایک کپ
 پانچ عدد
 گرائنڈ کر کے 1/2 کپ
 1/2 کپ
 تین یا چار عدد

ترکیب!
 سب سے پہلے انڈے پیسٹ لیں پھر کھویا چینی اور گھی کو آئس میں اچھی طرح مکس کریں۔ اس کے بعد اس میں بادام پست ملا لیں پھر پھینٹے ہوئے انڈے اور دودھ کو اس میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اس کے اوپر بادام پست ڈال کر 180 ڈگری یا No4 پر چالیں سے پچاس منٹ تک بیک کریں۔ تیار ہونے پر کھویا اسکوائر کی لذیذ ڈش مہمانوں کو پیش کریں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

سلیمی..... چکوال
 بیڑی روٹی

اجزاء:-
 کسٹرز (2 فلیور)
 ایک ایک چم
 دودھ
 بسکٹ
 جیلی
 چاکلیٹ
 کریم
 دو کپ یا ایک سے ڈیڑھ پاؤ
 ایک پیکٹ (اچھی طرح چھلکانا لیں)
 ایک پیکٹ
 ایک پیکٹ
 آدھا پاؤ

ترکیب:-
 کسٹرز کو نامل طریقے سے علیحدہ علیحدہ پکالیں۔ فلیور آپ اپنی مرضی سے لے سکتی ہیں۔ چاہے مانا ہو یا اسٹرابیری۔ آف کریم کپ لے کر اس کی لیئرنگ کریں پہلے ایک فلیور ڈالیں اس کے اوپر بسکٹ کا چھرا کریم دوسرا فلیور اور پھر چاکلیٹ لیئرنگ جیلی سے کاریش کریں جاہل تو بسکٹ

اجزاء

کے دو کوٹ کر سکتی ہیں۔ حرے دارا کس کریم کشرڈ تیار ہے۔ عید پر کھلائیں روٹھے کو مٹائیں۔ آ زماش شرط ہے اور نہیں بھی تو یاد رکھنا ہے۔

ہانیہ خان..... کراچی

فرنج ٹوسٹ و کشرڈ

اجزاء:-

بریڈ سلائزر

دودھ

وینلا کشرڈ

چینی

انڈے

کافی

تھی

زردے کارنگ

ترکیب:-

ایک کپ دودھ میں دو کھانے کے چمچے چینی اور کشرڈ پاؤڈر ڈال کر پکالیں۔ آدھا کپ دودھ میں بقیہ چینی زردے کارنگ اور انڈے ڈال کر اچھی طرح کس کر لیں۔ تھی گرم کر کے بریڈ کے سلائس اس بینر میں ڈبو کر فرانی کر لیں اور ایک ٹرے میں رکھتے جائیں۔ پھر اس پر تیار شدہ کشرڈ ڈال کر کافی چمک دیں اور فرنج میں رکھ کر ٹھنڈا کر لیں۔ حرے دار اور منفرد فرنج ٹوسٹ و کشرڈ بچے بڑے سب شوق سے کھائیں گے۔

جویریہ ضیاء..... بلیر کراچی

کشرڈ سویاں

اجزاء:-

سویاں

دودھ

چینی

کشمش (بھیل ہوئی)

الائیچی

کھورا

ایک پکت

ایک لیٹر

حسب ذائقہ

ایک کپ

چار یا پانچ عدد

آدھا کپ (کٹا ہوا)

بادام

ترکیب:-

دس بارہ عدد

سب سے پہلے درمیانی آٹھ پر دودھ لپٹنے کے لیے رکھیں دیں۔ اب ایک کپ میں دو کھانے کے چمچ کشرڈ پاؤڈر ڈال کر پانی ملا کر خوب گاڑھا بنائیں (بہت زیادہ بھی نہیں) جب دودھ لپٹنے لگے تو کشرڈ کے آمیزے سمیت الائیچی کشمش کھوپڑا بادام ڈال کر آٹھ سے دس منٹ پکائیں۔ چمچ مسلسل چلاتی رہیں پھر چوبے سے اتار کر باؤل میں ڈال کر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ سیویوں کا پورا کر کے اپال لیں۔ اہلی ہوئی سیویوں کو ٹھنڈے پانی سے گزار لیں۔ (تھلٹی میں) پھر ٹھنڈے ہوئے کشرڈ میں ملا کر پکھو دیر کے لیے فرنج میں رکھ دین ٹھنڈا ہونے پر مہمانوں کو پیش کریں اور داد وصول کریں۔

اشہ سفار..... کراچی

فرانی کھجی

اجزاء:-

کھجی

لال مرچ

اورک لہسن

نمک

دہی

پنہ بھنا زیرہ

قصوری میتھی

ہرا دھنیا

ہری مرچیں

آدھا کلو

دو چائے کے چمچ

ایک چائے کا چمچ

حسب ذائقہ

دو کھانے کے چمچ

ایک چائے کا چمچ

ایک چائے کا چمچ

حسب ضرورت

حسب ضرورت

ترکیب:-

کڑا ہی میں تیل ڈالیں۔ پھر اس میں کھجی اورک لہسن نمک لال مرچ اور زیرہ ڈال کر بھون لیں۔ آخر میں ہرا دھنیا قصوری میتھی اور ہری مرچیں ڈال کر فرانی کریں۔ تیار ہونے پر کھانے کے لیے پیش کریں۔

سزندیم..... کراچی

😊

شفیق احمد ندیم..... کراچی

میری جان آج کل

زندگی ایک موسم
موسم میں ایک شام
شام میں ایک یاد
یاد میں ایک آس
آس میں ایک خوشی
خوشی میں اک دعا
دعا میں اک صرف تم
ہمیشہ تم میری جان
میرا پیارا آج کل

مسکان جاوید اینڈ ایمان نور..... کوٹ ساجہ

غزل

اجلا اجلا سا سماں ہے
تم سے مہکا گلستاں ہے
کچھ سمجھ آتا نہیں ہے
دل میرا جانے کہاں ہے
وہ بھی کترانے لگا ہے
کون جانے درمیاں ہے
وہ بھی تھا اک موسم گل
بھی اک دو خزاں ہے
زخم دے کر مسکراتا
بھی دستور جہاں ہے
بجلیاں ہر سو رانا
اور غریب آشیاں ہے

قدیر رانا..... راولپنڈی

نظم (آج کل)

میں دہی شے ہوں جسے دل میں بساتے ہو تم
جس کو پھولوں کے زیوروں سے سجا کر اکثر
ہوٹوں میں تو بھی بارک میں بلاتے ہو
جس کو چندا سے کم تو تم مثل دیتے نہیں
جس کو پہلو میں سجا کر فخر بھی کرتے ہو

بند مٹھی میں دھڑکتے

دل میں رہتا

اک محسمہ رعتائی کی صورت

سخت پتھر کو تراش کے

سفید مورتی میں ڈھالتا

وہ جو ذہن و دل

کے پردوں کو

اک لمحے میں چاک کرے

اس حیا کے پیکر میں لپٹے

حجاب کے نام

رنگین صفحات سے مزین

خوب صورت پیراہن میں مقید

میری شخصیت کو نکھارتے

گلاب بہاروں کے نام

اک صفحہ مقرر طاس

میرے ذہن پر سننا آج کل کے نام

مونا شاہ قریشی..... کبیر وال

غزل

میں تھا اور کنبہرا تھا
لیکن منصف بہرہ تھا
تیرے قرب میں جو بھی گزرا
وہ اک دور سنہرا تھا
اس کے روپ کو نکلتے نکلتے
چاند افق پہ ٹھہرا تھا
اپنوں نے جو زخم دیا
غیروں سے بھی گہرا تھا
ترے بن جو جیون گزرا
تپتی ریت کا صحرا تھا
کس سے شکوہ کرتے ہم
شہر تو سارا بہرہ تھا
جھوٹ تھا اتنا عام ندیم
سچ کہنے پر بہرہ تھا

288 مسنگرہ نمبر مسنگرہ نمبر مسنگرہ نمبر اپریل 2015ء

تمہارے دل میں تو ہوں اور تمہارے گھر میں بھی
 تم جسے لفظوں کے جالوں میں جکڑ لیتے ہو
 صبح سے شام گئے رابلوں میں رہتے ہو
 اپنے یاروں سے بھی اس چاند کو چھپاتے نہیں
 کرتے ہو کیا.....؟ خیال کرتے نہیں
 بہن ہوں گی تمہارے گھر میں بیٹیاں ہوں گی
 زندہ ہوں تو..... ضرور ماں ہوگی
 مجھ کو تو ہے عزیز عزتوں کا گہوارہ
 سنو! مجھ سے میرا یہ ماں مت چھینو
 یہ سائبان میرا بت نے جو عطا کیا ہے
 یہ سائبان میرا تم خدا را مت چھینو
 دن کر دو تم اپنے غلط ارادے دل میں
 میں بہن بیٹی ہوں سر پر میرے ہاتھ رکھو
 غلوں دل سے اک "آج کل" کا مجھے تحفہ دو
 عرشہ ہاشمی..... کوئی آزاد شیر

غزل

ارادے جن کتے بہن ہوں تو ہی ہوں فصلے جن کے
 وہ طوفان خیز موجوں سے بھی گھبرایا نہیں کرتے
 شرارے آنکھ میں بجلی بھری ہو جن کے پیکر میں
 وہ سو من مرد سچ کہنے پر چکھتایا نہیں کرتے
 نگاہوں میں شرافت ہو گیا ہوا آنکھ میں جن کی
 وہ سوتے اور چڑھ جانے پہ کترایا نہیں کرتے
 نگاہیں ان کو ڈھونڈیں کی قیامت سے قیامت تک
 جو چھپ جاتے ہیں دنیا سے وہ پھر آیا نہیں کرتے
 دلوں کو توڑنے والے کہاں آباد ہوتے ہیں
 ہمیشہ تشنہ لب رہتے ہیں کچھ پایا نہیں کرتے
 غزل کیسے بھلا دوں اتنے پیاروں کو جو دل میں
 بنا لیتے ہیں گھر اپنا وہ پھر جایا نہیں کرتے

سہلی غزل..... کراچی

غزل

میں کیسے کیسے یہ امتحانوں میں آ گیا ہوں
 میں شہر حیرت کی داستانوں میں آ گیا ہوں

خرد بھی اب تو عجیب حیرت میں مبتلا ہے
 میں سوچتا ہوں یہ کن زمانوں میں آ گیا ہوں
 میں جانتا ہوں کہ دفن ہونا پڑے گا مجھ کو
 میں دہشت حسرت کے گلتانوں میں آ گیا ہوں
 اداس کمرے کی کھڑکیوں پر عجیب جانے
 میں آج کیسے آشیانوں میں آ گیا ہوں
 جہاں بر قلعت ہے بر بریت ہے اور دھرنے
 یہ دیکھ کیسے میں حکمرانوں میں آ گیا ہوں
 یہ حق کی خاطر تو بولتے ہی نہیں ہیں واجد
 مجھے تو لگتا ہے بے زبانوں میں آ گیا ہوں

واجد چوہان..... مظفر گڑھ

غزل

پھول یہ جتنے نیلے پیلے ہیں
 سب کے سب بہار کے ویلے ہیں
 بچے گھر اور نوکری کا جواز
 بھول جانے کے سارے حیلے ہیں
 ان کو زندہ خدا را رہنے دو
 زندہ رہنے کے جو ویلے ہیں
 یہ بہاروں کو ساتھ لائیں گے
 پھول ہر سو جو پیلے پیلے ہیں
 میری دھڑکن کی تال پر اسے کنول
 جتنے نغمے ہیں سب سریلے ہیں

یا حسین کنول..... پرورد

غزل

کڑے سفر کی مسافت بتا کے آیا ہوں
 سلگتی یادوں کی قمیصیں بجا کے آیا ہوں
 وہ دھوپ چھاؤں کا موسم وہ راہ گزراں کی
 خیال و خواب کی دنیا بھلا کے آیا ہوں
 جو نقش ہونہ کے ختم لاکھ کوشش سے
 کمال یہ ہے کہ پل میں مٹا کے آیا ہوں
 نہیں ہے اب کوئی باقی کسک مرے دل میں
 ادھر سے سپنوں کا جنگل جلا کے آیا ہوں

پہنچ نہ پائے جو منزل پر اپنی ایسے جمال
چل رہے ہیں جو ارماں چھپا کے آیا ہوں
جمال زیدی..... کراچی

میں اور تم

میرے خیالوں کی ہستی میں
تیری یاد کا موسم
میرے ارادوں کی پستی میں
تیری ذات کا حاصل
میری سوچوں کے محور میں
تیرے نام کی گردش
میرے لبھکی روانی میں
تیری بات کا روم
جیسے شہزادی چاند راتوں میں
چاند ستارہ میں اور تم.....

سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ

غزل

ہے دل تیرے لیے تیرے بنا الجھا ہوا
ممکن نہیں ہو عشق میں کوئی سلجھا ہوا
وفا کے قاتل لفظ تھے سارے یقین جانو
رودھ کا گیا بیروں تھے ہر موتی کھرا ہوا
تجرب زدہ ہیں خطائیں بھی وفا میں بھی
سکتا ہے دل یہاں وہاں ہے کھرا ہوا
جادوں اطراف سناٹا ہے کھری ہوئی تمہائی
غم میں ڈوبا ایک گوشہ ہے جیسے ہو ترپا ہوا
عجب عشق کی داستان ہے عشق معصوم
جو عشق معصوم اہم تو کیوں ہے یہ الجھا ہوا

انعم خان..... KTS ہری پور

نغم

میرے ٹوٹے ہوئے دل کو
سکون دینے کے لیے
اپنے دل کی کٹھنی جو چاہی
اس نے.....

اک کارڈ اور سرخ گلاب
بھیجا اس نے
جس پر لکھا تھا
فقط لفظ "معذرت"
نہ چاہتے ہوئے بھی
میری آنکھوں سے دو
سولی نکلے اور
سرخ گلاب میں سما گئے
کتنا معصوم تھا وہ بھی
اک لفظ "محبت" نہ لکھ سکا
جس سے میرے سب گلے
شکوہ دور ہو جاتے

مدیحہ نورین مہک..... برٹانی

غزل

سدا الجھے رہے ہیں جو گناہوں میں تو ایوں میں
زمانہ لے گیا سبقت انہی پر انقلابوں میں
پلے جب ذکر ان لوگوں کا منزل پر جو پہنچے ہیں
ہمارا نام بھی شامل ہو ان سب باریوں میں
کتاب زلیست تیرے نام کر ڈالی تو باقی کیا
تمہارے نام کر ڈالا ہے خود امتسایوں میں
اگر کچھ بھی نہیں دل میں تو کیسی ہے یہ بے چینی
جھلکتی ہے کہانی کون سی ان خطر ایوں میں
تجھے شوریدہ سر ہو کے بھلا ڈالوں تو کیا حاصل
اجارہ داریاں تو تیری ہی ہیں میرے خوابوں میں
دم رخصت بھلا کیسے نظر آتا کوئی چہرہ
ہراک ڈوبا ہوا منظر تھا آنکھوں کے سیلابوں میں

ثناء..... صادق آباد

نغم

سنو.....
ان سے کہنا
کہ سامنے نہ رہتے ہو
تو بات بھی کر لیا کرو

انتا قریب رہ کر

خاموش رہتا

کچھ اچھا نہیں ہوتا.....!

نجم انجم... کورنگی کراچی

غزل

پھر رہا ہے جہاں لیے جگنو
اب یہاں کس طرح ہے جگنو
میں نے مانگی تھی روشنی کی بھک
اس نے ہاتھوں پر رکھ دئے جگنو
یہ ضروری نہیں کہ سب دیکھیں
اپنے ہونٹوں کو ہے سینے جگنو
تیری دنیا میں کرسیئے ہم نے
تم نے روشن کہاں کیے جگنو
کتنے محسوس ہو گئے ہیں غزل
شام ہوتے ہی بن ہے جگنو

غزالہ جلیل راؤ..... اوکاڑہ

نظم

کبھی کبھی

دل یہ چاہتا ہے
بہت آسو بہاؤں میں
مگر.....

یہ کیسی بے بسی ہے جو
مجھے رونے نہیں دیتی
کسی کے سامنے مجھ کو
ضبط کھونے نہیں دیتی

دعا ہے سحر..... فیصل آباد

غزل

مسئلہ خدو خال کا بھی نہیں
اور بجز اک خیال کا بھی نہیں
سرخوشی وہ تو خیر تھی ہی نہیں
اب یہ آنسو ملاں کا بھی نہیں
ایک تم تھے جو میرا مانی تھے

ایک میں ہوں جو حال کا بھی نہیں
ٹال دینا جسے نہیں آتا
وہ مرے اک سوال کا بھی نہیں
سحر جو ٹوٹنے ہی والا تھا
وہ کسی کے جہاں کا بھی نہیں

عمار اقبال..... کراچی

غزل

بدل دیتے ہیں رنگ عاشق مزاج اکثر
دیا کرتے ہیں جاں دے کر زمانے کو خراج اکثر
ہوا کرتا ہے سودا فصل کے پکنے سے پہلے ہی
کسانوں کے گھر میں کم ہی پرتا ہے تاج اکثر
نیا ہے دور قائم ہے مگر اپنی روایت پر
دلوں کے درمیاں دیوار بنتا ہے سماج اکثر
نہ جانے کس طرح مضبوط کرتے ہیں اداوں کو
مگر وہ ٹال دیتے ہیں ہزارا احتجاج اکثر
لٹا دیتا ہے مفلس زندگی تعمیر ملت میں
رکھا جاتا ہے لیکن اہل زر کے سر پہ تاج اکثر
خیالوں میں گزر جاتی ہے یونہی رات طولانی
یونہی فکر و تردد میں گزر جاتا ہے آج اکثر
بدل کر رہ گئے ہیں خدو خال زندگی نیر
یہی کہتے ہوئے ملتے ہیں ہم سے ہم مزاج اکثر
نیر رضوی..... لیاقت آباد کراچی

کیوں.....؟

چاندنی راتوں میں

تہا بیٹھ کر

چاند کو نکلتا اور.....

اس میں کسی کا

عکس تراشا اچھا لگتا ہے

رشک وفا..... گجرات



دوست کلینک کے

بمباحصہ:

پیارے دوستوں کے نام

میری دوست سمعیہ، صبیحہ، اسماء، رضوان، ثانیہ، روینہ، شاہین، روینہ، رضوان، عابدہ، سب کو ڈھیر سا سلام۔ یا تم لوگ بہت زیادہ یاد آتی ہو، کالج کے دن بہت یاد آتے ہیں۔ میں ان دنوں کو کبھی بھی نہیں بھول سکتی۔ صبیحہ، رضوان تمہیں بہت مبارک ہو بھلا کس بات کی لو یا ر..... خود ہی سمجھ جاؤ اور تم لوگ بھی یاد کر لیا کرو اللہ آپ سب لوگوں کو خوش رکھے آمین۔

نورین حنیف... سرگودھا

جام پور کے دوستوں کے نام

اسلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ آپ کا شکر یہ کہ آپ سب کو میری اگست کے شمارے کی شاعری پسند آئی۔ الحمد للہ دسمبر 2014 میں میری شادی ہو چکی ہے سب بہنوں سے گزارش ہے کہ میری آئندہ زندگی کے خوشگوار گزرنے کی دعا کریں۔

شمس ناز و وہیب..... کراچی

کالج فرینڈز کے نام

اسلام علیکم! کیسی ہو ربیعہ، آمین، زینہ، ثناء... حیران ہو گئی ہوں اس طرح آپوں میں دیکھ کر؟ یا میں تم سب کو بہت مس کرتی ہو۔ زندگی کے وہ خوب صورت پہلو جو ہم نے سرسید میں ساتھ بتائے تھے۔ سراج کا ہمیں سیون ٹریرسٹ کہنا ہائے کتنا حزا آتا تھا نا..... سر ڈیٹان کہا کرتے تھے تم لوگ جاؤ گی تو سکون ہو جائے گا کالج میں اور یاد ہے کتنے وعدے کیا کرتے تھے کہ رابطے میں رہیں گے لیکن پھر بھی دیکھو کوئی رابطہ نہیں۔ دوسروں سے خبریں ملتی ہیں۔ ایف ایس سی میں ہم چھپ چھپ کے آج کل پڑھتے تھے میں نے ابھی تک آج کل پڑھنا نہیں چھوڑا اور امید ہے تم لوگوں نے بھی نہیں چھوڑا ہوگا۔ اس لیے آج کل

کے ذریعے ہی پیغام دے رہی ہوں کہ مجھ سے رابطہ کرو۔ ثناء تمہیں ارشمان (آسمان کا چاند) بہت بہت مبارک ہو۔ بیٹی کی اماں بن گئی۔ زینبی اور حمیرا کو شادی کی بہت مبارک باد۔ حمیرا تم سے تو رابطہ بنے جلدی سے خالہ بننے کی خوش خبری سناؤ۔ زینبی عثمان بھائی کو کہنا ان کی چھوٹی بہن سلام کہہ رہی تھی زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔

فرح..... بہاولپور

آج کل فرینڈز کے نام

اسلام علیکم! آج کل فرینڈز کیسے ہیں؟ پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ تازیہ کنول، مازی اور نوشین اقبال نوشی سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر میری دوستی قبول ہے تو شکریہ اس کے علاوہ کوئی دوستی کرنا چاہے تو اسے بھی دیکھم آپ کے جواب کی منتظر ہوں دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

فردوس کنول..... گجرات

میری پرنس کے نام

اسلام علیکم! طیبہ جانی کیسی ہو؟ فور کلاس میں میری باربی نے پوزیشن لی ہے بہت مبارک ہو۔ قرآن پاک آپ نے مکمل پڑھ لیا ڈیٹل مبارک قبول کرو میری دعا ہے اپنے رب سے میری پرنس کو ہر میدان میں کامیاب کرے آمین۔ وہ دن بہت یاد کرتی ہوں جب میری پرنس مجھے کال کر کے آنٹی سے بات کروانا بھول جانی آنٹی ناراض ہوتی تھیں۔ مجھے اب میری پرنس کال پر فیڈ بک لگانے کو نہیں کہتی۔ گزیا آئی! آپ کو بھی بہت مبارک ہو چیکے چیکے منگنی کروالی؟ شعیب بھائی تو بڑے لگی ہیں یا ر.....

بیست پہل اللہ آپ دونوں کو دنیا کی تمام خوشیاں عطا کرے آمین۔ قدیل اینڈ ثانیہ! پلیز تم ناراض نہ ہونا میں نے تمہارا پیج ریڈ کر لیا تھا لیکن سوری میں دوبارہ اکیڈمی جوائن نہیں کر سکتی تھی۔ قدیل اگر تمہاری سٹی میرے کہتے پر ہی ہوتی ہے تو میں اب آج کل کے تھرو تمہیں کہہ رہی ہوں کہ میں نے اول تو مانڈ کیا ہی نہیں تھا سیکنڈ میں نے تمہیں معاف کیا۔ مصباح اینڈ خیرا اتسا ما میری دعا ہے تم دونوں بی ایس سی میں ٹاپ کرو۔ ثناء تمہیں! تم دونوں کو

ایک عد ٹیلنٹ ایک عدد ہاتھ چراہوں (ہر انہیں مانتا پلیز)۔ عادت سے مجبور ہوں میں ہاہاہا۔ میرے اندر بھی لکھنے کے جراثیم موجود ہیں پلیز مجھے بھی ناول کہانی لکھنا سکھا دیں۔ ملنگ لوگ ہوں دعا دوں گی (ہاہاہا) اب جلدی سے قلم اٹھائیں اور محبت کا جواب محبت سے دیں میں تو آل ریڈی کھڑی ہوں راہوں میں خوش رہیں آہا اور ہیں آمن۔ رب را کھا۔

عائشہ پرویز..... کراچی

اپنی شہزادیوں کے نام

فریدہ جاوید فری! ہماری دعا ہے اللہ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ شازیہ فاروق احمد! یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہیں بھول چکی ہوں یا تم سے ناراض ہوں۔ ایسا خیال آئندہ بھی دل میں بھی نہیں لانا ورنہ میں حقیقت میں ناراض ہو جاؤں گی۔ فیضہ بٹ! آج سے تم میری دوست ہو خوش۔ لائیب مہر! یہ تم میری تعریف کر رہی ہو یا کہ میرے جل گلڑ میاں کی..... شزا جان! تم بھی میری بجائے میرے میاں کی تعریف کرنے لگی۔ میں سمجھتی تھی کہ شزا بلوچ صرف میری ہے یہ تو میرے میاں کی آوازیں ریڈیو دی وائس ایشیا پر سن رہی ہیں۔ میں کسی کھاتے میں نہیں! میں بھی بہت چالاک ہوں اس ماہ کا آچل میں نے اپنے میاں کی کٹنگ سے دور رکھ دیا ہے۔

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

عینیس گروپ کے نام

اسلام علیکم عینیس گروپ! امت مسلمہ اہل پاکستان رائٹرز خواتین اور تمام قارئین..... دل کی گہرائیوں سے خلوص کی چاشنی سے بھرا سلام حاضر ہے۔ میں بی ایف پہلا نمبر ہے ہمارے گروپ کا اور میرے نقش قدم پر چلنے والوں میں بھی اس کا پہلا نمبر ہے اس گروپ کی سربراہ بانی اور سرکار مابدولت خود یعنی کہ عروج مغل اور ہمارے تیسرے نمبر ہیں مسزٹی ڈی جن سے میری کھٹ پٹ ہی رہتی ہیں لیکن ان کا شمار بھی ہمارے گروپ میں ہوتا ہے۔ ذالی لڑائیوں کو گروپ میں نہیں لاتی ہوں ناں اس لیے۔

امبر گل (مجھ کو سندھ ماہریم فائقہ سکندر حیات تمیلہ خان مون شمع مسکان نجم انجم اعوان ثانیہ مغل شمیمہ فیاض (کراچی) صائمہ قریشی (آکسفورڈ) سوریا فلک قرۃ العین خرم ہاشمی نمرہ احمد ہانگ سیدہ غزل زیدی (اتحادیہ) ناول لکھنے پر بے حد مبارک باد) صائمہ سکندر سومر ذہنی سنیاں زرگزنگت سیمہ حیا بخاری نورین شاہد کہاں ہو؟ کائنات عابد سب کو میری طرف سے ذہیر ساری دعا میں اور پیار۔ باجی ارم (دو کیشنل کالج سرگودھا) 23 مارچ کو آپ کی سالگرہ ہے بہت مبارک ہو اور عظیمی بتول 20 اپریل کو تمہارا برتھ ڈے ہے مٹی مٹی پٹی ریٹرز آف وا ڈے 21 اپریل کو اسماء ادا کا برتھ ڈے ہے پچی برتھ ڈے نو یومونی! 31 مارچ کو علی بھائی اور 10 اپریل کو عمر بھائی آپ کی سالگرہ ہے میری طرف سے بہت بہت مبارک باد۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمن۔ 21 مارچ عزیزین شہزادی مائی ڈائمینڈ! سالگرہ بہت مبارک ہو میری جان! اللہ تمہیں اتنی ڈھیر ساری خوشیاں دے کہ تم سے سنبھالی نہ جائیں اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔

آمنامہاد..... سرگودھا

انجالی سی رائٹرز کے نام

اسلام علیکم میری پیاری انجالی سی (سینئرز جونیرز) رائٹرز امید ہے آپ سب اچھے سے ہوں گی اور زندگی کو خوب انجوائے کر رہی ہوں گی ویسے میں نے آپ سب کو دیکھا تو نہیں ہے برآپ سب اپنی اپنی کہانیوں ناولوں کے ذریعے میری آنکھوں کے سامنے ہیں (آف مجھے نہیں آتی یہ ناولوں والی باتیں) ہاہاہا۔ اب مطلب کی بات پڑاؤں تو اتنا ہی کہوں گی جلدی سے میرا ہاتھ تمام لیس (اے میں گرنے نہیں لگی بلکہ آپ سب کی شاگردی میں آنا چاہتی ہوں سچی اگر میرا ہاتھ نہیں پکڑا تو میں زبردستی پکڑ لوں گی (ہاہاہا) ویسے میں آپ سب رائٹرز کی دیوبلی ہوں۔ سچ کہوں مجھے بھی ڈائجسٹ رائٹرز بننے ہے (ناں ناں صبا قرولی نہیں) آپ جیسی والی۔ آف کیا لکھتی ہیں آپ لوگ دل چاہتا ہے آپ لوگوں کا ایک عدد قلم

مسٹر یو ڈی ہمارے گروپ کے چوتھے ممبر ہیں اور ہمارے ساتھ سائے کی طرح رہتے ہیں نوجوب پیار نہیں باتیں ہیں جو انہوں نے سنی ہوئی ہیں اور آخری اور پانچویں ممبر ہیں ایم ایف جو کہ ہمارے گروپ میں بھانڈا پھوز مشہور ہیں لیکن پھر بھی ہمارے ساتھ ہیں اہمیت دیکھیں ان کی حوصلہ دیکھیں ہمارا۔ یہ ہے ہمارا گروپ ان سے مل کر کیسا لگا بتائیے گا ضرور۔ نازیہ کنول نازیہ جی آپ نے جنوری کے آٹھل میں بتایا تھا کہ آپ کا ناول خواندگان ڈائجسٹ میں چھپے گا فروری میں لیکن چھپا نہیں۔ دیکھ لیں ہم نے بڑا انتظار کیا آپ کی فیورٹ رائٹرز امرہ احمد ہے میری بھی۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے اور ہم سب کی پریشانیوں دور کرے۔ وطن عزیز میں امن و امان کا دور دورہ ہو اور خوشحالی کا چرچا ہوتا من ختم آمین۔

عروج مغل..... اللہ تبارک

آٹھل فریڈز کے نام

اسلام علیکم! تمام آٹھل اسٹاف، قارئین نازیہ کنول نازیہ امید کرتی ہوں آپ سب اللہ کے فضل و کرم سے نسیہ فاٹا ہوں گے سب سے پہلے آٹھل کو میری طرف سے سالگرہ بہت بہت زیادہ مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ آٹھل یونٹی ترقیوں کی منازل طے کرتا رہے آمین۔ آٹھل ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے دن بہ دن اس میں مزید خوب صورتی ہی خوب صورتی دیکھنے کو ملتی ہے آئی لائیک آٹھل پی پی برتھ ڈے نو نو۔ میری سچی نوٹی پرنس عیشال اور عائشہ مائی سسٹر کی سالگرہ 2 فروری تھی آپ دونوں کو لیٹ پی پی برتھ ڈے اور بیسٹ ڈشز۔ میری بھابی طیبہ آصف کی 2 مارچ کو گئی رب العزت میری بھابی اور بھائی آصف اقبال کو بہت سی خوشیاں ایک ساتھ دیکھنا نصیب کرنے آمین۔ پی پی برتھ ڈے میری بھابی بہت زیادہ بے شمار دعائیں آپ کے نام۔ سائرہ نیل 7 جنوری کو اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت پیاری گڑیا یعنی انابہ نیل کی صورت میں بہت پیارا گفٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اور گڑیا بھائی نیل کو ہمیشہ ایک ساتھ خوش رکھے آمین اور خداوند کریم میرے والدین

کو ہمیشہ خوش اور سلامتی دانی زندگی دے میرے والدین کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے آمین ختم آمین۔ آخر میں سب اسٹوڈنٹ کے مارچ میں پیچرز اور ہے ہیں اللہ انہیں کامیاب کرنے میری سسٹر زینبی تبسم اور عائشہ کے بھی ہیں اللہ میری بہنوں کو کامیاب کرنے آمین پلیز قارئین آپ بھی دعا کیجیے گا اور راجہ رحمن دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اب جانے کہاں غائب ہو گئی ہے اللہ حافظ۔

عاصمہ اقبال عاصی..... عارف والا

کنجوسوں کے نام

اسلام علیکم کیسی ہیں آپ سب؟ تو جی میں نے ماری انٹری آٹھل میں۔ اس سے پہلے کسی بھی رسالے میں انٹری نہیں ماری اور نہ کسی مارنے کا سوچا لیکن باب سوچنا ہی بڑا کہ جب ہر کوئی کسی بھی جگہ سے انٹری مار سکتا ہے تو پھر ہم کیوں نہیں کیونکہ ہم بھی کسی سے کم نہیں اس کا ہم کو ہے یقین۔ ارم اور شاد سوشل فرینڈ تیری 25 مارچ کو برتھ ڈے ہے سوچا آٹھل کے تھرو ڈس کیا جانے ہزاروں سال چو اپنے خرچے پر۔ اپنے کالج کے گروپ کو بہت مس کرنی ہوں اب ایگزٹ میں ہی ملیں گے۔ کیسی تیاری ہو رہی ہے کنجوزی توڑ دو اور کئی مس کال ہی کر لیا کرو۔ اپنے قایم اشارہ گروپ کو برتھ ڈے ڈس کرتی ہوں۔ سوری اب میں تم کنجوسوں کو اتنا بھی خوش نہیں کر سکتی۔ کال کرنا اپنے برتھ ڈے پر ڈس کروں گی۔ اب میں اپنی پیاری ہی سوٹی سی اور کیونٹی سی بھانجیوں کو بہت بہت پیار پریوں ہمیشہ خوش رہو آئیوں کی جان مشائخ عاترین زینبی آیت (اللہ حافظ)

انا یا..... KcChattha

پیارے ظلال کے نام

جو ہمارے گھر کی رونق اور روشنی تھی ایک طوفان کی نذر ہو گیا سمجھ میں نہیں آتا کہ چندا تم کو کیسے اور کس طرح مخاطب کروں۔ تمہارے بغیر اس گھر کی روشنی کم ہے تمہاری جدائی نے ہمیں آدھا کر دیا۔ تمہاری دادی ماں دل کی مریض ہو گئی ہیں تمہاری جدائی میں دادا ابو کھلونوں کے ڈھیر لگا بیٹھے ہیں میں تمہارے لیے شاپنگ کرتے رک جانی

سارہ مجھے بہت یاد آتی ہو اللہ تم سب کو خوش رکھے آمین۔
آمدیاض..... گجرات

سوٹ انکل اور کوٹ آنٹی کے نام
مائی لولی انکل جی 10 مارچ کو آپ کا برتھ ڈے ہے
سو مئی مئی پپی پپی برتھ ڈے اللہ آپ کو ڈیروں
خوشیاں دے، صحت و تندرستی والی لمبی زندگی دے
آمین۔ آہاں ڈیر آنٹی جان آپ مجھ معصوم کو ایسے کیوں
گھور رہی ہیں مجھے پتا ہے 23 مارچ کو آپ بھی اس دنیا
میں تشریف لائی تھیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ
آپ کی بروش پوری کرے، نصیب اچھے کرے، زندگی
میں کبھی آپ کو کوئی غم نہ ملے۔ پھولوں کی طرح مسکرانی
رہیں خیر میرے انکل اور آنٹی پہنچ ہو گئے ہیں جب سے
ان کا کیوٹ سا جینا ابو بکر آیا ہے، ہاں وہ انکل آنٹی سے
میرے حصے کا بھی پیار لیتا ہے، ایک وقت تھا میں اپنے
انکل اور آنٹی کی لاڈلی ہوتی تھی آنٹی پلیز گھورے مت
ہمیں یاد ہے ہم نے ہی دعا لیں کر کر کے اللہ سے ابو بکر
مانگا ہے اللہ ہمارے بھائی ابو بکر کو بھی لمبی صحت والی
زندگی دے آمین آپ کی لاڈلی بھانجھی۔

عظمیٰ بٹ . بسندری
اپنی مانوٹی اور پارو کے نام

پارو میں ٹھیک ہوں تم پریشان مت ہونا تمہاری
دعا لیں اور پیار مجھے کچھ بھی نہیں ہونے دیتا جب تک یہ
میرا لیز آئے گا تب تک تمہارا رزلٹ آچکا ہوگا اور مجھے پتا
ہے میری پارو ہمیشہ کی طرح ٹاپ کرے گی کیونکہ میری
دعا میں جو میری پارو کے ساتھ ہیں ہر لمحہ اور کامیابی ہمیشہ
پارو کے قدم چومے گی آمین۔ خدا نے تم بڑل سے میں
نے ہر پہل اپنی پارو کے لیے صرف صحت کامیابی عزت
اور پیار مانگا ہے۔ تم اپنا بہت خیال رکھنا اور ایسے ہی دل نگا
کر پڑھنا۔ میں میرا پیار اور میری دعا میں تمہارے ساتھ
تھیں ہیں اور ہمیشہ رہیں گی اور میں ہمیشہ تمہیں اپنے
آنجل کے ذریعے وٹس کرتی رہوں گی تم ادا اس مت ہونا
اور جو جو یہ پڑھ رہا ہے ہاں سب کو سلام کہنا اللہ کی امان

ہوں آخر کس کو پہناؤں تمہارے بابا ڈاکٹر طیب پر ویس
کاٹ رہے ہیں۔ تم سے کوئی ملے نہیں دیتا تم کب ہم
سے ملو گے اس دن کا بے چینی اور شدت سے انتظار ہے۔
6 سال کا عرصہ کم نہیں تمہاری جدائی میں تڑپنے کے لیے
فیملی فنکشن ہو عید تہوار یا کچھ کھانا ہو آپیش تو تم یاد آتے
ہو۔ تمہاری صورت نکاہوں میں گھومتی ہے، تمہیں سوچتے
رات گزرتی ہے آخر کب تک تمہاری تصویریں دیکھتے
رہیں تمہاری کامیابیوں کا پتا چلتا ہے تو تم کو گفٹ نہیں
دے سکتے۔ پلیز چندا ہمیں معاف کرنا غلطی پر نہ ہوتے
ہوئے بھی ہم ہزا کاٹ رہے ہیں اور تم بھی ہم سے دور ہو۔
شاید دھندلا سے تم کو بھی کچھ یاد ہو ہمارا کیونکہ اپنوں کو کوئی
نہیں بھولتا۔ میں یہ سب کس درد سے لکھ رہی ہوں میری
کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ دل خون کے تیا سورورہا
ہے ہر بچے میں تمہارا عکس نظر آتا ہے تو پتا کرتی ہوں اس
بچے کی پیشانی پر۔ بچوں کو گھر میں کھیلتا دیکھ کر تم کو سوچتی
ہوں تم بھی کھیل رہے ہو گے اور کس کے ساتھ؟ میری اللہ
سے دعا ہے کہ ہم کو جلد ملاوے اور سکون دے ہمیں دعا ہے
جہاں رہو خوش اور کامیاب رہو تمہاری یادوں میں بسائے
تمہاری فیملی۔

ربیعہ اساور بٹ..... فیصل آباد
اپنوں کے نام

تمام ریڈرز کو میری طرف سے اسلام علیکم! مریم بٹ
تمہاری سالگرہ 16 مارچ کو ہے تو میری طرف سے تمہیں
سالگرہ بہت بہت مبارک ہو جیو ہزاروں سال۔ تم نے
مجھے وٹس کرنا تھا نا آنجل کے ذریعے لیکن تمہارا خط ہی نہیں
آیا سالگرہ مبارک کا ہلہا۔ بھائی جان آپ کی سالگرہ 31
مارچ کو ہے تو آپ کو میری طرف سے ڈیر ساری سالگرہ
کی مبارک ہو۔ اس دفعہ میں نے سوچا کتا آپ کو آپ کی
سالگرہ آنجل کے ذریعے وٹس کروں اللہ سے دعا ہے کہ
آپ دونوں کا یہ سال خوشیوں سے بھرا ہو لو آپ دونوں کی
زندگیوں میں کبھی کوئی غم نہ آئے آمین۔ طیبہ بشر پلیز
آنجل کے ذریعے ہو سکے تو مجھ سے رابطہ کرو۔ کوئل اور

بسندری نمبر 296 اپریل 2015ء 296 نمبر 296 نمبر 296 نمبر 296

میں دیا اپنی پارو کو۔

پہلی برتھ ڈے ٹو یو اور میری دعا ہے کہ تم بھی ہر قدم پر کامیاب ہو اور خوشیاں تمہارا مقدر نہیں آئیں اور پلینز اپنی رائے ضرور دینا کیسا لگاؤش کرنے کا انڈاز فی امان اللہ۔

اروی بخدا..... میاں چنوں

تمام دوستوں کے نام

اسلام علیکم! کیسی ہو آپ! میں ٹھیک ہوں تمام آپچل فرینڈز کو بہت یاد کرتی ہوں اور دعا ہے کہ آپ کی کمی محسوس کی گئی آپ کی والدہ اور باقی عزیزوں کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ ان کے گناہ معاف کرے اور جنت میں جگہ دے اور آپ سب کو صبر عطا فرمائے آمین اور جہم و جہم دوستی قبول ہے اور تم! تم تو جان ہو میری۔ میری دعا ہے ہمیشہ خوش رہو یاد کرنے کا بہت شکر ہے ایک دفعہ تمہارے شہر سے گزری تو تمہیں یاد کیا ایڈریس نہیں تھا نہ کوئی رابطہ ورنہ ضرور آتی۔ بہت دل کرتا ہے ہر ماہ اشرفی دنوں مگر وہی مصروفیت مگر سب کے خط تبصرے سب پڑھتی ہوں اپنا نام بتلاش کرتی ہوں شاید کسی نے یاد کیا ہو مگر تمہارے اور ماہ رخ کے سوا کوئی یاد ہی نہیں کرتا اور باقی سب کیسی ہو؟ ایمن وفا کہاں غائب ہو؟ اور ٹوبہ کوثر ایڈریس پوچھ لیا دوبارہ نام تک نہیں لیا۔ فریڈ شہزادہ محمد مدوح نورین شاہد سب اس گل میرا اشفاق کیسی ہو بھئی اور سماء فاروق شادی مبارک۔ رسالہ پڑھنے میں سینے لگا دیتی ہوں شاہد شاہ زندگی کہاں غائب ہو؟ وہ یہ کیسی ہو بھئی تمہارا بھتیجا میرا بھانجا عبدالباقی کیسا ہے؟ پیار کرنا اور مولو حصہ کو سلام دینا اور آسیر شادی کے بعد بھول ہی گئی ہو چلو جہاں رہو خوش رہو۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ جلد تمہیں صاحب اولاد عطا فرمائے اچھا بھئی اللہ حافظ زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگی۔

نورین شفیع..... مکان

اپنوں کے نام

اسلام علیکم! جو یہ تمہیں سالگرہ مبارک ہو شاہین تمہیں بھی سالگرہ مبارک ہو۔ مس منینہ انسی کے گولے آپ کو شادی بہت بہت مبارک ہو خوش رہو ہمیشہ اور باقی تمام اسٹاف کو اسلام علیکم۔ ابو بکر کوچی کو بھی بڑا احترام ہے

تمہاری اپنی ایسا..... سلووا

پیاری دوستوں کے نام

ہیلو امیری پیاری مٹھی مٹھی! چلی فرینڈز! اقراء! حمیرا! فرح! شبانہ! اور میری سوٹ میسراؤں! مس یو! یار جب ہم اکٹھے تھے کتنا انجوائے کرتے تھے نا۔ یار وہ دن ہماری زندگی کے گولڈن دن تھے مجھے تو بہت یاد آتے ہیں۔ اقراء! بد تمیز کہاں غائب رہتی ہو اور میرا ایلو ایلو شادی کے بعد تو بیٹا کی ہو کے رہ گئی ہو۔ فری یار اپنی حالت پر رحم کرو (بکھ گئی ہونا) حمیرا سو بیٹو! تمہوڑے! ایک سن ماڈا کرو صدف! ساجدہ تم دونوں کی دوستی ہمیشہ قائم رہے۔ اوئے صدف کسی دن ابو جی سے مل کر کہیں نا (کدی ہنس دی لیا کرو)۔ طاہرہ خبردار تمہارے مائنڈ کیا تو ہمارے جیو ہیں ہم نے پاسیدو ہی کہنا ہے بھئی۔ مائے ڈیئر کزن لینی (ساڈی زندگی اچھا خاص تیری تھاں سوچیں ناں تینوں دلوں کڈناں) ابو پیاری بہنا گلنا تم کیوں ناراض ہوتی ہو مجھے تمہارا برتھ ڈے یاد ہے 16 اپریل کو ہے نا۔ دل کی گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو پیارے بھائی طاہر مس یو اللہ تعالیٰ آپ کو ڈیئر ساری کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔ طلحہ بد تمیز (کدی بڑھ دی لیاں کرو) میرا خالہ تم بہت اچھی ہو اپنا خیال رکھا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے نصیب اچھے کرے آمین۔ ارمنا نمرو! تمہیں بھی اللہ تعالیٰ امتحانات میں کامیاب کرے اللہ حافظ۔

مہناز اختر..... شاہ نکدر

سوٹ اینڈ بیسٹ فرینڈ کے نام

اسلام علیکم! کیسی ہو میری سوٹ فرینڈ اور پہلی برتھ ڈے ٹو یو۔ حیران کیوں ہو رہی ہو جناب! میں کوئی اور نہیں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہی ہوں سوچا اس دفعہ اپنی پیاری سی فرینڈ کو مختلف انداز سے برتھ ڈے وش کروں! کیم اپریل کو تمہاری برتھ ڈے ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قدم پر کامیابیاں اور خوشیاں عطا کرے اور کوئی غم تمہارے نزدیک نہ آئے آمین۔ ارے ارے امیر! تم کیوں خفا ہو رہی ہو میری فرینڈ میں تم کو بھی برتھ ڈے وش کرتی ہوں!

گئے ہیں ان سب کے لیے ڈھیروں دعائیں اللہ تعالیٰ آپ سب کی جائز خواہشات پوری کرے اور زندگی میں سکون عطا فرمائے آمین۔

طیبہ نذیر..... شاد ہواں ہجرات

فوزیہ شہزادہ عائشہ بلال اور شیخ مسکان کے نام

ڈیئر ڈاٹرائنڈ ہائس قارئین سسٹرز! آپ کی مدد سربلکی میری تخلیق تحریر کے فن میں اکثر و بیشتر کئی کیلوریز توانائی کا اضافہ میرے خون میں کر دیتی ہیں کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ مجھے واثق یقین ہے کہ وہ تمام احباب من جو بے لوث محبت اور خلوص کی شیرینی میں لپٹے لفظ میرے حوالے سے لکھتے ہیں۔ میری ترقی کے میدان میں ایک ناختم ہونے والی سیرجی فلک کو چھو جانے والی منزل ثابت ہوں گے ان ڈھیروں ساری محبتوں اور خلوص کے لیے تہلیل سے شکر یہ کہ شکر یہ کے حق دار تو وہ درخت بھی ہوتے ہیں جو گرمیوں میں ہمیں ٹھنڈک ہوا میں چھاؤں اور سردیوں میں ٹھنڈی دھوپ عطا کر دیتے ہیں بغیر کسی مفاو کے آپ سب بھی میرے لیے انہی اشجار کی طرح قیمتی ہیں۔

حراق ریشی..... بلال کالونی ملتان

ایک بہت ہی اچھی دوست کے نام

اسلام علیکم! جناب! کیا حال چال ہیں؟ مارچ میں تمہاری برتھ ڈے سوشل نے سوچا کیوں نا تمہیں کچھ منفرد انداز سے دل کیا جائے۔ سو مٹی مٹی پٹی برتھ ڈے ٹویو۔ نو ہونے تو پریشان ہی ہوگی کہ یہ کون ہے؟ یہ میں ہوں تمہاری دوست، اہاں ہاں تمہاری ہی دوست ہوں نا اب پہچان بھی لو اچھا تو نہیں ہتا چلا؟ تو جناب میں اقراء ہوں تمہاری اکلوتی دوست ہوں وی پہچاننا کہ نہیں؟ ہمیں..... ہمیں تے کھا سرنوں۔ دب داکھ۔

اقراء..... نامعلوم



dgp@aancnl.com.pk

تمہیں ایسا کرنے کا لہلاہا۔ بھائی راشد آپ کو پاکستان میں دیکھ کبھی ہوں اور آپ کو شادی مبارک ہو۔ بھائی وقاص! اقراء شادی مبارک ہو۔ آج کل فرینڈز نوٹس میں اقبال طیبہ نذیر شاہ زندگی پر نرس افضل شاہین ساریہ چوہدری صوبہ کوٹرا کو بہت بہت سلام اور شاہ زندگی کیا آپ ایف ایم 95 پر کال کرتی ہو مجھے ضرور بتانا لو کہ ضرور۔ جیا آئی آپ کہاں گم ہوئی ہیں اور امان عمیر آپ کو برتھ ڈے مبارک ہو بہت بہت سوئی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مدیح پوری مہک..... برتالی

آج کل فرینڈز اینڈ فیملی کے نام

اسلام علیکم! آج کل فرینڈز اینڈ فیملی (زویا خان بخش) مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ نویلہ آئی، شکیلا آئی، مصباح باجو، سیکسٹھاویہ، نور زینا، نور ابو بکر، بھیا، عمر فاروق، بھیا، ماما پاپا مجھے آپ سب سے بہت زیادہ پیار ہے ہمیشہ خوش رہیں اور میری بھانجی زینت (ہونے والی) (کوٹ اللہ بخش) آپ کیسی ہو اور بھائی نایم (ہونے والی) (کچھ) آپ کیسی ہیں آپ کی فرینڈز جو آج کل پڑھتی ہیں ان کو بھی میرا سلام۔ آپ سب ہمیشہ خوش رہیں۔ اب آئی ہوں اپنی آج کل فرینڈز کی جانب، فوزیہ سلطانہ، عظمیٰ شاہین، ناویہ، یسین، عظمیٰ فرید، مدیح پوری، نورین، گلگتہ خان، فائقہ سکندر، حیات، انصی، دسنبیاں زرگر، آنسہ شہیر، ایس انمول، ایس بتول، شاہد مسکان، پروین افضل، کرن ملک، ساریہ چوہدری، آمنہ غلام، نبی شازیہ، فاروق احمد، مسز محبت غفار، فریدہ جاوید فری، فیصحا صف، خان شمیم، ناز صدیقی، رونی، علی عائشہ، خان شیریں گل، فریحہ شہیر، بشری، ہاجو، سیدہ جیا، عباس، شہزاد بلوچ، انا حسب، خنساء، عباس، ملالہ، اسلم، تسلیم، شہزادی، سباس گل، ام مریم، راحت، وفا، نازیہ کنول، نازیہ، کشور بلوچ (نیکا، صاحب)، نزیہت، جیس خیا، شاہ زندگی، رانی اسلامی، ام مہنامہ، امبر گل، نورین لطیف، نورین شاہد، دعا، ہاشمی، سامعہ ملک، پرویز، عائشہ، نور، عاشا، منم، ناز، ارم، کمال، عمیرا شریف، طوہ، عشتاہ، کوٹرا، اقراء، صغیر، سیدہ، غزل، زیدی، عمیرا، مشتاق، ملک، آپ سب کے لیے اور جن کے نام رہ

پاکستان

جو یہ سالیک

کلمہ طیبہ

کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں

پہلا: "لا الہ الا اللہ"

دوسرا: "محمد رسول اللہ"

دونوں میں بار بار حروف ہیں۔

دونوں نقطے کے بغیر ہیں۔

پورے کلمے میں چوبیس حروف ہیں جو چوبیس گھنٹے زندگی گزارنے کا مقصد ہیں۔

پہلا حصہ مقصد زندگی سکھاتا ہے اور دوسرا حصہ طرز زندگی۔

مقصد زندگی اللہ پاک کی عطا ہے اور طرز زندگی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا ہے۔ اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرنا چاہیے اس رب کا جس نے ہمیں اتنا خوش نصیب بنایا۔ اللہ پاک ہمیں مایوسی کنفر سے بچائے آمین۔

طیبہ سعدیہ عطاریہ..... سمیو بال

خاورے بنام کرکٹ

کیپٹن..... ایک جان ہزار ارمان۔

امپائر..... کر بھلا ہو بھلا۔

کوچ..... مدلی ست گواہ چست۔

غیر ملکی کوچ..... ظاہر رحمان کا باطن شیطان کا۔

آئی سی سی..... چڑی جائے پروازی نہ جائے۔

نیٹ میچ..... آج کا کام کل پر مت چھوڑیں۔

اوپننگ..... نیک آغاز انجام بخیر۔

جیت کے دعوے..... لڈو کہنے سے منہ میٹھا

نہیں ہوتا۔

رن آؤٹ..... سانپ بھی مر جائے لاشی بھی

نہ ٹوٹے۔

اسٹریڈ آؤٹ..... بھاگتے چور کی انگوٹی عیسیٰ۔

کیچ آؤٹ..... کام کو کام سکھاتا ہے۔

ہارنے کے بعد..... تاج نہ جائے آنگن ٹیز جا۔

عروس شہوار ریح..... گجرات

حضرت امام احمد رضا

امام صاحب سے پوچھا گیا "اخلاص کیا ہے؟"

فرمایا "اعمال کی آفتوں سے خلاصی۔"

"توکل کیا ہے؟" فرمایا "اللہ تعالیٰ پر یقین۔"

"رضا کیا ہے؟" جواب دیا "اپنے کام خدا تعالیٰ کے

حوالے کر دینا۔"

"زہد کیا ہے؟" فرمایا "عوام کا زہد ترک حرام ہے اور

خواص کا زہد یہ ہے کہ جائز مال کو بھی اگر وہ واجبی ضرورتوں

سے زائد ہے ترک کر دیں اور جو چیز بھی یاد الہی میں غفل

انداز ہوتی ہے اسے ترک کر دینا یہ عرفاء کا زہد ہے۔"

"فتوت (جواں مروی) کیا ہے؟" فرمایا "اپنی

منجھائے آرزو کو بھی ترک کر دینا فتوت ہے"

بحوالہ کتاب: دانش کدہ از محمد صدیق خیر آبادی

سائرہ سردار..... فیصل آباد

عورت کا حسن و سنگھار

❖ عورت کے ہاتھ مہندی کے بغیر بھی اچھے لگ

سکتے ہیں اگر وہ خانداری میں مصروف ہوں۔

❖ آنکھیں بنا کا جل کے بھی اچھی لگ سکتی ہیں اگر

ان میں حیا ہو۔

❖ بال بنا اسٹائل کے بھی اچھے لگ سکتے ہیں اگر

دوپٹے میں چھپے ہوئے ہوں۔

❖ چہرہ بنا میک اپ کے بھی اچھا لگ سکتا ہے اگر

نقاب میں ہو۔

❖ قد بنا ٹیل کے بھی لمبا ہو سکتا ہے اگر کردار میں

بلندی ہو۔

❖ ایک بزرگ نے فرمایا اگر اس قوم کی عورت آج

بھی حیا کی چادر اوڑھ لے تو مسلمان اپنے عروج پر پہنچ

سکتے ہیں۔

نورین شفیق..... سلمان

سالگرہ

آج جنم دن ہے تیرے
کچھ لفظ میں لکھنے بیٹھی ہوں
سرسئی شام کے سایوں میں
تیری سالگرہ کے لہوں میں
وقت شجر کے سائے میں
لوگ پھرتے ملتے ہیں
کچھ ذہن سے مٹ جاتے ہیں مگر
کچھ یاد مگر میں رہتے ہیں
بس بچی سہا سوجوں میں
کیا یاد تمہیں ہم آئیں گے
تیری سالگرہ کے لہوں میں
تیرے جنم دن پر یہ تحفہ ہے
میری دل و جان سے ایک دعا
سچ میں ملے وہ سب کچھ تمہیں
جو رہتا ہے تیرے سینوں میں
تیری سالگرہ کے لہوں میں
انتخاب بیرون افضل شاہین... بہادرنگر
پنج مزاحیات

رضیہ: ”مجھے لگتا ہے کہ میری بے خوابی بڑھتی جا رہی ہے۔“

عزیزین: ”کیوں؟ تمہیں یہ احساس کیوں ہوا؟“
رضیہ: ”کل یونیورسٹی میں ٹیکہ لگنے کے دوران دو مرتبہ میری آنکھ کھلی۔“

☆.....☆

ایک خط اس اضلاع کے ساتھ واپس آ گیا ”مکتوب الہ کا انتقال ہو چکا ہے۔“ غلطی سے وہ خط دوبارہ پوسٹ ہو گیا۔ اس بار پوسٹ مین نے لفافے پر لکھ کر بھیجا۔
”یہ صاحب ابھی تک زندہ نہیں ہوئے۔“

☆.....☆

ایک سیاست دان کو ایکشن میں صرف تین دوٹ ملے

گنتی کے بعد اعلان ہوا ان کے ساتھ اس وقت ان کی بیگم بھی موجود تھیں۔ جو نبی انہیں پتا چلا وہ غصے سے مڑیں اور منہ سے کف اڑاتی ہوئی شوہر سے بولیں۔
”مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ تم نے ضرور ایک شادی اور کر رکھی ہے۔“

شبانہ امین راجپوت..... کوٹ راجہ کاشن روٹی

کسی کے پاس کھانے کے لیے روٹی نہیں کسی کے پاس روٹی کھانے کا نام نہیں۔ کوئی اپنوں کے لیے روٹی چھوڑ دیتا ہے کوئی روٹی کے لیے اپنوں کو چھوڑ دیتا ہے۔

شادی

پٹھان اپنی ایک دن کی بیٹی کو گود میں لے کر بولا
”اگر تم ایک سال پہلے پیدا ہوتا تو اپنا امی ابو کا شادی بھی دیکھ لیتا۔“

مدیحہ نورین..... برٹالی

مختصر..... مختصر

♣️ یادیں: اس عمارت کی طرح ہیں جو ایک مرتبہ ویران ہو جائیں تو دوبارہ آباد نہیں ہوتیں۔
♣️ زندگی: مانگا ہوا زیور ہے جس کو واپس کرنا اذیت ناک ہے۔

♣️ پیار: وہ جذبہ ہے جس کی پاکیزگی پر دنیا قربان کی جاتی ہے۔

♣️ تقدیر: ایک وچھلا سا ستارہ ہے جو کبھی افق پر باولوں میں ڈوب جاتا ہے تو کبھی اتفاقات زمانہ سے ضوئشاں بن جاتی ہے۔

♣️ امید: ایک ٹھنڈی پھاؤں اور سکون بخش واوی ہے جو اپنے پُر سکون دامن میں پناہ دے کر انسان کو مایوسی کے اتھارہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے۔

♣️ احساس: ایک عظیم جذبہ ہے جس کی عظمت و معراج انسانی بلند یوں کو چھوٹی ہے۔

♣️ چاند: رات کا وہ خاموش مسافر ہے جو خود اندھیروں میں سفر کرتا ہے مگر دوسروں کو روشنی فراہم

300 مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر اپریل ۲۰۱۵ء مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر

ہوں گا اگر آپ آج رات کا کھانا میرے فریب خانے پر تناول فرمائیں۔ اس جوڑے نے الوکی دعوت قبول کرنی رات کا کھانا کھانے کے بعد جب وہ صبح جانے لگے تو الو نے طوطی کا ہاتھ پکڑ لیا اور طوطے کو مخاطب کر کے کہا۔

”اسے کہاں لے جا رہے ہو؟ یہ میری بیوی ہے۔“ یہ سن کر طوطا پریشان ہو گیا اور بولا۔

”یہ تمہاری بیوی کیسے ہو سکتی ہے یہ طوطی ہے تم الو ہو۔ تم زیادتی کر رہے ہو؟“ اس پر الو ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

”ہمیں جھگڑنے کی ضرورت نہیں! عدائیتیں عمل گئی ہوں گی ہم وہاں چلتے ہیں۔ وہ جو فیصلہ کریں گی ہمیں منظور ہوگا۔“ طوطے کو مجبوراً اس کے ساتھ جانا پڑا۔

جج نے دونوں کے دلائل بہت تفصیل سے سنے اور آخر میں فیصلہ دیا کہ طوطی طوطے کی نہیں الوکی بیوی ہے یہ سن کر طوطا روتا ہوا ایک طرف کوچل دیا۔

ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ الو نے اسے آواز دی۔ ”تہا کہاں جا رہے ہو؟ اپنی بیوی تو لیتے جاؤ۔“ طوطے نے روتے ہوئے کہا۔

”یہ میری بیوی کہاں ہے عدالت کے فیصلے کے مطابق یہ اب تمہاری بیوی ہے۔“ اس پر الو نے شفقت سے طوطے کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پیار سے کہا۔

”یہ میری بیوی نہیں تمہاری بیوی ہے میں تو تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ“ بستیاں الوؤں کی وجہ سے ویران نہیں ہوا کرتیں بلکہ اس وقت ویران ہوتی ہیں جب وہاں سے انصاف اٹھ جاتا ہے۔“

نجم انجم..... کراچی
اچھی باتیں
○ اپنے آپ کو بدل دو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔

○ انسان مکان بدلتا ہے لباس بدلتا ہے تعلقات بدلتا ہے پھر بھی وہی ہے کیونکہ وہ اپنا رویہ نہیں بدلتا۔

○ رشتوں کی خوب صورتی ایک دوسرے کی بات برداشت کرنے میں ہے بے عیب انسان تلاش کرو گے تو

اکیسواہ جاؤ گے۔

○ زندگی تب بہتر ہوتی ہے جب آپ خوش ہوتے ہیں لیکن زندگی تب بہتر بن ہوتی ہے جب آپ کی وجہ سے کوئی دوسرا خوش ہوتا ہے۔

○ انسان کی وہی کمزوریاں ہیں جتنا سوچے عمل کرنا اور سوچتے رہنا عمل نہ کرنا۔

○ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا چاہتے ہو تو آنسوؤں کو جذب کرنے کا طریقہ سیکھو۔

صدف سلیمان..... شور کوٹ شہر
بے حیا

○ جو قوم بے حیا ہوتی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ جلدی آ جاتی ہے۔

○ کافر کی مہلت لمبی ہوتی ہے بے حیا کی مہلت مختصر ہوتی ہے۔

○ کافر کی پکڑ اتنی شدید نہیں ہوتی جتنی بے حیا کی پکڑ شدید ہوتی ہے۔

○ روزانہ اللہ کا نظام پکار پکار کے اعلان کرتا ہے کہ مغرب ڈوبنے کی جگہ ہے ابھرنے کی نہیں..... مغرب اندھیروں کی جگہ ہے مدوشنیوں کی نہیں۔

نادیہ گل نادیہ سیال..... متحدہ پور
ادبی معلومات

٪ اردو کی پہلی ناول نگار خاتون رشیدہ انسا بیگم تھی۔

٪ اردو کے پہلے جاسوسی ناول نگار ظفر عمر تھے۔

٪ دنیا کی پہلی کتاب 1457ء میں شائع ہوئی تھی۔

٪ دورِ جدید میں غزل کا امام حسرت موہانی کو کہتے ہیں۔

٪ جاسوسی کہانیوں کی ملکہ گاتھا کرشنی تھی۔

٪ اردو ذرا سے کا شیکسپیر آغا حشر کاشمیری کو کہا جاتا ہے۔

٪ اردو کی سب سے پہلی تنقیدی کتاب مقدمہ شعر و شاعری تھی۔

ماہوی یا سہین..... سرگودھا

روزی دینے والا

کہتے ہیں کہ حاتم ایک مرتب سفر پر جانے لگے تو اپنی بیوی سے فرمایا "میں چار مہینے تک باہر رہوں گا تمہارے واسطے کس قدر خرچ مہیا کر جاؤں۔"

انہوں نے جواب دیا "جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے"

حاتم نے جواب دیا "تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں نہیں۔"

بیوی نے جواب دیا "تو میری روزی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں۔" پس حاتم چلے گئے تو ایک بڑھیا نے ان کی بیوی سے پوچھا۔

"حاتم آپ کے واسطے کتنی روزی چھوڑ گئے ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "حضرت خود بھی تو روزی کھانے والے تھے جو کھانے والا تھا وہ چلا گیا جو دینے والا ہے وہ نہیں ہے۔" (سبحان اللہ)

طیبہ نذیر..... شادی والی گھبرات

امید

میتھ ہمیں یہ نہیں سکھاتی کہ خوشیوں کو جمع کس طرح کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ سکھاتی ہے کہ غموں اور دکھوں کو نئی کس طرح گنا ہے

مگر یہ ہمیں ایک امید ضرور دیتی ہے کہ ہر مسئلے کا ایک حل ضرور ہے۔

فریحہ شبیر..... شاہ کھڈر

اللہ

اللہ..... ایک مٹھاس بھرا لفظ جس میں کائنات کی ساری شیرینی سما جاتی ہے۔

اللہ..... وہ نام جو دل کو طمینان آنکھوں کو نور و ذہن کو تسکین زبان کو مٹھاس کانوں کو سرو اور سارے اعضاء کو نئی جلا بخشتا ہے۔

اللہ..... وہ ہے کہ تم اسے فرش پر یاد کرو وہ تمہیں عرش پر یاد کرے گا۔

اللہ..... میرا اور ساری کائنات کا خالق۔

اللہ..... میرا اور سارے موجودات کا مالک۔

اللہ..... میرا اور ساری مخلوق کا رازق۔

اللہ..... زمین و آسمان کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔

اللہ..... ایسا نام جس میں نور ہی نور چمکتا ہے۔

اللہ..... جس کی تعریف کرنے لگیں تو سمندروں کی سیاہی اور درختوں کی قلمیں ختم ہو جائیں مگر اللہ تعالیٰ کی صفات ختم نہ ہوں۔

ناہیدہ شبیر رانا..... رحمان گڑھ

دعا..... قوم کے بچوں کے نام

غموں کی دھوپ کا سایہ پڑے نہ تم پر کبھی تمہارے دل میں ہر اک ست پھول کھل جائیں خدا کرے کہ تمہیں زندگی کی سب خوشیاں رو حیات میں مانگے بغیر مل جائیں شاعر: شبیر حسین

حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

اچھی بات

● بہت سے لوگ جنہیں ہم اچھا سمجھتے ہیں وہ اچھے نہیں ہوتے اور بہت سے لوگ جنہیں ہم بُرا سمجھتے ہیں وہ بُرے نہیں ہوتے۔

● بعض اوقات جو ہم آنکھوں دیکھتے ہیں وہ بات بھی سچی نہیں ہوتی ہر بات ہر اثر مان لگانے سے پہلے خوب تحقیق کر لیں اور کبھی کسی کی بات مان کر کسی کو دکھ نہ دیں۔

پاکیزہ ایمان..... کہر ڈپکا

رکوع اور جدید سائنس

رکوع کے متعلق سر جنرل کا کہنا ہے کہ رکوع سے کمر کے دو کے مریض یا ایسے مریض جن کے حرام مغز میں دم ہو گیا ہوں بہت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

رکوع سے دماغ اور آنکھوں کی طرف خون کے بہاؤ کی وجہ سے دماغ و نگاہ کی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

عظیمی ایوب..... عارف والا

جنت کے پتے نمبر احمد

مریم اشرف..... ماڑی بھنڈراں

رات کے وقت سورج

یورپ کے ملک ناروے کے انتہائی شمالی علاقے

میں 13 مئی اور 12 جولائی کے درمیان سورج
غروب نہیں ہوتا چنانچہ یہاں آدھی رات کو بھی سورج
دیکھا جاسکتا ہے۔

میرا مشتاق ملک..... اسلام آباد

مبسم

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم جب مبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جمائی نہیں لی۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”جمائی شیطان کی
طرف سے اور چھینک رحمن کی طرف سے۔“

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

کاش

کاش مل جائیں مجھے بھی تمہیں لوگ ایسے
جو نہ اپنوں کا نہ غیروں کا نہ اُسو پتے ہیں
میری اس شہر میں تہذیب رہائش ہے جہاں
لوگ سجدے میں بھی اوروں کا نہ اُسو پتے ہیں
راؤ تہذیب حسین تہذیب..... رحیم یار خان

🌹

yaadgar@aanchal.com.pk

افسانجہ

تو جو زندگی میں آیا میری زندگی میں سکون رونق اور
بھینے کا مزہ آ گیا۔ تو نے مجھے دنیا کی اونچ نیچ سمجھائی جب
میں تنہا تھی۔

تو نے مجھے اپنی آغوش میں چھپایا جیسے رات کے
آغوش میں ستارے جیسے پھول کی آغوش میں خوشبو۔

جب تو میرے پاس ہوتا ہے میری دنیا مکمل ہو جاتی
ہے مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔

کبھی آخرت کے بارے میں معنومات کبھی
بیوٹی ٹیپس کبھی پیغام کبھی کام کی باتیں بتاتے ہو کبھی
ہنساتے ہو۔

صرف اتنا کہنا ہے

تیرے نام سے میری زندگی حسین تر ہے

اے میرے پیارے سنا چل!

فرحت اشرف محسن..... سید والا

چہرے کا نقاب واجب یا مستحب؟

ہم لوگ اکثر بحث کرتے ہیں کہ نقاب واجب ہے یا
مستحب؟ لیکن میں سوچتی ہوں کہ کل کو قیامت کے روز
جب ہم ایک ایک نیکی کی تلاش میں ہوں گے تب ہم
شاید رورود کر کہیں گے کہ آخر کیا فرق پڑتا تھا کہ نقاب
واجب تھا یا مستحب۔ یہ تھا تو ایک نیک عمل اور ثواب تو ہم
نے کیوں نہیں کیا؟ میں نہیں جانتی نقاب واجب ہے یا
مستحب۔ میں تو بس یہ جانتی ہوں کہ یہ نیکی ہے اسے
کریں اور ضرور کریں اور اسے پھیلا لیں۔

ایک بات اور آپ حجاب کے جس بھی درجے پر ہوں
صرف اس کا رف لیں یا عبا یا بھی استعمال کریں یا ساتھ
میں نقاب بھی کریں جو بھی کریں اس پر قائم ہو جائیں۔
اس سے نیچے نہ جائیں اور پھر اس کے لیے لڑنا پڑے
تو لڑیں مرنے پڑے تو مرین مگر اس سے سمجھو تا کبھی نہ کریں
مجھے نہیں معلوم نقاب واجب ہے یا مستحب۔ میں تو بس
یہ جانتی ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو پھر مجھے بھی پسند
ہونا چاہیے۔

سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر 304 سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر سنکرہ نمبر اپریل 2015ء

ہا ممکن شہزاد سیانی ہو گئی ہے اچھا لگا (کیا خیال ہے؟) "موم کی محبت" "لو کشمس"۔ آپ اپنے دام میں "کافی انسانی دولت تھا خیر انسانوں کی دنیا میں..... آگے آپ خود سمجھ لیں۔" محبت دل کا سجدہ ہے "سب اس گل کی تائیے گا مجھ کو تو نہیں لیا آپ نے جو رات نکل کا کردار لکھا؟ (ہا ہا ہا)۔" محبت ایسا نغمہ ہے "اس پر تبصرہ اگلے دن کے لیے اٹھا رکھیے۔" تمنا نے "ول" "تائیں" استوری "عالمین کا مطلب کیا ہے؟ کوئی بتا دے۔" "خدا شوق عبادت" میں عباس علی شہزاد عام مردوں سے زیادہ حساس لگا مگر اچھا لگا۔ آف عمار کو بھی تو ٹھکانے لگا میں بیٹا! "موسے کا پھول" "انجی کاوش" "ہا اور" "ہیں" "کواکب" "کچھ" "شمینا سکول" میں ہی بیٹھ کر لکھا تھا آپ نے انسانی بہت مزے کا تھا۔ عائشہ کے اشعار زبردست تھے۔ ماریہ عمر نے بھی اچھا شعر منتخب کیا۔ یادگار لمحے میں عائشہ نور کے "آج کل" بالکل سچ لگے۔ مجھ پگنی ہو عائشہ نور یا مام کا اثر ہے اور حیران ملک سیانی ہو جا میں "مفروضوں کے سہارے عمر نہیں تھی۔ یہ ہوا تو وہ ہوگا..... وغیرہ وغیرہ۔ خیر اچھا لگا" "بھی جو تم" "تبصرے بھی تمام پڑھے مگر جو سب سے زبردست ہے وہ تو اب چھپے گا (ہی ہی ہی) اب آپ مجھے خیر کا مت دکھائیے گا بڑی امیدیں وابستہ ہیں او کے اللہ حافظ۔

بہا ڈیر عائشہ اگھتہ دو لپسپ انداز میں لکھا آپ کا تبصرہ پسند آیا۔

نورین شفیق..... ملتان۔ السلام علیکم شہلا آبی ایجنڈ ڈیر بیاری پیاری کڑیو! کیسی ہوسب؟ اللہ کرے فحک اور خوش باش ہوں آمین۔ میں بھی اللہ کے کرم سے ہانکل ٹھیک ہوں ہاتھ پیر یا سائل بعد استری و سے رہی ہوں وجہ 5 جنوری 2014 کو شادی ہوئی شادی کے بعد مصر و فیات بڑھ گئیں ڈسٹریاں سر پر پڑ گئیں مگر آج کل کو بھڑکی نہیں چھوڑا۔ پہلے جوا گل ایک دو دن میں چپت ہو جاتا تھا وہ دھتے بھر میں ختم ہونے لگا پھر 12 ستمبر کو پیارے سے شہزادے کی ممان کی پھر اور مصر و فیات۔ بیٹے کا نام ازعان ہے میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے میرے سا کسی کے پاس چپ ہوتا ہی نہیں۔ میری ساس کہتی ہیں جاؤ بیٹے کو پکڑ کر بیٹھ جاؤ چلو جی کرے میں بیٹے کو گود میں لیا رسالہ ہاتھ میں لیا اور کام شروع اب وہی آج کل دو تین دن میں ختم ہو ہی جاتا ہے۔ سب سے پہلے "کروں سجدہ ایک خدا کو" سیدہ غزل آبی اتنا پیارا لکھا دل کیا کاش آپ میرے پاس ہوتیں آپ کے ہاتھ چوم لیتی مجھے اس کہانی کے ڈائلاگ بہت پیارے لگے خصوصاً اس وقت جب اذان پیدا ہوتا ہے جب دانیال اپنے بیٹے کو کہتا ہے میں نے تمہارا نام اذان رکھا ہے اس کے بعد گی ساری لائیں اتنی پیاری لگیں کہ حد نہیں۔ انشا آپ کو اور زیادہ علم عطا فرمائے آمین اور مریم آبی! آپ نے اتنا زبردست ناول لکھا بھی بھولنے والا نہیں۔ دل کیا آپ کو گلے لگاؤں چنا چپت منہ چوم لوں مگر ہائے اسوس حسرت ہی رہی۔ تصور میں سب کچھ کر لیا یہ کیا آپ نے کہا کہ میرے کیریئر کا احتشام ہے اس جملے کے بعد دل ڈوب گیا پلیز ہمارے ساتھ اتنا ظلم نہ کریں آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں پلیز پلیز ایسا نہ کریں۔ میری دعا ہے انشا آپ کو دنیا اور آخرت دونوں میں سکھ اور سکون دے۔ سیرا آبی پلیز کہانی کو تیزی سے آگے بڑھائیں جب یہ کہانی شروع ہوئی تھی میری شادی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اب شادی بھی ہو گئی ہے ایک بیٹا بھی ہو گیا ہے کہانی وہیں محوم رہی ہے۔ پتھر شہزاد اور انا کے ساتھ خصوصاً رابعہ کے ساتھ کچھ برائیاں ہونا چاہیے بس اب وہید اور انا کی بھی شادی کروادیں رابعہ اور عباس کو ایک کر کے تانبہ ہوا کے ماز کھول دیں مزید صبر نہیں ہوتا۔ پلیز عفت آبی! کہاں کہاں ہیں آجائیں میں آپ کو یاد کرو رہی ہوں جلدی سے کوئی اچھا سا ناول لکھیں۔ باقی سب کو سلام اور دعا میں اللہ حافظ۔

بہا ڈیر نورین! شادی اور شہزادے کا ماں اعزاز پانے کے لیے ڈیر میر ساری مبارک باد سدا خوش اور سہاگ رہو آمین۔

ارم کمال..... فیصل آباد۔ پیاری شہلا جی سدا خوشیوں کے ہندولوں میں بھولا بھولیں آمین آج کل کے تمام اسٹاف کو درجہ بدرجہ سلام۔ ہر صبح آج کل کے آنے سے پہلے اتنی خوشی ہوتی ہے گویا قارون کا خزانہ ملنے والا ہو جیسے ہی مارچ کا شمارہ ملارگ وے میں سکون کی لہریں سرایت کر گئیں۔ ماڈل کا نیچر لیا انداز دل کو کھار ہا تھا۔ درجہ جواب آپ میں مجھے غائب کر کے اچھا نہیں کیا خیر کوئی بات نہیں۔ دانش کہہ ہم انسانوں کے لیے جرائم کش دوا کا کام کرتا ہے۔ ہمارا آج کل میں طوبی صدیقی کی معصوم ہائیں مزادے گئیں ماریہ چوہدری نے بھی حنا کیا۔ سلسلے دار ناول "موم کی محبت" میں شرمین تم عارض کو بری یاد مجھ کے بھلا دو اور بوٹی کو اپنی ہر اسی بخش روز یا اور صفدر کے قاصد اب بچ رہی مٹائے گا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" میں جہاں مصطفیٰ اور شہزاد کی طرف سے دل شاد ہوا وہیں پران کی ٹگر سے رات بھر نیند نہیں آتی۔ "محبت ایسا نغمہ ہے" افراد صغیر احمد کی بے مثال تحریر بھی بقیہ حصے کا انتظار شروع کرنا ہے۔ "آپ اپنے دام میں" احتشام نے زبردست ڈرامہ کر کے ہازی ماریہ ویسے بھی محبت اور جگ میں سب چلتا ہے۔ "شب گزیہ عمر" نے دل بھولا کر دیا۔ "چمن خسرو کا" فریاد نے اپنی طرف سے محبت کی بے مثال قربانی دی لیکن وہ حقیقت میں شیریں کے دل کی برادری بن گئی۔ "محبت دل کا سجدہ ہے" اچھا لگا اور برائی کی جگ جو راتیں لڑنے چلی ہے دیکھیں

کون جیتتا ہے؟ ” ہیں کواکب کچھ“ نے مزاح کے عنصر کے ساتھ ساتھ نام نہاد اونچے اسٹیٹس والے اسکولوں کا پول کھول دیا۔ ”نقرئی پیالہ“ نیوی کے پیاری آخری نشانی بھی ظالم زمانے نے چھین لی۔ بیاض دل میں ام حنت غشاء پوشا عانتہ صدیقہ اور عزیزہ یونس جودھڑ کے اشعار اے دن رے ڈش مقابلہ میں ساری ترکیبیں پڑھ کر منہ میں پانی آ گیا مگر ہا ایک بھی نہ سکی کیونکہ گیس کی لوڈ شیڈنگ سے معمول کی ہنڈیا کا نام بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ نیرنگ خیال میں ماریہ کنول مانی فریدہ جاوید فری نیئر رضوی نورین لطیف اور سیدہ فرزین حبیب کی غزلیں نظروں سے ہوتی ہوئی دل میں ساکنیں۔ دوست کا پیغام آئے میں سب کے مزے کے پیغامات پڑھ کر دل خوش ہوا۔ شزابوح آپ کے سلام کا بہت بہت شکریہ۔ یادگار لمحے میں عانتہ پر ویز روٹی علی راجہ چوہدری اور عالمہ مریم نواز کے مراسلات حاصل مطالعہ ٹھہرے۔ آئینہ میں سب کے کئے ٹیٹھے تھرے پڑھے۔ شبانہ امین راجپوت کا تبصرہ پہلے نمبر پر پڑھا شینہ مغل آپ کو میرے مراسلات اور پروین افضل شاہین آپ کو میرے اشعار پسند آئے ہذاک اللہ۔ ہم سے پوچھتے ہیں جاز بہ ضیافت عباسی سحرش بٹ خدیجہ نور اور پروین افضل شاہین کے سوالات نے سماں پاندھ دیا۔ کام کی باتیں بہت ہی مفید اور کاٹا مہ ہیں کافی ساری مصنوعات ان سے فی الغرض مارچ کا شمارہ چودھویں کے چاند کی مانند اپنی کرنوں سے ہمارے قلب کو نور کر گیا اچھا جی رب راکھا۔

ٹھہرنا بہت..... لاہور۔ شہلا جی اسلام علیکم اور حمت اللہ برکات! سب سے پہلے تو آپ کو گل کی سہاگن کی سہاگن بہت مبارک ہو آپ نے میری تحریر ”ہیں کواکب کچھ“ کو مارچ کے شمارے میں جگہ دی بہت شکریہ۔ یقین مانتے ڈھیروں ڈھیروں خون بڑھ گیا میرا ایک خواب جو پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ مارچ کا شمارہ سب معمول بہترین اور شاندار رہا 24 فروری کو ملا اور اپنے ساتھ میرے لیے بہت اچھی خبر لایا ”میری میری کہانی“ بھی شائع ہوئی خوش تو ہونی تھا جزاک اللہ۔ افسانے سب ہی اعلیٰ تھے مگر سب سے اچھا مہنا جاوید کا ”شب گزیدہ سحر“ رہا بہت خوب صورت حساس اور دل کو چھوئی ہوئی کہانی۔ سیدہ برہیس ریاب کا ”سوچیے کا پھول“ بہت اچھی کاوش تھی تو عمر لڑکیوں کے لیے بہت سستی آواز تحریر۔ سحرش فاطمہ کی ”ہمدردی وہاں جان“ اچھی کھٹکی کہانی تھی میرے اندر بہت گہرا سبق لیے ہوئے تھی۔ واقعی سب دکھائی جانے والی چیزیں حقیقت پر مبنی نہیں ہوتیں۔ کچھ تو ایسا ہوتا ہے جس کی پردہ داری ضروری ہو جاتی ہے۔ شمشاد اختر کا ”نقرئی پیالہ“ غریب کے خواب اور ادھوری خواہشوں کی رخ اور سچی تصویر جو اٹکھا گئی۔ تمثیلہ زاہد کا ”اپنا گھر“ واقعی عورت کو اینٹ پتھر گارے سے بنے مکان کو گھر بنانے والوں کے سینے جاتا ہے مگر وقت آ کر تک اسے یقین ہی نہیں ہو پاتا کہ یہ گھر اس کا ہے بھی کہ نہیں اور ویل و نل حقیقتاً جزاک اللہ۔ کوشل کی ”کئی گھر ہیں“ اچھی کاوش تھی۔ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔ ”محبت دل کا سجدہ“ سہاس گل کا ناول اعلیٰ سپر بہترین۔ سہاس گل ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لکھ رہی ہیں جزاک اللہ۔ سلمیٰ غزل کی ”آپ اپنے دام میں“ ویری ویل و نل ماشاء اللہ بہت خوب۔ بانی تمام رائٹرز نے بھی بہت اچھا لکھا اللہ رب العزت سب کے کلمہ کو اور زیادہ روایتی عطا فرمائے اور زیادہ خوب صورتی اور طاقت بخشے آمین آمین۔ فی اللان اللہ۔

ہم شمیم اب آپ کو اور بہت سخت محنت کے ساتھ کھینے کو کوشش کرنی ہوگی آپ اپنا افسانہ پڑھنے جو آپ نے لکھا اور جو چھاپا اس میں دیکھیں مدبرہ نے کہا کہا کیا تہدیلی اور کس انداز میں کی ہے۔

سامعہ ملکت بیویو۔۔۔۔۔ خان بیوہ ۵۰۔۔۔۔۔ قابل لائق حسینہ آگل اسٹاف قابل عزت قارئین کرام اور مائی آل پاکستان اسلام علیکم! آتے ہیں آگل پر جگمگ کرتے چمکتے دکتے مستقل اور سلسلہ دار ستاروں کی جانب تو جناب سب سے پہلے حمد و نعت اور دانش کدہ سے فیض یاب ہوئے پھر سلسلہ دار ناول کی جانب پڑھے ”میرا آبی پلیز اب شہدائے مجس اور ہمارے صبر کو اور مت آزماؤ۔“ ”موم کی محبت“ میں شرمین کا کردار محبت کے معاملے میں بار بار ناکامی آف دل توڑ کر رکھ دیا۔ سہاس گل اور اقراء صغیر کے ناول اچھی زیر مطالعہ نہیں آئے ان پر تبصرہ بعد میں ہوگا۔ ثویہ فاطمہ رضوی اور پنا علی کے ناول بھی اچھے رہے اس بار افسانوں کی بھرمار رہی سب کے سب سستی آموز اور دلچسپی کے بے شمار عناصر بدرجہ اتم موجود تھے اور افسانہ رائٹرز کے نام دیتے ہوئے میں سوچ رہی ہوں کاش میں بھی لکھ سکوں تاہم..... ہزاروں خواہشیں ایسی (ہاہاہا)۔ مستقل سلسلوں میں بیاض دل میں ام حنتہ فیدہ جٹ علیو سے ارشدہ بچہ نورین نورین لطیف کے اشعار دل کو بھاگنے۔ نیرنگ خیال میں عمران فائق ماریہ کنول مانی چندا چوہدری ”میرا غزل صدیقی“ ”میرا قریشی“ ”میرا نوشین“ ”نیر رضوی“ ”فیصحا“ ”صف خان“ خالد ایاز ”صح مسکان اور سیدہ فرزین کا کلام زبردست رہا۔ یادگار لمحے میں سب کے مراسلات بہت اچھے تھے۔ اسلامی ذخیرہ معلومات نے معلومات کا نیا اور اٹکھا جہاں دکھایا۔ خدیجہ انکبری کے نوکے پسند آئے لیکن مجھے خدیجہ ہی چاہیے اس پر آزاؤں کی آئینہ میں سب کے تبصرے جاندار تھے شبانہ امین

اور ارم کمال کے تفصیلی تبصرے اچھے لگے۔ ارم کمال آپ نے میرے مراسلات پسند کیے از حد شکر یہائی ڈیئر۔ میرا مشتاق ملکۃ فخر آلوگ نام ڈٹری ماری کہاں تھیں آپ؟ اچھا لگا آپ کا آنا کھنے بیٹھے سوال و جواب کا سلسلہ بھی اپنی مثال آپ رہا۔ حنا احمد کام کی باتوں کے سنگ حاضر تھیں کالی اچھی اور مفید مضامین دسیے کا شکر ہے۔ اب مجھے اجازت دیں اس دعا کے ساتھ کہ جہاں رہیں خوش رہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں صحرا مستقیم پر چننے کی عظیم سعادت سے سرفراز فرمائے آمین اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر صاحب! آپ کا جاسم تبصرہ پسند آیا۔

طیبہ نذیبہ..... شادی وال گجرات۔ اسلام علیکم! آج کل مجھے 23 کو مل گیا تھا نائل بس سو سو تھا سب سے پہلے ہم نے آئی قیصر آرا کی سروشیاں سننی اتنی زیادہ کہانیاں دیکھ کر ہم تو بے حد خوش ہو گئے تھے سب سے پہلے حمد و نعت سے مستفید ہوئے پھر دانش کدہ میں جھانکا تو مشتاق نائل بہت اچھی اچھی باتیں بتا رہے تھے۔ ہمارا آج کل میں چاروں بہنوں سے مل کر بہت اچھا لگا ناز یہ کنول جی کی آخری پیش بہت اچھی لگی۔ سلیسے وارنہ لڑکی طرف بڑھے تو راحت دکانے روک لیا۔ صفد کتنا چھردل ہے اور زیبا کتنی صابر ہے ایسے لگتا ہے جیسے صفد نے آنکھیں اور کان بند کیے ہوئے ہیں بوبلی کا پاگل بن دیکھ کر تو ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ شرمین کو خوش رکھے گا۔ شرمین کو چاہیے بوبلی کو اپنالے (اور سچ احمد کی اسٹوری کا دی ایڈ کرویں) بیماریاں کھڑا ہونی چاہیے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" مسجور اور مصطفیٰ میں سب کچھ ہو گیا ہے بہت اچھا لگا اسٹوری پڑھ کر لید نے اچھا کیا ہے اتنا کو پھڑنگا کے سٹی ہی نہیں ہے کوئی بات تو لیکن یہ کیا کھلنے نے اتنا کواٹھا کر لیا ہے یہ نہ ہو کہ کھلنے اتنا کو کوئی نقصان پہنچائے۔ ہاں ایسا نقصان ضرور پہنچائے جس سے اتنا لید کو کچھ سمجھ سکے۔ ناولٹ نائل اول انسانی سب بے حد زبردست تھے میرے پاس الفاظ نہیں اس دفعہ کا آج کل اتنی زیادہ کہانیاں سے بھر پڑا ہے بہت مزا آیا سب بہنوں نے لاجواب لکھا ہے۔ بیاض دل میں منشا یوسف شمن گیلانی این صمد جی فرحان علی عاشر صدیقہ معززہ یونس شگفتہ خان عاشر نور عاشرہ بی نورین۔ ڈش مقابلہ میں عربین راس بہت اچھے لگے بیوی گائیڈ میں فائزہ اسلمہ آپ نے بہت اچھا لکھا۔ نیرنگ خیال میں عمران فائق ماریہ کنول حمیرا انوشین شمع مسکان نورین لطیف سیدہ فرزین حبیب چنداچھ ہندی عاصی اللہ عنایت آپ سب نے بہت اچھا لکھا۔ بلکہ پورے کا پورا نیرنگ خیال بہت زبردست (لیکن میں شامل نہیں گی) افسوس۔ یادگار لمحے میں محمد امین ساجد عاشر نور عاشرہ شاہ جازبہ ضیافت عاشرہ پرویز رو بی علی عالمہ مریم نواز سب نے اچھا لکھا لیکن جلدیجوت بلکہ بری قسم سب آپ نے تو تمہیں لگانے پر مجبور کر دیا۔ عینہ میں جھانکا تو ہمیں شبنم امین راجپوت ارم کمال شہیدہ حفصل معززہ یونس افرام لیاقت لائبہ مہر مودنا شاہ فریسی ان سب کا تبصرہ بہت پسند آیا۔ کام کی باتیں میں ماہ رخ بتول بڑی کام کی باتیں بتائیں آپ نے آج کل کے درمیان میں شیریں گل (من) آپ کا ہی تعارف تھا بہت زبردست تھا آپ کی ساری عادتیں میرے ساتھ کچھ ہیں آپ کی طرح بیٹھا میں بھی بہت کھالی ہوں۔ آج کل کی سالگرہ سب کو بہت بہت مبارک ہو میری دعا میں آپ کے ساتھ ہیں اللہ حافظ۔

☆ دعا کے لیے جزاک اللہ۔

پروین افضل شاہین..... بھاؤنگر۔ بیاری باجی شہلا عاشر صاحبہ اسلام علیکم! آخرت موجود آج کل کو سالگرہ مبارک ہوا آج کل کا سرور تہیہ ہمیشہ جازبہ نظر ہی ہوتا ہے نالہ اور افسانوں میں آپ اپنے دام میں اپنا گھر محبت دل کا جگہ محبت ایسا نغمہ ہے تمہارے دل شب گزیدہ بحر کئی گہریں حرف زندگی "پسند آئے۔ سیدہ جیا عباس حمیرا انوشین امدیح نورین ملک کے اشعار فریدہ جاوید فری فیصحا صف خان شمع مسکان کی غزلیں۔ فائزہ معنی شرا ابو جی شازبہ فاروقی کے پیغامات ارم کمال رشک وفا فریدہ شہیر کے سوالات پسند آئے۔ شازبہ فاروقی آپ کو ہر سلسلے میں دیکھتی ہوں تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ ایم ایس آپ کو میرے سوالات پسند آئے ہیں بہت شکر ہے۔ ارم کمال! کیا آپ کے میاں بھی میرے میاں جیسے جل لگتے تو نہیں ہیں؟ شازبہ فاروقی ایسا جانتے چکے سے نکاح بھی کر لیا واہ جی واہ ڈیروں مبارک ہا تو قول فرمائیں۔ میری دعا میں آپ کے ساتھ رہیں گی۔ جتنا عالیہ! آپ کی ای کی وفات کا پڑھ کر بہت ہی دکھ ہوا ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی ای کو جنت میں جسدے عاوت آپ کو لو انوشین کو بھر بھیل آمین۔

☆ بری بات سار میاں جی نے پڑھ لیا تو.....

کے ایم نور المثل..... کھڈیاں خاص۔ سب سے پہلے حمد و نعت سے دل جان کو معطر کرتے ہوئے دانش کدہ پر پہنچے وہاں سے حمد و نعت کے موتی جن کر سیدھے "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھا معلوم ہوا شہبازی ذات انجی بری اللہ منہیں ہوئی۔ "موم کی محبت" اچھی نہیں لگی لیکن ہمیں تو ایسی بری بھی نہیں لگتی (ہا ہا)۔ چونکہ کوئی بات نہیں ہم بھی اچھی آج کل کے درخشاں ستارے ثابت ہوں گے (ہا ہا)۔ "تمہارے دل" بھی اچھی تحریر تھی لیکن سچی سوز نہیں لگی۔ "خدا شوق عبادت" لفظ لفظ سوتی خوب صورت لفظوں کی مالائی

قاری ہوں اور آج کل میں نکتے کی خواہش کافی عرصے سے دل کے کسی گوشے میں محفوظ تھی لیکن "مجھے ہے حکم اِذَا" نے نظم اٹھانے پر مجبور کر دیا ویل ڈن ام مریم جی! بہت زبردست تحریر تھی اور آج کل میں تمام اسٹوڈینٹس بہت اچھی ہوتی ہیں اللہ حافظ۔

☆ شہزادی خوش آمدید۔

شہزادی شاہانہ..... نواب شاہ، سندھ۔ اسلام ٹیکم! شہزادی کیسی ہیں آپ دعا اور امید سے تمام اسٹاف ریڈر اور رائٹرز خوش و خرم ہوں گے، پہلی بار شرکت کی وجہ سے کافی حیرت کا شکار ہوں۔ مارچ کا شمارہ 22 فروری کو مل گیا تھا سردی پسند یا ساری تحریریں ہمیشہ کی طرح بہت تھیں مگر نظم اٹھانے پر مجبور "چمن خسرو کا" نے کیا۔ ہم شاعر لوگ اس طرح کی تحریر بہت ہی دل سے پڑھتے ہیں اور جی بھر کر دیتے ہیں۔ ذہن مغل جی آپ کو اتنا اچھا لکھنے پر بہت مبارکباد۔ اب آتے ہیں "خدا عشق عبادت" کی طرف پڑنا عالیہ جی یہ تو ہمیں اپنا ہی عکس نظر آیا۔ ہم بھی تو یونہی پاگل ہیں، محبت میں راہی کی دیوانگی نے بہت جگہ اپنا آپ دکھایا ایڈیٹر سندھ میں آیا۔ عمار کے ساتھ یہ نہیں ہونا چاہیے کیا تھا اگر مومن اسے مل جاتی۔ عباس اور راقم تک کہانی سپر گی۔ اب اجازت دیجئے اللہ حافظ۔

☆ شہزادی خوش آمدید۔

ثویبہ بلال صبح..... ظاہر بیو۔ اسلام ٹیکم! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے، آج کل کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو! اب آتے ہیں مارچ کے آج کل کی طرف سب سے پہلے اپنی نظم دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اس کے علاوہ آج کل کے تمام سلسلے شاعر رہے۔ سلسلہ وار "نونا ہواتارا" میں ابھی تک کہانی خاص آگے نہیں چلی۔ "موم کی محبت" شروع میں اچھی لگی زیبا کا تعلق عارض سے ہوگا۔ سیاست گل کا نام پڑھ کر اچھا لگا نو پک تو پراتا ہے پڑھنے والی لڑکی مذہبی ہوتی ہے خیر آگے دیکھتے ہیں نیا رنگ کیا ہے! ابھی باقی کہانیاں نہیں پڑھیں اور افسانے میں پڑھتی نہیں نظمیں، نثر شاعری اچھی لگی اور باقی سلسلے بھی عمدہ تھے۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ اجازت اللہ حافظ۔

☆ شہزادی خوش آمدید۔

مدیحہ نورین مہلک..... یونالی۔ اسلام ٹیکم! آپ کی کیسی ہیں؟ امید ہے آپ اور تمام بڑھنے والے ابھی ٹھیک ہوں گے اور آج کل ماشاء اللہ بہت بہت جا رہا ہے، نازیبا پی جھکے پائی شاعری میں نے آپ بہت ناس لکھتی ہیں۔ شاہین برتھوڑے مبارک ہو! کوماہی اور لہان میر سونے جیسے رنگ میں دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان۔ اسلام ٹیکم! شہزادی سب سے پہلے میری طرف سے آپ کو تمام رائٹرز اور قاری بہنوں کو آج کل کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ بات ہو جائے آج کل کی تو اس بار بے انتہا انتظار کے بعد 28 کو ملتا تو جلدی سے رد جواب میں بھیجا لگا، ارے یہ کیا؟ قیصر آ پانے تو ہمیں جواب ہی نہیں دیا تو وہاں سے سیدھا یادگار لکھنے کی طرف آئے یہ کیا یہاں پر بھی ہمیں شامل نہیں کیا۔ اچھا جی باقی جو بھی شامل تھی سب نے اچھا لکھا پھر وہاں سے اچھی اچھی باتوں سے فیض یاب ہوئے اور سیدھے دوستوں کے پیغام کی طرف آئے یہ کیا؟ ہمارا خط تو منظر سے بھی غائب تھا پھر سبھی دوستوں کے پیغام پڑھے اور اچھا لکھی جو تک اٹھنے شہزادی بلوچ نے ہمیں بھی سلام بھیجا، شکر ہے شہزادی خوش کر دیا سلام کا جواب دیا اور فوراً آئینہ دیکھنے چلی آئی کہ شہزاد نے جو خوشی دی ہے اس کی چمک ہمارے چہرے پر ہے یا نہیں گم کر دیا؟ ارے یہ تو ہم ہی تھے جو بڑے مان سے آئینہ میں تھے آئینہ دیکھ کر وہاں موجود بھی سے ملاقات کی اور شہزاد سے دعا لیتے ہوئے فوراً اپنے فہرست تاول "نونا ہواتارا" کی طرف آئے۔ مصطفیٰ بھائی اور شہوار کو خوش دیکھ کر ہماری خوشی دگنی ہو گئی۔ ایاز کی گرفتاری کا جشن منایا پھر اچھا لکھی خبر ملی ہماری مصموم اتا اس ظالم کا دلہ کی قید میں..... لہنو پلیز سمیرا آئی! اسے جلدی ہی کا دلہ کی قید سے چھڑا لیں باقی سبھی سلسلے اچھے تھے لیکن مریم آپی اور نازی آپی کی کمی بہت محسوس ہوئی لیکن نازی آپی آپ نے بہنوں کی عدالت میں میرے سوال شامل نہیں کیے۔ اب پلیز اور انتظار نہ کر دیا میں اور جلدی سے اپنے نئے تاول کے ساتھ انٹری دیں۔ باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے آخر میں اپنے ڈیرہ والیوں سے یہ کہنا چاہوں گی کہ باآپ بھی نیند سے جا گوارا آج کل میں جلدی سے انٹری دو! اللہ حافظ۔

تذلیلہ افضل..... گائوں بکنان والا۔ اسلام ٹیکم! سیدہ رحمتہ بركات! میں ای میل کے ذریعے "کروں مجددہ ایک خدا کو" کی رائٹرز کو منتخب کرتا ہوں صرف یہی کہنا چاہوں گی کہ اللہ کرے وہ بڑا قلم اور زیادہ۔ تاہم کئی نازی کو اتنی زبردست تحریروں پر مبارکباد دینا چاہتی ہوں اور رائٹرز سے درخواست ہے کہ وہ اس پر زرا ہاتھ ہولا رکھیں کیوں کہ آج کل کو ہر عمر کے لوگ پڑھتے ہیں۔

☆ 310 نمبر مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر مسکروہ نمبر اپریل ۲۰۱۵ء

نازیہ کنول اگر آپ کچھ ناول بخدا اور ڈھاکا کی تاریخی پس منظر کو بھی سامنے رکھ کے لکھیں تو کیا ہی بابت ہے۔ دعاؤں کے ساتھ اجازت دیں اللہ حافظ۔

ثناء..... صادق آباد۔ اسلام علیکم! میں تو کئی ماہوں میں گزر گئے آج کل کی ہم راہی میں مگر کبھی خط نہ لکھا اس لیے اب تک خاموش قاریوں کی فہرست میں شامل تھی اس بار جب کاغذ توڑتے ہوئے کچھ لکھنے کی ٹھانی آج کل کا معیار بہت اچھا ہوتا جا رہا ہے تمام سلیبلے لاجواب ہیں۔ تاریخ کا شمارہ 21 تاریخ کو ملا سردق دلکش اور اچھا تھا کہانیوں میں سب سے پہلے "نوٹا ہوا تارا" پڑھی۔ پچھرا انداز میں لکھی گئی یہ تحریر مجھے بہت پسند ہے جاتی تحریر بھی بہت اچھی ہوتی ہیں نازیہ جی کا ناول جلد منظر عام پر لائیں۔

میرزا شیر شاہ خوش آمدیاب خاموش نار ہیں گا۔
رضوانہ ہاشم..... شجاع آباد۔ اسلام علیکم! کسی ہوشیلا آبی میری طرف سے پوری آج کل نیم کوا نجل کی سال گمرہ مبارک ہو۔ مجھے آج کل بہت پسند ہے اس میں تمام خوبیاں موجود ہیں جو کسی اور رسالے میں نہیں ہیں اور آج کل کے تمام راسخز بہت اچھا لکھتے ہیں۔ مجھے میرا آبی کا ناول بہت پسند ہے ام مریم نے بہت زبردست ناول لکھا تھا میری طرف سے آپ کو بہت مبارک ہو اللہ حافظ۔

منوذر رضوانہ خوش آمدید۔
وثیقہ زمرہ..... سمندری۔ اسلام علیکم! آبی جی کیا حال چال ہیں؟ سب بہنوں کو پیار بھرا سلام آج کل 27 تاریخ کو ل گیا سب سے پہلے بہنوں کی عدالت بڑھا نازیہ کنول نازیہ کے جواب بہت خوب صورتی سے دیئے گئے تھے۔ نازیہ آبی آپ کا جواب دینے کا اعزاز بہت اچھا لگتا ہے "نوٹا ہوا تارا" شہوار اور مصطفیٰ کے درمیان اب کوئی شائے تو اچھا ہے میرا آبی اب وہ یہ کہہ نہیں سکتی دیں بہت مری لگتی یہ اتانے کا لہو کے ساتھ جا کر بہت بڑی غلطی کی ہے "سوم کی محبت" غرض پر بہت غصہ آتا ہے کم از کم شرمین سے بات تو کر لیتا صحیح امر سے لٹنے کے بعد خود ہی فیصلہ کر لیا آبی شرمین کی شادی بولی سے کروا دیں محبت ایسا لہو ہے دوسرا حصہ پڑھنے کے بعد تہرہ کریں گے۔ "تمنائے دل" اور "خدا عشق عبادت" ہے "پسندائے ناولٹ دونوں ہیٹ تھے۔ فریسیں تقسیم اور یادگار لمبے بہت اچھے نکتے ہیں ڈش مقابلہ رس ملائی پسند آئی کیونکہ مجھے شٹھا بہت پسند ہے۔

ہیزا اب..... قصور۔ اسلام علیکم! شہلا آبی کسی ہیں؟ میرا آبی آبی کی عدالت دہنگی آبی ملاقات نہیں کی۔ جی تو اب آتے ہیں اپنے پیارے نجل کی طرف نائل کیوٹ تھا اور اس کے بعد نازیہ آبی کی عدالت دہنگی اچھی گی نازیہ آبی تو تخت پر چڑھ کر بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ عام طور پر عدالت میں جواب دینے والا کٹھنرے میں کھڑا ہوتا ہے پھر بھی اچھا لگا۔ "سوم کی محبت" راحت و قفا بھی اگر آپ نے انامیں تو ایک بات کہوں اس ناول کو جلد سے جلد ختم کر دیں اور کوئی اور پیار سا ناول لکھیں اور "نوٹا ہوا تارا" میرا فورٹ ناول میرا شریف طہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ "ٹھیک نیا نجل کو پینا ناول دے کر اسے اتنا خاص بنانے کے لیے لیکن شہوار اور تابندہ کے ماضی سے جلد پردہ اٹھائیے۔ نجل ناول تینوں اچھے تھے اور انسانوں میں "شب گزیرہ" سحر بڑھ کر بے اختیار رون آ گیا ایک ماں کی بے بسی دیکھ کر جی چاہتا ہے پیارے پھولوں کو نوچنے والوں کو اگر میرے بس میں ہو تو اسکی سزائیں دوں کہ وہ روز سچ ہیں اور روز جیس۔ سیدہ بر جیس رہا اب کا "سومے کا پھول" بڑھ کر بہت ہی اچھا لگا۔ خاص طور پر نوری کا قاطرہ کو سمجھانے کا انداز واقعی کسی کو اچھے انداز میں سمجھایا جائے تو بھنگ ہی نہیں سکتا لیکن اگر کوئی سمجھتا چاہے تو۔ ہالی سارے افسانے بھی خوب صورت تھے۔ دوست کا پیغام ہر دفعہ پڑھنے بیٹھ جاتی ہوں کہ کوئی میرے نام بھی پیغام آتا ہے پھر خود ہی مسکراتی ہوں کہ مجھے کس نے یاد کرتا ہے آئینے میں بھی ایک دوسرے سے بڑھ کر بول رہے تھے اچھا لگا۔ پاکستان کی خوش حالی اور امن کے لیے دعا کرتے رہیں اللہ تعالیٰ میرے وطن کو پرسکون اور پر امن بنائے آمین ثانی امان اللہ۔

منوذر میرزا اب خوش آمدید۔
اب اس دعا کے ساتھ اگلے ہفتے کے لیے رخصت کر دے ڈو اللہ مال ہم سب کو اپنی رخصتوں کے آج کل تلے رکھے آمین۔



aayna@aanchal.com.pk

سنگره نمبر 311 اپریل 2015ء سنگره نمبر 311 اپریل 2015ء سنگره نمبر 311 اپریل 2015ء

ج: جی ہاں ضرور وہ بھی جس کتا کے گدھا لگا ہو۔
س: آج کل بہت اداس ہیں ان کے.....

ج: آپ اپنے ان کے کا سوچیں دوسروں کے ان پر
غور مت کریں۔

س: میری دوست مجھے ہر وقت رلاتی ہے میں کیا
کروں آپی؟

ج: جھوٹ بولنا اور اس کی چیزیں کھانا چھوڑ دو۔

س: آپی یقیناً آپ کا دل چاہ رہا ہوگا مجھے
روک لینے کو؟

ج: ایمان سے بالکل بھی نہیں بلکہ سوچ رہی ہوں کہ
تم کتنے پیسے لوگی گی جانے کے۔

س: آپ کے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر لائی
ہوں شوہر آئی!

ج: کتنا کم سن لگاتی ہو لیکن پھر بھی مجھ پر اثر نہیں ہوتا۔

س: آپ کس کو روٹ کریں گی میل کو یا بی میل کو؟

ج: تم جیسے میل کو خوش۔

س: آپی اجازت چاہتی ہوں دل تو نہیں چاہ رہا
مگر.....؟

ج: ضرور جاؤ میں نہیں روکوں گی البتہ کرایہ بھی رکھ لو۔
کہا یہ نور اللہ مال..... کھنڈیاں خاص

س: آپی! لوگ کہتے ہیں تم کام کے وقت گدھے
کے سر سے سینک کی طرح غائب ہوتی ہو اب آپ ہی
بتائیے بھلا گدھے کے سر پر بھی کوئی سینک ہوتے ہیں؟

ج: ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو تمہارے سر پر نظر بھی
نہیں آ رہے۔

س: آپی کام کا نہ کاج کا بھلا اس محاورے کو لازمی
ایجاد ہونا تھا؟

ج: اگر نہیں ہوتا تو آپ کی امی آپ کو دشمن اناج کا
کیسے کہتیں۔

س: آپی کیا آپ بہت زیادہ سخی نہیں ہو گئی ہیں کہ
مفت میں ہمیں شوہر اور ساس عنایت فرمادیں؟

ج: تمہیں سزا دینے کے لیے یہی تجویز

مناسب تھی۔
شبانا شین راجپوت..... کوٹ راجہ کاشن

س: آپی چار سو بیس کا کیا مطلب ہے؟

ج: جو کچھ تم کر کے اپنا مطلب نکالتی ہو اس کا وہی
مطلب ہے۔

س: آپی میں نے سنا ہے آپ چھپکلی کو دیکھتے ہی بے
ہوش ہو جاتی ہیں؟

ج: نہیں تو..... دیکھ لو تمہیں دیکھ کر ویسے ہی
بینھی ہوں۔

س: آپی! ایس کے کا کیا مطلب ہے؟

ج: مطلبی انسان ایس اپنے مطلب کی بات
کرنا تم۔

س: آپی دو اور دو چار نو دو گیارہ اور ایک اور ایک بھی
گیارہ بھلا یہ کیا؟

ج: اس کا مطلب ہے کہ آپ بھی ہو جاؤ نو دو گیارہ۔

س: آپی جی آنجل کی سالگرہ کے موقع پر آپ آنجل
فیملی کو کیا پیغام دے رہی ہیں؟

ج: سدا آنجل کے سائے تلے خوشیاں بانٹو۔
حراق قریشی..... بلال کالونی ملتان

س: ڈیرا ایسا! بہترین تحقیق کا چیکر کب وجود میں
آتا ہے؟

ج: ماں کی متا کا پیکر نور نظر کیونکہ یہی رب کی
بہترین تخلیق ہے۔

س: ایک بات بتائیں یہ لڑکیاں بچھو کا کروچ اور
چھپکلی جیسی مخلوق سے اتنا ڈرتی کیوں ہیں؟

ج: جو اپنے شوہر سے نہیں ڈرتی وہ سب ان سے
ڈرتی ہیں۔

مجمہ انجم..... کراچی

س: آپی اگر آپ کا ٹکراؤ کسی دن جمہ انجم سے
ہو جائے تو کیا کریں گی؟

ج: سچ کہتی ہوں ملاحول پر جموں گی۔

س: کیا آپ کو علم نہیں کہ پلوں کی ذراسی جنبش سے



بوسیدو اکسپریس نہ مرزا

قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

نامعلوم مقام سے خاتون لکھتی ہیں کہ میری عمر 45 سال ہے 10 سال سے ماہانہ اخراج بند ہے اس کے علاوہ میں جیہا فیلا 30 اور بریسٹ بیونی استعمال کر رہی ہوں کیا اس سے مجھے فائدہ ہوگا اور دوسرا مسئلہ میری کزن کا ہے۔ اس کی عمر 65 سال ہے ان کے کندھوں میں اور کمر، کولہے کی ہڈی میں شدید درد رہتا ہے اور کبھی کبھی درد تابڑبڑ جاتا ہے کہ وہ نہ اپنی کمر سیدھی کر سکتی ہیں اور نہ ہی پاؤں نیچے رکھ سکتی ہیں۔ برائے مہربانی ان کے لیے کوئی اچھی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ کزن کو RUSTOX-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں۔ آپ کی عمر سن یا اس کو پہنچ چکی ہے اس عمر میں قدرتی طور پر ماہانہ اخراج بند ہو جاتا ہے۔ لہذا اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے جیہا فیلا اور بریسٹ بیونی کا استعمال جاری رکھیں ان شاء اللہ بہتری ہوگی آئندہ خط لکھتے وقت نام اور مقام ضرور لکھا کریں۔

فشیخ الدین شورکوٹ سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں جسمانی طور پر کمزور ہوں اور 16 سے زیادہ کال نہیں لگتا میرے گال پیچکے ہوئے ہیں اور میری ہڈیاں ٹنگی ہوئی ہیں۔ میں صحت مند نہیں ہوں اور میرا وزن بھی کم ہے میرے دوست میرے بارے میں برا گمان رکھتے ہیں جبکہ میں کبھی کبھی کسی بھی قسم کی غلط سرگرمی میں مبتلا نہیں رہا اور میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر کالے تل ہیں اسکا علاج بتا دیں۔

محترمہ آپ FIVE PHOS-6X کی 4.4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور (Q) TULIA کو روزانہ تلوں پر لگائیں ان شاء اللہ آپ کے دونوں مسائل حل ہو جائیں گے۔

A.R.M لاہور سے لکھتے ہیں کہ میرا خط شائع

سدرہ بھرخل سے لکھتی ہیں کہ پہلے میں نے خط کے ساتھ پیسے بھیجے تھے لیکن میرے پیسے ایسے ہی ضائع ہوئے مجھے دوا ملی ہی نہیں پتا نہیں آپ کے پاس میرا خط پہنچے گا یا نہیں پمیز میری دوا جلدی آج دیں۔

محترمہ آپ نے خط کے ساتھ جو پیسے بھیجے ہیں وہ آپ کی سخت غلطی ہے۔ ہم بار بار یہ لکھتے رہے ہیں کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں۔ منی آرڈر کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ڈاکخانے سے منی آرڈر فارم حاصل کریں اس فارم کو مکمل بھریں اور فارم کے ساتھ رقم ڈاکخانے میں جمع کرائیں یہ رقم لازمی ہمیں مل جائے گی۔ نقائصے میں رکھی ہوئی رقم کوئی بھی نکال لیتا ہے یا لفافہ ہی ہم تک نہیں پہنچتا 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام سے براہ رسائی کریں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

فرزانہ عارف والا سے لکھتی ہیں کہ میری بیٹی کا مسئلہ یہ ہے کہ سر میں سفید چھالے نما دانے ہیں بہت علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا، پہلے دانے ختم ہو جاتے ہیں اسی جگہ پر نئے دانے نکل آتے ہیں۔ میری بیٹی کی عمر 3 سال ہے۔ اس کا قد عام بچوں سے چھوٹا ہے اس کے لیے بھی مہربانی کر کے کوئی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ بیٹی کو MEZERIUM-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر 3 وقت روزانہ پلائیں۔ قد کے سلسلے میں ابھی فکر نہ کریں 14، 15 سال کی عمر میں ضرورت پزیرے پروڈا استعمال کی جاسکتی ہے جو تقریباً ہر ماہ شائع ہوتی ہے۔

ایس آر ایس لکھتے ہیں کہ از دوائی تعلق قائم کرنے میں ناکام رہتا ہوں میرا بھی کوئی علاج بتائیں۔

محترمہ آپ SELENIUM-30 کے 5

سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر اپریل 2015ء 37 سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر سنکڑہ نمبر



میڈیکل ٹیسٹ رپورٹ ارسال کریں تبھی کچھ بتایا جاسکتا ہے۔

اقرا شاہ کوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے منہ پر باریک دانے نکلتے ہیں آپ نے جو دوائی لکھی تھی اس کے استعمال سے ختم ہو کر پھر نکل آتے ہیں ایک ماہ سے اوپر ہو گیا ہے دوائی استعمال کرتے ہوئے کتنے دنوں تک اور استعمال کروں کہ دانے مکمل ختم ہو جائیں میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ منہ کے مسامات کھول گئے ہیں اس کے لیے کوئی اچھی دوائی بتادیں کہ جلد کے مسامات بند ہو جائیں اور منہ پر واٹھ ہیڈ زنگی بہت ہیں۔

محترمہ آپ NATRUM SULPH-6X کی 4، 4 گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور GRAPHITES-200 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار بیا کریں۔

تعمیم اختر لیہ سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح موٹے بال ہیں جو بہت بد نما لگتے ہیں انہیں نکالنا پڑتا ہے ہر بیٹے اور میرے منہ پر جھانپاں ہیں جن کو دور کرنے کے لیے بیوٹی کریمز استعمال کرتی ہوں برائے مہربانی میرے مسئلوں کا بھی کوئی حل بتائیں۔

محترمہ آپ BERBARIS AQIF (Q) کے 10 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بیا کریں۔ اس کے علاوہ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا دو تین بول کے استعمال سے چہرے کے فالٹو ہال ان شاء اللہ مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے براہ راست خطوط کے جواب دینا ناممکن ہے۔ جوابی لفاظی بھیج کر ضائع نہ کریں۔

حریم فاطمہ لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوائیں تجویز فرمائیں۔

محترمہ آپ JODUM -1000 کے 5

کے بغیر جواب دیں۔
محترم آپ دونوں

STAPHISGARIA-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بیا کریں اور بری عادت سے پرہیز کریں۔
شمینہ ذوالفقار اوکاڑہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ بالوں کا ہے میرے بال بہت کمزور بد صورت اور کم ہیں میں چاہتی ہوں کہ میرے بال خوب صورت لگنے اور لمبے ہو جائیں۔

محترمہ آپ HAIR GROWER کے لیے 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ ہینئر گرد در آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ تین چار بول کے استعمال سے آپ کے بال لمبے لگنے مضبوط اور خوب صورت ہو جائیں گے۔

سنز عبدالعلیم جاتری کینڈہ سے لکھتی ہیں کہ میری بھانجیاں ہیں ان چہرے پر براؤن تل ہیں آنکھوں اور ناک کے قریب زیادہ ہیں یہ ان کی لکھی میں سب کے چہروں پر ہیں یعنی یہ خاندانی ہیں کیا یہ ختم ہو سکتے ہیں؟ اور میری بڑی بھانجی جس کی عمر 20 سال ہے اس کی ماہواری ٹھیک نہیں آتی کبھی ایک ماہ اور کبھی دو ماہ بعد ان کی دوا تجویز کر دیں بڑی مہربانی ہوگی اور ڈاکٹر صاحب مجھے لیکوریاں ہے اس کی بھی دوا بتادیں اور ہماری شادی کو 10 سال ہو گئے ہیں ہمارے ہاں اولاد نہیں ہے کیا مردانہ بانجھ پن کا علاج ہے ہومیو پیتھی میں ہم نے ہر قسم کا علاج کرایا ہے صرف ہومیو پیتھی کا علاج نہیں کرایا میں بہت امید سے آپ کو خط لکھ رہی ہوں پلیز ہمارے مسائل کا حل بتادیں۔

محترمہ آپ بڑی بھانجی کو SENECIO-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں اور آپ خود BORAX-30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ بیا کریں۔ خاندانی تلوں کا کوئی علاج نہیں ہے شوہر کی

318 | سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر | اپریل ۲۰۱۵ء | آنچل | اپریل | سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر سکر۔ نمبر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

رنگ لینے سے ڈرتے ہیں۔

آگے کے خانوں میں بزرنگ کا مطلب ہے آپ کی انا کو نہیں پہنچی ہے اور محنت کا صلہ نہ ملنے کا آپ کو افسوس ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ بہت زیادہ تنقید کرتے ہیں۔ کروے لہجے اور طنز یا انداز میں بات کرتے ہیں اور ہٹ دھرم ہو گئے ہیں۔

کلمنی

سرخ اور نیلے کا ملاپ کاسنی رنگ پر سکون انداز زندگی اور سہلے گلے کی عادت کے نتیجے میں جگت کا اظہار ہے حکم چلانے اور حکم ماننے کی جگت۔

ابتدائی نمبروں میں کاسنی رنگ ظاہر کرتا ہے کہ آپ پر ہمدرد زندگی کے مالک ہیں۔ آپ کے تعلقات بھی پر اسرار ہوتے ہیں خواہوں کی دنیا میں رہنے کے عادی اکثر بڑے لوگ کاسنی رنگ پسند کرتے ہیں جو دنیا کو برے ہو کر بھی ریوں کا ویس سمجھتے ہیں اور ابھی تک اپنے خواب سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ ہم جنس پرست افراد اکثر اپنی جذباتی نا آسودگی کا اظہار کاسنی رنگ پسند کرتے ہیں۔

کاسنی رنگ آخری نمبروں میں ہو تو اس کا مطلب ہے کہ پسند کرنے والا بہت سمجھدار شخص ہے اور اپنے خوابوں کی دنیا سے باہر نکل آیا ہے اور اب دنیا کے مسائل سے نمٹ سکتا ہے۔

ہولوفن

جسمانی صحت مندی کا اظہار کرتا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ اپنی صحت کے بارے میں کتنا جانتے ہیں۔ جو شخص اور پانچویں خانے میں براؤن کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی صحت اور جسم کے بارے میں زیادہ بے پروا ہیں۔ جو لوگ شروع کے خانوں میں اسے جگدیں وہ اپنی صحت کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔

اگر براؤن آپ کا پسندیدہ ترین رنگ ہے تو پھر آپ بہت زیادہ بے چین طبیعت کے مالک اور تنہا ہیں۔ براؤن رنگ آٹھویں نمبر پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اپنی صحت سے دلچسپی نہیں رہی نہ ہی آپ کو اپنے گھر اور کنبلی سے کوئی دلچسپی ہے۔

سورمنی

سرمنی درمیانہ رنگ ہے پانی کا رنگ ہے جو دو مختلف خیالات کے نتیجے کی چیز کو ظاہر کرتا ہے۔ پہلے نمبر میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ذمہ داری سے گھبراتے ہیں اور

اپنے آپ کو دنیا سے دور رکھنا چاہتے ہیں تاکہ آپ کے جذبات مجروح نہ ہو سکیں آپ کو کوئی بھی کام گروپ میں کرنے سے نفرت ہے اور اکثر آپ کسی چیز کو کرنے کے بجائے دیکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

آٹھویں نمبر پر سرمنی رنگ کا مطلب ہے کہ آپ بلا گلہ پسند کرتے ہیں ہر ایک سے مل کر رہنا چاہتے ہیں ایسے لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

فیلا

فیلا رنگ سکون اور نیکی کو ظاہر کرتا ہے اس کو پسند کرنے والے حساس ہوتے ہیں اور جلد ہی دنگی ہو جاتے ہیں۔ آپ کبھی بھی نہیں گھبراتے اور جس طرح سے آپ کی زندگی گزر رہی ہے آپ اس سے مطمئن ہیں۔ آپ مشکلات سے عاری اور صاف ستھری زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اس کی کوئی بھی قیمت چکانے کو تیار ہیں۔ آپ وایک مستقل سماجی چاہیے جو جھگڑا نہ کرے۔

آخری نمبروں پر فیلا رنگ آپ میں اطمینان کی ظاہر کرتا ہے۔ آپ تعلقات قائم کرنے سے ڈرتے ہیں۔ آپ تمام ذمہ داریوں سے پریشان ہیں مگر ان کے باوجود آپ یہ سب برداشت کرتے ہیں نہ چاہ چھوڑیں گے نہ کنبلی سے الگ ہوں گے مگر اپنے آپ کو تکلیف دیتے رہیں گے۔

سیاہ

سیاہ رنگ سب رنگوں کا ملاپ ہے اس کا مطلب ہے "نہیں"

پہلے نمبر پر سیاہ بہت کم ہوتا ہے مگر جب بھی ہوا ایسے انسان کو ظاہر کرتا ہے جو قدرت کے نظام اور فیصلوں سے انکار کرتا ہے۔ دوسرے نمبر پر سیاہ رنگ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ عام طور پر ساتویں یا آٹھویں نمبر پر سیاہ رنگ بتاتا ہے کہ آپ کو اپنی قسمت پر یقین ہے اور آپ نے اپنی تقدیر خود اپنے عمل سے بنائی ہے آپ میں انصاف کی قوت ہے۔

اگر پہلے نمبر پر سیاہ اور دوسرے پر پیلا ہو تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ تبدیلی لاکر رہیں گے جس چیز میں بھی چاہیں۔

لیہار رضوان..... کراچی

